ستخ
245

تاریخِ پاکستان

محمد علی پٹ

58923

ضابطہ

۱۹۸۷ء

تعداد ـــــ ایک ہزار

پبلشر ـــــ نیاز احمد

سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور

پرنٹر ـــــ آر۔آر پرنٹرز، لاہور

قیمت ـــــ ۱۲۰/۔ روپے

Marfat.com

انتساب

اس شخص کے نام
جس نے
برعظیم پاک و ہند میں
سب سے پہلے
اسلام قبول کیا

Marfat.com

Marfat.com

"۱۴ اگست کو پاکستان کی آزاد اور خود مختار مملکت وجود میں آ چکی اور مسلمان قوم کی وہ آرزو پوری ہو گئی جس کیلئے اس نے کئی سال تک مسلسل جدوجہد کی تھی اور جس کے لئے بے انتہا قربانیاں دی تھیں۔

اس نئی مملکت کے معرضِ وجود میں آنے سے درحقیقت ہماری ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی ہیں۔ ہمارا مقصد امن ہے، دونوں طرح کا امن یعنی ملک کے اندر ہر حصہ میں بھی اور ملک کے باہر دوسرے علاقوں میں بھی ـــــ ہم دنیا میں سلامتی اور خوش حالی کے خواہاں ہیں"

قائداعظم محمد علی جناح

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء

Marfat.com

Marfat.com

فہرست

باب : ۱

پاکستان کی قدیم تاریخ	۲۵
قبل از تاریخ	۲۵
ابتدائی حجری عہد	۲۷
آخری حجری عہد	۳۲
وادیٔ سندھ	۳۵
وادیٔ سندھ کی تہذیب	۳۸
لوگوں کی سیاسی آگہی	۴۱
فنون و ثقافت	۴۴
زوالِ تہذیب سندھ	۴۶
آریا	۵۲
آریاورت یا آریا سماج	۵۷
آریاؤں کے مُقدس وید	۶۰

Marfat.com

ہندوؤں کی ذات پات کی تقسیم ۶۳
رزمیہ عہد ۶۵
جاتی درت کا ردعمل ۶۷
گندھارا تہذیب ۷۰
بدھ مت ۷۲
جین مت ۷۶
سکندرِ اعظم ۷۸
موریہ حکمران ۸۳
گپت حکمران ۸۸

باب ۲

ظہورِ اسلام کے وقت برعظیم پاک و ہند ۹۳
طلوعِ اسلام ۹۷
فروغ اسلام ۹۸
محمد بن قاسم ۱۰۱
سندھ میں اسلامی حکومت ۱۰۵
محمد بن قاسم کے بعد سندھ کی تاریخ ۱۰۹

باب : ۳

برعظیم میں مسلمانوں کی حکومت ۱۱۱
ابتدائی حکومتیں ۱۱۱

Marfat.com

محمود غزنوی ۱۱۷

غوری حکمران ۱۱۸

سلاطینِ دہلی ۱۱۹

شمس الدین التتمش ۱۲۰

خلجی حکمران ۱۲۱

تغلق خاندان ۱۲۲

مغلیہ حکمران ۱۲۴

مُسلم حکومتوں کے خدوخال ۱۲۵

مُسلمانوں کا زوال ۱۶۵

انگریزوں کی آمد ۱۶۹

باب : ۴

مسلمانوں کی جدوجہد آزادی ۱۷۷

انگریزوں کی مذہبی مداخلت ۱۷۸

مجاہدین آزادی ۱۷۹

مُسلمانوں سے انتقام ۱۸۵

باب : ۵

نشاۃ ثانیہ اور تحریکِ پاکستان ۱۸۷

سرسید احمد خاں کی تحریک ۱۹۰

علی گڑھ کی تحریک ۱۹۶

Marfat.com

سرسید کی دینی خدمات ۲۰۱
انڈین نیشنل کانگرس ۲۰۴
سرسید احمد خاں اور کانگرس ۲۰۶
ڈیفنس ایسوسی ایشن ۲۱۴
محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس ۲۱۶

باب : ۶

آل انڈیا مسلم لیگ ۲۲۳
پس منظر ۲۲۳
تقسیم بنگال ۲۲۵
شملہ وفد ۱۹۰۶ء ۲۳۲
آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام ۲۳۹
منٹو مارلے اصلاحات ۲۴۸

باب : ۷

تنسیخ تقسیم بنگال ۲۵۳
تنسیخ تقسیم بنگال کی تجویز ۲۵۵
تنسیخ بنگال پر مسلمانوں کا ردِ عمل ۲۵۷
علی گڑھ یونیورسٹی ۲۶۲
دیگر حالات ۲۶۲
کانپور مسجد کا سانحہ ۲۶۶

Marfat.com

پہلی جنگِ عظیم ۲۷۲
اصلاحات کمیٹیاں ۲۷۷
میثاقِ لکھنو ۲۷۸
مانٹیگو چیمسفورڈ رپورٹ ۲۷۸
ہوم رول لیگ ۲۸۳
جناح پیامبرِ اتحاد ۲۸۶
رولٹ رپورٹ ۲۹۱
ستیہ گرہ تحریک ۲۹۱

باب : ۸

مونٹ فورڈ اصلاحات ۲۹۴
جلیانوالہ باغ کا حادثہ ۲۹۵
مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات ۳۰۲
گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۱۹ء ۳۰۳
تحریکِ خلافت ۳۰۵

باب : ۹

ہندو مسلم فسادات ۳۱۱
شُدھی سنگھٹن ۳۱۳
فسادات
ہندو مسلم اتحاد کی کوششیں ۳۱۷

Marfat.com

تجاویزِ دہلی	۳۱۸
سائمن کمیشن	۳۲۳
سائمن وفد کی آمد	۳۲۵
نہرو رپورٹ	۳۲۹
قائداعظم کی ترامیم	۳۳۴
مسلمانوں کا ردعمل	۳۳۴

باب : ۱۰

جناح کے چودہ نکات	۳۳۷
گاندھی کی سول نافرمانی	۳۴۲
گول میز کانفرنس	۳۴۶
مسلم کانفرنس	۳۴۷
علامہ اقبال کا خطبۂ الہ آباد	۳۴۸
گاندھی اروِن معاہدہ	۳۵۳
دوسری گول میز کانفرنس	۳۵۴
تیسری مسلم کانفرنس	۳۵۵
کمیونل ایوارڈ	۳۵۵
تیسری گول میز کانفرنس	۳۵۷
پاکستان کا نام	۳۵۸

باب : ۱۱

بنیاد دستور ۱۹۳۵ء	۳۶۱

Marfat.com

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ	۳۶۲
ایکٹ کا صوبائی حصّہ	۳۶۵
ایکٹ کا وفاقی حصّہ	۳۶۶
قانونِ ہند پر ردِ عمل	۳۶۷
مسجد شہید گنج کا سانحہ	۳۷۰
انتخابی منشور	۳۷۱
انتخابات ۱۹۳۷ء	۳۷۳
کانگرس وزارتیں	۳۷۵
مسلمانوں کی سرگرمیاں	۳۷۸
مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن	۳۷۹
قائداعظم محمد علی جناح	۳۸۲
مسلمانوں کا یومِ نجات	۳۸۸

باب : ۱۲

قراردادِ پاکستان	۳۹۰
کونسل آف مسلم لیگ	۳۹۰
منزلِ مقصود	۳۹۲
آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس	۳۹۳
لاہور میں سیاسی سرگرمیاں	۳۹۴
قراردادِ لاہور	۳۹۵
قراردادِ پاکستان کی مخالفتیں	۴۰۲

Marfat.com

آزمائشی تجاویز ۴۰۵

ہندوؤں کی گرفتاریاں ۴۰۹

پاکستان سکیم ۴۱۰

باب : ۱۳

ظہور پاکستان ۴۱۳

کانپور کانفرنس ۴۱۳

سیاسی بحران ۴۱۵

نوٹ آف وارننگ ۴۱۶

پاکستان کانفرنس ۴۱۹

بنگال لیگ کانفرنس ۴۱۹

یومِ پاکستان ۴۲۱

کرپس مشن ۴۲۲

مسلم لیگ کا فیصلہ ۴۲۵

ہندوستان چھوڑ جاؤ تحریک ۴۳۰

مسلمانوں کا ردِ عمل ۴۳۲

مسلمانوں کا حقِ ارادیت ۴۳۴

مسلمانوں کی آزادی ۴۳۹

راج گوپال اچاریہ فارمولا ۴۴۵

ڈیسائی لیاقت معاہدہ ۴۴۷

سندھ اور سرحد ۴۴۸

Marfat.com

لارڈ ویول کی تجاویز ۴۴۹

وائسرائے کی ملاقاتیں ۴۵۲

شملہ کانفرنس ۴۵۳

مسلمانوں کا انتخابی منشور ۴۵۴

انتخابات ۱۹۴۵ء ۴۵۵

مسلمانوں کا یوم فتح ۴۵۷

باب : ۱۴

پاکستان زندہ باد ۴۵۹

صوبائی انتخابات ۴۵۹

کابینہ مشن ۴۶۲

لیجسلیٹرز کنونشن ۴۶۳

کابینہ مشن کی آئینی سفارشات ۴۶۵

عبوری حکومت ۴۶۷

فسادات ۴۷۰

تحریکِ سول نافرمانی ۴۷۴

حکومتِ برطانیہ کا اعلان ۴۷۵

تقسیمِ ملک کا منصوبہ ۴۷۷

وائسرائے کا اعلان ۴۸۱

پاکستان زندہ باد ۴۸۴

قانونِ آزادیٔ ہند ۴۸۹

Marfat.com

ریڈکلف ایوارڈ ۴۹۱
مسئلہ کشمیر ۴۹۱
انتقالِ اقتدار کی رسم ۴۹۳

باب : ۱۵

پاکستان کی ابتدائی مشکلات ۴۹۴
پاکستان کی پہلی کابینہ ۴۹۴
مہاجرین کا مسئلہ ۴۹۷
دیگر مسائل ۵۰۰
سٹیٹ بینک آف پاکستان ۵۰۲
پہلی مجلس آئین ساز کی کارکردگی ۵۰۵
قدرتی اور غیر قدرتی فاصلے ۵۰۶
پاکستان کا ۱۹۵۶ء کا آئین ۵۰۸

باب : ۱۶

انقلاب اور مارشل لاء ۵۱۴
نفاذ مارشل لاء کے اسباب ۵۱۵
انقلابی حکومت کے اقدامات ۵۲۳
بنیادی جمہوریتوں کا نظام ۵۲۷
نظام کا خاکہ ۵۲۸
انسدادی کارروائیاں ۵۳۰

Marfat.com

آئین کمیشن کا قیام	۵۳۲
۱۹۶۲ء کا آئین	۵۳۳
آئین کا ایک جائزہ	۵۳۷
انتخابات — ۱۹۶۴ء	۵۴۰
پاک بھارت جنگ ۱۹۶۵ء	۵۴۵
اعلانِ تاشقند	۵۵۳
سیاسی جماعتیں	۵۵۴
ایوب حکومت کے واقعات اور زوال	۵۵۵

باب : ۱۷

سقوطِ مشرقی پاکستان	۵۶۳
یحییٰ خاں کی حکومت	۵۶۳
عام انتخابات اور دیگر واقعات	۵۶۷
ہندوستانی جارحیت اور سوویت رویہ	۵۸۳

باب : ۱۸

پیپلز پارٹی کی حکومت	۵۸۸
عوامی حکومت کا قیام	۵۹۰
صنعتی ادارے قومی ملکیت میں	۵۹۱
عوامی حکومت کی اصلاحات اور دیگر اقدام	۵۹۲
۱۹۷۳ء کا آئین	۶۰۷

Marfat.com

اسلامی سربراہ کانفرنس ۶۲۰
عوامی حکومت کا ایک جائزہ ۶۲۴
۱۹۷۷ء کے انتخابات اور تحریک نظام مصطفےٰ ۶۲۹

باب : ۱۹

نفاذ اسلام ۶۳۶
بھٹو کے خلاف مقدمہ ۶۳۷
ایشیائی کانفرنس ۶۳۸
پندرھویں صدی ہجری ۶۳۹
پانچواں پانچ سالہ منصوبہ ۶۴۰
اہم اقدامات ۶۴۲
معاشی ترقی کے انتظامات ۶۴۴
زکوٰۃ و عشر ۶۴۶
نفاذِ تعزیراتِ اسلامی ۶۴۸
وفاقی شریعت کورٹ ۶۴۹
خارجہ پالیسی ۶۵۰
افغانستان کا مسئلہ ۶۵۳
مجلسِ شوریٰ کا قیام ۶۵۸
کونسلروں کا انتخاب ۶۵۹
نظامِ صلوٰۃ کا نفاذ ۶۵۹

Marfat.com

اسلامی قانونِ شہادت	۶۶۱
ریفرنڈم ۱۹۸۴ء	۶۶۱
آئین ۱۹۷۳ء میں ترامیم	۶۶۴
انتخابات ۱۹۸۵ء	۶۶۵
انتقالِ اقتدار	۶۶۶
کتابیات	۶۶۸

Marfat.com

58923

Marfat.com

تعارف

پاکستان ایک ملک ہی کا نام نہیں ہے یہ ایک مربوط تحریک اور ایک مسلسل تاریخ ہے۔ یہ تاریخ صدیوں کی محرابوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ پُرشور اور تلاطم خیز صدیاں اس تحریک کو پروان چڑھاتی اور روشن تاریخ بناتی رہی ہیں۔ اس تحریک کو ہر عہد میں مسلمان مجاہدین اور غازیانِ حریت نے گراں قدر قربانیاں دے کر جاری و ساری رکھا ہے۔

یہ تحریک کیا تھی؟ اس کی کیوں ضرورت پیش آئی؟ اس کا جواب ایک جملے میں یوں دیا جا سکتا ہے کہ "حق اور باطل اکٹھے نہیں رہ سکتے۔" حق کو باطل سے الگ رکھنا ہی مقصود تھا۔ یہی ہماری تحریک تھی، ساری جدوجہد کا مدار بھی اسی پر تھا کہ مسلمان ایک الگ اور علیحدہ قوم ہیں، ہندوؤں سے مختلف۔ مسلمانوں کا فلسفہ حیات، رہن سہن، معاشرہ، رسم و رواج، علم و ادب، تہذیب و تمدن، افکار و نظریات، تاریخ کے منابع اور رزمیہ و راثتیں۔ سب دوسری قوموں بالخصوص ہندوؤں سے یکسر مختلف اور جداگانہ ہیں۔

مسلمان کسی بھی طور اور کسی بھی سطح پر اکثریتی قوم ہندو کا حصہ نہیں بن سکتے اور نہ ہندو کی سیاسی، سماجی اور اقتصادی بالادستی کو قبول کر سکتے ہیں۔

جدوجہد کی اس تاریخ کے دھارے میں کیا کچھ ہوا اور اسے تیز سے تیز تر

Marfat.com

کرنے کے لئے کن کن ہستیوں نے حصّہ لیا۔ حریت کے دشمن اور استعماری قوتوں کا کس کس طرح اور کہاں کہاں مقابلہ کیا گیا۔ بچے، بوڑھے، جوان اور عورتیں شمع آزادی پر کس کس پروانہ وار قربان ہوتی رہیں۔ مُسلمان کیسے اپنا تشخص برقرار اور قائم رکھتے رہے یہ سب کچھ ہماری اپنی تاریخ ہے۔ کچھ رنگین و سادہ اور کچھ خونچکاں بھی۔ ہماری اس تاریخ کی اپنی گواہی سرزمینِ برعظیم کے چپے چپے سے مل رہی ہے اور سب سے بڑھ کر ہمارا اپنا ملک اس تاریخ کا جیتا جاگتا اور تابندہ و پائندہ ثبوت ہے۔

ذیل کی کتاب میں اسی تاریخ کو ایک خاص ربط و ضبط کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ عہدِ عتیق سے لے کر دورِ جدید تک پاکستان کی تحریک کو عہد بہ عہد مسلسل جُہد کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور یہ ثابت کرنے پر توجہ دی گئی ہے کہ پاکستان عاجلہ عوامل کے نتیجے میں نہیں بلکہ ایک جہدِ مسلسل سے حاصل ہونے والا ثمر ہے۔

محمد علی چراغ

۱- اے، کرم آباد، وحدت روڈ۔ لاہور

۵ر جون ۱۹۸۶ء

Marfat.com

باب — ۱

پاکستان کی قدیم تاریخ

قبل از تاریخ

پاکستان اگرچہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو معرضِ وجود میں آیا لیکن اس کی تاریخ ہزاروں صدیوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ اگر ہم پاکستان کی جغرافیائی تاریخ دیکھیں تو دنیا کی قدیم ترین تاریخوں میں سے ایک ہے۔ خطۂ پاکستان کی تہذیب کی قدامت قبل از تاریخ کے ادوار میں بھی جا بجا روشن و منفرد ہے۔ زمانہ قبل از تاریخ کے ممالیہ جانوروں کی ایک خاص قسم بلوچستان کے علاقے میں پائی جاتی تھی۔ یہ جانور اس زمین پر رہنے والے تمام ممالیہ جانوروں میں سے سب سے اونچا اور بلند تھا۔ اس قسم کے جانور کے متحجر پاکستان کے علاقے سے ماہرین نے دریافت کئے ہیں۔ ان جانوروں کا عہد آج سے قریباً ڈھائی کروڑ سال پہلے کا شمار کیا جاتا ہے۔

پھر ماہرین آثار قدیمہ نے بتایا ہے کہ آج سے قریباً نوے لاکھ سال پیشتر پاکستان کے علاقے پوٹھوہار میں بوزنا قسم کے جانور رہتے تھے۔ ان بے دم دو پاؤں پر چلنے والے بوزنوں کا قد و قامت چھوٹا تھا لیکن ان کے دانت مضبوط تھے بعض ماہرین کا خیال ہے کہ وہ بوزنے دو پاؤں پر نہیں چلتے تھے اور وہ درختوں کے اُوپر بسیرا کرتے تھے یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ وُہ بوزنے نما جانور آج کے عہد کے گوریلوں اور چمپانزیوں کی طرح کبھی کبھار دو پیروں پر بھی چل لیتے تھے یہ جاندار دن کا وقت سبز میدانوں میں

Marfat.com

گزارتے اور راتوں کو جنگل میں چلے جاتے تھے۔

اسی عہد میں پوٹھوہار کے ارتفاعی علاقوں میں کوئی سور نما جانور، قدیم زرافے اور بڑے حجم والے ہرن بھی موجود تھے۔ اس علاقے میں بعض مقامات ایسے بھی تھے کہ جہاں پر سنسار اور مگرمچھ کے علاوہ کسی قسم کے دریائی گھوڑے بھی موجود تھے۔ اس کے بعد ایک وقت آیا کہ آج سے دس لاکھ سال پہلے تک اس قسم کے اکثر جانور اور ان کی اقسام نابود ہوگئیں اور ان کے بجائے نئے حالات اور موسموں کی مطابقت سے آدمی نما بوزنوں کی کئی قسمیں دکھائی دینے لگیں۔ یہ اقسام برسوں تک نشوونما پاتی رہیں۔

دس لاکھ سال سے دس ہزار سال قبل تک یکے بعد دیگرے برفانی عہد وقوع پذیر ہوئے ہر برفانی عہد اس علاقے میں موجود آدمی نما بوزنوں کو آزماتا رہا اور بوزنا آدمی موسمی مشکلات کا مقابلہ کرتا رہا۔ ان شدید موسمی تغیرات میں بوزنا آدمی کی جو نسلیں بچ جاتیں وہ خوشگوار اور اچھے موسموں میں بھی قائم دائم رہتیں۔ لیکن ہر برفانی عہد کے خاتمے پر کئی اقسام اور نسلیں ختم ہو جاتی رہیں۔

ماہرین کی تحقیقات اور قبل از تاریخ حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہماری آدم زاد نسل بھی اس زمین پر آج سے پانچ لاکھ سال سے ایک لاکھ سال کے دوران میں ظاہر ہوئی ہے۔

برفانی ادوار میں جب قدرے ایک گرم اور تازہ عہد (آج سے پانچ لاکھ سال سے تین لاکھ سال قبل) نمودار ہوا تھا۔ اس عہد کے قدیم ترین انسان کی موجودگی کے آثار دریائے سوان (موجودہ راولپنڈی ڈویژن) کے گرد و نواح میں پائے جاتے ہیں۔ وہ قدیم آدمی جو وادیٔ سوان میں رہتا تھا وہ بعض پودوں کی جڑیں اور پودوں کے دوسرے حصے بطور خوراک استعمال کرتا تھا۔ خوراک کے بارے میں یہ قیاس آرائی اس طرح ممکن ہوئی ہے کہ اس عہد کے آدمی کے جو قدیم متحجر دانت اور جبڑے ملے ہیں ان کی ساخت

Marfat.com

سے یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ وہ آدمی گوشت خور نہیں تھے۔ اس کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اس عہد میں گوشت والے جانوروں کا قرب اور بہتات نہیں تھی۔ ممکن ہے وہ آدمی چھوٹے چھوٹے جانوروں، پرندوں اور مچھلیوں کا شکار ضرور کرتے ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اس عہد کے اس علاقے کے لوگوں کے ہتھیار پتھر کے ٹکڑوں کے بنے ہوئے ہوتے تھے۔ ان ہتھیاروں سے وہ بخوبی جانوروں کا شکار کر لیتے۔ ان کی کھال یا پَر اتار لیتے اور ان کے گوشت کے ٹکڑے بھی کر لیتے تھے۔ ان پتھر کے ہتھیاروں ہی سے وہ جانوروں کی کھال بھی اتار لیتے تھے۔

اس عہد کے آدمیوں کی شکل و شباہت کیسی تھی، یا ان کا قد و قامت کیا تھا۔ اس سلسلے میں ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ان کے نہ تو ہمیں متحجرات ملے اور نہ دیگر ثبوت، ان کے ہم ابھی صرف ہتھیار تلاش کر سکے ہیں۔ البتہ قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ ابتدائی آدمی شکار کرنے کے لئے ایک دوسرے سے تعاون کرتے تھے اور شکار پر بیک وقت حملہ کرتے تھے اسی طرح وہ جانوروں کو اپنے یہاں جمع بھی کر لیا کرتے تھے۔ اس عہد کے جانوروں میں سور اور سور نما جانور، گھوڑے جتنی بڑی بھیڑیں لمبے بالوں اور تیز دانتوں والے ہاتھی زیادہ مشہور تھے۔

ابتدائی حجری عہد

ابتدائی حجری عہد کے آدمی کے آلات اور ہتھیار دریائے بیاس کی وادی سے بھی ملے ہیں۔ اس وادی کا بیشتر حصہ ہندوستان میں ہے۔ لیکن شمال مغربی علاقوں کے آدمی اس دور میں وادیٔ بیاس کے لوگوں سے اپنے ہتھیاروں اور آلات کے اعتبار سے منفرد تھے یہ لوگ اپنے آلات اور ہتھیار بڑے بڑے پتھروں کو توڑ کر اور کاٹ کر بناتے تھے، ایسے ہتھیار عموماً بڑے پتھر کو توڑ کر اس کے درمیانی حصے میں سے بنائے جاتے

Marfat.com

تھے اور پھر اس پتھر نما ہتھیار کو تیزی اور دھار دینے کے لئے اسے رفتہ رفتہ لکڑی سے بھی توڑا پھوڑا جاتا تھا اور اسی طرح اسے پکڑنے کے لئے بھی جگہ بنائی جاتی تھی۔ اس عہد کے کسی بھی آدمی کے غار میں رہنے کے آثار نہیں ملے۔ البتہ گمان کیا جاتا ہے کہ وہ لوگ گھاس پھونس اور لکڑی کے جھونپڑے اور ٹھکانے بنا کر رہتے تھے۔

انسان نے جب پہلے پہل جنگلوں میں خود بخود آگ بھڑک اٹھنے اور آتش فشانیوں میں آگ دیکھی ہوگی تو اس کے دل میں خود بھی آگ پیدا کرنے کا شوق اور امنگ پیدا ہوئی ہوگی۔ یقیناً اس طرح کی آگ کو محفوظ کرنے اور اسے استعمال میں لانے کے لئے ہزاروں برس لگ گئے ہوں گے۔ انسانی تاریخ کے شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان قریباً آج سے ساڑھے سات لاکھ سال پیشتر سے آگ کو اپنے استعمال میں لا رہا ہے۔ چینی انسان آج سے پانچ لاکھ سال پہلے آگ کو اپنے استعمال میں لائے ہوتے ہے ہمیں واضح طور پر معلوم نہیں ہو سکا کہ ہمارے خطے کے آدمی نے کب سے آگ کا استعمال سیکھ لیا تھا۔ لیکن یہ امر واضح ہے کہ آدمی نے جب سے آگ کو استعمال کرنا سیکھ لیا تھا۔ اس وقت سے اس نے اپنے شکار کا زیادہ مستعدی سے پیچھا کرنا بھی سیکھ لیا تھا اور پھر اس نے سردی کے موسم میں اپنے آپ کو گرم رکھنے اور غاروں کے اندر بھی آگ کو لے جانا شروع کر دیا تھا۔ ایک وقت میں وہ اپنے غار سے باہر ہمہ وقت آگ کا الاؤ روشن رکھ کر وحشی اور خونخوار جانوروں کو اپنے گھر اور بچوں سے دور رکھ لیا کرتا تھا۔ اسی اثناء میں آدمی نے اپنی خوراک کو بھی کسی نہ کسی طرح آگ سے بھون یا پکا کر کھانے کا طریقہ اختیار کر لیا تھا۔ اسی طرح اب وہ سخت گوشت والے بڑے بڑے جانوروں کا شکار کرنے لگا تھا۔ وہ انسان آگ ہی کی بدولت بعض چٹانوں کو توڑ پھوڑ کر پتھروں سے ہتھیار بھی بنانے لگا تھا۔ ان پتھروں کے باعث وہ بڑے بڑے جانوروں کا شکار زیادہ آسانی سے کرنے لگا تھا۔ اس کے بعد تو آدمی نے جانوروں کے ریوڑوں کا بھی

Marfat.com

پیچھا کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس طرح ریوڑوں کو شکار کرنے کے لئے ایک ہی خاندان کے لوگوں نے اکٹھے رہنا بھی سیکھ لیا تھا اور پھر رفتہ رفتہ کئی ایک مختلف خاندان قریب قریب اور اکٹھے رہنے لگے تھے، اس طرح ابتدائی بستیوں اور شہروں کی بنیاد پڑی، یہیں سے ایک سوسائٹی بھی پیدا ہوئی۔

آدمی نے جب ریوڑوں کا پیچھا کر کے شکار کرنا شروع کر دیا تھا تو اس کے بعد رفتہ رفتہ اس نے ان جانوروں کو اپنے قریب قریب بھی رکھنا شروع کر دیا بلکہ ایک طرح سے جانوروں کو پالنے کا انداز سیکھ لیا اور پھر چارے پر پلنے والے جانوروں کو بھی اپنے قبضے میں لینا شروع کر دیا۔ ایسے جانوروں کو آدمی اپنی مرضی سے حسب ضرورت کاٹ کر کھا لیتا تھا۔ جب سے آدمی نے ایسے چارہ خور جانوروں کو اپنی رفاقت میں لیا اس وقت سے اس کی زرعی اور سماجی زندگی میں کئی بڑی تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔ ایک وقت آیا کہ ایسے چارہ خور مویشی اس عہد کے آدمی کے لئے ایک طرح کی دولت کی حیثیت اختیار کر گئے۔ لہٰذا جس آدمی یا خاندان کے پاس زیادہ مویشی ہوتے وہی زیادہ مالدار تصور کیا جاتا۔ پھر مویشیوں اور ان پالتو جانوروں کو چارہ فراہم کرنے کے لئے انہیں جنگلوں اور چراگاہوں میں چرانے کی بھی مستقل ضرورت کے لئے مقیم خاندانوں نے خانہ بدوشی کی زندگی اختیار کرنی شروع کر دی اس طرح آدمی نے خانہ بدوشی اپنائے رکھی۔

ابتدائی آدمی کی اس زندگی میں ایک گھر کے تمام افراد کام کرتے تھے۔ بچے اور عورتیں جانوروں کے لئے گھاس پھونس اکٹھا کر کے لاتیں اور اسی طرح وہ مویشیوں کو گرمی سردی سے بچانے اور انہیں پناہ دینے میں مدد بھی کرتیں۔

اس گھاس پھونس کو جب مویشیوں کے سامنے ڈالا جاتا تو اس کے بیج وغیرہ زمین پر گر جاتے اور پھر برساتوں کے بعد وہی بیج اگ آتے تو اس طرح

Marfat.com

آدمی کو یہ علم ہوا کہ کسی چیز کو اس کے بیج سے دوبارہ اگایا بھی جا سکتا ہے اس طرح چند ہی صدیوں کے بعد آدمی نے چارہ بونا اور اسے اگانا بھی سیکھ لیا۔ پھر عہد جدید میں تو آدمی نے اپنی پسند کی فصلیں اور چارہ اور اجناس بونے اور اگانے سے آگاہی حاصل کر لی تھی۔ گویا اس طرح زرعی معاشرے کا آغاز ہوا۔ ماہرین کا خیال ہے کہ زراعت کے آغاز میں مردوں کے مقابلے میں عورتوں نے زیادہ حصہ لیا ہے۔ وہ اس طرح کہ مرد تو جانوروں کے شکار پر چلے جاتے اور عورتیں اور بچے مویشیوں کو چارہ کھلاتے۔ اس طرح انہیں نے ہی پہلے لاشعوری طور پر کوئی چیز اگانے کی کوشش کی۔

زراعت سے انسانی آگاہی تاریخ انسانی کا ایک انقلابی اقدام ہے اس کی بدولت آدمی نے ایک بار پھر خانہ بدوشی چھوڑ کر مستقل سکونت اختیار کرنے پر توجہ دینی شروع کر دی تھی بلکہ اب تو وہ اپنے مویشیوں کے ریوڑوں کے ہمراہ اپنی زرعی زمینوں اور میدانوں کے قریب ہی رہائش اختیار کرنے لگا تھا۔ مویشی بانی اور زراعت کے نتیجے میں آدمی نے غلہ اور اجناس محفوظ کر کے رکھنا بھی شروع کر دیا تھا۔ اور آڑے وقتوں کے لئے بھی جمع جوڑ کرنا سیکھ لیا تھا۔ اس طرح آدمی نے اپنے تئیں اپنے مستقبل کو بھی محفوظ کرنا سیکھ لیا تھا اور رہائش کے لئے مستقل ٹھکانوں کو پسند کرنا شروع کر دیا تھا۔ اسی عہد میں آدمی نے اپنے مردوں کے باقیات اور ان کی لاشوں کو کسی نہ کسی طرح زمین میں چھپانے کا قرینہ اپنا لیا تھا۔ قیاس ہے کہ انسانی مردوں کو دبانے کی رسم کا آغاز اسی ابتدائی زرعی عہد سے ہوا تھا۔

ایسے زرعی معاشرے کا آغاز ماہرین کے مطابق اس کرۂ زمین کے اس زرخیز خطے میں ہوا کہ جو اس عہد میں مغربی ایشیا اور شمالی افریقہ کے مشرقی حصوں پر مشتمل تھا۔

Marfat.com

وسطی حجری عہد

آدمی نے چاہے آگ کا استعمال سیکھ لیا تھا یا نہیں لیکن یہ حقیقت مسلّمہ ہے کہ اس عہد میں بھی وادیٔ سواں کے آدمی نے بہتر ہتھیار بنانے کا ڈھنگ سیکھ لیا تھا برعظیم پاک و ہند کے بعض دوسرے حصّوں میں لوگ یہی ہتھیار بنا لیتے تھے۔ وسطی حجری عہد میں یہاں کے آدمی نے پتھر کے پتری نما ہتھیار بنانے سیکھ لئے تھے۔ اس عہد کا آدمی ان ہتھیاروں کو چاقو اور چھری کے طور پر استعمال کرتا تھا۔ نوبل جھیل کے قریب سے اس طرح کے جو پتھر کے ہتھیار (چاقو اور بھالے) ملے ہیں اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ڈیڑھ سے تین لاکھ سال تک پرانے ہیں۔ اسی طرح وادیٔ سواں کی آخری تہذیب کے لوگ تو مچھلیوں اور دوسرے چھوٹے جانوروں کو پکڑنے کے لئے کسی طرح کے پتھر کے کانٹے بھی استعمال کرتے تھے۔

برفانی ادوار کے اواخر تک بوزنا نما آدمی کی تمام اقسام قریباً قریباً ختم ہو چکی تھیں صرف آدم زاد قسم باقی بچی تھی۔ اس آدم زاد قسم کے انسانوں نے آلات اور ہتھیار بنانے سیکھے تھے اس نے سردی سے بچنے کے لئے آگ اور جانوروں کی کھالوں کو استعمال کرنا شروع کر دیا تھا وہ جانوروں کو ہانک کر ایک جگہ سے دوسری جگہ تک لے جانے سے بھی آشنا تھا۔ اس نے لمبے بالوں والے ہاتھیوں کا شکار بھی سیکھ لیا تھا۔ سور اور گینڈے بھی وہ شکار کر لیتا تھا اور پھر اس نے غاروں کے اندر تصویریں بنانا اور مناظر کشی بھی سیکھ لی تھی۔ افریقہ، یورپ ہندوستان میں ایسے کئی غاروں کے نشان موجود ہیں۔

پاکستان میں بھی ایسے ایک غار کے نشان ملے ہیں۔ ماہرین کے مطابق یہ غار دان کے قریب وادیٔ سنگاؤ میں ہے اس وادی سے جو پتھر کے آلات اور ہتھیار دستیاب ہوئے ہیں وہ قریباً ستر ہزار سال پرانے ہیں آگ کا استعمال وہاں سے حاصل ہونے

Marfat.com

والی راکھ سے ملتا ہے۔ وہاں سے جلی ہوئی ہڈیاں بھی دستیاب ہوئی ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاید وہ لوگ اپنے مردوں کو جلاتے تھے یا جانوروں کی ہڈیوں کو روشنی اور گرمی کیلئے جلا دیا کرتے تھے۔ یہاں کے لوگ اصل میں غار باسی نہیں تھے لیکن جب آج سے پندرہ بیس ہزار سال پہلے یہ غار پیدا ہوئی تو ان لوگوں نے اس غار کو اپنی رہائش کے لئے اپنا لیا۔ اس وقت یہ لوگ بڑے بڑے جانوروں کا شکار کرتے تھے اور اپنی خوراک کو ذخیرہ بھی کر لیتے تھے۔

آخری حجری عہد

تاریخ کے آخری حجری عہد میں آدمی نے پتھر کے بہتر اور زیادہ موثر آلات اور ہتھیار بنانے سیکھ لئے تھے اس وقت تک وہ سخت سے سخت پتھر کو بھی بروئے کار لانے لگا تھا۔ اب تو اس نے بھاری بھرکم پتھر کے ہتھیاروں کے بجائے لکڑی، ہڈی یا کسی اور چیز کے ایک سرے پر پتھر کا تیز بھالا لگا کر اسے بطور ہتھیار استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس عمل سے اس آدمی نے کئی طرح کے بھالے، چاقو، چھریاں۔ آرے وغیرہ بنانا سیکھ لیا تھا۔ ایسے ہتھیار وہ مختلف اوقات میں مختلف مقاصد کے لئے استعمال کرتا تھا۔ اسی دور میں مچھلی کے شکار کے لئے کئی طرح کے کیل کانٹے بھی بنانے کا ڈھنگ سیکھ لیا تھا اس عہد کے انسان کے اناج اکٹھا کرنے والے ترپھلے یا ترنگلے وغیرہ بھی دستیاب ہوتے ہیں یہ اناج اکٹھا کرنے والے ترپھلے ہندوستان کے کئی علاقوں سے مل چکے ہیں۔ اُمید ہے یہی یا اسی قسم کے ترپھلے پاکستان کے بعض علاقوں سے بھی مل سکیں گے۔

تاریخ انسانی میں زرعی عہد کے آثار واضح طور پر پاکستان کے علاقوں سے بھی دستیاب ہو چکے ہیں۔ پاکستان میں اس عہد کے آثار بلوچستان کے درہ بولان سے قریباً چھ میل کے فاصلے پر مہر گڑھ کے مقام سے ملے ہیں یہ تازہ آثار چھ ہزار سال قبل

Marfat.com

میسح یا اس سے بھی ذرا پہلے کے ہیں۔ یہاں پر لوگ گھر اور مکان بنا کر رہتے تھے، ہر خاندان کے لوگ مختلف کمروں میں رہتے تھے اور یہ کمرے کچی اینٹوں سے بنائے جاتے تھے وہ بلوچستان کے لوگ کئی طرح کے مویشی بھی پالتے تھے اور ان میں بھینسے بھی شامل تھے۔ مختلف فصلوں کے علاوہ وُہ لوگ تربوز کے استعمال سے بھی واقف تھے۔ اس عہد کے تربوز کے بیج بھی مہر گڑھ کے اس علاقے سے ملے ہیں۔ وہ لوگ جَو اور گندم بوتے تھے اور انہیں کاٹنے کے لئے درانتی بھی استعمال کرتے تھے وہی لوگ اعلیٰ قسم کے پتھر کے آلات اور چقماق پتھر کے ہتھیار بھی استعمال میں لاتے تھے۔ عورتوں کے لئے گلے کے ہار اور چوڑیاں اور گجرے بھی بنائے جاتے تھے ان کے استعمال میں پتھر کے چھوٹے چھوٹے منکے بھی استعمال کئے جاتے تھے۔ گھونگھوں، فیروزوں اور مونگوں کو بھی وہ بڑے شوق سے استعمال میں لاتے تھے اس علاقے سے ایک قبر میں سے بھی دو بڑے دلچسپ اور عجیب و غریب موتی یا منکے ملے ہیں وہ تقریباً اس قبر میں پانچ سے سات ہزار سال پہلے سے پڑے ہیں۔ ان میں سے ایک موتی یا منکا ایسا ہے جو صرف افغانستان کے شمالی علاقے میں پایا جاتا ہے اس موتی کا نام "لاپس لزولی" ہے۔ لاپس لزولی موتیوں اور فیروزوں کی موجودگی سے یہ واضح ہوتا ہے کہ بلوچستان کے اس عہد کے لوگوں کی افغانستان کے ساتھ کسی طرح کی تجارت موجود تھی۔ اسی پرانی قبر سے ملنے والا دوسرا منکا تانبے کا ہے۔ ہمارے پاکستان کے علاقے سے اس عہد کا یہ واحد دھاتی ثبوت ہے کہ جو مہر گڑھ کی ایک قبر سے دستیاب ہوا ہے اسی طرح گھونگھوں اور مونگوں کے گجروں اور چوڑیوں اور ہاروں سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ اس عہد کے ان لوگوں کے بحرہ عرب کے ساحلی علاقوں کے باشندوں سے تجارتی تعلقات قائم تھے۔

آخری حجری عہد کے پاکستان کے خطوں کے لوگوں نے بھی پتھر کے زیادہ اعلیٰ اور زیادہ موثر بلکہ آسانی سے استعمال ہو جانے والے آلات اور ہتھیاروں کو استعمال

Marfat.com

میں لانا شروع کر دیا تھا۔ ایسے آلات اور ہتھیار خیرپور سندھ میں روہڑی کی پہاڑیوں سے دستیاب ہو چکے ہیں اور حیدر آباد سے بھی ان کے باقیات میسر آتے ہیں، اسی طرح شمال کی جانب راولپنڈی کے نزدیک روات سے بھی آخری حجری عہد کے لوگوں کے آلات اور ہتھیار ملے ہیں۔ یہاں پر مدفون لوگوں کی جو کھوپڑیاں کسی نہ کسی صورت میں ملی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے سر لمبے یا قدرے لمبوترے تھے۔

پانچ ہزار سال قبل از مسیح کے آثار و شواہد تو پاکستان کے علاقوں سے بکثرت ملتے ہیں، اس وقت سے یہاں کے لوگوں نے ظروف سازی اور سفال سازی میں کمال پیدا کرنا شروع کر دیا تھا۔ بعض ماہرین کا خیال ہے کہ شاید سفال سازی اور ظروف سازی کے کام کا بھی عورتوں ہی نے آغاز کیا تھا۔ کیونکہ آخری حجری عہد کے لوگوں کا سب سے پہلا "برتن" جو ہمیں ملا ہے وہ ایک طرح کا تھیلا یا ٹوکری یا مٹکا سا ہے۔ شاید ایسے کچھ مٹکے کسی طرح کی مٹی سے پالش بھی کر لئے جاتے تھے اور پھر انہیں آگ پر پکا کر پختہ کر لیا جاتا تھا پھر جب یہ مٹکے آگ سے پک کر مضبوط ہو جاتے تو انہیں پانی لانے اور پانی ذخیرہ کرنے کے لئے استعمال کیا جانے لگا تھا۔ ان مٹکوں پر پہلے پہل ٹوکریوں جیسے بیل بوٹے بنائے جاتے تھے لیکن پھر انہیں دوسرے ڈیزائنوں اور نمونوں سے بھی سجایا جانے لگا تھا۔

رانا گنڈائی نزد کوئٹہ سے بعض ایسے مٹکے بھی اسی عہد کے دریافت ہوئے ہیں کہ جن پر بیل بوٹوں کے سجاتے سانڈ، پہاڑی بکریاں، ہرن اور ارنا بھینسے کی اشکال بھی بنی ہوئی ہیں۔ ماہرین اور دانشوران جانوروں کے حوالے سے ان لوگوں کی سماجی معاشرتی اور مذہبی زندگی کے بارے میں خیال آرائی کر سکتے ہیں۔ اسی طرح مٹی کے برتن جنوبی بلوچستان سے دستیاب ہوئے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے لوگ عراق اور ایران کے لوگوں سے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے۔

بلوچستان کے ان علاقوں کے لوگوں نے مٹی اور پتھر کے برتن بنانے میں انتہائی

Marfat.com

درجے کی مہارت حاصل کر لی تھی بلکہ وہ تو عہد جدید کے دور تک اپنے برتنوں پر دھرتی ماتا دیویوں کی اشکال بھی اپنے برتنوں پر بنانے لگے تھے۔ دھرتی ماتا کا تصور اس عہد کے تمام لوگوں میں موجود تھا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ہر طرح کی اچھی اچھی فصلیں اور دوسری چیزیں ان کے لئے صرف زمین ہی پیدا کرتی ہے۔

کانسی کے عہد کے کچھ آثار بھی بلوچستان کے علاقہ سے ایک قبر میں سے ملے ہیں یہ کانسی کا ایک منکا ہے اور وہ قبر قریباً پانچ ہزار سال قبل از مسیح کی ہے کانسی اصل میں تانبے اور قلعی کو ملا کر بنائی جاتی ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ وہ بلوچی لوگ دھاتوں کو آپس میں ایک خاص تناسب سے ملا اور پگھلا کر نئی دھاتیں بھی بنا لیا کرتے تھے۔ پاکستان کے دوسرے کئی علاقوں میں چار ہزار سال قبل از مسیح میں تو کانسی کو کئی طرح سے استعمال کیا جانے لگا تھا۔

پاکستان کے صوبہ سرحد میں ڈیرہ اسماعیل خان سے جانب شمال ۴ میل کے فاصلے پر رحمان ڈھیری یا دہری کو پاکستان میں پہلا شہر کا نشان کہا جا سکتا ہے اس ابتدائی شہر کے بارے میں ماہرین کا خیال ہے کہ وہ چار ہزار سال قبل مسیح میں موجود تھا۔ یہ بھی محتاط اندازے اور شواہد سے معلوم ہوا ہے کہ وہ شہر قلعہ بند تھا۔ بیرونی دشمنوں سے محفوظ تھا اور اس شہر کے باشندوں کی تعداد دس پندرہ ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔ اس شہر میں سے ملنے والے آثار و شواہد، مہروں، ہڈیوں پر کھدے ہوئے نشانات مٹی کے برتنوں پر کھدے اور ابھرے ہوئے نشانات اور علامتوں اور رنگین اشاروں سے واضح ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے یہاں وادیٔ سندھ کے لوگوں سے بھی پہلے اپنا کوئی رسم الخط موجود تھا۔

وادیٔ سندھ

وادیٔ سندھ میں زرعی دور اور سکونتی زندگی کا آغاز عراق، ایران اور افغانستان

Marfat.com

کے ذریعے سے ہوا ہے۔ بلوچستان کے علاقے برعظیم پاک و ہند میں سب سے پہلے اور قریبی علاقے تھے جہاں عراق، ایران اور افغانستان جیسی تہذیبیں ابھریں۔ اس عہد میں بلوچستان کے علاوہ باقی برعظیم کے لوگ ابھی شکاری، خانہ بدوش اور چیزوں کو جمع ہی کرنے والے تھے یہ امر بھی منطقی طور پر صحیح تھا کہ بلوچستان کے بعد تہذیب سب سے پہلے وادیٔ سندھ ہی کا رُخ اختیار کر سکتی تھی۔ کیونکہ دریائے سندھ کی ساری وادی میں ہر سال سیلابوں نے اس وادی کو بے حد زرخیزی دولت سے بھر دیا تھا اور اب تو یہاں پر غلہ اور فصلیں ہل چلائے بغیر بھی پیدا ہو سکتی تھیں۔ وادی سندھ میں ایسی تہذیب کے قیام کے ثبوت اور شواہد سب سے پہلے شمالی علاقوں سے ملتے ہیں۔ ان لوگوں کے نشانات کچی اور گارے کی اینٹوں کے تھے لیکن مسلسل سیلابوں نے وہ نشانات یکسر ختم کر دیئے کیونکہ دیہاتی سیلابوں کے مقابلے میں اپنے کچے مکانوں کی حفاظت نہ کر سکے۔

ضلع بہاولپور میں ایسے کچے مکانوں کے متعدد نشانات نابودا اور خشک دریائے ہاکرہ کے نواح میں ملے ہیں یہ مکانات کے نشان دو ایک نہیں بلکہ بیسیوں ہیں اور ان کی موجودگی کا عہد چار ہزار سال قبل از مسیح تصور کیا جاتا ہے ان کچے مکانوں سے جس طرح کے برتن ملے ہیں اسی طرح کے برتن پنجاب میں ہڑپہ سے جنوب مغرب میں قریباً چھیالیس میل کے فاصلے پر جلیل پور سے بھی دستیاب ہوئے ہیں۔

سندھ میں آمری برتن بھی اسی عہد کے ہیں۔ آمری کے قریب ایک قلعہ بند قصبہ یا شہر کبھی موجود تھا یہ شہر موہنجوداڑو سے جنوب کی طرف تھا۔ ماہرین کا خیال ہے کہ سندھ کا یہ شہر ۳۰۰۰ سال قبل مسیح سے ۳۳۰۰ سال قبل مسیح میں عین عروج پر تھا اور اسی دوران اس شہر نے ترقی کی۔

تین ہزار سال قبل از مسیح کے لگ بھگ دریائے سندھ کی وادی میں ظروف ساز

Marfat.com

اور سفال ساز لوگوں کی بہت زیادہ تعداد موجود تھی۔ اسی عہد میں یہاں کے لوگوں نے زراعت میں بھی بہت نام پیدا کرنا شروع کر دیا تھا اور زرخیز زمینوں سے وہ بھرپور فصلیں بھی حاصل کرنے لگے تھے پہلے پہل سفال ساز لوگ ہاتھ سے برتن بناتے تھے لیکن اس وقت تک انہوں نے برتن بنانے کے لئے چکے بھی استعمال کرنے شروع کر دیئے تھے ویسے ہی چکے آج بھی کمہار مٹی کے برتن بنانے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ برتن بنانے کے لئے چکوں کا استعمال ظروف سازی کی صنعت میں انقلاب پیدا کرنے کا موجب ہوا اس سے تھوڑے وقت میں زیادہ برتن تیار کئے جا سکتے تھے اس طرح لوگوں میں برتنوں کا استعمال بھی بڑھنے لگا۔

شاید یہ کمہار کا چکا اور چکر ہی ہے کہ جسے دیکھ کر وادیٔ سندھ کے لوگوں نے پہیہ اور بیل گاڑی تیار کی اور اس کا استعمال سیکھا۔ یہی بیل گاڑی مال برداری اور سفر کے لئے بھی استعمال ہونے لگی اس طرح کی بیل گاڑی کا استعمال اس سے ذرا پیشتر قدیم عراق میں بھی شروع ہو چکا تھا۔ موہنجوداڑو اور کوٹ ڈیجی سے تو ایسی بیل گاڑی بچوں کے کھلونے کے طور پر بنائی جاتی تھی۔ ماہرین نے بتایا ہے کہ کوٹ ڈیجی بھی ایک محصور اور قلعہ بند شہر تھا اور اسی طرح ایک اور شہر "کالی بنگن" بھی قلعہ بند تھا اور وہ بھی تین ہزار سال قبل مسیح میں آباد اور موجود تھا۔

وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ ان شہروں کو سیلابوں سے بچانے کے لئے محصور اور قلعہ بند کیا گیا تھا یا بیرونی حملہ آوروں سے حفاظت کے لئے! اور یا ان دونوں مقاصد کے لئے ایسا کیا جاتا تھا۔ ہر قلعہ بند شہر اپنی برتن سازی اور اس کے اسلوب اور انداز سے دوسرے سے مختلف تھا۔ اسی طرح جنوبی سندھ کے علاقوں کے لوگوں کی برتن سازی ذرا زیادہ مختلف تھی، وہ اسی لئے کہ ان لوگوں پر بلوچستان کی تہذیب کا زیادہ اثر نمایاں تھا۔

Marfat.com

وادی سندھ کی تہذیب

وادیٔ سندھ کے یہ شہر بڑی خوشحالی سے زندہ و تابندہ تھے کہ اچانک ایک تبدیلی رونما ہوئی جیسے پہلے بتایا جا چکا ہے کہ وادیٔ سندھ کے لوگ اپنے مٹی کے برتن اور مکانوں کے لئے اینٹیں آگ سے پکا لیا کرتے تھے۔ اسی طرح اینٹیں اور برتن پکانے کے لئے شہروں کے قریب بھی کئی مرکز تھے۔ قریباً ۲۶۰۰ سال قبل مسیح میں دو قلعہ بند اور محصور شہر کوٹ ڈیجی اور آمری آگ سے تباہ ہو گئے اور یہ آگ شاید اینٹیں اور برتن پکانے والے بھٹوں اور بھٹیوں ہی کے سبب سے لگی تھی۔ پھر چند برسوں کے بعد ان شہروں کی راکھ پر لوگوں نے دوبارہ زندگی کا آغاز کر دیا اور لوگوں کے مشاغل اور ان کے صنعت و حرفت پہلے ہی کی طرح کی وہ بیل گاڑیاں، بچوں کے کھلونے اور دھرتی ماتا دیوی کے پر تو بناتے رہے۔ اس طرح دو شہر دوبارہ ان سب میں سے زیادہ وسیع اور زیادہ ترقی کر گئے وہی دو بڑے اور ترقی یافتہ شہر سندھ میں لاڑکانہ کے قریب موہنجو داڑو اور پنجاب میں ساہیوال کے قریب ہڑپہ میں دریافت ہوتے ہیں۔ اس عہد کے وادی سندھ کے تمام شہر اور قصبے ایک ہی طرح کی سکیم کے تحت بنے ہوئے تھے۔ شہروں کے بیچوں بیچ شمالاً جنوباً اور شرقاً غرباً کھلی اور کشادہ گلیاں یا سڑکیں تھیں یہ گلیاں صاف ستھری اور سیدھی تھیں، ہر شہر کا مغربی حصہ اصل میں ایک طرح کے بڑے سے چبوترے کی مانند تھا۔ اس حصے کے گرد مضبوط اور موٹی دیواریں تھیں اور دیواروں میں جا بجا دیکھنے اور محافظت کے لئے برج بھی بنائے ہوئے تھے۔

اس شہر پناہ اور حفاظتی قلعہ کے قریب اور ارد گرد لوگوں کے گھر اور مکان تعمیر کئے ہوئے تھے، اناج اور اجناس کے ذخیرہ کے لئے ایک بڑا سا گودام اور اسمبلی ہال قسم کی اکٹھا ہونے کی جگہیں اور مقامات بھی جا بجا اور حسبِ ضرورت بنائے ہوئے تھے۔

وادیٔ سندھ کے ان دو بڑے شہروں میں زیادہ تر مکان بھی ایک ہی طرح اور

Marfat.com

ڈیزائن کے بنائے جاتے تھے بڑے بڑے رہائشی گھر دو تین منزلہ ہوتے اور ان میں کئی کمرے ہوتے تھے ہر گھر کا دروازہ چھوٹی گلی میں ہوتا اور گلی کی باقی دیوار میں کوئی کھڑکی نہیں ہوتی تھی۔ ہر گھر میں ایک اندرونی صحن ضرور ہوتا تھا اور اس طرح گھروں میں باورچی خانہ بھی ضروری تھا۔ دلچسپی کی بات یہ ہے کہ ہر باورچی خانہ میں تندور ضرور ہوتا تھا تاکہ اس پہ روٹی پکائی جاسکے اور کھانا تیار کیا جاسکے۔ اکثر گھروں کے اندر پانی کے کنویں بھی موجود تھے اور ان کا پانی دوسری اور تیسری منزل تک بھی بآسانی لے جایا جاتا تھا۔ بلکہ اکثر گھروں کے کنویں شاید جانوروں کی غلاظت اور نوکروں اور غلاموں کی بے احتیاطیوں سے محفوظ رکھنے کی خاطر نیچے والی پہلی منزل کے لئے ارد گرد سے ڈھانک دیئے جاتے تھے اور ان کی دیواریں بالائی منزلوں تک تعمیر کر لی جاتی تھیں ان شہروں کے لوگوں کے غسل خانے زیادہ جدید اور اعلیٰ قسم کے تصور کئے جاتے ہیں۔ انتظام تھا کہ استعمال شدہ پانی بآسانی بہہ جائے اور جمع نہ ہونے پائے اور دوسرے اس پانی کے بہاؤ کے زور سے آب نکاسی کی نالیاں بند نہ ہونے پائیں۔ ان شہروں کی آب نکاسی کی ڈھکی ہوئی نالیاں اور پائپ تو آج کے عہد کے جدید "ڈرینج سسٹم" سے بھی بہتر تھے۔ انہی شہروں میں نوکروں اور ملازموں کے لئے یا شاید زیادہ غریب لوگوں کے لئے ایک منزلہ مکانات بھی موجود تھے۔

۲۵۰۰ سال قبل مسیح میں جب ابھی دنیا جہاں کے دوسرے خطوں کے لوگ ابھی تہذیب و تمدن کی روشنی اور جدت کے اجالوں سے کوسوں دور تھے اس عہد میں پاکستان کے ان علاقوں میں ایک مضبوط اور وسیع تہذیب موجود تھی اس دور کی دنیا میں وادیٔ سندھ کے ان شہروں کی تہذیب سب سے زیادہ مضبوط اور مستحکم تھی اور اپنی جدت کے لحاظ سے سب سے زیادہ منفرد تھی اس تہذیب کا پھیلاؤ دامانِ ہمالیہ سے لے کر سواحل بحرہ عرب تک تھا اور پھر ساحل کے ساتھ ساتھ اسی تہذیب

Marfat.com

کے اثرات دریائے نرمدہ تک بھی پھیلے ہوئے تھے ان شہروں کی سوسائٹی اتنی ہی مہذب اور جدید تھی جتنی کہ مصر اور عراق کی تھی۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وادیٔ سندھ کے یہ بڑے بڑے دو شہر یک دم مختصر عرصے ہی میں ابھر آئے تھے۔ لیکن کچھ ماہرین کا یہ بھی خیال ہے کہ یہ شہر یہاں کے لوگوں کی بتدریج ترقی اور تمدنی ارتقاء کا نتیجہ تھے۔ بہر صورت یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ شاید ان علاقوں میں آنے سے پہلے کہیں اور مقامات پر خاصی ترقی کر چکے تھے۔ اور یہاں تک گمان کیا جاتا ہے کہ شاید یہ لوگ اصل عراق کے قدیم شہر میسوپتامیہ کے سامی النسل لوگ ہوں جو اس طرف بھی آ گئے تھے۔ لیکن شواہد سے یہ مفروضہ غلط ثابت ہوتا ہے کہ سامی النسل لوگوں کی تہذیب و تمدن کا وہی عہد ہے کہ جو وادیٔ سندھ کی تہذیب کا عروج کا زمانہ ہے۔

تحقیقات شواہد اور تاریخی اور سماجی حوالوں کے بعد یہ امر کھل کر واضح ہو رہا ہے کہ وادیٔ سندھ کے مہذب اور متمدن لوگ اصل میں اسی خطے ہی کے باسی تھے وہ چند صدیاں پیشتر اصل میں بلوچستان کے مہذب علاقوں سے یہاں آ کر یہاں کی زرخیزی کا حصہ بن گئے تھے۔ اور پھر انہوں نے اسی وادیٔ سندھ کو اپنی بتدریج ترقی یافتہ تہذیب سے منور کر دیا تھا۔ یہ لوگ اصل میں سندھ پنجاب، بلوچستان اور سرحد کے زرعی عہد سے ابھر کر آئے تھے۔ شکل و شباہت اور قد و قامت کے اعتبار سے بھی یہ لوگ یہاں کے دوسرے صوبوں کے لوگوں کے زیادہ قریب اور مشابہہ ہیں۔ لیکن اس کے برعکس سامی النسل لوگوں سے ان کے خط و خال یکسر مختلف ہیں وہ سامی النسل عرب نسل کے دکھائی دیتے ہیں اور ابھی یہ واضح نہیں ہو سکا کہ یہ سامی النسل لوگ کہاں سے آتے تھے۔ اس حوالے سے بعض لوگ یہاں تک کہنے لگے ہیں کہ سامی النسل لوگ اور وادیٔ سندھ کے لوگ دونوں اصل میں بنیادی طور پر بلوچستانی نسل کے لوگ ہیں جو ایک عہد میں

Marfat.com

مختلف سمتوں میں جا نکلے تھے اور وہیں پر ایک ہی عہد میں تہذیب و تمدن کا موجب بنے!

وادیٔ سندھ کے لوگوں کی سیاسی آگہی

وادیٔ سندھ کے لوگوں کے بارے میں ابھی یہ واضح نہیں ہو سکا کہ پوری وادیٔ سندھ کس طرح کی ایک ہی سلطنت یا ملک کا درجہ رکھتی تھی یا نہیں۔ لیکن یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ان لوگوں کی زندگی بڑی منظم اور آسودہ تھی۔ ان کے یہاں ہر شہر میں وزن، ناپ تول اور لین دین کے پیمانے یکساں تھے۔ اس یکسانی کو برقرار رکھنے کے لئے یقیناً کسی طرح کی مذہبی پابندی کے باوجود کسی مرکزی انتظامیہ کا عمل دخل بھی ہوگا!۔ اس عہد کے پتھر کے جو باٹ دستیاب ہوئے ہیں وہ اپنے صحیح وزن اور قطعیت کے اعتبار سے بڑے قابل ذکر ہیں۔

وادیٔ سندھ کی اس تہذیب میں مصر یا عراق کی طرح کسی بڑے مذہبی مندر یا گرجے یا کلیسا کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ موہنجوداڑو میں رسمی مذہبی غسل خانوں کے قریب کچھ چھوٹے مینار سے ملتے ہیں اور ایسے مینار بھی شہر پناہ کے قریب ہیں۔ اس طرح یہ کہنا بھی مشکل ہے کہ اس تہذیب پر کسی مذہبی راہب یا پروہت کی حکومت تھی۔ لیکن گمان کیا جاتا ہے کہ موہنجوداڑو سے جو داڑھی والے آدمی کے چند بت ملے ہیں۔ شاید وہ سب سے بڑے مذہبی راہب کا بُت ہو۔

لوگوں کی اکثریت کسانوں اور زراعت پیشہ لوگوں پر مشتمل تھی کھیتوں سے بیل گاڑیوں اور کشتیوں کے ذریعے سے فصلیں اور اجناس گھروں کو لائی جاتی تھیں۔ اس طرح غلے کی ایک جگہ سے دوسری جگہ پر نقل و حمل اور ترسیل کا ذریعہ بھی بیل گاڑیاں اور کشتیاں ہی تھیں۔ گوداموں میں بڑی تعداد میں گندم، جَو اور چاول ذخیرہ کر کے رکھے جاتے تھے۔ یہ گودام ہوادار اور کشادہ ہوتے تھے۔ کاریگر اور شاید غلام لوگ زیادہ محنت

Marfat.com

کے کام کرتے تھے۔ وہی گندم اور جو پیس کر آٹا بناتے تھے روئی پنیجتے اور کپڑے بنتے تھے بلکہ وہی کپڑوں کو رنگتے، برتن بنانے آلات ڈھالتے زیورات بناتے اور دوسری ضرورت کی چیزیں تیار کر کے فراہم کرتے تھے۔

یہ بھی شواہد اور آلات اور ہتھیاروں سے معلوم ہوا ہے کہ ان کے بنانے کے لئے جو پتھر استعمال ہوتا تھا وہ کسی ایک ہی مقام سے حاصل کیا جاتا تھا۔ اور وہ جگہ سندھ میں سکھر کے قریب ہے اسی طرح مختلف برتنوں کا ڈیزائن اور ان کی شکل وصورت ایک ہی جیسی ہے، اس سے بھی یہ قیاس آرائی کی جاسکتی ہے کہ شاید یہ بھی کسی ایک ہی مقام اور جگہ پر بنائے اور بھٹی میں پکائے جاتے تھے اور پھر دوسرے شہروں اور حصّوں میں بھجوائے جاتے تھے۔

جس طرح وادیٔ بلوچستان کے قدیم لوگوں کے تجارتی اور سماجی تعلقات ایران اور افغانستان کے ساتھ قائم تھے، اسی طرح وادیٔ سندھ کے لوگوں کے تجارتی دوستانہ تعلقات خلیج ایران اور عراق کے شہر میسوپتامیہ کے لوگوں سے قائم تھے۔ اس طرح وادی سندھ کے لوگ اپنے خوب صورت برتن ان ممالک میں بھی بھیجا کرتے تھے۔ وادی سندھ کی تہذیب کے عروج سے پہلے کچھ عرصہ تک یہ تعلقات قائم نہیں تھے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اس عہد میں وادیٔ سندھ کے لوگ بری راستے کے بجائے بحری راستے کے ذریعے ان ممالک سے تجارت کرتے تھے اور اس تجارت میں ان کے راستے میں ایک ملک بحرین بھی موجود تھا۔ اور بحرین کی تہذیب پر وادیٔ سندھ کی تہذیب اور سامی النسل لوگوں کی تہذیب کے اثرات موجود اور نمایاں ہیں۔ وہاں سے جو مہریں اور کشتیوں پر تصویریں بنی ہوئی ملی ہیں وہ مصری تصویروں جیسی ہیں۔ کیونکہ مصری لوگ اصل میں "پیچارش" کی آمیزش سے گھاس پھونس ملا کر کشتیاں بناتے تھے۔ اسی طرح وادیٔ سندھ کے لوگ دریائے سندھ کے کناروں پر پائی جانے والی خاص ریشہ دار گھاس سے بناتے تھے ایسی

Marfat.com

کشتیاں ہلکی پھلکی بھی ہوتی تھیں اور پانی کے مقابلے میں ان کی مضبوطی مسلّمہ تھی۔

وادیٔ سندھ کی تہذیب کی قریباً دو ہزار مہریں ہمیں دستیاب ہو چکی ہیں، ان میں سے بیشتر مٹی کی مہریں ہیں۔ یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ لوگ انہیں کس طرح استعمال کرتے تھے۔ ان میں بعض مہروں پر شاندار اور خوبصورت تصاویر کھدی ہوئی ہیں، کئی ایک پر جانوروں کی تصاویر ہیں۔ چند ایک عجیب و غریب جانور بھی ان مہروں پر موجود ہیں۔ پھر انہی مہروں میں کئی مہروں پر سینگوں والے آدمی بھی دکھائے گئے ہیں۔ ایک سینگ والے یونیکارن گھوڑے کئی جانوروں کی ملاوٹ والے جانور بھی ان مہروں پر کھدے اور بنے ہوئے ہیں۔ بعض مہریں بڑی ہی چابکدستی، مہارت اور فنکارانہ صلاحیت سے بنائی گئی ہیں۔ اکثر و بیشتر مہریں چوکور شکل کی ہیں۔ مہروں کی پشت قدرے اُبھری ہوئی ہے اور پشت پر ایک سوراخ بھی کیا ہوا ہے۔ شاید اس سوراخ میں کوئی دھاگا باندھا جاتا تھا یا باریک سلائی اس میں ڈالی جاتی تھی۔ ممکن ہے کہ ان مہروں کو لوگ گلے میں بھی لٹکاتے ہوں کیونکہ یہ بھی خیال ہے کہ اس عمل کو وہ لوگ خوش قسمتی کی علامت سمجھتے تھے۔ ماہرین کا یہ بھی خیال ہے کہ شاید یہ مہریں کسی طرح کی کرنسی بنانے کے کام آتی تھیں اور یا شاید یہ خود ہی بطور کرنسی استعمال ہوتی تھیں۔ لیکن کرنسی کی جس طرح حفاظت کی جاتی ہے مٹی کی ان مہروں کی اس قدر حفاظت کی ہوئی نہیں دکھائی دیتی۔

ہر مہر کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس پر کسی خاص زبان میں ایک یا دو مختصر سطریں لکھی ہوئی ہیں۔ اس زبان کا رسم الخط ابھی تک دنیا بھر کے ماہرین کے لئے اجنبی ہے۔ ان مہروں میں کئی ایک مہروں کی تصاویر اور جانور تو مشترک ہیں۔ لیکن ان کے الفاظ میں یکسانیت نہیں ہے اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ہر مہر پر کوئی نہ کوئی نئی بات یا پیغام یا کوئی حکم درج ہے ان مہروں پر لکھے ہوئے رسم الخط کو جاننے اور پڑھنے کے لئے دنیا جہاں کے ماہرین آثار قدیمہ بھرپور کوششوں میں مصروف ہیں۔ لیکن تاحال یہ

Marfat.com

امر محال ہے کیونکہ ابھی تک تو یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ وادیٔ سندھ کے وہ قدیم لوگ کون سی زبان بولتے تھے۔ اس کے علاوہ ہر مہر پہ چند ایک علامات اور نشانات ہیں اگر یہ علامات، اشکال اور نشانات تواتر سے ہوں تو بھی کسی گرامر کے لحاظ سے کوئی جملہ بنایا جا سکتا ہے لیکن ابھی تک ان مہروں کا ایک بھی لفظ نہیں پڑھا جا سکا اور ان کی کسی طرح کی ابتث کا بھی علم نہیں ہو سکا۔ امید ہے کہ جب بھی کبھی انسان اس رسم الخط کو پڑھنے کے بارے میں کامیاب ہو گیا تو یقیناً وادی سندھ کی تہذیب کے بارے میں ایک سورج طلوع ہو جائے گا اور پھر اس کی بدولت عراق اور مصر کی قدیم تہذیبیں بھی روشن ہو جائیں گے۔

فنون و ثقافت

وادیٔ سندھ سے دستیاب ہونے والی ہزاروں مہریں ان پہ بنی ہوئی تصاویر، موہنجو داڑو اور ہڑپہ اور کوٹ ڈیجی کے باقیات دیکھنے پہ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے شہروں کی گلیاں کشادہ اور سیدھی تھیں ـــ گھروں کی کھڑکیاں نہیں کھلتی تھیں ہر گھر میں استعمال ہونے والے برتنوں اور ظروف کا معیار بھی ایک ہی سا تھا۔ لوگوں میں زیورات کا استعمال معمول تھا اور زیورات میں سونا ایک عام دھات تھی، چاندی کے زیورات بھی مستعمل تھے ان زیورات میں بلوریں پتھر اور موتی بھی استعمال کئے جاتے تھے۔ ان سب شواہد سے واضح ہوتا ہے کہ وہ ایک مہذب اور ترقی یافتہ ثقافت اور تمدن کے مالک لوگ تھے۔ اعلیٰ اور منظم نظم و ضبط والی سوسائٹی موجود تھی۔ لیکن چھوٹی مہروں، بچوں کے کھلونوں اور چھوٹے چھوٹے بتوں اور مورتوں سے زیادہ جمالیاتی سوچوں کا اظہار ہوتا ہے۔ ان مہروں پر جھانجھنوں، چھوٹے جانوروں، بھیڑوں اور کئی دوسرے جانوروں کی تصاویر ملتی ہیں۔ کئی ایسے پرندوں کا بھی پتا چلا

Marfat.com

ہے کہ جوان لوگوں کی بیل گاڑیوں کے ساتھ اڑا کرتے تھے۔ کچھ گلنے والے پرندوں کی بھی تصویروں کا بھی پتا چلا ہے۔ رسیوں اور بانسوں پر اوپر نیچے آنے جانے والے بندروں کا بھی علم ہوا ہے۔ اس سے یہ اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے وہ لوگ ان جانوروں کو سدھا کر کرتب اور تماشہ کرنے کا کام لیتے تھے۔

وادیٔ سندھ کے لوگوں کے بعض کھیل تماشوں کے ضمن میں بھی معلوم ہوا ہے کہ وہ لوگ شطرنج طرح کی کوئی بازی کھیلا کرتے تھے۔ ایسے بازی والے کھیلوں کی تختیاں اور بورڈز بھی دریافت ہوئے ہیں اسی طرح ان لوگوں کے بعض آلاتِ موسیقی کا بھی پتا چلا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ لوگ اپنے خوشی کے مواقع پر ایسے موسیقی کے آلات کو بجانے کے ساتھ ساتھ موسیقی کو زندگی کے معمولات کے ساتھ ساتھ رکھتے تھے۔

حسن و جمال کی زیبائش اور دلکشی پیدا کرنے کے لئے وادیٔ سندھ کے مرد اور عورتیں دونوں گلے میں ہار، چوڑیاں اور گجرے اور دیگر زیورات بلا تخصیص استعمال کرتے تھے بعض تصاویر سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ لوگ لنگی اور شال کے استعمال کو پسند کرتے تھے۔ یہ دونوں کپڑے عموماً سوتی ہوتے تھے مرد لمبے بال رکھتے تھے اور عورتیں اپنے بالوں کو لپیٹ کر سر کے اوپر ایک گرہ باندھ لیتی تھیں، عورتیں پاؤں میں کئی طرح کے زیور استعمال کرتی تھیں۔ ان میں پازیب سب سے عام زیور تھا۔

برعظیم پاک و ہند کی قدیم ترین انسانی تہذیب وادیٔ بلوچستان کے لوگوں کے یہاں ماتا دیوی ان کے لئے مذہبی تقدس اور اہمیت کی حامل تھی۔ اسی طرح ذرا بعد کی تہذیب وادیٔ سندھ کے لوگوں میں ماتا دیوی سب سے اہم تھی۔ ان کے باقیات میں مایا دیوی کی کئی مورتیاں ملی ہیں۔ ان کے یہاں ماتا دیوی کے علاوہ بھی کسی خدائے مذکر کا تصور موجود تھا۔ اسی طرح شاید وہ کسی طرح کے خدائے سمندر یا نیپتون کی بھی پوجا کرتے تھے۔ یہی بعد میں ہندوؤں کے شیوا کا درجہ اختیار کر جاتے ہیں۔ ممکن ہے ان

Marfat.com

کے یہاں سینگوں والا آدمی بھی کوئی دیوتا ہی ہو۔ کیونکہ سینگوں والے آدمی کی کئی تصویریں مہروں پر ملی ہیں۔ مہروں میں ایک مہر سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ کسی دیوی یا دیوتا کے حضور انسانی بھینٹ بھی چڑھائی جا رہی ہے۔

وادیٔ سندھ سے ملنے والی ان مہروں سے اس امر کے ثبوت بھی ملتے ہیں ان لوگوں کے نزدیک کئی ایک درخت، جانور اور پرندے وغیرہ بھی مقدس اور پوتر تھے شاید وہ ان کو دیوتاؤں کا درجہ بھی دیتے ہوں۔ بیل ان لوگوں کے نزدیک غالباً سب سے اہم اور پوتر تھا۔ بعد میں یہی بیل ہندوؤں میں گائے کے روپ میں پوتر ہو جاتا ہے۔ کچھ تصویروں سے عراقی تہذیب کی داستانوں کا بھی پتا چلتا ہے۔ البتہ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ آیا ان داستانوں کو یہاں وادیٔ سندھ کے لوگوں نے بھی اختیار کر لیا تھا کہ نہیں۔

زوالِ تہذیب سندھ

گو وادیٔ سندھ کی تہذیب اپنے عہد میں سب سے زیادہ مہذب، مستحکم اور جدید تھی۔ لیکن پھر بھی ایک وقت ایسا آیا کہ وہ زوال پذیر ہو گئی۔ اس تہذیب کے لوگوں میں یکایک ایک تبدیلی رونما ہوئی۔ انہوں نے سب سے پہلے اپنے گھروں اور مکانات کی ساخت اور ترتیب میں تبدیلی پیدا کر لی۔ اسی طرح تعمیراتی معیار کو بھی اب انہوں نے ملحوظ رکھنا چھوڑ دیا تھا۔ اس طرح ان لوگوں کی سکونتی پائیداری مجروح ہو گئی۔ انہیں جلد جلد ہجرتوں سے واسطہ پڑا پھر جو لوگ پرانے علاقوں میں رہ گئے انہوں نے آبادی بڑھنے کے ساتھ ساتھ مکانوں اور کمروں کو بانٹنا اور تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ شاید بڑے بڑے کنبوں اور خاندانوں کے بجائے اب چھوٹے کنبوں کا رواج ہونے لگا تھا۔ اسی طرح ایک اور سب سے بڑی وجہ جو دکھائی دیتی ہے وہ یہ تھی کہ بعض نامعلوم وجوہ کی بنا پر قریباً ۱۹۰۰ قبل مسیح میں وادیٔ سندھ کے لوگوں کی سامی النسل لوگوں

Marfat.com

سے تجارت اور لین دین ختم ہو گیا۔

موہنجو داڑو اسی اثناء میں قریباً سات بار سیلاب کا شکار ہوا۔ ان سیلابوں نے بھی یہاں کے لوگوں کی سکونتی استقامت کو پاش پاش کر کے رکھ دیا اور زمین کے ساتھ ان کے رشتے کو کسی حد تک کمزور کر دیا۔ سیلاب کی تباہ کاریوں کے بعد جب شہر دوبارہ بسایا جاتا تو اسے پہلے کے مقابلے میں تنگ کر دیا جاتا تھا کھلی اور کشادہ گلیوں کے بجائے اب تنگ اور چھوٹی گلیاں تعمیر کی جانے لگی تھیں اور پھر ۱۷۰۰ قبل از مسیح کے لگ بھگ اس عہد کے مہذب ترین شہر موہنجو داڑو پر بیرونی حملہ آوروں نے حملے کرنے شروع کر دیئے۔ موہنجو داڑو کے لوگ چونکہ زیادہ مہذب اور سماجی ترقی تہذیب و تمدن کے ناتوں سے بندھے ہوئے تھے وہ اس جنگ و جدل جیسی آفات کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے، ویسے بھی ایک خیال ہے کہ مہذب اور شائستہ تہذیبوں میں ایک طرح کی بزدلی بھی پیدا ہو جاتی ہے لہٰذا وادیٔ سندھ کے یہ لوگ بیرونی حملہ آوروں کی اچانک یورشوں کی تاب نہ لا سکے اور کسی طرح کی جنگی یا دفاعی تیاریاں بھی نہ کر سکے ان حملہ آوروں سے ڈر کر مہذب اور امن پسند لوگ اپنی جانیں بچانے کی خاطر وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے لیکن جو لوگ مقیم رہے اور پکڑے گئے حملہ آوروں نے انہیں غلام بنا لیا یا تہہ تیغ کر دیا۔ حملہ آوروں نے لوٹ مار کی لیکن مردہ لوگوں کو جوں کا توں وہیں پر رہنے دیا۔

وادیٔ سندھ کے شہروں پر یہ حملہ آور ہونے والے لوگ کون تھے؟ ابھی تک ان پہلے حملہ آوروں کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا موہنجو داڑو کے مقابلے میں وادیٔ سندھ کے دوسرے بڑے مہذب مرکز ہڑپہ میں حملہ آوروں نے قدرے تھوڑے ظلم کئے۔ یہاں پر تو معلوم ہوتا ہے کہ حملہ آوروں نے مردوں کے لئے دفن کرنے کا انتظام بھی کر دیا تھا۔ یہ آثار اس لئے بھی واضح ہیں کہ دریائے راوی جس کے کنارے پر

Marfat.com

کبھی ہڑپہ شہر آباد ہوا تھا۔ اس نے رفتہ رفتہ اپنا راستہ بدل لیا تھا۔ اب وہ ہڑپہ سے بہت دُور ہو رہا تھا۔ اس لئے اس شہر کے باقیات زیادہ قائم رہے۔ لیکن دریا کی دُوری نے ہڑپہ کے لوگوں کی زرعی زندگی پر برا اثر ڈالا۔ ان لوگوں نے اب شمال مغرب کا رُخ اختیار کر لیا۔ انہوں نے شمال مغرب میں نئی بستیاں اور شہر بسا لئے لیکن بڑے اور مہذب اور باضابطہ شہر ہڑپہ اور موہنجو داڑو رفتہ رفتہ تباہ ہو کر رہ گئے۔ صدیوں کی گردش نے ان شہروں کو گمنامی کی چادروں میں لپیٹ لیا۔ اور پھر قریباً چار ہزار سال تک یہی شہر گمنامی کی دبیز تہوں میں دبے رہے۔

وادیٔ سندھ کی تہذیب کے وہ لوگ جو اپنی ترقی اور فنون میں اس وقت کی دنیا میں سب سے زیادہ مستحکم اور آگے تھے وہ ایک دم ختم ہو گئے ان کے پیشے کپڑا بافی، دری بافی، ظروف سازی، برتن سازی، زیورات بنانے کا فن، مجسمہ سازی کا فن سب یکسر دھرا کا دھرا رہ گیا۔ ان لوگوں کا مضبوط معاشی اور سماجی نظام بھی درہم برہم ہو گیا۔ ان کے چھوٹے موٹے ہتھیار اور آلات بھی دشمن کے مقابلے میں ناکام ہو گئے۔ ان لوگوں کے غلّوں اور اجناس سے بھرے ہوئے گودام بھی ان کی حفاظت نہ کر سکے اور انہیں اس تباہی سے نہ بچا سکے۔

ایک عرصے تک یہی گمان کیا جاتا رہا ہے کہ وادیٔ سندھ کے ان زرق برق اور مہذب شہروں کو آریاؤں نے تباہ و نابود کیا ہے۔ لیکن پہلی بار ان شہروں کو تباہ کرنے والوں کے بارے میں ابھی تک کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ آریا چونکہ ایک ایسی قوم کے لوگ تھے جو تیز رفتار رتھ اور بگھیاں استعمال کرتے تھے اس لئے انہوں نے بہت جلد دنیا کو روند کر رکھ دیا۔ گو آریا تہذیب و تمدن کے اعتبار سے وادیٔ سندھ کے لوگوں سے کمتر تھے لیکن وہ جنگجو اور اڈارو قسم کے لڑاکا لوگ تھے انہوں نے جب وادیٔ سندھ کے ان مہذب شہروں پر حملے کئے تو انہیں آغاز میں تھوڑی بہت مزاحمت کا سامنا

Marfat.com

کرنا پڑا۔ اسی مزاحمت کو توڑنے کے لئے آریاؤں کی ابتدائی کتابوں خصوصاً رگ وید میں ایسی کئی التجائیں اور دعائیں موجود ہیں۔ جن میں انھوں نے اپنے دیوتاؤں سے گڑگڑا کر کہا کہ یہ محصور اور قلعہ بند شہر فتح ہو جائیں۔ پھر چونکہ یہاں کے باشندے سیاہی مائل بھورے تھے اور ان کے بال سیاہ تھے۔ موٹے اور سپاٹ ہونٹ تھے۔ رخسار گہرے اور مضبوط تھے۔ ان کے بارے میں آریاؤں نے اپنے دیوتاؤں سے دعائیں کیں کہ انہیں یہاں کے سیاہ اور کالے اور بھورے لوگوں پر کامیابی اور فتح دی جائے۔ آریاؤں نے وادی سندھ کے ایک مشہور شہر "واسا" کہ جو محصور اور قلعہ بند شہر تھا۔ اس کے بارے میں بھی اپنے دیوتاؤں کے حضور دعائیں مانگیں کہ وہ جلد زیر نگیں آجائیں۔ لیکن تاحال ہمیں معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ "واسا" شہر کون سا تھا۔ ہڑپہ۔ موہنجوداڑو یا کوئی اور شہر۔

وادی سندھ کے لوگوں کی اس عہد کی تہذیب و ثقافت اور آثار و شواہد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ امن پسند تھے جنگجویانہ عزائم سے انہیں دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ بلکہ انہوں نے تو جنگ کے لئے کوئی مہلک ہتھیار بھی نہیں بنائے ہوتے تھے یقیناً اگر یہ مہذب لوگ جنگ و جدل کے ہتھیاروں اور آلات پر توجہ دیتے تو یہ آریاؤں سے بھی لڑائی میں برتر ہوتے لیکن اصل میں ان لوگوں نے فلاحی اور تعمیری کاموں پر توجہ دی اور امن و شانتی کا پرچار کیا۔ یہاں تک بھی گمان کیا جاتا ہے کہ وہ لوگ تو شاید جانوروں کو بھی تکلیف نہیں دیتے تھے بلکہ جانوروں کے علاج معالجے پر بھی توجہ دیتے تھے۔ ایک اور وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ سیلابوں نے چونکہ ان لوگوں کی بستیوں اور شہروں کو بڑی حد تک بربادی سے آشنا کر رکھا تھا۔ اس لئے بھی انہوں نے شہروں کے تحفظ کو زیادہ اہمیت نہ دی اور جہاں ممکن ہو سکا وہ صرف اپنی جان بچا کر بھاگ گئے یا اپنے گھروں کے اندر محبوس ہو کر مر گئے یا مار دیئے گئے۔

Marfat.com

زوالِ تہذیب وادیٔ سندھ کی ایک واضح وجہ یہ بھی تھی کہ یہاں کے مرد اور عورتیں رقص و سرود کے بھی دلدادہ ہو گئے اپنی اکثر تقریبات، خوشی کے مواقع اور اجتماعی جگہوں پر بھی انہوں نے اس طرح عیش و طرب کے مظاہرے کرنے شروع کر دیئے تھے۔ موہنجو داڑو کی رقاصہ کہ جس کی مورتیاں قریباً اس عہد کے ہر گھر میں موجود تھیں وہ ہزاروں لوگوں کو بھاتی تھی۔ ایسے رقص و سرود کے رسیا لوگوں کو تیغ بکف لوگ جلد ہی زیر کر لیتے ہیں۔

اس زوال کی ایک دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ان مہذب شہروں کی آبادی بے تحاشا بڑھنے لگی تھی لیکن پیداواری استعداد میں اضافہ نہیں ہو رہا تھا بلکہ زراعت کے فرسودہ طریقوں کے باعث زمین کی زرخیزی بھی متاثر ہونے لگی تھی۔ پھر رفتہ رفتہ دریاؤں نے بھی اپنے رُخ دوسری جانب موڑ لئے تھے اس لئے بجائے زرخیزی کے بنجر پن بڑھنے لگا تھا۔ ایسی مثالیں دنیا کی اسی عہد کی دوسری مہذب تہذیبوں میں بھی ملتی ہیں۔ مثلاً دریائے فرات، دجلہ اور نیل کی وادیوں میں بھی قدیم لوگوں کو کئی بار ایک جگہ سے دوسری جگہوں پر جانا پڑا ہے۔ بابل اور نینوا کے کھنڈرات اس امر پر دال ہیں۔

جدید ترین ماہرین نے بعض نئی وجوہ کا بھی انکشاف کیا ہے کہ ممکن ہے کہ ان خوشحال اور مہذب شہروں کو زلزلوں نے تباہ کیا ہو کیونکہ موسمی حالات اتنی تیزی سے متغیر نہیں ہوتے ممکن ہے زلزلوں کے اثر سے رہائشی بستیوں اور شہروں پر تو تباہی نہ پھیلی ہو لیکن انہوں نے دریاؤں کے دھاروں اور راستوں کو یقیناً بدل دیا ہو۔ اس طرح کئی علاقے دریائی پانی سے محروم ہو کر بنجر اور بانجھ ہو گئے ہوں۔ اس لئے یہاں کے لوگوں نے خود بخود یہاں سے کوچ کیا ہو۔

بعض جدید ترین ماہرین سماجیات نے یہ بھی قیاس کیا ہے کہ ممکن ہے کہ وادیٔ سندھ کی تہذیب کے زوال کا باعث کوئی خارجی عنصر بالکل ہی نہ ہو۔ بلکہ اس تباہی کا باعث خود ان کی تہذیب ہی سے ابھرا ہو۔ مثلاً ان کا کہنا ہے کہ وادی سندھ کے

Marfat.com

مہذب شہروں کے لوگ خوشحال تو تھے اور متمدن بھی تھے لیکن وہ معاشی اور سماجی دباؤ اور گھٹن کا بھی شکار تھے، شاید ایک حد تک اس عہد کے مزدور کارکن اور غلاموں کو اس قدر معاوضہ اور انعام نہیں دیا جاتا تھا کہ جتنا وہ کام کرتے تھے اگر دیکھا تو اس عہد کے مزدور اور غلام سب سے زیادہ کام کرتے تھے۔ بعض امرا کو کچھ کام نہیں کرنا پڑتا تھا اور وہ محافل رقص و سرود میں محو رہتے تھے اس لئے شاید اس طرح کے کے محروم اور گھٹن زدہ لوگوں نے کسی طرح کی بغاوت کر کے یہ تباہی پھیلا دی تھی کیونکہ سلطنت رومہ کا زوال بھی اسی طرح سے ہوا تھا۔ بہر صورت زوال تہذیب سندھ کی کئی وجوہات تھیں۔ ان کی سماجی بھی تھیں اور سیاسی بھی اور سیاسی بھی اور اسی طرح جغرافیائی بھی تھیں اور اسی طرح موسمی بھی تھیں اور بیرونی حملہ آوروں کی یورشیں بھی تھیں۔

وادیٔ سندھ کی تہذیب کے ان مہذب شہروں کے لوگ جو زندہ بچ کر کہیں چلے گئے تھے یا جو غلام بن کر پھر آزاد ہونے لگے تھے۔ ان کے بارے میں ماہرین نے بتایا ہے کہ ان کی اولاد آج بھی شمالی ہندوستان کے علاقوں میں موجود ہے۔ وہی لوگ دراوڑ کہلاتے تھے۔ براہوی اور بلوچستانی زبان میں متعدد الفاظ آج بھی دراوڑی زبان کے موجود ہیں اس لئے گمان کیا جاتا ہے کہ ان لوگوں نے اس خطے کو بھی اپنی آماجگاہ بنایا ہوگا۔ کچھ لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ وہ بچے کھچے اور بھاگے ہوئے لوگ دوسرے قبائل میں جا کر مل گئے تھے اور اپنا تشخص کھو بیٹھے تھے۔ ایسے لوگ جو قبائل میں جا کر مل گئے انہوں نے وسطی ہندوستان کا رخ کیا تھا۔ لیکن تاریخی اور تعمیراتی حوالوں سے ہم دیکھتے ہیں کہ وادیٔ سندھ کے ان لوگوں کی وہ ترقیاں اور ان کی حاصل کردہ سماجی برتریاں ہمیں قریباً ایک ہزار سال تک کہیں دکھائی نہیں دیتیں۔ پھر نہ تو وہ طرز تعمیر دکھائی دیا۔ نہ زیر زمین ڈرینج اور نہ نہانے کے غسلخانوں ہی کی وہ صورت کہیں دیکھنے کو ملی

Marfat.com

حتیٰ کہ ان لوگوں کی بعض ترقیوں کا احیا، تو ہمیں آج تک کہیں دکھائی نہیں دے رہا۔
جہاں تک ان وادیٔ سندھ کے لوگوں کے افکار و خیالات کا تعلق ہے ان کی بازگشت ہمیں چند صدیوں بعد ہندوؤں میں سنائی اور دکھائی دیتی ہے مثلاً ستاروں کا علم اور علم ہندسہ ہندوؤں نے انہی وادی سندھ ہی کے لوگوں سے لیا ہے اسی طرح بعض مذہبی رسوم جو اس قدیم عہد کے وادیٔ سندھ کے لوگوں میں موجود تھیں وہ بھی آج تک اس برعظیم پاک و ہند میں کسی نہ کسی طرح اور کسی نہ کسی حد تک موجود اور قائم ہیں۔ یہاں یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ شاید وادیٔ سندھ کے لوگوں نے اپنے سماج میں کسی طرح کا تقسیم کار کا نظام بھی قائم کر رکھا تھا اور دستی کام کرنے والے لوگ ہی حملہ آوروں یا کسی بھی انقلاب کا شکار ہوتے اور وہی قتل ہوئے۔ جبکہ اس عہد کے فلسفی، مفکر اور دوسرے علوم پر دسترس رکھنے والے یا تو درونِ خانہ محبوس ہو کر مر گئے اور یا پھر بھاگ گئے۔ انہیں مفکرین اور عالموں ہی نے اپنے علوم پھر برعظیم کے دوسرے حصوں تک بھی پہنچائے یقیناً اگر یہ لوگ علوم کے ساتھ ساتھ دوسرے فنون کا عملی تجربہ رکھتے تو وہ تعمیر و تہذیب میں بھی حصہ لیتے۔

آریا

بنیادی طور پر آریا وسطی ایشیا کے لوگ ہیں ان کا کئی قبائل سے تعلق ہے اور وہ کئی مختلف زبانیں بولتے تھے۔ مویشی پالنے اور پہیوں والے رتھ اور گھوڑے کی طاقت کے استعمال سے بخوبی واقف تھے۔ جنگجو قسم کے لوگ تھے اس لئے انہوں نے کئی طرح کے مہلک ہتھیار بھی بنا رکھے تھے۔ تیر تلوار، بھالے، نیزے اور کلہاڑے کا ان کے یہاں عام استعمال تھا۔ عام زندگی میں وہ ترقی یافتہ ضرور تھے لیکن جنگ جویانہ عزائم سے بھرے رہتے تھے۔ جوا بازی اور شراب نوشی جیسی لت بھی ان میں موجود تھی، رقص و موسیقی

Marfat.com

اور ساز و سرود کو بھی وہ دل و جان سے پسند کرتے تھے۔ ڈھول، تاشے اور بنسری وغیرہ ان کے مشہور آلاتِ موسیقی ہوتے تھے

یوں تو آریا لوگ کئی قبائل میں بٹے ہوئے تھے لیکن ان سب سے مشہور قبیلہ "تیریارچل" تھا۔ ان کے اکثر قبائل میں قبیلے کا سب سے بڑا بوڑھا ہی سردار اور محترم سمجھا جاتا تھا۔ ان لوگوں کے یہاں لڑکے کی پیدائش کو زیادہ بہتر سمجھا جاتا اور خواہش کی جاتی کہ وہ جوان ہو کر ایک اچھا جنگ جو ثابت ہو۔ بیاہ شادی کے لئے لڑکے اور لڑکی دونوں کی رضامندی کو فوقیت دی جاتی تھی۔ بیوہ عورتوں اور بوڑھوں کو وہ لوگ برداشت کرتے اور ان کو مناسب مقام دیتے تھے۔

آریا لوگ چونکہ کھلنڈرے اور اڈارو قسم کے لوگ تھے اس لئے مستقل سکونت کو وہ پسند نہیں کرتے تھے۔ مظاہرِ فطرت اور قدرت کی شکتیوں کی وہ لوگ پوجا کرتے تھے۔ مثلاً وہ طوفانوں، آگ اور ہواؤں کو اپنا دیوتا مانتے تھے جبکہ وادی سندھ کے لوگ زیادہ تر دھرتی ماتا کی پرستش کرتے تھے آریا چونکہ جتھادار اور گلہ بان قسم کے لوگ تھے اس لئے ان کے دیوتا "پدری" یا مذکر ہوتے تھے جبکہ وادیٔ سندھ کے لوگوں کے دیوتا "مدری" اور زمینی تھے۔ آریاؤں کے سماوی دیوتا زیادہ عظیم اور قوی سمجھے جاتے تھے ان کا "اندر" دیوتا۔ طوفان اور جنگ کا دیوتا تھا اور اسی کو وہ سب سے بڑا اور افضل سمجھتے تھے۔ آریاؤں کے دشمنوں پر یہ دیوتا بہت تند اور شدید تھا۔ اگنی دیوتا۔ آریاؤں کے یہاں آگ دیوتا تھا اور اس کے سامنے بھینٹ چڑھائی جاتی تھی۔ "وارن دیوتا" کو خدائے افلاک سمجھا جاتا تھا اور ہر طرح کے کام اور عمل کی ذمے داری اسی وارن دیوتا کو سونپی جاتی تھی۔ لوگ اپنے پاپوں کی اسی دیوتا سے معافی مانگتے تھے۔ اسی طرح "متر دیوتا" سورج کا دیوتا تھا۔ "اوشا" ان کے یہاں ایک دیوی تھی اسے حسن و جمال کی دیوی کہا جاتا تھا۔ اسی دیوی کو طلوعِ صبح کی دیوی کا درجہ بھی حاصل تھا۔ ہر طرح کی مذہبی رسوم

Marfat.com

میں اکثر مرد اور عورتیں دونوں حصہ لیتے تھے۔ آریاؤں کے ان دیوتاؤں ہی کی طرح کے اس عہد کی دیگر تہذیبوں کے بھی دیوتا تھے بلکہ سورج دیوتا، ہوا دیوتا اور آگ دیوتا تو غالباً ہر قوم میں تھوڑے بہت تفاوت کے ساتھ موجود تھا۔ بابل، مصر، وادیٔ دجلہ و فرات وغیرہ میں بھی ان تینوں دیوتاؤں کے واضح ثبوت ملتے ہیں۔

پہلے پہل آریا لوگ وسطی ایشیا ہی میں رہے لیکن پھر بعض وجوہ کی بنا پر انہوں نے قریباً ۲۰۰۰ سال قبل از مسیح میں وسطی ایشیا سے دوسرے دیگر علاقوں کی جانب دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ لوگ نئے میدانوں اور نئی چراگاہوں کو تلاش کرنا چاہتے تھے۔ اب تک ان لوگوں کے پاس بھیڑوں، مویشیوں اور گھوڑوں کی وافر تعداد ہو چکی تھی۔ ان کے لئے انہیں بہت زیادہ چارے اور وسیع چراگاہوں کی ضرورت تھی۔

آریاؤں نے اپنے علاقوں سے اٹھ کر مغرب میں ترکی، جنوب میں ایران اور جنوب مشرق میں پاکستان کے علاقوں کی طرف رجوع کیا۔ راستے میں جو قبیلہ یا قوم آتی رہی یہ آریا اسی سے لڑتے اور تہہ تیغ کرتے رہے چونکہ یہ لوگ ایک تیز حرکت کرنے والی قوم تھی اس لئے ہر قوم پر یہ فتح حاصل کرتے رہے، ۱۸۰۰ قبل مسیح سے ۱۰۰۰ قبل مسیح تک آریا مختلف جتھوں اور لہر در لہر پاکستان کے علاقوں میں آتے رہے چونکہ آریا شمال مغربی دروں کے راستے سے آتے تھے اس لئے انہوں نے سب سے پہلے میدانی علاقوں کا رُخ کیا۔

صوبہ سرحد اور بلوچستان کے بعض علاقوں سے ہمیں تانبے کی بعض ایسی مہریں سوئیاں اور کلہاڑیاں وغیرہ ملی ہیں۔ جن کی ساخت اور ہیئت یہاں برعظیم پاک و ہند کے دوسرے آثار سے یکسر مختلف اور جداگانہ دکھائی دیتی ہیں۔ ان اشیاء کا تعلق مغربی ایران اور جنوبی روس سے دکھائی دیتا ہے اور ان کا عہد بھی ۱۸۰۰ قبل از مسیح کے لگ بھگ کا معلوم ہوتا ہے۔ شمالی دروں کے راستے سے آریاؤں کی آمد اور ان کی راہ میں بلوچستان اور صوبہ سرحد کے علاقوں میں اسی عہد کی متعدد قبریں بھی دریافت

Marfat.com

ہوئی ہیں۔ ان قبروں میں سے دھاتی برتن اور مٹی کے برتن بھی دستیاب ہوئے ہیں۔ قبروں کی کھدائی اور ان اشیاء کی کھدائی کے دوران یہ حقیقت واضح ہوئی ہے کہ آریا لوگ ہمارے اس خطے میں تین ادوار میں گروہ در گروہ آئے ہیں اور قبروں سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ شاید اس عہد کے لوگ اپنے مردوں کو دفن کرنے کے ساتھ ساتھ اس عقیدے کو بھی مانتے تھے کہ ان کے مردہ لوگ دوبارہ بھی زندہ ہوں گے۔ اس لئے تو وہ ان کی قبروں میں ضروری سامان بھی دفن کر دیتے تھے، دوسرا قیاس یہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ شاید یہ قبریں آریاؤں کی ہیں اور آریا خود ہی اپنے مردوں کو اس ساز و سامان کے ساتھ دفن کر دیتے تھے۔ اسی طرح یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ شاید جہاں جہاں یہ قبریں موجود ہیں وہاں یہاں کے مقامی لوگوں کے گھر ہوں گے جنہیں آریاؤں نے نیست و نابود کر دیا ہو گا۔ پاکستان میں یہ آثار ضلع دیر کے علاقہ بجوار میں پائے گئے ہیں۔

آریا لوگ جس طرف بھی بطور حملہ آور جاتے رہے وہ اپنی فتح مندیوں کے شادیانے بجاتے تھے اور خوب چرچا اور جشن کرتے تھے ان کے گیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آریاؤں نے پہلے پہل دریائے سوات کے کناروں پر رہنا پسند کیا۔ وہ کومل، قرم اور دریائے کابل کے گرد و نواح میں بھی آباد ہوئے۔ سوات میں منگورہ سے چار میل مغرب کی جانب دریائے سوات کے کنارے پر آریاؤں کے قیام کے ایسے شواہد ملے ہیں جن سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس جگہ پر سترھویں صدی قبل از مسیح میں موجود تھے۔ وہاں آریا چوکور مکان بنا کر ان میں رہتے تھے اور ہر مکان میں ایک آتش دان بھی ہوتا تھا یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ یہاں پر وہ اپنا غلہ اور اجناس گڑھوں میں اور بڑے بڑے مٹی کے پکے مٹکوں میں محفوظ کر کے رکھا کرتے تھے وہ لوگ تانبے کے آلات اور چھوٹے موٹے ہتھیار اور ہڈی اور نرم پتھر کے ہتھیار بھی استعمال کرتے تھے۔ ان لوگوں میں ذوق جمالیات بھی موجود تھا اور وہ اپنے مٹی کے برتنوں اور مٹکوں پر جانوروں کی خوب صورت اشکال

Marfat.com

لوگوں کی تصویریں بھی بناتے تھے۔ اور یہ مٹی کے برتن بعینہٖ ان برتنوں سے مشابہہ ہیں جو کبھی شمال مغربی ایران کے علاقوں میں لوگ استعمال کرتے تھے۔

صوبہ سرحد اور بلوچستان میں تو آریاؤں نے زیادہ تر ارتفاعی علاقوں ہی میں رہائش اختیار کی۔ لیکن پنجاب میں پہنچ کر انہوں نے میدانی نعمتوں سے استفادہ کیا۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ آریاؤں نے اپنے صحیح قدم تو پنجاب ہی میں جمائے اور یہیں پر انہوں نے اپنے آریاورت کو ترقی دی۔ یہاں پر پہنچ کر آریاؤں نے سات دریاؤں کی زمین ہی کو اپنا وطن قرار دیا۔ کیونکہ وہ اس گنتی میں پنجاب کے پانچ دریاؤں کے ساتھ ساتھ ہاکرہ اور چاؤتانگ دریاؤں کو بھی شامل کرتے تھے اب یہ دونوں دریا بالکل خشک ہوکر ختم ہو چکے ہیں۔

آریاؤں کے مذہبی نغموں اور مناجاتوں سے معلوم ہوتا ہے انہوں نے پنجاب میں پہنچ کر سب سے پہلے یہاں کے محصور اور قلعہ بند شہروں کو فتح کیا اور یقیناً وہ محصور اور قلعہ بند شہر وادیٔ سندھ ہی کے مہذب اور مشہور شہر ہڑپہ اور موہنجوداڑو تھے بعض آثار و شواہد سے معلوم ہوا ہے کہ آریاؤں نے جب ان شہروں پر پہلا حملہ کیا تو وہ ان شہروں کو مکمل طور پر تباہ نہ کر سکے اور کلی فتح بھی حاصل نہ کر سکے اس طرح برسوں تک ان شہروں میں اور ان سے باہر وادیٔ سندھ کی ابتدائی تہذیب اور آریائی تہذیب مل جل کر پروان چڑھتی رہی۔ ایسی تہذیب اور ایک دوسرے کے فنون کے اثرات ہمیں بعض علاقوں سے ملنے والے آلات اور دیگر اشیاء سے ملتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ اشیاء بنیادی طور پر وادیٔ سندھ کے لوگوں کی بنائی ہوئی ہیں لیکن ان پر نقش و نگار اور سجاوٹ کا انداز اور اسلوب آریائی ہے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ کچھ برسوں تک یہ ملا جلا سماج بھی قائم رہا۔

وادیٔ سندھ کے ان محصور اور قلعہ بند شہروں کی صورت پہلے ہی غیر یقینی ہو چکی تھی۔ زمینوں کی زرخیزی ختم ہو رہی تھی۔ لیکن اب جبکہ آریاؤں کے حملے نے یہاں کے زمینداروں

Marfat.com

اور کسانوں کو ختم کر دیا تھا تو اور بھی مشکل پیدا ہو گئی تھی کہ آریا مقامی حالات میں کس طرح مقامی زمینوں پر فصلوں کی کاشت کریں لہذا کچھ عرصہ تک آریاؤں نے وادیٔ سندھ کے بعض بوڑھوں سے کھیتی باڑی کے مقامی اصول سیکھے، کہا جاتا ہے کہ اس دوران میں صورت حال قحط کی سی پیدا ہو گئی تھی اور آریاؤں نے بچے کھچے مقامی لوگوں سے ان کی فصلیں اور مویشی بھی چھیننے شروع کر دیئے تھے۔

آریا سماج یا آریاورت

آریا بنیادی طور پر لڑاکا لوگ تھے وہ آپس میں بھی لڑتے تھے اور یہاں کے مقامی لوگوں سے بھی لڑتے رہتے تھے۔ فصلوں، کھیتوں اور مویشیوں پر ان کی لڑائی ہو جاتی تھی۔ وادیٔ سندھ کے مہذب لوگوں کو آریاؤں نے "داسا" یا "دسیوس" قسم کا نام دیا ہے۔ آریا کہتے تھے کہ یہ لوگ خدا کے نفرت زدہ لوگ ہیں۔ لیکن جنہیں آریا نفرت سے "دسیوس" کہتے تھے انہوں نے یہاں پر بڑا قابل عمل اور قابل رشک سماجی نظام قائم کر رکھا تھا۔ اس اعتبار سے وہ تہذیب و ثقافت کے لحاظ سے خاصے مہذب اور برتر تھے۔ لیکن آریاؤں کو اپنے سوا کسی دوسرے کی برتری ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی۔ لہذا ان دسیوس لوگوں کے خلاف آریاؤں نے آپس میں باہمی اتحاد کا سبق سیکھا اور پھر ان لوگوں کے خلاف اپنے خداؤں سے کئی طرح کی بدعائیں کی۔ انہیں گالیاں دیں اور ان لوگوں کو کئی طرح بُرے ناموں سے پکارا۔ آریاؤں نے یہاں کے دسیوس باشندوں کو ان کے چھوٹے قد چپٹی ناک اور پکے رنگ کے باعث بہت تحقیر آمیز جانا اور انہیں کمتر سمجھا۔ بلکہ انہیں ختم کرنے کے لئے آریاؤں نے اپنے خداؤں اور بتوں سے دعائیں کی۔ چونکہ دسیوس لوگ بھی بہر صورت کچھ قوت رکھتے تھے لہذا یقیناً وہ آریاؤں کے خلاف اپنی حد تک خوب لڑے اور ان کا مقابلہ کیا۔ لیکن پھر تیلے اور جنگ جو آریاؤں کا وہ مقابلہ نہ کر سکے۔ آریاؤں

Marfat.com

کے آہنی مہلک ہتھیاروں اور ان کی بگھیوں اور گھوڑوں کی ٹاپوں نے دسیوس لوگوں کی ایک نہ چلنے دی۔

آغاز میں آریا گلہ بان تھے پھر انہوں نے کھیتی باڑی کو بھی اپنا لیا اور مویشی پالنے پر بھی پوری دسترس حاصل کر لی۔ اس طرح اب آریاؤں نے گھی، دُودھ، گوشت، سبزیوں پھلوں وغیرہ کو بھی اپنی خوراک کے طور پر اپنا لیا تھا۔ دیہاتوں اور گھروں میں بعض مرد عورتیں اونی اور سوتی کپڑے بننے لگی تھیں۔ بڑھئی اور ترکھان لوگوں نے بہت ترقی کر لی تھی وہ اعلیٰ درجے کی تیز رفتار پہیوں والی بگھیاں بنانے لگے تھے۔ انہی بگھیوں اور مہلک آلات اور ہتھیاروں کی بدولت آریا لوگ طاقت کے بل بوتے پر بھی دوسرے علاقوں سے اپنی ضرورت کی چیزیں چھین لایا کرتے تھے۔ پھر جب انہوں نے کسی طرح کی تجارت اختیار کی تو وہ اجناس کے بدلے اجناس کے نظام کو اپنانے لگے۔

آریاؤں نے یہاں کے فنون اپنانے اور سیکھنے پر اس لئے بھی زیادہ توجہ نہ دی کیونکہ وہ صرف اپنے آپ ہی کو برتر سمجھتے اور دوسروں پر فوقیت دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آریاورت کے دور میں بھی بڑے بڑے فنکار، صنعت و حرفت کے ماہر یہاں کے مقامی باشندے ہی تھے یا مقامی قبائل کے بزرگ لوگ تھے۔ گھوڑا اور گائے آریاؤں کے لئے سب سے بڑی نعمت تھے۔ گائے آریاؤں کے نزدیک اہم ضرور تھی۔ لیکن ابھی اس نے مذہبی تقدس حاصل نہیں کیا تھا۔ حتیٰ کہ بعض تقریبات کے موقع پر آریا گائے کا گوشت بھی کھایا کرتے تھے۔

وادیٔ سندھ میں اپنے قیام اور یہاں کے لوگوں پر برتری حاصل کرنے کے بعد آریاؤں نے اپنی شناخت کے لئے لوگوں کو تین طبقوں یا درجوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ یہ تین طبقے کھشتری یعنی جنگجو اور لڑنے والے لوگ "براہمن" یعنی مذہبی پرچارک اور "ویش" یعنی عام لوگ اور کسان وغیرہ ہر طرح کے سردار کھشتریوں ہی سے چُنے جاتے تھے اور ہر سردار اچھا جنگجو

Marfat.com

بھی ہوتا تھا۔ "براہمن" کو بہر صورت انہوں نے اہم مقام دے رکھا تھا اور اس طبقے کے سردار بھی براہمنوں ہی سے ہوتے تھے۔ آریاؤں نے حتی الامکان کوشش کی کہ وہ اپنے آپ کو یہاں کے مقامی لوگوں سے الگ تھلگ اور جداگانہ رکھ سکیں لیکن عملی طور پر ایسا ممکن نہ ہو سکا۔ چونکہ ان لوگوں کا وجود آریاورت میں بعض حوالوں سے ناگزیر اور ضروری تھا اس لئے آریاؤں نے انہیں اپنے ایک چوتھے اور سب سے کمتر طبقے شودر میں شمار کر لیا یہی نہیں بلکہ جن آریاؤں نے دسیوس لوگوں سے بیاہ شادیاں کر لی تھیں ان آریاؤں کو بھی شودروں ہی کا درجہ دیا گیا۔ پھر شودروں کے لئے یہ پابندی عائد کر دی گئی کہ وہ آریاؤں کے گیت یا نغمے بھی نہیں گا سکتے اور آریاؤں کی قربانی کی رسوم میں بھی وہ شرکت نہیں کر سکتے اور اسی طرح وہ آریاؤں کی ایک رسم "سلکِ مقدس" میں بھی حصہ نہیں لے سکتے۔ اگرچہ کچھ عرصہ تک آریاؤں کا بنایا ہوا یہ جاتی ورت قائم نہ ہو سکا۔ لیکن مذہبی طور پر کاموں اور پیشوں کی تخصیص کے اعتبار سے کئی طرح تقسیم ان میں پہلے ہی جنم لے چکی تھی۔ بہر صورت یہ حقیقت واضح ہے کہ آریاؤں نے اپنے علاوہ وادیٔ سندھ کے تمام بچے کھچے لوگوں کو شودر کا درجہ دے دیا۔

آریوں کی آمد کے وقت یہاں کے مقامی لوگوں میں سیاسی اور سماجی سطح پر ایک سرداری نظام رائج تھا۔ آریاؤں نے بھی اسی نظام کو اپنایا۔ انہوں نے اس نظام کو سبھا بلانے کا نام دیا۔ سبھا کا سردار ہر طرح کے فیصلے کیا کرتا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ اس طرح کے سردار جنگجو لوگوں میں سے چنے جاتے تھے۔ یہی جنگجو سردار بعد میں راجوں کا درجہ حاصل کر گئے۔ ان راجاؤں نے علیحدہ علیحدہ اپنے علاقے اور رقبے بھی مخصوص کر لئے تھے۔ جب راجاؤں نے اپنے علاقوں کا بھی تعین کر لیا تھا تو اس کے بعد وہ کبھی کبھار آپس میں بھی لڑنے لگے تھے۔ آریاؤں کی مناجاتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۳۰۰ قبل از مسیح یا ۱۲۰۰ قبل از مسیح میں ان راجاؤں اور ان کی ریاستوں کے درمیان ایک بہت بڑی جنگ ہوئی تھی۔

Marfat.com

اس جنگ میں اس دور کے دس بڑے راجوں اور ان کی سلطنوں نے حصّہ لیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ان راجوں نے بھارت سلطنت کے راجوں سے جنگ لڑی اور اس جنگ کا مقام اور میدان دریائے ہاکرہ اور دریائے جمنا کے درمیان واقع تھا۔

آریاؤں کے مقدس وید

آریا لوگ مذہبی طور پر اپنے دیوتاؤں کی بھینٹ چڑھایا کرتے تھے اور اس موقع پر وہ کئی طرح کی مناجاتیں پڑھا کرتے اور اپنے خداؤں سے دعائیں بھی مانگتے تھے۔ ان کے علاوہ آریاؤں کی اور بھی بے شمار دعائیں، بھجن اور مناجاتیں تھیں جو صدیوں تک لوگوں نے زبانی یاد رکھیں اور پھر بالآخر انہیں کتابی صورت میں جمع کر دیا گیا۔ آریاؤں کے بھجنوں اور دعاؤں کا سب سے بڑا اور پہلا مجموعہ "رگ وید" ہے۔ اس میں ایک ہزار اٹھائیس بھجن ہیں ان میں اس عہد کی ساری تاریخی حقیقتیں، دوسرے حالات اور آریاؤں کی فتوحات ان کی دعاؤں، بددعاؤں اور آرزوؤں کی حقیقت آشکار ہوتی ہے۔ رگ وید اس عہد کا سب سے بڑا مصدقہ اور تاریخی ثبوت ہے۔ جس میں کسی طرح کا شک و شبہ نہیں ہے گو رگِ وید بھی آریاؤں کی ہندوستان میں آمد کے قریباً ایک ہزار سال بعد مرتب کیا گیا لیکن چونکہ لوگوں کو عہد بہ عہد یہ لفظ بہ لفظ زبانی یاد رہی تھیں اس لئے ان تمام حمدوں اور بھجنوں کو مدون صورت میں بھی بغیر کسی ملاوٹ کے جمع کر دیا گیا تھا۔

رگ وید کے بھجنوں سے ظاہر ہوتا ہے آریاؤں نے یہاں کے واسا یا دسیوس لوگوں کو شیطانوں اور خبیثوں کا درجہ دے رکھا تھا وہ ان پر مسلّط ہونے اور قابض رہنے کے لئے ہمیشہ اپنے دیوتاؤں سے دعائیں مانگا کرتے تھے۔ اور جب آریا ان لوگوں پر فتح حاصل کر لیتے تھے تو ان فتوحات کو سنگ میل کے طور پر یاد رکھتے تھے رگ وید سے یہ بھی

Marfat.com

معلوم ہوتا ہے کہ دریائے ہاکرہ جسے آریا سرسوتی کہتے تھے انہیں بڑا عزیز اور دلکش لگتا تھا۔ ایک عہد کے بعد جغرافیائی تبدیلیوں اور زلزلوں کے باعث جب وہ دریا خشک ہوگیا تو آریا اکثر اس کی از سرِ نو روانی کی دعائیں مانگا کرتے تھے اور اس کی روانی کے لئے بھینٹ بھی چڑھایا کرتے تھے وہ اپنے دیوتا اندرا اور وارن سے اکثر اس دریا کو زندہ رکھنے اور زندہ کرنے کی التجا کرتے رہتے تھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ دریائے سرسوتی کو آریاؤں کے نزدیک ماں کی حیثیت حاصل تھی۔ ایک اور اہم بات جس کا تذکرہ ضروری ہے وہ یہ ہے کہ آریاؤں نے رگ وید کی ترتیب و تدوین اسی پاکستان کے علاقوں ہی میں کی تھی۔ لیکن اس کے بعد کے وید دوسرے علاقوں میں ترتیب دیئے گئے۔

رگ وید کے علاوہ آریاؤں نے عرصہ بعد یجر وید اور اتھر وید بھی ترتیب دیئے۔ پھر سب سے آخر میں سام وید ترتیب دیا گیا۔ پھر ۱۰۵۰ قبل از مسیح کے قریب انہی آریاؤں کے ایک گروہ نے برعظیم پاک و ہند میں لوہے کو متعارف کرایا۔ اس کے جلد ہی بعد لوہے کو زراعت میں استعمال کیا جانے لگا اور پھر عام اور سادہ لکڑی کے ہل کے بجائے لوہے کے پھل والے ہل استعمال ہونے لگے۔ لوہے کے اس طرح استعمال نے آریاؤں اور برعظیم کے لوگوں کی زندگی میں ایک اور ترقی یافتہ انقلاب پیدا کر دیا۔ اس طرح سخت زمینوں میں بھی ہل چلا کر کھیتی باڑی کی جانے لگی۔ اس وقت آریاؤں نے بھی گندم اور جو کے علاوہ کپاس اور دیگر کئی فصلیں اگانی شروع کر دی تھیں۔ اسی طرح لوہے کے معیاری کلہاڑے، آرے اور بھالے بنائے جانے لگے تھے۔ اس سے لوگوں میں لکڑی کا استعمال بھی بڑھا اور لکڑی سے کئی نئی نئی چیزیں تیار کی جانے لگیں، جنگلوں کو کاٹ کر کھیت بنائے جانے لگے اور اچھے اور زیادہ گہرے کنویں کھودے جانے لگے۔ اس طرح زراعت کی ترقی کا بڑا مرکز پنجاب بن گیا اور پھر اسی ترقی اور زرعی طریقوں کی تقلید برعظیم پاک و ہند کے دوسرے علاقوں میں بھی کی جانے لگی۔

Marfat.com

جیسا کہ اس سے پیشتر بتایا گیا ہے کہ آریا وادی سندھ کے پورے علاقے کو سات دریاؤں کی وادی یا "سپت سندھو" ایرانی حوالے سے "ہفت سندھو" کہتے تھے۔ یہی سندھو بعد میں رفتہ رفتہ ہند اور ہندو ہو گیا اور سندھ بھی قائم رہا۔ اسی علاقے کی نسبت سے یہاں کے تمام مقاموں، لوگوں اور آریاؤں کو بھی ہندو کہا جانے لگا۔ ویسے آخری ویدوں میں دریائے ہاکرہ اور دریائے جمنا کی درمیانی وادی کو بھارت بھی کہا جاتا تھا۔ دریائے ہاکرہ کے قریب آریاؤں کے مقام اور آریاؤں کی ہاکرہ سے محبت کے کئی ثبوت بہاولپور میں چولستان کے شمال مغرب سے ملے ہیں۔ یہاں سے جو روغن شدہ مٹی کے برتن دستیاب ہوئے ہیں وہ مشرقی پنجاب کے علاقہ راجستھان اور دریائے گنگا کے دوآبے میں بھی ملتے ہیں۔

آریاؤں نے محسوس کیا کہ ان کے لئے گنگا اور جمنا کی وادی بڑی سکون دہ ثابت ہوئی۔ ویسے بھی کہا جاتا ہے کہ جو بھی حملہ آور گنگا جمنا کی وادی میں چلا جاتا وہ پھر وہیں کا ہو کر رہ جاتا۔ شاید اس وادیٔ گنگا جمنا کی جغرافیائی صورت ایک مقفل قلعے کی سی تھی۔ آریاؤں نے تو اس زرخیز وادی میں چاول کی کاشت پر سب سے زیادہ توجہ دی اور خوب چاول پیدا کئے۔ اسی عہد میں اور اسی وادیٔ گنگا جمنا میں آریاؤں نے اپنا آخری وید ترتیب دیا۔ ویسے بھی قریباً ڈیڑھ ہزار سال تک اس خطۂ زمین میں رہتے ہوئے اب آریاؤں کے اطوار خاصے بدل چکے تھے، انہوں نے اپنے جاتی ورت میں بھی کئی طرح کی لچک پیدا کر لی تھی، کسی بھی چھوٹی جاتی کا دشمن اپنی قابلیت کے باعث اور اپنے کارناموں کے باعث کھشتریوں میں شامل ہو سکتا تھا اور اسی طرح براہمنوں نے بڑی حد تک مذہبی نظام کے ساتھ ساتھ انتظامی امور بھی سنبھالنے شروع کر دیئے تھے۔ اب انہوں نے شودروں سے کام لینے پر انہیں اچھا معاوضہ اور حصہ دینا شروع کر دیا تھا۔ دیہاتوں کے قبائل بھی اب اچھے خاندان بن چکے تھے اور وادی گنگا جمنا

Marfat.com

اب تک زراعت کا ایک بڑا مرکز بن گئی تھی. بلکہ دریاؤں اور کشتیوں کے ذریعے تجارت کو فروغ حاصل ہونے لگا تھا۔ قبائل اور خاندانوں میں سے اب ایک منظم نظام اور زندگی ابھرنے لگی تھی. اسی عہد میں مہذب شہری زندگی کا آغاز ہوا. براہمن نے اپنے مقام کو اور بھی مستحکم اور مضبوط کر لیا. اسی طرح دور دراز کے کئی قبائل نے باہم مل کر اپنا اپنا جداگانہ نظام سلطنت قائم کر لیا. پہلے پہل تو چھوٹی سلطنتوں اور آبادیوں کے راجے بڑے آدمی اور بزرگ منتخب کیا کرتے تھے. لیکن پھر ایک وقت آیا کہ سردار اور راجے موروثی ہو گئے. باپ کے بعد بیٹا حکومت کرنے لگا. اسی عہد میں آریاؤں نے کئی شہر اور قصبے بسائے اور انہیں محصور اور قلعہ بند کیا. ہر قلعہ بند شہر میں چار چار دروازے بنائے جاتے تھے. اب تک آریاؤں نے ہندوؤں کے پرانے رسم و رواج میں بڑی تبدیلیاں کر دی تھیں، براہمن مذہبی گدی بردار سرداروں اور حکمرانوں کی تاجپوشی کیا کرتے تھے. براہمنوں کو اب دولتِ سلطنت میں بھی کچھ نہ کچھ حصہ ملنے لگا تھا. اسی طرح ہندوؤں کا سب سے اوپر والا طبقہ زیادہ خوشحال اور مالدار ہونے لگا تھا۔

ہندوؤں کی ذات پات کی تقسیم

آریاورت میں کچھ عرصے کے لئے ذات پات کی تقسیم اور تمیز کسی حد تک لچک اختیار کر چکی تھی. لیکن جونہی سیاسی اور سماجی نظام کو ذرا استحکام ہوا اور براہمن کو زیادہ اہمیت حاصل ہوئی تو ہندوؤں میں ذات پات کی تقسیم شدت اختیار کر گئی پھر کوئی شخص اپنی جاتی سے دوسری جاتی میں جانے کی جرأت بھی نہیں کر سکتا تھا. بلکہ بعد کے ویدوں میں ذات پات کی تقسیم پر زیادہ زور دیا جانے لگا تھا. براہمن کا درجہ سب سے بلند تھا. دوسرے درجے پر کھشتری شمار ہوتے تھے اس طرح یہی دو طبقے زیادہ نعمتوں مراعات اور اختیارات کے حامل تھے دیش لوگوں کو ذرا سا مقام دینے کے لئے انہیں

Marfat.com

اب رسم "سلک مقدس" میں شریک ہونے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ لیکن ویش لوگوں سے شدید سے شدید تر کام لیا جاتا تھا۔ ایسے لوگ کہ بنیادی طور پر آریا نہیں تھی یا جو اونچی جاتیوں کے نہیں تھے ان میں شودروں سے نہایت نیچ قسم کے کام بھی لئے جانے لگے تھے بلکہ انہیں تو باقی لوگوں کے درمیان رہنے اور آنے جانے کی اجازت بھی نہیں تھی۔ شودروں کو مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ باقی تینوں بڑی اور بلند درجہ جاتیوں کی ہمہ وقت خدمت گزاری کرتے رہیں۔ ان کا بچا کھچا اور جوٹھا اور گھٹیا قسم کا لباس پہنیں۔

اس ذات پات کی قطعی تقسیم کے بعد پیشوں اور کاموں کے لحاظ سے بھی لوگوں میں تخصیص اور تقسیم ہونے لگی۔ اس طرح ایک کمہار کا بیٹا کمہاروں ہی میں رہتا اور براہمن کا بیٹا براہمن ہی رہتا۔ کسی چھوٹی جاتی کے کسی بھی شخص کو یہ اجازت نہیں تھی کہ وہ بڑی جاتی کے لوگوں میں بیاہ شادی کر سکے، لیکن صرف مذہبی ٹھیکیدار براہمنوں کو اس طرح کے تصرف کی اجازت تھی بلکہ اسے یہ حق دیا گیا تھا کہ جو چاہے اور جس طرح مناسب سمجھے بغیر کسی روک تھام کے کرتا رہے۔

ذات پات کی اس تقسیم نے جلد ہی چھوٹی جاتیوں کو بھی پیدا کر دیا۔ اس طرح بیسیوں اور پھر سینکڑوں جاتیاں بن گئیں۔ لیکن براہمن اپنی مذہبی گدی پر بے خطر قائم رہا۔ اس طرح رفتہ رفتہ برعظیم پاک و ہند کے قدیم باشندے بھی آریاؤں میں غلط ملط ہو گئے۔ بلکہ یہ عمل وادی گنگا جمنا میں بڑی سرعت سے وقوع پذیر ہوا تھا۔ ذات پات کی اس تقسیم کے نظام نے ایک طرف ہر جاتی کے لوگوں کو ان کے مقام سے آشنا کر دیا اور دوسری طرف ان کے احساسات و جذبات کو ایک طرح کا تحفظ بخش دیا لیکن سماج میں کسی جاتی کے لوگوں کے مقام اور حیثیت کا احساس سب سے زیادہ اجاگر ہونے لگا تھا۔ اس ذات پات کی تقسیم میں عورت کے مقام کو مزید کمتر کر دیا گیا تھا۔ عورتیں کسی بھی طرح ویدوں کو نہ تو پڑھ سکتی تھیں اور نہ انہیں ہاتھ لگا سکتی تھیں، عورتوں

Marfat.com

کو بڑی بڑی مذہبی تقاریب میں شرکت کی اجازت نہیں تھی۔ اونچے طبقوں کی عورتیں ہر طرح کی نعمتوں سے فیض یاب تھیں جبکہ شودر عورتوں پر زندگی کا دائرہ بالکل تنگ ہو چکا تھا۔

رزمیہ عہد

ذات پات اور سماج کی درجہ بندی کا یہ نظام رفتہ رفتہ پیچیدہ اور کٹھن ہونے لگا تھا۔ لیکن اس کے دوران چھوٹی جاتیوں کو اپنا احساسِ محرومی سوچنے پر مجبور کرنے لگا تھا اس احساس کو کم کرنے کے لئے براہمنوں نے مذہبی رسوم میں جادوئی قسم کے ٹوٹکوں کو بھی شامل کرنا شروع کر دیا تھا۔ چھوٹی جاتیوں کے لوگوں نے اپنی مناجاتیں اور بھجن بنا لیئے تھے اور پھر برسوں تک وہ بھی سینہ بہ سینہ انہیں چلاتے رہے۔ اس طرح ان ویدانتی قصے کہانیوں اور مناجاتوں میں رفتہ رفتہ دوسری جاتیوں کی کہانیوں، داستانوں اور افسانوں کا اضافہ ہونے لگا۔

اسی عہد سے متعلق دو مشہور کہانیاں مہابھارت اور رامائن میں موجود ہیں۔ یہ دونوں کہانیاں آخری ویدانت عہد کی ہیں۔ مہابھارت رزم سے پتا چلتا ہے کہ پانی پت کے نزدیک کوندوں اور پاروؤں کی شدید جنگ ہوئی۔ مشرقی راجے اور سلطنتیں کوروؤں کی ہمدرد اور حمائتی تھیں۔ جبکہ مغربی علاقوں کے سرداروں اور راجاؤں نے پانڈوؤں کا ساتھ دیا اور یہ جنگ مغربی علاقوں کے پانڈوؤں ہی نے جیتی تھی۔ اس جنگ کا عہد جو ہمیں معلوم ہوا ہے اس سے قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ ۹۵۰ قبل از مسیح کے قریب لڑی گئی تھی۔

دوسری رزمیہ داستان رام کی داستان ہے۔ جس میں رام کی بیوی سیتا کو راون بھگا کر لے جاتا ہے اور پھر رام اپنے بھائیوں اور قبائلی علاقوں کے لوگوں کی مدد اور بندر

Marfat.com

دیوتا ہنومان کی رہنمائی میں سیتا کو واگذار کرا کے لاتا ہے۔ رامائن میں اس رزم کے بیان میں دیومالائی انداز کو بھی اپنایا گیا اور شاید رام کو آریاؤں کی علامت اور راون کو یہاں کی محکوم جاتیوں کی علامت کے طور پر سمجھا گیا ہے۔ یہ دونوں رزم اپنے عہد اور اپنے انداز و اسلوب کے اعتبار سے دنیا کی عظیم ترین رزم شمار کی جاتی ہیں۔

رزمیہ عہد کے بعد آریائی ہندوؤں کا زیادہ رجحان گنگا جمنا ہی کی وادی کی جانب رہا۔ وادیٔ سندھ اور پنجاب کے علاقوں میں یہاں کے کسانوں اور زمینداروں نے اپنی تہذیب و تمدن کو زندہ رکھا۔ ویسے بھی خیال ہے کہ آخری رزمیہ عہد میں اصل آریا لوگ بھی پنجاب کے علاقوں سے کوچ کر کے وسطی ہندوستان اور گنگا جمنا کی وادیوں میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ ذات پات کا وہ نظام جو آریاؤں نے بڑی شد و مد سے گنگا جمنا کی وادیوں میں نافذ کر دیا تھا وہ بڑی دیر کے بعد ان علاقوں کا مقدر رہا۔ بلکہ ہمارے علاقوں میں عرصہ تک زرعی زمینیں لوگوں کی مشترکہ ملکیت رہیں۔ اسی طرح جن دنوں گنگا اور جمنا کی وادیوں میں بادشاہت اور حکومت موروثی ہو چکی تھی۔ اس عہد میں بھی پاکستان کے علاقوں صوبہ سرحد، بلوچستان اور پنجاب میں بڑی حد تک قبائلی نظام رائج تھا۔ شاید قبائل اور خاندان کے سرداروں کا انتخاب تمام لوگوں کی مرضی کے مطابق کیا جاتا تھا۔ لیکن طاقت اور مال مویشیوں کی تعداد کو بھی پیش نظر رکھا جاتا تھا۔ اس دور میں کشمیر اور پنجاب میں جنگجو کھشتریوں کی حکومت تھی۔ اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ آریا لوگ وسطی ہند سے نکل کر شمال مغربی سرحدی دروں میں سے گزر کر سیدھے گنگا جمنا کی وادی میں چلے گئے اور وہاں جا کر انہوں نے آریا ورت اور ذات پات کا نظام رائج کیا۔ صرف یہی صورت نہیں ہے بلکہ آریاؤں نے وادیٔ سندھ کی تہذیب کو نابود کیا۔ یہاں کے کسانوں سے زراعت کے بارے میں بہت کچھ سیکھا اور پھر یہاں کے بچے کھچے لوگوں کو اپنی رسم و رواج سے مغلوب رکھا۔

Marfat.com

جاتی ورت کا ردِ عمل

ہندوؤں کے جاتی ورت اور نظامِ ذات پات میں تمام انسانوں میں براہمن نے سب سے زیادہ اہمیت اور مرتبہ حاصل کر لیا تھا۔ اخلاقیات اور مذہبی تعلیمات کے پرچار پر اس کی اجارہ داری تھی۔ وہی ویدانتی تعلیمات کا محافظ اور پرچارک تھا۔ لوگوں کی سیاسی، سماجی اور معاشی زندگی میں بھی براہمن ہی سب سے زیادہ اثر انداز ہوتا تھا۔ لوگوں کی تعلیم و تربیت اور ان پر کسی طرح کے نظام کا نفاذ بھی براہمنوں کے حوالے سے تھا۔ وہی انتظامی امور میں مداخلت کرتا اور وہی لوگوں کے فلاحی کاموں کی اجازت دیتا تھا۔ انصاف اور عدل کے تقاضے پورے کرنے کے لئے بھی تمام لوگوں کو براہمن ہی کا دستِ نگر ہونا پڑتا تھا۔ براہمن کا فلسفہ حیات اسی پر مدار کرتا تھا کہ تم لوگ اچھے کام کرو تاکہ دوسرے جیون میں تم بھی اونچی جاتی میں پیدا ہو سکو۔ اور یہ سب کچھ مکتی اور نجات کے ذریعے ممکن ہو گا۔

براہمن کے اس مقام اور طرزِ استدلال نے دیگر چھوٹی جاتیوں کے دلوں میں کئی طرح کے شکوک و شبہات پیدا کر دیئے تھے۔ لوگوں نے اپنی صریحاً حق تلفیوں سے تنگ آکر ردِ عمل کا اظہار کرنا شروع کر دیا تھا۔ لیکن براہمن بھی ہمہ وقت لوگوں کو مذہبی حوالے سے ڈراتے دھمکاتے رہتے تھے لوگوں کے بعض طبقوں نے براہمن کے ان رویوں کے خلاف بغاوت اور حکم عدولی کو بھی اختیار کرنا شروع کر دیا تھا۔ براہمن کی شدید گرفت اور عام لوگوں کے احساس اور ان کی آگہی سے نوبت یہاں تک آپہنچی تھی کہ کوئی سماجی اور معاشی انقلاب ناگزیر ہو کر رہ گیا تھا۔ اس طرح کے انقلاب کے محرک زیادہ تر چھوٹی جاتیوں کے لوگ اور غریب عوام ہی تھے وہی براہمن کے خلاف بغاوت کر رہے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ براہمن اور سلطنتوں کے حکمرانوں نے اسی نظام کو رائج اور قائم

Marfat.com

دائم رکھنے کے لئے شاہی مورخوں کی مدد سے "پران" لکھوانے شروع کر دیئے۔ یہ پران ایک جانب تو اس عہد کی تاریخ بتاتے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی پرچار کرتے کہ جاتی ورت کی یہ تقسیم اصل میں مقدر اور قسمت کی بات ہے۔ پرانوں میں مورخین نے بڑی حد تک زمینی مسائل اور حالات کو بھی پیش نظر رکھا۔ پرانوں میں یہ بھی کہا گیا کہ "منو" ہے کہ جس نے بنی نوع انسان کے لئے ایک کشتی تعمیر کر کے بہت بڑے طوفان سے بچایا ہے۔ منو کے اس واقعے سے ایک اشارہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی اور طوفانِ نوح کا بھی ملتا ہے۔ اسی منو نے ہندوؤں کے لئے ویدوں کے بعد از سر نو اور کسی حد تک لوگوں کے تقاضوں اور جدید حالات کو پیش نظر رکھ کر قوانینِ مذہبی ترتیب دیئے۔ انہیں منو قوانین کا نام دیا جاتا ہے۔

منو کے پیش کردہ ان نئے مذہبی قوانین کے باوجود لوگوں کو جاتی ورت میں امتیازی سلوک اور حیثیت سے چھٹکارہ حاصل نہ ہو سکا۔ اس سلسلے میں شمالی ہندوستان میں زیادہ بے چینی رہی۔ ویسے بھی شمالی ہندوستان میں یہ جاتی ورت ابھی نیا نیا تھا۔ لوگ اسے قبول کرنے سے ہچکچا رہے تھے۔ بعض لوگ اس نظام کے خلاف بطور احتجاج تارک الدنیا ہونے لگے تھے۔ اسی دوران میں ہندو تعلیمات کا ایک اور گروہ یا نظام پیدا ہوا۔ اسے ہندو اُپنشد نظام کہتے تھے۔ اپنشدوں کا بنیادی مقصد بھی وہی تھا جو ویدوں کی تقسیم ذات پات کا تھا۔ اس میں فرق صرف اتنا تھا کہ اب اس صورت حال کو ان کے اپنے عہد کا کوئی بزرگ براہمن بیان کرتا تھا اور لوگ ان مذہبی مسائل کو بڑے خلوص اور کسی دلیل کے بغیر سنتے تھے

اپنشدوں کی تعلیمات میں یہی کہا جاتا تھا کہ کچھ لوگ اعلیٰ جاتیوں میں کیوں پیدا ہوتے ہیں اور وہ ہمیشہ دنیا کی ہر طرح کی آسائشوں سے مالا مال رہتے ہیں! اسی طرح کچھ لوگ نیچ اور چھوٹی جاتیوں میں کیوں پیدا ہوتے ہیں؟ منطق یہ پیش کی جاتی تھی کہ جو اس جیون میں اعلیٰ جاتیوں میں پیدا ہو رہے ہیں۔ انہوں نے پہلے جیون میں نیک کام اور نیک اعمال کئے ہیں اور جو نیچ اور گھٹیا جاتیوں میں پیدا ہوئے ہیں انہوں نے پہلے

Marfat.com

جیون میں پاپوں بھری بُری زندگی گزاری ہے۔ اور اسی طرح اگر لوگ اس جیون میں نیک کام کریں گے تو وہ پھر اگلے جیون میں کسی اعلیٰ جاتی میں پیدا ہو سکتے ہیں اور جو لوگ اس جیون میں اعلیٰ جاتی میں ہونے کے باوجود گناہ اور پاپ کریں گے وہ آمدہ جیون میں ادنیٰ اور کمتر جاتیوں میں پیدا ہو سکتے ہیں۔ اس جیون کی نیچ جاتیوں کے لوگ اپنے پاپوں کے کارن آمدہ جیون میں آدمیوں سے بھی ادنیٰ یعنی جانوروں کے روپ میں بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔

اپنشدوں نے یہ بھی تصور دیا کہ تمام دیوتاؤں اور خداؤں سے بڑا" براہما" ہے اسی براہما کی آتما جیو آتما کے اندر ہے اس حوالے سے براہما پرم آتما بھی ہے۔ اگر آدمی درست اور صحیح کام کرے گا تو وہ پرم آتما سے ہمکنار ہوگا۔ اور اس طرح وہ بار بار پیدا ہوتا رہے گا اور ہمیشہ براہما کی طرح زندہ رہے گا۔ اس فلسفے کو براہمنوں نے اپنی جانب منعطف کر لیا اور کہا کہ براہمن ہی براہما میں سے ہیں۔ اپنشدوں کا یہ مذہبی فلسفہ بڑا رنگین اور وعدہ بھرا تھا۔ بے شمار لوگ اس سے متاثر ہوئے اور انہوں نے وقتی طور پر براہمن کی مخالفت ترک کر دی اور اپنی جاتی اور جیون پر شاکر اور مطمئن ہو گئے۔

گو اپنشدوں کے اس نئے فلسفے کی رنگینی نے جلد ہی برعظیم پاک و ہند کے لوگوں کو اپنے اپنے "کرم" اور دوبارہ کسی نہ کسی روپ میں پیدا ہونے کے سحر میں گرفتار کر لیا۔ شمالی ہندوستان کے لوگوں کی اکثریت نے اسے بخوشی قبول کر لیا اور اس طرح براہمن ایک بار پھر اپنی بلند گدی پر براجمان رہا۔ لیکن اس ساری صورت حال کے باوجود بھی متعدد لوگ اس نظام سے مایوس اور ناخوش تھے انہوں نے محسوس کیا کہ ان مذہبی وضاحتی اپنشدوں کو سمجھنا خاصا دشوار ہے اس اپنشد مذہبی نظام سے چھوٹی جاتیوں اور خصوصاً چھوٹے پیشوں کے لوگوں مثلاً شودروں اور ویش کی ضمنی جاتیوں میں بہت بے چینی پھیل گئی۔ ہنر پیشہ لوگ، تاجر اور دیگر فنون کے

Marfat.com

ماہرین کے لئے بھی یہ مذہبی نظام اور مذہبی توجیحات قابل قبول نہیں تھیں۔ کیونکہ وہ لوگ اپنے اپنے پیشوں اور فنون کے لحاظ سے مناسب مقام اور عزت چاہتے تھے۔ لیکن اپنشد نظام تو محض براہمن کو عزت و تکریم بخشتا تھا۔ وہ کسی ایسے مذہبی نظام کے طالب تھے جس میں وہ خود اپنے ان پیشوں کے باوجود شریک ہو سکیں اور حصہ لے سکیں۔ ان لوگوں کی نظریں کسی انسانیت بخش اور انسانیت کے ہمدرد مذہب کی جانب لگی تھیں۔

گندھارا تہذیب

ساتویں صدی قبل از مسیح کے لگ بھگ شمالی ہندوستان اور دکن قریباً سولہ مختلف ریاستوں یا حکومتوں میں بٹ چکا تھا۔ "کمبوجہ" ایک ایسا علاقہ تھا کہ جہاں کے لوگ ہندوستان کے باقی لوگوں کے مقابلے میں مختلف زبان بولتے تھے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ یہ علاقہ اصل میں وادئ سندھ ہی کا علاقہ تھا۔ کیونکہ اس علاقے پر وادئ سندھ کے شمال مغربی لوگوں نے قبضہ کر رکھا تھا۔ اسی دور میں ہمارے پاکستان کے موجودہ علاقوں میں گندھارا کا علاقہ سب سے زیادہ مستحکم اور مضبوط تھا۔ اس گندھارا علاقہ میں "پشکلاوتی" (پشاور کے نزدیک غالباً چارسدہ کا علاقہ) اور "ساکلا" (شاید سیالکوٹ) اور "ٹیکسلا" سب سے مشہور اور مہذب شہر تھے۔ ان میں سے شہر ٹیکسیلا کی کھدائیوں سے تو واضح ہو گیا ہے وہ سات سو قبل از مسیح کے لگ بھگ ایک بھرپور آباد شہر تھا۔

ایران کے سائرس اعظم نے تیس سال کے اندر اندر اپنی سلطنت کو یونان سے دریائے سندھ تک بڑھا لیا تھا اور پھر ۵۳۰ قبل از مسیح میں گندھارا کا صوبہ سلطنت کا سب سے اہم اور مشہور صوبہ تھا۔ سائرس اعظم کے بیٹے نے اسی سلطنت میں مصر اور سائپرس کو بھی شامل کر لیا تھا ۵۲۲ قبل از مسیح میں اسی وسیع و عریض سلطنت پر فارس

Marfat.com

کے دریوس اعظم نے قبضہ کر لیا تھا۔ یونان کا مشہور زمانہ تاریخ دان "ہیرودوٹس" دریوس اعظم (دارا) کے بیٹے کے دورِ حکومت میں موجود تھا۔ اس نے دریوس کی فتح "ہندوش" کے بارے میں لکھا ہے۔ اس "ہندوش" میں سندھ اور پنجاب کا سارا علاقہ شامل تھا۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دریوس اعظم نے دریائے سندھ میں کشتیوں کے ذریعے سفر کو بھی رائج کیا تھا۔ اس طرح وہ کشتیاں بحرہ عرب میں دریائے سندھ کے دہانے تک پہنچ جاتی تھیں اور وہاں سے پھر خلیج فارس کے لئے ایرانی بحریہ کام کرتی تھی۔ لہٰذا اس عہد میں دریوس اعظم اور اس کے جانشینوں نے سندھ اور بلوچستان کے ساحلی علاقوں پر اپنی بحری قوت سے قبضہ اور تسلط قائم رکھا۔

ہیرودوٹس نے جس ہندوش کا ذکر کیا ہے۔ اس صوبے کا دارالحکومت ٹیکسیلا ہی تھا۔ یہاں پر آبادی کی کثرت تھی اور تہذیب و تمدن بھی عروج پر تھا۔ اس طرح یہ سارا صوبہ ہندوش سلطنت ایران کا سب سے اہم اور مرکزی صوبہ تصور کیا جاتا تھا اسی علاقے سے شاہنشاہ ایران کے لئے سونے کی ایک بڑی مقدار اور دیگر کئی طرح کے تحائف بھیجے جاتے تھے۔ سلطنت ایران کے دوسرے علاقوں میں لڑائی اور تحفظ کے لئے بھی اسی صوبہ ہندوش ہی سے کرائے کے سپاہی بھجوائے جاتے تھے۔ ایسے سپاہیوں کی سفید سوتی اور روئی کی پٹیاں ہوتی تھیں اور ان کے پاس لوہے کی تیز نوک والے تیر اور بھالے بھی ہوتے تھے۔

چھٹی صدی قبل از مسیح میں ہمارے علاقوں میں ایرانی طرز کے سکے بھی رائج ہو چکے تھے۔ اس عہد کا جو سب سے پہلا اور اولین سکہ ملا ہے وہ چاندی کا بنا ہوا ہے اور مستطیل کی صورت میں ہے یہ سونے یا چاندی کی اینٹوں جیسے سکے ایسے تھے۔ ان کی تین اطراف میں تین تین گول نشان موجود ہیں۔ اسی عہد کا ایک دوسرا سکہ ایک طرح کی چاندی کی سلاخ کی صورت میں ملا ہے۔ اس پر ایک طرف دباؤ سے کوئی نشان بنایا ہوا ہے

Marfat.com

اس قسم کے ابھی صرف چند ہی سکے مل سکے ہیں۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایسے سکے شاید قلیل مقدار میں ڈھالے گئے تھے اور شاید ان کی مالیت اس قدر زیادہ تھی کہ انہیں زیادہ پھیلایا نہیں گیا تھا۔

بُدھ مَت

ہندوؤں اور آریاؤں کا جاتی ورت بہر صورت لوگوں کے لئے مستقل طور پر بے چینی کا سبب بنا ہوا تھا۔ گندھارا علاقوں میں ذات پات کی یہ تقسیم زیادہ شدید نہیں تھی۔ لیکن مرکزی اور شمالی ہندوستان اور وادئ گنگا جمنا میں تو پورا سماج طبقاتی اور ذات پات کی تقسیم کا شکار تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے شدید ردِ عمل کے طور پر شمالی ہندوستان سے بدھ ازم کا آغاز ہوا۔

شہزادہ سدھارتھ قریباً ۵۶۶ قبل از مسیح میں نیپال کی شمالی سرحد کے قریب پیدا ہوا اس کا والد ایک کھشتری ہندو تھا۔ باپ نے بیٹے کو ہر طرح کی آسودگی دی اور اسے کسی طرح کے غم، الم، دلگیری یا ناکامی کا سایہ نہ پڑنے دیا۔ باپ نے سدھارتھ کے جوان ہونے پر اپنے رشتہ داروں کی ایک خوبصورت شہزادی سے شادی کر دی۔ اس میں سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔

سدھارتھ مزاجاً ایک حلیم طبع اور شریف النفس نوجوان تھا ایک دن جب وہ شاہی پارک میں ہرن کا شکار کرنے کے لئے نکلا تو یہاں پر اس نے بے شمار دلدوز واقعات دیکھے۔ مجبور اور مقہور انسانوں کو غموں سے نڈھال دیکھا اس نے یہاں پر کئی بیماروں، لاچاروں اور بوڑھوں کو اس حالت میں پایا کہ ان کا کوئی پرسان حال نہیں تھا۔ پھر اس نے لوگوں کو غم واندوہ کی حالت میں ایک مردہ کو اٹھائے ہوئے بھی دیکھا۔ شہزادہ سدھارتھ کے دل پر ان تمام نظاروں اور واقعات نے گہرا اثر کیا۔ اس نے گھر آکر

Marfat.com

اس دکھوں بھری دنیا کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ بالآخر ایک رات وہ اپنے چھوٹے بچے اور جوان بیوی کو سوتے چھوڑ کر جنگل میں بھاگ کھڑا ہوا۔ سدھارتھ نے گھر کی تمام نعمتیں اور آسائش و سکون صرف اس لئے تیاگ دیا کہ وہ اس دکھوں بھری دنیا میں تمام انسانوں کے لئے کوئی امن و سکون کی راہ تلاش کرے۔

سدھارتھ چھ سال تک انسانوں سے دور جنگلوں میں مارا مارا پھرتا رہا اور پھر ایک وقت آیا کہ اس نے نروان حاصل کر لیا۔ اب اس نے نروان کے ذریعے سے محسوس کر لیا تھا کہ وہ دکھوں اور غموں سے اور زندگی اور موت سے بالاتر ہو گیا ہے۔ اس نے یہ ارادہ کر لیا کہ وہ اپنے گرد و نواح، دوسرے انسانوں کو بھی غموں اور آلام سے نجات دلائے گا۔ ایک بار اس نے پھر قریہ قریہ پھر کر لوگوں میں پرچار کرنا شروع کر دیا۔ لوگوں نے اس کے پرچار کو بڑے خلوص اور توجہ سے سننا بھی شروع کر دیا۔ اب وہ سدھارتھ نہیں تھا بلکہ "بدھ" تھا یعنی نروان یافتہ یا روشنی کا حامل۔ لوگوں نے بدھ کے پرچار کو اس لئے بھی سنا اور قبول کیا کیونکہ وہ دنیا کے ہارے ہوئے انسانوں کا ہمدرد تھا۔ وہ محروم اور مقہور و مجبور لوگوں کے لئے پیغام زندگی لایا تھا۔

بدھا نے جب اپنی تعلیمات کا پرچار شروع کیا ان دنوں جاتی ورن میں زیادہ تر سنسکرت زبان بولی جاتی تھی۔ اس زبان کے بارے میں بھی براہمنوں نے بتایا تھا کہ یہ دیوتاؤں کی زبان ہے۔ اسے براہمن کے علاوہ چھوٹی جاتی کے لوگ نہیں بول سکتے۔ بڑی حد تک سنسکرت براہمنوں اور خواص تک ہی محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ ہندوؤں کے دوسرے طبقے کئی مختلف اور غیر واضح زبانوں کے ساتھ ساتھ "پراکرت" بھی بولتے تھے عام لوگوں اور غریبوں کی زبان پراکرت ہی تھی گوتم بدھ نے اپنی تبلیغ اور پرچار کا آغاز بھی اسی عوام کی زبان "پراکرت" ہی میں کیا تھا۔

گوتم بدھ نے اپنے پرچار میں کہا کہ لوگوں کو چاہیئے کہ وہ لالچ، حرص اور دام آرزو

Marfat.com

کو اپنے سے دُور رکھیں، اسی میں غموں اور مصائب سے نجات ہے۔ لوگوں کو دو انتہاؤں یعنی بدن پرستی اور خود اذیتی سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ اس نے لوگوں کو دعوت دی کہ وہ آٹھ اصولوں والی راہ کو اختیار کریں۔ وہ آٹھوں اصول صحیح خیال اور سوچ، صحیح عمل، صحیح ارادہ، صحیح کلام اور صحیح کام وغیرہ ہیں۔ ان سب اصولوں کا تعلق عمل سے ہے۔

گوتم بدھ نے مقہور و مجبور انسانوں کو ایک یہ نوید بھی سنائی کہ وہ اپنی زندگیوں کو مذہبی طور پر بھی خود ہی گزار سکتے ہیں۔ اس کے لئے انہیں کسی طرح کے براہمن پیشوا کی ضرورت نہیں ہے اس اصول سے ثابت ہوا کہ گوتم بدھ کی تعلیمات براہمن نظام کے برعکس تھیں۔ اس لئے عام لوگوں کو ان میں زندگی اور پوری کشش دکھائی دی۔ گوتم بدھ نے نہ صرف اپنی تعلیمات سے براہمن کی مذہبی اجارہ داری کو کمزور کیا بلکہ اس نے یہ بھی کہا کہ آدمی ' رت اور وقار اس میں نہیں کہ وہ کس جاتی یا سماج کے کس طبقے سے تعلق رکھتا ہے اصل وقار اور عزت کا باعث اس کا وہ طریقہ زندگی ہے کہ جو وہ خود اختیار کرتا ہے۔ یہی نہیں گوتم بدھ نے یہاں تک کہنے کی جرأت کی کہ اگر کوئی اچھا شخص شودر بھی ہے تو اس کی عزت براہمن سے بھی زیادہ ہے۔ اسی طرح اگر کوئی براہمن برا ہے تو وہ شودر سے بھی ارزل ہے۔

ذات پات میں پسے ہوئے لوگوں کو اس نئے مذہب بدھ مت میں اس قدر سکون و عافیت میسر آئی کہ جلد ہی لوگوں نے جوق در جوق بدھا کی تعلیمات کو اپنانا شروع کر دیا۔ دوسری طرف بدھا کی تعلیمات کو ضرب براہمن پر براہ راست پڑی تھی۔ اس لئے براہمنوں نے ایک حد تک بدھ مت کے ماننے والوں کو اور بھی مذہبی حوالوں سے ڈرانا دھمکانا شروع کر دیا۔ بلکہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ براہمنوں نے بدھ مت کے پرچارک لوگوں پر ظلم و ستم ڈھانے شروع کر دیئے۔ لیکن اس پوری مخالفت کے باوجود صنعت و حرفت کرنے والے لوگوں، تاجروں اور عام طبقوں کے لوگوں نے

Marfat.com

بُدھ مت کو اپنانا شروع کر دیا۔ چھوٹی جاتیوں کے کسانوں اور زراعت پیشہ لوگوں کی بھی ایک بڑی تعداد نے اس نئے مذہب کو قبول کر لیا۔ شمالی ہندوستان کے لوگوں نے بُدھ مت کو قبول کر لیا۔

بُدھ مت کے اس فروغ کے ساتھ ساتھ براہمن بدستور بُدھ مت کی مخالفت پر ڈٹا رہا۔ ایک وقت آیا کہ براہمن نے بُدھ مت کو بھی ہندو مت ہی کی ایک قسم قرار دے کر اسے ذات پات کے نظام میں خلط ملط اور ضم کرنے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں ہندوؤں کو کئی طرح کے برہمناس اور شاستر بھی بنانے پڑے۔ لیکن اس وقت تک بُدھ مت کے پرچارک مرد اور عورتوں نے تبلیغ و وعظ کو اس قدر پھیلا دیا تھا کہ اب بُدھ مت بھی براہمن کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ متعصب ہندوؤں اور براہمنوں کا جب اور بس نہ چلا تو انہوں نے گوتم بُدھ کو کئی طرح کے لالچ دے کر خریدنے کی کوشش بھی کی اور اسی طرح بدھ مت کے دیگر پرچارکوں کو کئی طرح کی مراعات دینا چاہیں۔ لیکن نئے مذہب کے ان پرچارکوں نے ان تمام لالچوں اور مراعات کو ٹھکرا دیا۔ براہمن نے اب مزید شدید اقدامات کر کے گوتم بُدھ اور اس کے پرچارکوں کو جان سے قتل کر دینے کے منصوبے بھی بنائے۔ لہٰذا جہاں بدھا خود یا ان کے پرچارک تبلیغ کرتے وہاں پر براہمن گڑبڑ پھیلا دیتے اس طرح اب ہندوؤں اور براہمنوں نے بدھ مت کے بانی پرچارکوں اور پیروکاروں پر سختیاں بھی شروع کر دی تھیں۔ بالآخر بدھ مت کے پرچارکوں نے وادی سندھ کے شمالی علاقوں اور گندھارا تہذیب کے علاقوں کا رُخ کیا تو یہاں پر بدھ مت کو خوب خوب عروج اور ترقی حاصل ہوئی۔ گوتم بدھ نے خود بیاسی سال کی عمر میں وفات پائی گوتم بدھ کی وفات تک بدھ مت ایک نجات دہندہ مذہب کے طور پر لوگوں میں خاصا مقبول اور محبوب ہو چکا تھا۔

Marfat.com

جین مت

ابھی بدھ مت بھی رفتہ رفتہ پھیل رہا تھا کہ اسی عہد میں گوتم بدھ ہی کی طرح شمالی ہندوستان کے ایک کھشتری گھرانے میں ۵۲۷ قبل از مسیح کے قریب مہاویر پیدا ہوا۔ مہاویر بھی گوتم بدھ کی طرح ہندوؤں کی اس ذات پات کی تقسیم کا ستایا ہوا شخص تھا۔ اس نے بھی تیس سال کی عمر میں اپنی بیوی اور ایک بیٹی کو چھوڑ دیا اور وہ بارہ سال تک جنگلوں میں مارا مارا پھرتا رہا تب اس نے بھی ایک سچائی تلاش کر لی۔ اس سچائی کے پانے کے بعد وہ "جین" کہلایا۔ اس کا مطلب فتح پانے والا یا فاتح ہے۔ اس کے ماننے والے جینی کہلاتے ہیں۔ اس نے بھی بدھ مت کی طرح ابدی خوشی کی تلاش کا پرچار کیا۔ اس نے لوگوں میں تبلیغ کی کہ آدمی کو ہر حالت میں سچا اور راست رہنا چاہیئے اور علم کے ذریعے سے مکتی حاصل کرنی چاہیئے اس نے کہا کہ جس طرح اپنشدوں میں علم کے ذریعے نجات حاصل کرنے کے لئے کہا گیا وہ طریقہ ناممکن اور محال ہے مہاویر نے یہ بھی کہا کہ ہر شخص محض بذات خود خدا جیسی عظیم ذات کا ادارک اور احاطہ کرنے سے قاصر ہے اس سلسلے میں مہاویر نے ایک ہاتھی اور چھ اندھوں کی مثال پیش کی کہ ہر اندھے نے ہاتھی کے بارے میں اتنا ہی جانا کہ جس قدر اس نے خود اکیلے نے محسوس کیا۔

اس لئے چونکہ اکیلے پن میں کامل ادارک ممکن نہیں ہے۔ ضروری ہے کہ آدمی اپنے روح یا آتما کو پاکیزگی بخشے یہ پاکیزگی علم کے ذریعے سے صحیح عقیدے اور صحیح عمل کی بدولت حاصل کرے۔ اس سلسلے میں مہاویر جین نے بتایا کہ تین اصول یوں ہیں کہ دوسرے لوگوں اور دوسروں کو تکلیف دینے کے بجائے ان کی مدد کی جائے جین مت بھی چونکہ براہمن اور ہندو ذات پات کی تقسیم کے خلاف ایک ردِ عمل کے طور پر ابھرا تھا اس لئے اسے بھی بدھ مت کی طرح لوگوں نے بڑی خوشی اور

Marfat.com

فراوانی سے قبول کیا خصوصاً اہل حرفہ لوگوں، کسانوں اور غریبوں نے اسے سینے سے لگایا
یہاں پر اس امر کا اظہار دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ چھٹی صدی قبل از مسیح کو دنیا جہاں کی مذہبی تحاریک اور مذہبی تبدیلیوں کے اعتبار سے بڑی اہمیت حاصل ہے یوں لگتا ہے کہ اس عہد میں انسان نے مذہبی شعور کی آنکھیں بھی کھول لی تھیں اسی چھٹی صدی قبل از مسیح میں چین میں کنفیوشیس نے اپنی تعلیمات کا چرچا کیا۔ ایران میں زرتشت ایک نجات دہندہ کے طور پر ابھرا۔ اور یونان میں فیثاغورث نے فرسودہ مذہبی نظام کے خلاف بغاوت کی مصر اور بابل میں بھی اس دور میں مذہبی انقلابات پیدا ہوئے۔ پھر اسی دور میں برعظیم پاک و ہند میں براہمن کی مذہبی اجارہ داری کے خلاف ردعمل کے طور پر بدھ مت اور جین مت پیدا ہوئے۔ ہندو ذات پات میں براہمن کو ہر طرح سے اولیت حاصل تھی اور کھشتری کی ثانوی حیثیت تھی لیکن تمام جاتیاں ان سے نہایت کمتر اور ارذل تھیں۔ جینیوں نے "آہمسا" یعنی کسی بھی ذی حیات یا جاندار کو کسی طرح ایذا نہ پہنچانے کا پرچار کیا۔ اسی طرح انہوں نے سب سے پہلے ہندوؤں کی بھینٹ چڑھانے کی رسم کی مخالفت کی پھر نظریہ بھی دیا کہ دنیا میں موجود ہر چیز کے اندر جان اور خدا ہے۔ انسان کے اندر بھی خدا موجود ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جین مت میں اس طرح خدا کی ایک طرح سے نفی بھی کی جاتی ہے۔

تاریخی تحقیق سے یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ جین ازم کا بانی کوئی ایک شخص نہیں تھا بلکہ اس فلسفہ حیات پر قریباً ایک سو سال تک کئی افراد نے کام کیا ہے ان سب سے مشہور مہاویرا اور پرسوا ناتھ ہیں۔ بعض ماہرین اور مؤرخین جین مت کے قریباً دو درجن سنتوں اور بزرگوں کے نام بتاتے ہیں۔ کیونکہ ان سب نے لوگوں کے منجدھار میں سے بخیر و عافیت گزرنے کی تلقین کے فرائض انجام دیئے تھے ان میں سے سب سے پہلے سنت کا نام رشاب اور سب سے آخری کا نام مہاویر تھا، مہاویر کے عہد تک

Marfat.com

جین مت کی تعلیمات بالکل مکمل ہوگئی تھیں۔ اسی لئے اس نے نتیجتاً یہ تعلیمات عام کی تھیں کہ آدمی کی نجات تین سنہری اصولوں "راست راہ، راست علم اور راست عمل" کی مرہونِ منت ہے۔

مہاویر نے جین مت کا اس قدر چرچا کیا کہ چوتھی صدی قبل از مسیح کے اختتام تک یہ شانتی بھرا مذہب برعظیم پاک و ہند کے شمالی علاقوں میں پھیل چکا تھا۔

چونکہ بدھ مت اور جین مت دونوں ہندو ذات پات اور براہمن کی بے جا فضیلت کے خلاف ایک طرح کے احتجاج کے طور پر ابھرے تھے اس لئے لوگوں کو ان دونوں مذاہب میں زندگی اور نجات دکھائی۔ دونوں نئے مذاہب نے بھینٹ چڑھانے کی مخالفت کی۔ دونوں نے ذات پات اور جاتی تقسیم کو بڑی شد و مد سے رد کیا۔ دونوں نے آہمسا کا پرچار کیا۔ دونوں نے کرم پر زور دیا۔ دونوں نے نروان حاصل کرنے کو مقصد قرار دیا۔ دونوں مذاہب نے ویدوں اور اپنشدوں کی برتری سے انکار کیا۔ لیکن اس کے باوجود جین مت والوں نے ہندوؤں کے بڑے بڑے دیوتاؤں کو اپنائے رکھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جین مت چند ہی صدیوں کے بعد ہندو مت میں ضم ہوگیا اور اس کے پیروکاروں کی ایک قلیل تعداد ہمیشہ قائم اور برقرار رہی۔ لیکن اس کے برعکس بدھ مت نے ہر عہد اور ہر حکومت میں ترقی کی۔ وہ چند صدیوں کے اندر اندر برعظیم پاک و ہند کی حدود سے بھی باہر اپنی تعلیمات کی جاذبیت کے پیش نظر پھیل گیا اور اس کے ماننے والوں کی تعداد بڑھتی گئی اور آج بھی بدھ مت کے ماننے والوں کی تعداد باقی کسی بھی مذہب کے ماننے والوں سے زیادہ ہے۔

سکندر اعظم

جس عہد میں برعظیم پاک و ہند میں بدھ مت اور جین مت رفتہ رفتہ پھیل رہے تھے

Marfat.com

اس دور میں شمالی اور شمال مغربی ہندوستان یعنی پاکستان کے علاقوں میں ایرانی حکمرانوں کی حکومت قائم تھی۔ پھر رفتہ رفتہ یہ ایرانی سلطنت کمزور ہوتی گئی۔ ۳۸۰ قبل مسیح تک یہاں پر کئی خود مختار سلطنتیں قائم ہو چکی تھیں۔ کچھ قبائلی حکومتیں بھی بن گئی تھیں۔

جب ایرانی حکمرانوں کو زوال اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا۔ اسی دور میں یونان کی حکومت اپنے استحکام اور قوت کے بل بوتے پر ایک سورج کی طرح طلوع ہو رہی تھی اسی عہد میں یونان میں علم و فضل اور فنون نے خاصی ترقی حاصل کر لی تھی۔ گویا یہ ارسطو جیسے عظیم فلسفی کا عہد تھا۔ یونان کے شہنشاہ فلپ کے جوان سال بیٹے سکندر مقدونی نے جلد ہی ایران کے دریوس سوم کی حکمت کو زیر نگین کر لیا تھا۔ یہاں پر سکندر نے اپنی حکومت قائم نہ کی بلکہ وہ فتح یاب ہوتا ہوا موجودہ بلوچستان اور افغانستان کے علاقوں تک پہنچ گیا۔ اس نے کابل کو بھی فتح کر لیا۔ ان فوری فتوحات کے بعد سکندر اعظم نے موجودہ برعظیم پاک و ہند کا رخ کیا۔

ابھی جب سکندر اعظم برعظیم پاک و ہند پر حملہ آور ہونے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس نے سب سے پہلے یہاں کے حکمرانوں اور ریاستوں کے راجاؤں کو پیغام بھجوایا کہ وہ سکندر اعظم سے آکر ملیں ۳۲۷ قبل از مسیح میں سکندر اعظم کی اس دعوت پر برعظیم پاک و ہند کے چند حکمرانوں نے سکندر اعظم سے ملاقات کی ان حکمرانوں میں ٹیکسیلا کا حکمران راجہ امبی بھی شامل تھا۔ ٹیکسیلا ہی برعظیم پاک و ہند میں ان دنوں سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور مہذب تمدنی مرکز تھا۔ راجہ امبی نے یہیں پر سکندر اعظم کے جرنیلوں کی رہنمائی کرنے کا وعدہ کر لیا۔ اور انہیں وادیٔ پشاور میں لے آیا۔

اسی اثنا میں سکندر اعظم نے قبائلی حکومتوں کی جانب توجہ کی۔ وہ قبائلیوں سے لڑتا رہا۔ انہی لڑائیوں میں سکندر اعظم شدید زخمی بھی ہو گیا۔ اسی طرح سکندر کے سپاہیوں نے شدید انتقامی کارروائی کر کے کیلاش وادی پر قبضہ کر لیا۔ سکندر اعظم وادیٔ کیلاش

Marfat.com

لوگوں کی رسم ورواج اوران کے رقص وسرود کے طریقوں سے بہت محظوظ ہوا۔اس کے بعد سکندر اعظم نے کئی اور پہاڑی مقامات بھی فتح کر لئے ان پہاڑی جنگوں میں سکندر اعظم نے منجنیقیں بھی استعمال کیں اور تیر اندازی سے بھی یہاں کے لوگوں پر فتح حاصل کی پھر اس کے چند ہی دن بعد سکندر اعظم کی فوجوں نے چارسدہ کے نزدیک مشہور شہر پشکلاوتی پر قبضہ کر لیا۔اس کے جلد ہی بعد سکندر نے اٹک سے تقریباً سولہ میل کے فاصلے پر اوہند کے مقام پر دریائے سندھ پر کشتیوں کا پل تعمیر کر کے دریا کو عبور کر لیا اس موقع پر راجہ امبی نے سکندر کی فوج کو تیس عدد ہاتھی پیش کئے یہاں سے یونانی فوجوں نے ٹیکسیلا کی جانب چڑھائی کر دی۔ٹیکسیلا میں سکندر اعظم نے ہندو مبلغوں کے ذریعے ہندوؤں کے بارے میں بہت زیادہ معلومات حاصل کیں۔اس طرح ہندو مذہب کے بارے میں واقفیت اور راجہ امبی کے تعاون کی بدولت سکندر اعظم کشمیر کے راجاؤں سے بھی ملا۔

لیکن دریائے جہلم کے شمال مغربی علاقے کے راجہ پورس نے سکندر اعظم کی برتری کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔راجہ پورس بذات خود ایک مضبوط اور قوی الجثہ شخص تھا۔ جنگ کے نشیب وفراز سے بھی آگاہ تھا۔اس نے اپنی قیادت میں ایک مثالی فوج بھی بنا رکھی تھی۔اس کی فوج میں بگھیاں، رتھ اور ہاتھی بھی شامل تھے۔اسی بنا پر راجہ پورس نے خود جا کر سکندر اعظم سے ملنے کے بجائے دریائے جہلم کے کنارے پر اپنی فوج کے ہمراہ ملنے کا ارادہ کیا ہوا تھا۔اس صورت حال کو دیکھ کر یونانی فوج نے دریائے جہلم کو مغرب کی جانب سے عبور کیا۔دونوں فوجوں نے ایک دوسری کو دیکھا۔سکندر اعظم چونکہ بگھیوں کے ذریعے جنگ لڑنے کا ماہر تھا اس لئے ہاتھیوں کی جنگ کا مقابلہ کرنے کے لئے وہ ذرا متفکر تھا۔لیکن ایک طوفانی صبح یونانی فوجوں نے شدید حملہ کر کے پورس کی افواج پر فتح پالی۔اس لڑائی میں راجہ پورس خود بھی زخمی ہو گیا۔اسی زخمی حالت میں راجہ پورس کو

Marfat.com

سکندر اعظم کے سامنے پیش کیا گیا۔ تو سکندر نے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے راجہ پورس نے کہا وہی سلوک کیا جائے جو ایک بادشاہ کے شایان شان ہوتا ہے۔ اس پر سکندر اعظم راجہ پورس کی جرأت اور بہادری کا قائل ہو گیا۔ اس نے راجہ پورس کا فتح کیا ہوا علاقہ واپس کر دیا اور اسے اس علاقے کا منتظم بنا دیا گیا۔ سکندر اعظم نے فتح جہلم کے سلسلے میں یادگار کے طور پر ایک شہر آباد کیا اور ایک شہر اپنے دیرینہ ساتھی "بیوس فیلوس" گھوڑے کی یاد میں بسایا۔ گمان کیا جاتا ہے کہ یہ دونوں شہر دریائے جہلم کے کناروں پر جلال پور اور چیلیانوالہ کے قریب ہوں گے لیکن ان شہروں کے آج تک کوئی نشان نہیں مل سکے۔ شاید انہیں دریا کی طغیانی بہا کر لے گئی ہو۔

جہلم کے علاقے کی فتح کے بعد سکندر اعظم نے شاید کسی غلط فہمی اور جغرافیائی غلطی کی بنا پر وہیں پر ایک بحری بیڑا تیار کروایا۔ اسی اثنا میں اس نے مشرق کی جانب بھی چند ایک علاقے فتح کر لئے۔ پھر چناب اور راوی کی وادیوں تک پہنچ گیا۔ یہاں پر سکندر اعظم نے "سانگالا" (یا سانگلہ) کے قلعہ بند شہر کو بمشکل فتح کیا۔ سکندر اعظم نے اس اثنا میں باقی وسطی ہندوستان اور وادی گنگا جمنا کی حکومتوں کے بارے میں بھی معلومات حاصل کر لی تھیں اور اسے یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ اکثر حکمرانوں کے پاس ہاتھیوں کی افواج بھی ہیں۔ اس لئے سکندر کے سپاہیوں نے مزید پیش قدمی سے انکار کر دیا۔ اس سلسلے میں سکندر اعظم نے خود بھی ایک منطق پیش کر دی کہ اس سے آگے کسی طرح کی پیش قدمی کی اس کے دیوتا اجازت نہیں دیتے۔

کچھ ہی عرصہ بعد سکندر اعظم کی خواہش پر ایک بحری بیڑا تیار ہو گیا تو سکندر اعظم نے دریائے جہلم کے بہاؤ کی جانب کشتیوں سے سفر شروع کر دیا۔ کچھ ساز و سامان خشکی کے راستے گھوڑوں سے بھی روانہ کر دیا گیا۔ جب سکندر اعظم کی کشتیاں دریائے جہلم اور چناب کے دوآبے میں داخل ہوئیں تو وہ ہواؤں اور طوفان کے باعث آپس میں

Marfat.com

ٹکرانے لگیں۔ اس طرح سکندر اعظم اور اس کے بیشتر فوجیوں کو تیر کر اپنی جانیں بچانی پڑیں۔

دریائے جہلم اور چناب کے دوآب کے بعد سکندر اعظم نے مالوی باشندوں کے علاقے ملتان کا رخ کیا۔ جنگِ ملتان سکندر اعظم کے لئے اس کی زندگی کی خطرناک جنگوں میں سے تھی۔ کیونکہ ملتان کا شہر بڑی مضبوطی سے قلعہ بند اور محصور تھا اور قلعے کی دیواریں اس طرح کی تھیں کہ ان پر چڑھنا بڑا مشکل تھا۔ کہا جاتا ہے کہ سکندر اعظم خود تو اس قلعہ کو سر کرتا ہوا گر کر شدید زخمی ہو گیا تھا۔ لیکن اس کے سپاہیوں نے ہراسانی پھیلانے کے لئے شہری آبادی میں تباہی پھیلا دی اور بچّوں اور عورتوں کو بڑی بے رحمی سے قتل کرنا شروع کر دیا۔ جنگ میں یہ افواہ بھی پھیل گئی کہ سکندر خود بھی زخموں کی تاب نہ لا کر اس جنگ میں موت کے گھاٹ اتر گیا ہے لیکن سکندر کے مقدونی ساتھیوں نے اسے زندہ سلامت بچا لیا تھا۔

سکندر اعظم کی ملتان کی اس فتح نے وادیٔ سندھ کی کئی چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کے حوصلے ہار دیئے کیونکہ لوگ اپنے یہاں ملتان کی طرح بچوں اور عورتوں اور عام شہریوں کا عبرتناک قتل عام نہیں چاہتے تھے۔ اس لئے وادی سندھ کے زیریں حکمرانوں نے سکندر اعظم کی برتری کو تسلیم کر لیا اور اسے کئی طرح کے تحفے تحائف بھی ارسال کئے۔ یہاں سے سکندر اعظم نے کوئٹہ، قندھار اور قلات کے راستے سے ہاتھیوں کی ایک فوج مشرقی ایران کے لئے روانہ کی اور خود سکندر اعظم نے از سر نو بحری بیڑہ تعمیر کیا اور دریائے سندھ کے زیریں علاقوں کی جانب بڑھنے لگا تاکہ وہ دریائے نیل تک بحری راستے سے جا سکے۔ بہر حال صحرائے مکران تک پہنچتے پہنچتے سندھ کے جنوبی حکمرانوں نے سکندر اعظم کو شدید مشکلات میں مبتلا رکھا۔ اس طرح سکندر اعظم کے بے شمار سپاہی اور ساتھی موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے، کئی دریائی اور سفر کی مشکلات میں مارے گئے۔ اس نازک وقت پر سکندر اعظم نے یونانی

Marfat.com

سمندری دیوتاؤں کے حضور کئی طرح کی قربانیاں بھی دیں۔ لیکن اب تک یونانی فوجی بھوک کا شکار بھی ہونے لگے تھے۔ خیال ہے کہ مکران کے صحراؤں تک سکندر اعظم کے ساتھ چالیس ہزار آدمیوں میں سے قریباً نصف مارے جا چکے یا مر گئے تھے۔

سکندر اعظم کی پاپیادہ فوج جو خشکی کے راستے سے روانہ ہوئی تھی وہ راستہ اور رابطہ کھو کر گوادر تک پہنچ گئی۔ یہاں سے سکندر اعظم نے بحری راستے کے بجائے خشکی کا راستہ اختیار کیا اور واپسی کے لئے وہ اپنے سپاہیوں کے ہمراہ کرمان میں پہنچ گیا۔ کرمان میں پہنچ کر سکندر اعظم کے فوجیوں نے سکھ کا سانس لیا اور ایک جشن منایا۔ اسی دوران میں سکندر اعظم نے ایران کے متعدد مقامی گورنروں کو سزائیں دیں اور پھر اچانک وہ موت سے ہمکنار ہو گیا۔

سکندر کی موت کے بعد ایک طرح کی ابتری اور انتشار پھیل گیا کیونکہ وہ اتنے بڑے وسیع علاقے میں کوئی نظام نہیں قائم کر سکا تھا وہ تو صرف فتوحات کرتا ہوا بڑھا جا رہا تھا بہرصورت سکندر اعظم کے قریبی جرنیلوں ٹالمی اور سلیوکس نے اس کے مفتوحہ علاقوں پر اپنا تسلط ظاہر کیا۔ گو سکندر کی خواہش تھی کہ وہ یونان اور ایشیا کی ایک مضبوط متحد سلطنت قائم کرے لیکن اس کا یہ خواب صرف ایک ہی سال کے اندر بکھر کر رہ گیا۔ سکندر اعظم برعظیم پاک و ہند کے اتحاد سے ایک وسیع تر سلطنت تو قائم نہ کر سکا البتہ وہ یہاں پر یونانی تہذیب و ثقافت اور فنون و علوم کے واضح اثرات ضرور چھوڑ گیا کہا جاتا ہے کہ سکندر اعظم کی ان فتوحات کی وجہ سے یونانی اثر قریباً ایک ہزار سال تک یہاں پر قائم رہا۔

موریہ حکمران

سکندر اعظم کے اس طوفانی ورود و خروج کے بعد گو وقتی طور پر شمالی اور شمال مغربی علاقوں کی حکومتیں کمزور ہو گئی تھیں لیکن اسی اثنا میں مگدھ حکومت ترقی کرتی رہی

Marfat.com

مگدھ حکومت کا مرکز دریائے گنگا کی وادی اور جنوبی بہار کا علاقہ تھا۔ یہاں پر چندرگپت موریہ نے موریہ خاندان کی حکومت کی داغ بیل ڈالی۔ چندرگپت موریہ نے گو اپنے مشیر ٹیکسلا ہی سے حاصل کئے تھے۔ اس لئے اس نے ان علاقوں کے حکمرانوں اور راجاؤں کے ساتھ دوستانہ تعلقات بحال رکھے۔ کہنے کو پنجاب یونانی عملداری میں تھا لیکن چندرگپت موریہ نے یہاں کے مقامی حکمرانوں کی مدد سے سکندر اعظم کے ایشیائی جانشین سیلیوکس کو شکست دے کر پنجاب کو واگذار کرالیا تھا۔ سیلیوکس نے نہ صرف چندرگپت موریہ کو موجودہ پاکستان کے علاقے، افغانستان اور ایران اور بلوچستان کے علاقے بھی واپس کر دیئے اور اپنی ایک بیٹی کی شادی بھی چندرگپت سے کر دی۔

گو موریہ حکومت میں چندرگپت کو نہایت ذہین مشیر اور وزیر ملے ہوئے تھے لیکن اس کے باوجود کہا جاتا تھا کہ اس کی سلطنت میں جو کچھ بھی ہے اس سب کا واحد مالک بادشاہ ہی ہے۔ کوٹلیہ چندرگپت موریہ کا ایک طرح سے وزیر اعلیٰ تھا اور اس نے چندرگپت کی حکومت اور نظام حکومت کے لئے سیاسی، اقتصادی اور انتظامی امور کے لئے ایک رہنما کتاب آرتھ شاستر بھی ترتیب دی تھی۔ کوٹلیہ اصل میں ٹیکسلا یونیورسٹی ہی کا پڑھا ہوا تھا۔ چندرگپت موریہ نے صوبہ سرحد کے پیشتر حصے بلوچستان اور سندھ کو انتظامی طور پر یہاں کے مقامی راجاؤں، مہاراجوں کے پاس ہی رہنے دیا تھا۔ لیکن ان علاقوں سے وہ ملک کی زرعی اور مالی ضرورت پوری کرتا تھا۔

چندرگپت موریہ کے عہد میں لوگوں کی سماجی اور تمدنی زندگی میں ترقی ہوئی زراعت نے بھی ترقی کی اور اسی طرح شہری آبادی بھی کئی طرح سے خوشحالی سے ہمکنار ہوئی۔ سکندر اعظم کے جانشین سیلیوکس نے میگستھنیز کو یونانی حکومت کی جانب سے چندرگپت کے یہاں ایک سفیر کے طور پر مقرر کر رکھا تھا۔ میگستھنیز کو حکومت کے دربار میں خاصی پذیرائی حاصل تھی۔ میگستھنیز نے اس عہد کی ہندوستان کی تاریخ "انڈیکا"

Marfat.com

لکھی۔ انڈیکا اس عہد کی ایک نہایت دقیع دستاویز ہے میگیتھینز نے لکھا ہے کہ چندر گپت کی راجدھانی "پاٹلی پتر" کی آبادی سب سے زیادہ تھی۔ اور اس عہد میں ٹیکسیلا بھی ایک بڑا اور اہم شہر تھا۔ اس دور میں دریائے سندھ کے دہانے سے وادی سندھ کی اجناس اور مصنوعات خلیج فارس کے ممالک تک پہنچائی جاتی تھیں۔ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ ٹیکسیلا یونیورسٹی میں دوسرے کئی ممالک کے طالب علم بھی تعلیم حاصل کرنے آیا کرتے تھے۔

چندر گپت موریہ خود جین مت کا پرستار تھا اور اس نے جین مت کی بہت خدمت کی۔ چندر گپت کے بعد اس کے بیٹے بندوسار موریہ نے اپنے عہد حکومت میں بیرونی ممالک سے تجارت جاری رکھی اور وادیٔ سندھ اور موجودہ پاکستان کے علاقوں کو راجاؤں اور مہاراجاؤں ہی کے پاس رہنے دیا۔

موریہ خاندان کا سب سے بڑا اور سب سے مشہور حکمران اشوک اپنے نظام حکومت کے باعث بھی سب حکمرانوں اور بادشاہوں سے بڑا تھا اور لوگوں سے اپنے اچھے سلوک اور خوشحالی کے حوالے سے بھی اہم تھا۔ اشوک حکومت کے مراکز ٹیکسیلا اور اجین تھے۔ کالنگا کی لڑائی میں اس کی حکومت میں ہزاروں افراد لقمۂ اجل بن گئے تھے۔ اس کے بعد اشوک نے مزید کسی لڑائی اور جنگ کی طرف توجہ نہیں کی۔ بلکہ وہ لوگوں کی فلاح پہ زور دیتا رہا۔ اس نے اپنی حکومت طاقت کے بجائے دھرم کے زور سے برقرار رکھی۔ اشوک نے اپنی سلطنت میں نیک اور ہمدردی بھرے قوانین نافذ کرنے اور پھیلانے کے لئے اپنے احکامات چٹانوں اور ستونوں پر کندہ کرا دیئے تھے۔ تاکہ لوگ ان فرامین کو پیش نظر رکھیں اور لوگوں کی فلاح کا سلسلہ جاری رہے۔ اشوک کے ایسے فرامین اور رقیمے ہندوستان بھر میں آج بھی پائے جاتے ہیں ان کے نشانات آج بھی مانسہرہ، شہباز گڑھی اور ٹیکسیلا میں ملتے ہیں۔ اشوک بدھ مت کا پیروکار اور پرچارک تھا۔ لہٰذا اس کے عہد میں بدھ مت سلطنت کا مذہب تھا۔ اور اسے بے انتہا فروغ ملا۔ اسی دور میں بدھ مت کے مزید پرچار کے لئے دوسرے ممالک

Marfat.com

میں بھی بدھ پرچارک گئے۔ اشوک نے اپنے عہد میں مذہب کی ترویج کے لئے بھی بہت کام کیا اور عام لوگوں کی فلاح کے لئے بھی بے شمار رفاہِ عامہ کے کام کئے۔ نہری نظام اور ذرائع آمدورفت کو بہتر بنایا۔ ملک میں فوجی اور جاسوسی نظام کو پھیلایا۔ بدھ مت کی مذہبی عبادت گاہیں تعمیر کرائیں۔ ان دنوں میں سوات کا علاقہ بدھ مت کا ایک بہت بڑا مرکز بن چکا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ آخری عمر میں اشوک خود بھی بدھ مت کا ایک سادھو بن گیا تھا۔ اشوک نے ۲۳۵ قبل از مسیح کے قریب وفات پائی۔ اس کے بعد ۱۸۵ قبل از مسیح تک کسی نہ کسی طرح موریہ خاندان کی حکومت برقرار رہی۔

برعظیم پاک و ہند میں جب موریہ خاندان کی حکومت کمزور ہوئی تو اس وقت برعظیم پر غیر ملکی حملہ آوروں نے ایک بار پھر اس خطے پر نظریں جمانی شروع کر دیں۔ سب سے پہلے بلخ کے یونانی حکمرانوں نے کوہ ہندوکش کے گرد و نواح کے علاقے کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ اس طرح یہاں پر ہند یونانی حکمرانوں نے مقبولیت حاصل کی۔ اس عہد کا مشہور حکمران مینیدر سب سے بڑا حکمران تھا۔ سترابو کے مطابق تو وہ حکمران سکندر اعظم سے بھی بڑا اور عظیم حکمران تھا۔ اس حکمران نے "ساکلہ" یعنی موجودہ سیالکوٹ تک اپنی حکومت قائم کر لی۔ مینیدر کے زیر تسلط متعدد حکومتیں تھیں اور وہ خود بھی ایک بڑا فاتح تھا کہا جاتا ہے کہ مینیدر نے برعظیم پاک و ہند میں شمال مغربی سرحدی صوبہ، پنجاب، سندھ، راجپوتانہ اور کاٹھیاواڑ تک حکومت قائم کر لی تھی۔ اتر پردیش کے ایک بڑے حصے پر بھی اسی کی حکومت قائم تھی۔

ہند یونانی اس حکمران کے بعد ساکا حکمرانوں کو تسلط نصیب ہوا۔ ساکا حملہ آور وسطی ایشیا کے قبائلی جنگجو لوگ تھے۔ ساکا قبائل کو ئیش چی چینی حملہ آور نے بے گھر کر دیا تھا۔ ساکا حکومت میں سب سے زیادہ علاقہ شمال مغربی ہندوستان ہی کا تھا۔ ساکا حکمرانوں کو پارتھین حکمرانوں نے ختم کر کے پشاور تک کا علاقہ فتح کر لیا۔ پارتھین

Marfat.com

حکمرانوں پر کشن حکمران غالب آئے انہوں نے بھی پہلے پہل برعظیم کے شمال مغربی علاقوں پر اپنی حکومت قائم کی۔ کشن عہد کے حکمرانوں کو برعظیم پاک و ہند کی تاریخ میں خاصی اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ اس عہد میں عیسائیت کا بھی آغاز ہوا۔ اسی دور میں بدھ مت اور عیسائیت نے ایشیا اور مصر میں تعارف حاصل کر لیا۔ کشن حکمران اصل میں چینی قبیلہ یُش چی ہی میں سے تھے۔ پہلی صدی عیسوی میں کشن حکمران کیدفیسیس۔ اوّل نے قندھار اور کابل تک حکومت قائم کر لی تھی۔ کیدفیسیس دوم نے تو اپنی حکومت بنارس تک پھیلا لی تھی۔ اس کے سکّوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ "شیوا" کے ماننے والا تھا۔

دوسری صدی عیسوی میں کنشک حکمرانوں نے طاقت اور استحکام حاصل کیا۔ بعض مورخین کا خیال ہے کنشک حکمرانوں کی آمد پہلی صدی کے آخری عشروں میں شروع ہو گئی تھی۔ پھر کنشک نے برعظم پاک و ہند میں سب سے پہلے کشمیر پر اور پھر وادیٔ سندھ پر اپنی حکومت قائم کی۔ کنشک کی اودھ اور پاٹلی پتر کے حکمرانوں سے ہمیشہ ٹھنی رہی۔ لہٰذا وہ بھی اپنی حکومت شمالی ہندوستان، گندھارا وادی، کشمیر اور بنارس تک قائم رکھ سکا۔ کنشک عہد کے سکّے تو غازی پور اور گورکھپور تک ملتے ہیں۔ خیال ہے کنشک کا دارالحکومت پشاور (پیروشاپور) میں تھا۔ کنشک کے سکّوں، اس عہد کی عمارات اور دوسرے مذاہب کی سرپرستی سے معلوم ہوتا ہے کہ کنشک مذہبی طور پر کسی بھی مذہب سے کوئی تعصب نہیں رکھتا تھا وہ تمام مذاہب کی ترقی چاہتا تھا۔ بہرصورت اس کے عہد میں اشوک کے بعد بدھ مت نے ایک بار پھر ترقی اور مقبولیت حاصل کی۔ اس کے سکوں پر یونانی دیوتاؤں، ہندو خداؤں اور زرتشتی تعلیمات کے آثار بھی ملتے ہیں۔ عہد کنشک میں گندھارا وادی میں بدھ مت ایک بار پھر اپنی پوری توانائی کے ساتھ اجاگر ہو گیا۔ بدھ مت کی عبادت گاہیں تعمیر ہوئیں پرانی عبادت گاہوں کی مرمت ہوئی اور اس کے ساتھ ساتھ علم و ادب نے بھی ترقی

Marfat.com

کی تعمیراتی سرگرمیوں میں یونانی فن تعمیر ایک بار پھر سکندر کے بعد جھلکنے لگا۔ اس عہد میں متھرا جو کئی فنون کا مرکز تھا وہاں پر بھی کنشک نے کئی عمارات تعمیر کرائیں۔ اسی طرح کنشک نے ٹیکسیلا کے قریب ایک شہر بسایا اور ایک شہر کشمیر میں بھی کنشک پور کے نام سے آباد کیا۔

ماہرین تاریخ کا خیال ہے کہ برعظیم پاک و ہند میں کنشک کا دور امن و امان کا دور تھا۔ اس لئے یہاں پر فنکار اور علم و ادب کے متوالے بہتر طور پر ادب اور فن تخلیق کر سکے۔ اسی عہد میں سنسکرت ادب کی فراوانی ہوئی۔ اس عہد میں ہندوؤں کے چند ایک شاستر بھی ترتیب دیئے گئے۔ اپنے عہد حکومت، نظام حکومت اور لوگوں کی خوشحالی اور پارسائی کے باعث بعض لوگ کنشک کو اشوک ثانی کے طور پر بھی یاد کرتے ہیں۔

گپت حکمران

گپت نسل کے لوگ یوں تو کئی صدیوں سے برعظیم پاک و ہند کے کئی حکمرانوں کے ساتھ ان کے انتظام حکومت میں کسی نہ کسی حیثیت میں کام کرتے تھے لیکن ۳۲۰ عیسوی میں چندر گپت مہاراجہ دھیراجہ کے لقب سے وادی گنگا میں سے ابھرا۔ پہلے پہل چندر گپت نے اپنی طاقت بڑھانے کے لئے ایک مہارانی کمار دیوی سے شادی کر لی اور اپنے ہاتھ مضبوط کئے۔ پھر اس نے بنیاد کے ساتھ جلد ہی اودھ الہ آباد تک قبضہ کر لیا۔ چندر گپت چند ہی برس حکومت کے بعد موت سے ہمکنار ہو گیا۔ اس کے بعد چندر گپت کا بیٹا سمدر گپت تخت نشین ہوا۔

سمدر گپت کو مورخین نے ایک بہت بڑا فاتح قرار دیا ہے۔ سمدر گپت نے سب سے پہلے شمالی ہندوستان کے حکمرانوں کی جانب رُخ کیا۔ اس علاقے میں اس نے کم از کم دس راجاؤں پر فتح حاصل کر کے ان پر اپنی حکومت قائم کی۔ پھر اس نے غازی پور اور جبل پور کی حکومتوں سمیت کئی صوبوں کو فتح کر لیا۔ اس کے بعد وہ

Marfat.com

جنوبی ہندوستان کی طرف متوجہ ہوا۔ یہاں پر اس نے قریباً بارہ حکمرانوں پر تسلط حاصل کر لیا، سمدرگپت کی ان پے بہ پے فتوحات کے ڈر سے مشرقی اور مغربی علاقوں کے حکمران خاصے خائف ہوئے اور انہوں نے خود بخود ہی ہر طرح کی باجگزاری قبول کر لی، سمدرگپت کی سلطنت گو بہت وسیع تھی اب تک وہ بے شمار فتوحات کر چکا تھا۔ لیکن انتظامی طور پر استحکام بخشنے کے لئے اس نے مزید علاقے فتح کرنے کو بہتر نہ سمجھا۔ برعظیم کے شمال مغربی علاقوں اور حکمرانوں سے اس نے دوستانہ تعلقات پیدا کرنے کی کوشش کی۔ مالوہ اور کاٹھیاوار کی حکومتوں سے اس نے سیاسی تعلقات قائم کر بھی لئے تھے۔ شمال مغرب کے کچھ علاقوں پر ابھی تک کشن حکمران کسی نہ کسی طرح موجود تھے۔ انہوں نے سمدرگپت کی برتری اور باجگزاری کو تسلیم کر لیا۔

فتوحات حاصل کرنے کے بعد سمدرگپت نے جتنی مدت حکمرانی کی اس دوران میں اس نے سلطنت میں امن اور قانون کو بحال رکھا۔ اس نے بھی اپنے پیش روؤں کی طرح علوم و فنون کی سرپرستی کی۔ اس عہد میں شعرا نے اعلیٰ شاعری تخلیق کی۔ اس نے ایک موثر اور منظم نظامِ حکومت قائم کیا۔ اس نے اپنے عہد میں فتح کئے ہوئے علاقوں کو براہ راست اپنے زیر تسلط لینے کے بجائے عملی طور پر تمام مفتوحہ علاقے اپنی نگرانی میں وہاں کے مقامی حکمرانوں ہی کو دیئے رکھے۔

سمدرگپت کی وفات کے بعد قریباً ۳۷۵ عیسوی میں چندرگپت ثانی تخت نشین ہوا۔ اس بادشاہ کو ورثے میں ایک بہت بڑی سلطنت ملی۔ اس نے اپنی سلطنت کو وسیع کرنے اور صورت حال کو مضبوط اور مستحکم کرنے کے لئے ناگا اور داکتا کا حکمرانوں سے بیاہ شادی کے ذریعے تعلقات پیدا کر لئے۔ اس طرح چندرگپت ثانی کسی حد تک زیادہ مصلحت اندیش شخص تھا۔ اس لئے ان نے برعظیم کے شمال مغربی علاقوں کو اپنی سیاسی چالوں سے حاصل کر لیا۔ پہلے پہل اس نے مالواہ

Marfat.com

سوراشترا یا کاٹھیاوار کے حکمرانوں سے سیاسی تعلقات پیدا کئے اور پھر انہیں اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اس طرح چندر گپت ثانی کو بحرہ عرب کے ذریعے مصر اور دوسری دنیا سے رابطہ اور تجارت کرنے کا موقع مل گیا۔ اس عہد حکومت میں چینی سیاح اور وقائع نویس فاہیان بھی برعظیم پاک و ہند میں وارد ہوا۔ فاہیان نے اس عہد کے بارے میں بے شمار معلومات فراہم کی ہیں اس نے یہاں پر بدھ مت کی تمام یادگاریں اور مراکز دیکھے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے پشاور، متھرا، قنوج، سرسوتی بنارس، کپل وستو، کوسنگر، پاٹلی پتر اور کئی دیگر مشہور شہروں کی سیاحت بھی کی۔ اس نے تین سال تک پاٹلی پتر میں قیام کر کے یہاں پر سنسکرت کا مطالعہ کیا۔ اس عہد کی سیاسی سماجی، تعلیمی اور انتظامی و مذہبی زندگی کے بارے میں فاہیان کی معلومات اہم دستاویز کی حیثیت رکھتی ہیں۔

چندر گپت ثانی کے بعد کمار گپت اور پھر سکندر گپت حکمران ہوئے، کمار گپت کی حکومت ۴۶۷ عیسوی تک قائم رہی۔ ان کے بعد کئی کمزور گپت حکمران ابھرے۔ گپت عہد کو بعض حوالوں سے مورخین نے برعظیم کی تاریخ کا سنہری دور قرار دیا ہے۔ ہندوؤں کے نزدیک یہی دور ست یگ کا دور تھا۔ اسی عہد میں علم و ادب کی سب سے زیادہ سرپرستی ہوئی۔ گپت حکمرانوں کی ایک خوبی اور رواداری یہ بھی تھی کہ ان میں سے اکثر حکمران ہندو دیوتاؤں کو بھی پورا پورا مقام اور تقدس بخشتے تھے۔ بلکہ ہندومت کہ جو ایک حد تک بدھ مت کے غلبے کے تحت دھیما ہو کر پس پردہ جا رہا تھا وہ دوبارہ طاقت پکڑنے لگا۔ بھینٹ چڑھانے کی رسم از سر نو زندہ ہو گئی۔ براہمن ایک بار پھر حسب سابق اعلیٰ مقام پر براجمان ہونے لگا تھا۔ اس دور میں ہندومت کے ساتھ ساتھ زرتشتی مذہب نے بھی دوبارہ ایک مقام حاصل کر لیا تھا اور مرکزی ایشیا میں ساسانیوں میں یہ ایک بار پھر مقبول اور جاری و ساری ہو گیا تھا۔

Marfat.com

پانچویں صدی عیسوی کے دوران میں پنجاب میں گپت خاندان کا زور ختم ہوگیا تھا۔ بلکہ اب ہن حکمرانوں نے اپنے وجود کا احساس دلانا شروع کر دیا تھا۔ دوسرے ہن حکمران نے پنجاب کو چناب کی وادیوں تک فتح کر کے اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔ ہن حکمران نے ملتان میں ایک بہت بڑا گرجا بھی تعمیر کرایا تھا۔ اسی طرح اس کی بدھ مت سے ہمدردی کا ثبوت کھیوڑہ میں ملتا ہے اس عہد کے تانبے کے سکے" وادیٔ جمنا تک دستیاب ہوئے ہیں۔ ۵۱۰ عیسوی کے قریب تورامانا نے سندھ اور مالوہ کو بھی اپنی حکومت میں شامل کر لیا تھا۔ اس عہد کے بارے میں ایک چینی بدھ یاتری سنگ یُن کی بھی کئی تحریریں ملتی ہیں۔ جن سے کئی طرح کی معلومات میسّر آتی ہیں۔

ہن بادشاہ تورامانا کے بیٹے سہیرا کولا نے اپنی سلطنت کا مرکز سیالکوٹ کو بنایا تھا۔ اس نے تو کشمیر اور وادیٔ گنگا کو بھی اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تھا۔ پھر ۵۳۳ء عیسوی میں یہاں کے مقامی حکمرانوں، راجاؤں اور گپت جاگیرداروں نے ہن حکمرانوں کو مار بھگایا۔ اس طرح ہن حکومت کا شیرازہ بکھر کر رہ گیا۔

چھٹی صدی عیسوی کے وسط تک مرکزی ایشیا کے علاقوں میں ترکوں نے اپنی قوت مجتمع کر لی تھی انہوں نے ساسانیوں کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ اس طرح جب پاکستان کے موجودہ علاقوں سے ہن تسلّط ختم ہوا تو اس وقت ترک حکمرانوں نے کشمیر تک اپنی حکومت قائم کر لی۔ ترکوں کی حکومت کے بارے میں چینی سیّاح ہیون سانگ نے خاطر خواہ معلومات فراہم کی ہیں اس نے یہاں تک لکھا ہے کہ لوگوں میں ہر طرح کی مذہبی آزادی موجود تھی، سوات، پشاور، پشکلاوتی، گلگت، بلتستان اور دیگر کئی علاقوں میں بدھ مت خاصے عروج پر تھا۔ ٹیکسلا کے لوگ بھی بدھ مت کے پیرو تھے۔ اور شاید کشمیر کے حکمران بدھ مت کو ناپسند کرتے تھے۔ ملتان کے اکثر لوگ روحوں کو پیشِ نظر رکھ کر قربانی دیا کرتے تھے۔ بنوں کے گردو

Marfat.com

نواح کے لوگ بدھ مت اور ہندو دھرم کو مانتے تھے۔

اس عہد میں کچھ عرصہ تک سندھ رائے حکمرانوں کے زیر نگیں رہا۔ لیکن اس کے جلد ہی بعد رائے سہر کو ایرانی حکمران نے قتل کر کے سندھ پر دوبارہ ایرانی قبضہ بحال کر دیا۔ ماہرین نے بتایا ہے اس دوران میں کہ جب بدھ مت کے پروہتوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ چکی تھی تو انہوں نے رفتہ رفتہ زیادہ خوشحال اور آسودہ علاقوں کی جانب ہجرت کرنی شروع کر دی۔ اس طرح چند ہی عشروں کے دوران بدھ مت کے بڑے بڑے پروہت گندھارا وادی سے نکل کر مشرق میں بنگال اور شمال مشرقی ایشیا اور اس کے ساتھ ساتھ چین کی جانب چلے گئے۔ اسی دوران میں ساسانیوں اور ایرانیوں نے بھی سواحل سمندر کے ساتھ ساتھ طاقت حاصل کرنی شروع کر دی تھی۔ اس طرح ہن۔ کشن اور گپت عہد کے دوران میں برعظیم کی بیرونی تجارت کو ایک دھچکا لگا تھا۔ اور بربری حملہ آوروں نے بھی اس جانب توجہ مبذول کر لی تھی۔

Marfat.com

باب ۲

ظہورِ اسلام کے وقت برِعظیم پاک و ہند کی صورتحال

چینی سیاح اور یاتری ہیون سانگ نے لکھا ہے کہ اس نے پشاور سے قنوج تک کم از کم تیئیس قابلِ ذکر شہر یا مقامات دیکھے۔ اس کے بعد وہ بہار میں نالندہ یونیورسٹی میں پہنچا۔ دکن میں اس عہد میں چالوکیہ خاندان کی حکومت قائم تھی۔ اس کے چند ایک سال بعد یعنی ساتویں صدی عیسوی کے آغاز میں ہرشا بادشاہ مشرقی پنجاب سے ابھرا۔ ہرشا نے اپنی حکومت کو مضبوط تر اور مستحکم کرنے کا ارادہ کر رکھا تھا۔ ہرشا نے چھ سال تک مسلسل جنگ و جدل کے بعد شمالی ہندوستان کے بیشتر علاقے کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ہرشا ہندوؤں کے "شیو" کی پوجا کرتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے بدھ مت کے لئے بھی بہت کام کیا۔ ساتویں صدی عیسوی کے وسط تک ہرشا حکومت اور چین کے درمیان بہتر سفارتی تعلقات پیدا ہو چکے تھے۔ لیکن جب ہرشا بادشاہ فوت ہوا تو اس وقت اس کا کوئی لائق اور اہل جانشین موجود نہیں تھا۔ اس طرح سارا شمالی ہندوستان ایک بار پھر چھوٹی چھوٹی ریاستوں اور عملداریوں میں بٹ گیا تھا۔ اس طرح اکثر

Marfat.com

ریاستوں میں جاگیرداری نظام رائج ہو چکا تھا۔

شمالی ہندوستان اور موجودہ پاکستان کے اکثر علاقوں میں ہن حکمرانوں کے عہد سے ہی ایک طرح سے جاگیرداری نظام قائم ہو چکا تھا۔ان میں گجر سب سے بڑے جاگیر دار تھے۔بعض مورخین کا خیال ہے کہ ہن لوگ گجر ہی تھے۔یہ جاگیردار سندھ کے علاقوں تک پھیل چکے تھے اور پھر گجرات اور راجستھان تک ان کی جاگیرداریاں قائم تھیں۔آغاز میں ان کا مذہبی رجحان کچھ ہی کیوں نہ ہو لیکن جب یہ لوگ اپنی جاگیرداریوں کو مستحکم کر چکے تھے اس وقت وہ مکمل طور ہندو دھرم کو اپنا چکے تھے۔ان میں سے بعض لوگوں نے اپنی جاگیریں قبائل میں قائم کی ہوئی تھیں اور وہ راجپوت کہلاتے تھے ان کی اکثریت جنگ جو کھشتریوں پر مشتمل تھی بلکہ براہمنوں نے خود بخود ان جاگیردار راجپوتوں کو بطور کھشتری قبول کر لیا تھا۔ان لوگوں کے بعد جو لوگ ہندو دھرم کو قبول کرتے رہے انہیں ویش اور شودر طبقوں میں لیا گیا تھا۔راجپوتوں کی اکثریت گجرات اور راجستھان ہی میں آباد تھی لیکن ان لوگوں کے سندھ کے ساتھ قریبی تعلقات تھے بلکہ بعض راجپوتوں نے سندھیوں کے ساتھ بیاہ شادی بھی کرنی شروع کر دی تھی۔راجپوت چونکہ اپنے ٹھکانے چٹانوں پر یا پہاڑی چوٹیوں پر بناتے تھے اس لئے محنت اور مشقت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ان کی عورتیں بھی مشقت میں حصہ لیتی تھیں۔بعض عورتیں باقاعدہ شکار میں اور جنگوں میں بھی شرکت کرتی تھیں۔راجپوت عورتیں اور مرد خوردار ی اور عورتوں کی عزت پر پر بہت توجہ دیتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ راجپوتوں کی عورتوں میں ستی کی رسم بھی عام تھی۔ستی کی یہ رسم ہندو ذات پات کی تقریباً تمام ادنیٰ جاتیوں میں موجود تھی۔

پنجاب میں جاگیرداری نظام چھوٹی سطح پر قائم تھا۔یہاں پر جاٹ اور آہیر جاگیردار مشہور تھے۔قبائل میں بھی جاگیرداری نظام رائج تھا۔پنجاب کی جاگیرداریاں اپنی زرعی پیداوار میں باقی غیر زراعت پیشہ لوگوں کو بھی شامل کر لیتے تھے اور ان کی مصنوعات

Marfat.com

اور محنتوں سے استفادہ کرتے تھے۔ پنجاب کے کم زرخیز علاقوں میں گجر لوگ قبائل کی صورت میں گلہ بانی کی زندگی کرتے تھے۔

اسی طرح کے جاگیرداری نظام میں راجپوتوں کے اکثر سرکاری ملازمین یا تو براہمن تھے اور یا وہ بدھ مت کے پروہت ہوتے تھے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ایک تو ان لوگوں کی بدولت مذہبی طور پر تسلط قائم رہتا تھا اور دوسرے وہ لوگ کچھ اہل علم سمجھے جاتے تھے۔

۶۲۲ء کے بعد سندھ کے رائے حکمرانوں کو اس کے ایک وزیر جو برہمن تھا اس نے رانی سوہن دیوی (یا سوہندی) کو تخت سے معزول کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔ اس براہمن وزیر کا نام چچ تھا۔ رائے حکومت کو قبضے میں لینے کے بعد چچ نے ملتان کو بھی فتح کر لیا تھا۔ ملتان میں اس نے اپنی فتح کے بعد یہاں پر راجپوتوں کو عملداری سونپ دی تھی۔ چچ نے کچھ عرصہ بعد رانی سوہن دیوی سے شادی کر لی تھی۔ تاریخ معصومی میں چچ اور رانی سوہن دیوی کی اس شادی کو ایک اور رنگ دے کر بھی لکھا گیا ہے اور کہا ہے کہ یہ سارا معاملہ اسی رانی سوہن دیوی کی اپنی فریفتگی کے باعث ہوا تھا۔ بہرصورت چچ حکومت کسی طرح مقبول نہ ہو سکی۔ کیونکہ چچ نے جاٹوں اور میدوں کو خاصا زیر عتاب رکھا تھا۔ اس طرح سندھ میں بھی ذات پات کا نظام ایک بار پھر شدت اختیار کر گیا اور یہاں پر بھی عورتوں میں ستی کی رسم عام ہو گئی۔ دریائے سندھ کے مشرق کی جانب بڑی حد تک ذات پات کا نظام بہت شدید تھا۔ لوگوں کو اپنی اپنی جاتی اور طبقے کو برقرار رکھنے کا بڑا شعور حاصل ہو چکا تھا وہ اپنا اپنا مقام برقرار رکھنے کے لئے کٹ مرتے تھے خصوصی اعلیٰ جاتیاں اس پر شدت سے کاربند تھیں۔

دریائے سندھ کے اس پار براہمن ابھی تک چھائے ہوئے تھے۔ مرکزی ایشیا تک ان کا تسلط قائم تھا۔ لیکن یہاں پر براہمن حکمرانوں، ہندو شاہی حکومت کی بنا ڈال

Marfat.com

دی تھی۔ شمال مغربی سرحدی صوبہ کے علاقوں میں کوہستانی اور موری زبان بولنے والوں کی اکثریت تھی۔ وہی لوگ آج کل افریدی، اورک زئی اور خٹک کہلاتے ہیں۔ گجر اقوام پشاور کے شمال مشرقی علاقوں میں آباد تھیں۔ ہیون سانگ نے پشاور کے لوگوں کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ بڑے شریف، نرم دل اور علم دوست لوگ تھے۔ اکثریت ہندوؤں کی تھی۔ اور انہوں نے اپنے یہاں ایک عمدہ نہری اور آبپاشی کا نظام بھی قائم کر رکھا تھا۔ پھل، پھول اور گنا ان علاقوں میں بکثرت پیدا ہوتا تھا۔ ہندوشاہی میں یہاں کے زرخیز علاقوں اور وادیوں میں چھوٹی چھوٹی جاگیرداریاں قائم ہو چکی تھیں۔ بعض علاقوں میں قبائلی نظام بھی رائج تھا۔

ان براہمن حکمرانوں کو اسی دور میں مغرب کے حملہ آوروں اور طاقتوں نے تختۂ مشق بنایا شروع کر دیا تھا۔ ان میں افغان قبائل پیش پیش تھے وہ بلوچستان کے علاقوں پر بھی نظر جمائے ہوئے تھے۔ اس طرح پشاور کی زرخیز وادیوں کے ساتھ ساتھ قبائلی لوگوں نے سوات کی وادی میں بھی اپنا تسلط بڑھا لیا تھا۔

جب اس خطۂ ارض پر ظہور اسلام ہوا تو اس وقت ہمارے خطوں میں بدھ لوگوں کی اکثریت تھی۔ کہیں کہیں براہمن جاگیرداریاں بھی موجود تھیں۔ ہندو بھی پوری طرح سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ فنکار اور اہل حرفہ بڑے ہی امن کے ساتھ دیہاتوں میں اپنے اپنے کام میں مگن تھے۔ اسی طرح کسانوں کی زندگی بھی بڑی پرسکون تھی۔ وہ پے بہ پے زراعت میں ترقی کر رہے تھے۔ سندھ، شمال مغربی علاقوں اور بلوچستان میں نہریں کھود اور تعمیر کر رہے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان علاقوں میں ایرانی قسم کے کنویں مقبول ہو رہے تھے۔ زمینداروں کو اپنی پیداوار کا قریباً چھٹا حصہ مقامی حکمرانوں کو دینا پڑتا تھا۔

اس عہد میں شمالی پاکستان میں کوئی قابل ذکر شہر یا قصبہ نہیں تھا۔ کیونکہ بے شمار فنکار اور اہل حرفت لوگ دیہاتوں میں جا کر آباد ہو چکے تھے۔ البتہ سندھ میں کئی قابل ذکر اور بڑے بڑے شہر موجود تھے مثلاً الور اور روہڑی، مجسمہ سازی میں بہت مشہور تھے یہاں پر اس

Marfat.com

نفاست اور چابکدستی سے مجسمے بنائے جاتے تھے کہ گمان گزرتا تھا کہ یہ مجسمے نہیں ہیں زندہ اور ذی حیات انسان ہیں۔ لیکن ان علاقوں سے ریشم کا کاروبار بڑی حد تک زوال آشنا ہو چکا تھا۔ اس لئے کئی تاجر ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ شہروں یا شمال مشرقی ایشیا کی جانب ہجرت کر گئے تھے۔ حکمرانوں میں سے اکثریت یا تو براہمن ہوتے تھے یا وہ وسطی ایشیا کے نئے اور طاقتور لوگ ہوتے تھے۔ اس دور میں قبائلی لوگ رفتہ رفتہ پہاڑی سلسلہ سلیمان کی جانب ہجرت کر رہے تھے۔

طلوع اسلام

تاریخ عالم میں طلوع اسلام سب سے بڑا اہم واقعہ ہے۔ اسلام ایک ایسے دین کے طور پر ظہور پذیر ہوا کہ اس میں پوری انسانیت نے امن وسکون اور فلاح محسوس کی۔ اس سے انسانوں کی دنیاوی اور دنیوی زندگی نے روشنی حاصل کی۔ یہ روشنی عرب کے ریگستانوں سے پھوٹی اور تمام دنیا کو روشن کر گئی۔

بانی اسلام، رسول مکرم، نبی محتشم، خاتم النبیین اور افضل الانبیاء المرسلین حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۵۷۱ عیسوی میں قریش کے ایک محترم گھرانے میں مکہ میں پیدا ہوئے آپ کے والد حضرت عبداللہ حضور نبی اکرم کی پیدائش سے بھی پہلے انتقال کر گئے تھے۔ پھر ولادت کے چند سال بعد والدہ کا بھی سر سے سایہ اٹھ گیا۔ اس طرح انہیں اپنے بچپن ہی سے کٹھن اور مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ ابتدائی جوانی کی عمر تک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی شریف، حلیم اور بردبار نوجوان تھے۔ جوں جوں آپ بڑے ہوتے گئے آپ میں مزید فضائل اور مکارم پیدا ہوتے رہے۔ جلد ہی آپ لوگوں میں الامین مشہور ہو گئے تھے۔ جب آپ پچیس سال کے ہوئے تو چالیس سالہ خاتون حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے شادی کر لی۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے شادی کے بعد آپ ایک طرح

Marfat.com

سے آسودہ زندگی بسر کرنے لگے تھے۔ چالیس سال کی عمر میں قریباً ۶۱۰ء میں آپؐ پر وحی نازل ہوئی۔ اس کے بعد آپؐ نے راہ گم کردہ انسانیت کو فلاح اور نیکی کی تبلیغ کرنی شروع کردی۔ اس طرح فرسودہ خیالات اور نظامِ کہن کے ماننے والوں نے مخالفتوں کا ایک شدید طوفان کھڑا کردیا۔ آپ بدستور تبلیغ اسلام کرتے رہے۔ مخالفین بھی طرح طرح سے مصائب اور مظالم ڈھاتے رہے۔ ایک وقت ایسا آیا کہ آپؐ کو دشمنوں اور مخالفینِ اسلام نے اس قدر تنگ کردیا کہ آپؐ نے مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ میں پناہ لی۔ دشمنوں اور مخالفین نے یہاں پر بھی سکون کی سانس نہ لینے دی۔ اس لئے آپؐ نے بقائے حق کے لئے ایک مختصر جمعیت کے ساتھ دشمنوں سے جنگیں لڑیں۔ اس طرح آپؐ دشمنوں اور کفار پر غالب آئے اور پھر ان لوگوں کو دعوتِ اسلام آپؐ نے صرف تیئیس برس کے عرصے میں ایک شوریدہ سر، جنگجو اور بت پرست قوم کو دنیا کی ایک مہذب ترین اور اسلام کی شیدائی قوم میں بدل کر رکھ دیا۔ اسلام نے پوری تاریخ عرب کو یکسر ایک نئی راہ پر لگا دیا ایک فلاح بھری وادیٔ امن وسکون میں لا کھڑا کیا اور یہی نہیں بلکہ پوری انسانیت کو ایک ضابطہ حیات ایک منضبط صورت میں دے دیا کہ جس کا کوئی پہلو تشنہ نہیں اور جس کی کوئی شق فلاحِ دین و دنیا سے عاری نہیں ہے وہ ضابطہ حیات قرآن مجید ہے۔ جو اللہ کی کتاب ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے مرسل نبی اکرم محمدؐ رسول اللہ کے ذریعے اپنے انسانوں تک پہنچائی۔ حضور نبی اکرم کی زندگی ہی میں قریباً پورا عرب اسلام کی نورانی کرنوں سے منور ہوچکا تھا۔

فروغ اسلام

تبلیغ وترویج دین کا سلسلہ آپؐ کے وصال کے بعد بھی جاری رہا۔ اس طرح چند ہی برسوں میں اسلام عرب دنیا کے ساتھ ساتھ شام، فلسطین، مصر اور ایران تک پھیل

Marfat.com

گیا تھا۔ خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات تک وسطیٰ عرب کے قبائل کو انتشار کا شکار ہو چکے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی دوسری جانب شام اور عراق کی حدود میں اسلام داخل ہو چکا تھا۔ ان دنوں عراق ساسانی حکومت کا ایک بہت بڑا زرعی مرکز تھا لیکن عرب مسلمانوں نے جلد ہی ساسانیوں کی قوت کو ختم کر کے اسلام کا بول بولا کیا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں مسلمانانِ عرب نے ایران میں بھی اسلام پھیلا دیا تھا۔ اس کے بعد عرب فوجی قافلے اب لیبیا اور مکران کے ساحلوں تک بھی پہنچنے لگے تھے۔ حضرت عثمان غنیؓ کے دورِ خلافت میں ایران پوری طرح اسلامی دنیا میں شامل ہو چکا تھا۔ اور اسی طرح مسلمانوں کا تسلط بحیرہ قلزم کی جانب بھی بڑھنے لگا تھا۔ حضرت علیؓ کے عہدِ خلافت تک ساسانی قوت مکمل طور پر ختم ہو گئی تھی۔

خلافت راشدہ کے اختتام کے بعد خلافت نے ایک موروثی سی حیثیت اختیار کر لی۔ اس طرح قریش خاندان کے اموی لوگ برسرِ اقتدار آ گئے اور امیہ خاندان نے چونکہ شروع میں عربی اور شامی فوجی قافلوں پر مدار کیا تھا۔ اس لئے انہوں نے اپنا دارالحکومت بھی مدینہ کے بجائے شام کے شہر دمشق کو بنا لیا تھا۔ امیر معاویہ نے اپنے عہد میں مشرقی ایران کے علاقوں (یعنی آج کے عہد کے افغانستان) میں عرب سپاہیوں کے لئے چھاؤنیاں بنا رکھی تھیں۔

ایران قدیم ان دنوں بحرہ اسود سے چین کی سرحدوں تک پھیلا ہوا۔ اور یہاں پر ترکوں کا تسلط تھا اور ان ترک حکمرانوں نے یہاں پر بدھ مت قبول کر لیا تھا اور سارا گندھارا علاقہ خصوصاً سوات، پشاور اور ٹیکسلا اس وقت کابل حکومت کا ایک حصہ تھا اور یہ بھی ترکوں ہی کے قبضے میں تھا۔ ۶۶۵ عیسوی تک کابل عربوں کے محاصرے میں تھا یہ محاصرہ لمبی مدت تک جاری رہا۔ اس مہم کے دوران عرب مسلمانوں نے مشرقی ایران تک کمک پہنچانے کے لئے بنوں، اہواز اور کوئٹہ کو بھی اپنے قدموں تلے روند دیا تھا۔ اور پھر جب عرب مسلمانوں کا کابل پر قبضہ ہو گیا۔ تو یہاں کے تمام لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور عرب

Marfat.com

واپس چلے گئے۔

محاصرہ کابل کے بعد گندھارا کے مقامی حکمرانوں کو قتل کر کے ان کے بجائے کابل شاہی قائم ہو گئی تھی۔ غزنی اور قندھار کے علاقے بھی کابل شاہی کے زیر تسلط آ گئے تھے۔ ان علاقوں پر کم و بیش دو سو سال تک ترکوں کی حکومت قائم رہی اور شمالی پاکستان کے علاقوں پر بھی انہی کا زیادہ تسلط برقرار رہا۔ لیکن ہر عرب گورنر کابل شاہی ترک شاہی سے خراج وصول کرنے کے لئے ہمیشہ ان پر جنگ مسلط کر دیا کرتا تھا۔

امیر معاویہ کے بیٹے یزید اول کا زمانہ فتنہ ثانی کا زمانہ کہلاتا ہے۔ حضرت امام حسین کی شہادت اور کربلا کا سانحہ اسی عہد میں وقوع پذیر ہوا۔ اس عہد میں بعض مقامی حکمرانوں نے موقع پا کر خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا۔ لیکن اس کے جلد ہی بعد اموی خلیفہ عبدالملک نے اپنے قابل معاون حجاج بن یوسف کی مدد سے عرب حکومت کو ایک بار پھر متحد و مستحکم کیا۔ ساتویں صدی عیسوی کے آخری دو ایک برسوں میں حجاج بن یوسف نے بڑی حد تک شورشوں اور بغاوتوں کو دبا دیا اور سلطنت میں قانون کی عملداری کا چرچا کیا۔ اس طرح اس نے عرب حکومت کے شمال مشرقی علاقوں کی مہم حضرت قتیبہ بن مسلم کے سپرد کی۔ حضرت قتیبہ بن مسلم دریائے آمو اور سیر دریا تک پہنچ گیا تھا۔ اس دور میں کابل شاہی نے ایک معاہدہ کر کے خراج دینا شروع کر دیا تھا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں بھی ایک بار ہندوستان تک پہنچنے کی کوشش کی گئی تھی۔ لیکن یہ کوشش چند در چند وجوہ کی بنا پر کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکی۔ اسی طرح حضرت عثمان غنیؓ کے دورِ خلافت میں ایک بار پھر یہ کوشش کی گئی تھی۔ اس مہم کے لئے حضرت عبداللہ ابن عمر نے کام کیا اور وہ سیستان کو فتح کر کے مکران یعنی موجودہ بلوچستان تک بڑھ آئے تھے۔ بلکہ انہوں نے تو سندھ کا بھی ایک حصہ فتح کر لیا تھا لیکن انہوں نے اس بنجر اور سیم زدہ علاقے کو اس وقت کسی شمار اور گنتی کے لائق نہیں سمجھا

Marfat.com

تھا اس کے بعد حضرت علیؓ اور معاویہ کے عہد میں تو کئی مہمیں اس جانب روانہ ہو چکی تھیں۔ لیکن کسی مہم میں کوئی خاطر خواہ کامیابی نصیب نہیں ہوئی تھی۔ لیکن جب خلیفہ الولید کا عہد حکومت شروع ہوا تو اس وقت تک مسلمانوں نے ہر طرح سے خوشحالی اور ترقی حاصل کر لی تھی۔ حضرت موسیٰ بن نصیر اسی عہد میں شمالی افریقہ کی جانب بڑھے اور اور حضرت طارق بن زیاد نے ہسپانیہ فتح کر لیا اور حضرت قتیبہ بن مسلم وسطی ایشیا میں اسلام کا پرچم لے کر اترے۔ یہی وہ وقت تک جب ایک بار پھر مسلمانوں نے سندھ کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔

محمدؐ بن قاسم

بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ عرب مسلمانوں نے شروع ہی سے ہندوستان کے زرخیز اور دولت سے مالا مال علاقوں پر نظریں جما رکھی تھیں۔ لیکن پھر آٹھویں صدی عیسوی کے آغاز میں عرب مسلمانوں کو مجبور کر دیا گیا تھا کہ ہندوستان کے علاقہ سندھ پر وہ حملہ کر دیں۔ ان وجوہ کے علاوہ بھی کئی عوامل کارفرما تھے۔ مثلاً ایران کی مہم کے دوران میں سندھ کے حکمرانوں نے مسلمانوں کے خلاف اپنے فوجی دستے بھیجے تھے۔ ہندوستان کی جانب سے یہ اقدام بھی مسلمانوں کے لئے ایک اشتعال انگیز حقیقت تھا۔ اسی طرح اموی خلیفہ الولید اوّل کے عہد میں جب حجاج بن یوسف کو مشرقی صوبوں کا گورنر بنایا گیا تھا تو اس وقت حجاج کی کارروائی کے نتیجے میں کچھ باغی لوگوں نے بھاگ کر سندھ میں آکر پناہ لے لی تھی۔ راجہ داہر جو سندھ کا اس وقت حکمران تھا۔ اس نے نہ صرف ان باغیوں کو پناہ دی تھی۔ بلکہ ان کی سرپرستی بھی کی تھی۔ اس طرح جب حجاج بن یوسف نے ان باغیوں کی واپسی کا مطالبہ کیا تو راجہ داہر نے انہیں واپس دینے سے انکار کر دیا۔ ان کے علاوہ ایک فوری وجہ یہ بھی تھی کہ سندھ کی ایک بندرگاہ دیبل پر سندھ کے قزاقوں

Marfat.com

نے مسلمانوں کے آٹھ جہازوں پر مشتمل ایک بحری بیڑہ لوٹ لیا تھا یہ بحری بیڑہ سیلون سے کچھ مرحوم عرب مسلمانوں کی بیٹیاں اور کئی دیگر تحفے تحائف لے کر خلیفہ کے پاس آرہا تھا۔ لیکن دیبل کی بندرگاہ پر قزاقوں نے اس بیڑے کو لوٹ لیا اور عورتوں اور مردوں کو قید کر لیا۔

حجاج بن یوسف جو اسلامی دنیا کے ان مشرقی علاقوں کا گورنر تھا جب اس صورتحال کا اسے علم ہوا تو اس نے سندھ کے راجہ داہر کے نام ایک پیغام بھجوایا کہ وہ ان قزاقوں کو سزا دے اور قیدیوں کی رہائی کا انتظام کرے۔ لیکن راجہ داہر نے حجاج بن یوسف کے اس پیغام کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ وہ قزاق اس کے بس سے باہر ہیں۔ لہٰذا وہ انہیں کسی طرح کی سزا بھی نہیں دے سکتا۔ سندھ کے حکمران راجہ داہر کے اس کے جواب پر حجاج بن یوسف کو شدید غصہ آیا۔ اس نے جلد ہی خلیفہ سے دیبل کے خلاف مہم بھجوانے کی اجازت حاصل کی۔ سب سے پہلی مہم عبید اللہ کی قیادت میں پہنچی۔ لیکن وہ ناکام رہی دوسری بار پھر چڑھائی کی گئی۔ لیکن اس بار بھی کامیابی نہ ہو سکی۔

حجاج بن یوسف پے بہ پے ان دو ناکامیوں پر بہت مشوش ہوا لیکن اس نے سندھ پر حملے کو پوری اہمیت دی اور اب کی بار اپنے بھتیجے محمد بن قاسم کی کمان میں ایک فوج بھیجی۔ محمد بن قاسم نے سراج کے راستے سے سندھ کی جانب چڑھائی کی۔ جب محمد بن قاسم ایک نوجوان جرنیل مکران پہنچا تو یہاں کے گورنر نے بھی اسے فوجی مدد دی۔ اس طرح اب محمد بن قاسم کی کمان میں مسلمانوں کی فوج کے ساتھ ساتھ غیر مسلم جاٹ، مید اور کئی ہندو فوجی بھی موجود تھے۔ ان غیر مسلم فوجیوں کی بدولت محمد بن قاسم سندھ کی حکومت، جغرافیہ اور داہر کے بارے میں کئی اہم اور ضروری معلومات حاصل کر چکا تھا۔

محمد بن قاسم دیبل میں ۷۱۲ عیسوی میں اپنی افواج کے ہمراہ پہنچا۔ دیبل کا شہر براہمنوں اور راجپوتوں کی شدید حفاظت میں تھا۔ یہاں پر محمد بن قاسم کی افواج اور دیبل کے محافظوں اور فوجوں کے درمیان ایک گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ خدا نے مسلمانوں کو

Marfat.com

فتح سے نوازا اور مسلمانوں کے ہاتھ بہت مال متاع بھی لگا۔

دیبل فتح کرنے کے بعد محمد بن قاسم نے "نیرون" یعنی موجودہ حیدر آباد کے قریب شہر کا رُخ کیا۔ یہاں کے لوگوں نے جلد ہی ہتھیار ڈال دیئے۔ نیرون کے بعد محمد بن قاسم نے سہون کی جانب رُخ کیا پھر سہون سے سیام پہنچا۔ ان سب شہروں کے لوگوں نے بلا حیل و حجت ہتھیار ڈال کر اطاعت قبول کر لی۔ ان شہروں کے بعد مسلمانوں کو راوار شہر میں شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ یہاں پر تو ہندو فوجوں نے اپنے جرنیلوں کی معیت میں مسلمان افواج کے مقابلے کا پورا پورا اہتمام کر رکھا تھا۔ راوار کے میدانوں میں ہندو سپاہی بڑی بے جگری اور بہادری سے لڑے۔ لیکن یہاں بھی خدا نے مسلمانوں کو فتح دی۔

مؤرخین نے بتایا ہے کہ راوار کی اس لڑائی میں کئی ہندو راجاؤں اور خود راجہ داہر نے بھی حصّہ لیا تھا۔ ۷۱۲ عیسوی میں اسی جنگ میں راجہ داہر محمد بن قاسم کے مقابلے میں آگیا۔ راجہ داہر ایک ہاتھی پر سوار تھا۔ مسلمان سپاہیوں نے راجہ داہر کے ہاتھی کی سونڈ کاٹ دی اور ایک دہکتے ہوئے تیر سے سواری کے ہودے کو بھی آگ لگ گئی۔ راجہ داہر ہاتھی کو چھوڑ کر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ لیکن جلد ہی مسلمان مجاہدین نے اس کا خاتمہ کر دیا۔ داہر کی موت پر اس کی بیوی اور داہر کے بیٹے نے قلعے کے اندر پناہ لے لی۔ اس کے بعد بھی کچھ وقت تک جنگ جاری رہی۔ لیکن جب مسلمانوں نے قلعہ کی دیواریں توڑ کر قلعہ بھی فتح کرنا شروع کر دیا تو راجہ داہر کی بیوی نے آگ میں جل کر خودکشی کر لی۔

راجہ داہر کی موت اور راوار کی عظیم فتح کے بعد محمد بن قاسم فتح کے پھریرے لہراتا ہوا۔ براہمن آباد کی جانب بڑھا۔ براہمن آباد کے لوگوں نے بھی جلد ہی محمد بن قاسم کی اطاعت قبول کر لی۔ محمد بن قاسم نے اپنے مفتوحہ علاقوں میں اپنے گورنر مقرر کر کے اس کے فوراً بعد خود الور کی جانب چڑھائی کر دی۔ کہا جاتا ہے کہ الور کی حفاظت راجہ داہر کے بیٹے کے سپرد تھی جلد ہی الور بھی مسلمانوں نے فتح کر لیا۔ محمد بن قاسم نے احنف

Marfat.com

بن قیس بن رواح اسدی کو الور کا حاکم مقرر کر کے خود ملتان کی تسخیر کا ارادہ کیا۔" ملتان کے سربرآوردہ لوگ محمد بن قاسم کا استقبال کر کے اس کی خدمت میں حاضر ہوئے، محمد بن قاسم نے ان سے معاہدہ کر کے ان پر خراج اور محصول مقرر کیا اور داؤد بن نصیر بن ولید عثمانی کو ملتان کی امارت پر مامور کیا۔"

ملتان ہی کے راستے میں مسلمانوں نے ایک قصبے سکا پر بھی قبضہ کیا۔ ملتان پر مسلمانوں کا قبضہ ہونے کے بعد راجہ داہر کی ساری حکومت مسلمانوں کے قبضہ میں آ چکی تھی۔ اس طرح ۷۱۲ عیسوی میں محمد بن قاسم نے برعظیم پاک و ہند میں اسلام کا پرچم لہرا دیا۔ ملتان کے بعد محمد بن قاسم نے دیپالپور جو کہ دریا کے کنارے ایک بڑا قلعہ تھا اسے بھی فتح کر لیا۔ یہاں سے لشکر اسلام قنوج کی سرحد تک جا پہنچا تو وہاں کے شہزادوں اور راناؤں نے اسلام کی اطاعت قبول کر کے خراج و محصول ادا کرنا منظور کر لیا۔

اسی دوران میں کہ جب ملتان فتح ہوا خلیفہ ولید اوّل کا انتقال ہو گیا۔ حجاج بن یوسف نے فوراً ہی محمد بن قاسم کو واپس بلا لیا۔ اس کے بعد محمد بن قاسم کو معزول کر کے اس سے ہر طرح کے فوجی اختیارات چھین لئے اور اس سے بیشتر کہ کوئی نئی پالیسی وضع ہوتی ۷۱۵ عیسوی میں محمد بن قاسم کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ محمد بن قاسم کی موت کے بعد عربوں کی فوجی قوت کا پھیلاؤ ایک حد تک رک گیا۔ محمد بن قاسم کی موت یا قتل کے بارے میں تاریخ میں چند ایک اور بھی پہلو سامنے آتے ہیں۔ لیکن ان سے فاتح سندھ کے مرتبے اور اس کی فتوحات پر کسی طرح کا اثر نہیں پڑتا۔ محمد بن قاسم کی فتوحات، جنگوں میں اس کی ذہانتوں، فوری فیصلوں اور بہادری کی مثالوں کی کہیں نظیر نہیں ملتی، محمد بن قاسم کی فتوحاتِ سندھ برعظیم پاک و ہند کی تاریخ اور تاریخ اسلام میں اہم مقام کی حامل ہیں۔

Marfat.com

سندھ میں اسلامی حکومت

محمد بن قاسم ایک ذہین منتظم اور ایک مدبر جرنیل تھا۔ وہ جوشیلا اور پیدائشی لیڈر تھا ایک اچھا شاعر، محبِ وطن، سیاستدان اور اعلیٰ درجے کا منتظم تھا۔ یہ اس کی ذہانت اور اعتماد کی انتہا ہے کہ اس نے سترہ سال کی عمر ہی میں اس قدر عظیم جرنیل کا درجہ حاصل کر لیا تھا۔ محمد بن قاسم نے سندھ کے علاقوں کو فتح کرنے کے بعد یہاں پر جو حاکم مقرر کئے اور جس طرح دیگر انتظامات کئے۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے۔ محمد بن قاسم ایک اعلیٰ درجے کا منتظم بھی تھا اور اس کے ساتھ انتظام و انصرام کرنا اسلام کی تعلیمات کا ایک حصہ تھا۔ کوئی انتظامی امور میں مسلمان کسی طرح کی تفریق اور تفاوت کو روا نہیں رکھتے اور ظلم و جبر کو بھی روا نہ رکھتے۔

سندھ میں ان فتوحات کے دوران میں محمد بن قاسم اور دیگر لشکر اسلام نے دیدہ دانستہ ہندوؤں کی عبادت گاہوں اور مندروں کو نقصان نہیں پہنچایا۔ اسی طرح اطاعت قبول کر لینے والے شہروں پر تباہی اور قتل عام بھی نہیں کیا۔ بلکہ یہاں تک معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کی وجہ جو چند ایک گرجوں کو تھوڑا بہت نقصان پہنچا تھا مسلمان حاکموں نے انہیں ان کی مرمت کی بھی اجازت دے دی تھی۔ ایسے ہندو اور دیگر مذاہب کے لوگ کہ جنھوں نے اسلام کو بطور دین ابھی تسلیم نہیں کیا تھا۔ انہیں اسلامی حاکموں کے باوجود اپنے مذاہب کے تحت عبادات کرنے کی آزادی تھی۔ بلکہ ان آزادیوں ہی کی بدولت کئی لوگوں نے مزید اسلام قبول کر لیا تھا۔

محمد بن قاسم نے جب پے بہ پے سندھ میں فتوحات حاصل کر لی تھیں تو حجاج بن یوسف نے ایک فرمان کے ذریعے محمد بن قاسم سے کہا تھا کہ مفتوحہ علاقوں کہ وہ شہری اور لوگ جو محصول اور ٹیکس دینا قبول کر لیں۔ انہیں زندگی اور زندہ رہنے کا حق دیا جائے اس کے علاوہ جو حاکم اور گورنر محمد بن قاسم نے ان مفتوحہ علاقوں میں مقرر کئے تھے۔

Marfat.com

وہ بھی اعلیٰ درجے کے منتظم اور سیاستدان تھے۔ انہوں نے سندھ کے مروجہ نظام کو یکسر بدلنے کا تصور نہیں کیا تھا۔ انہوں نے بالائی عہدوں کے علاوہ باقی تمام نظام مقامی لوگوں ہی کے سپرد کر رکھا تھا، راجہ داہر کی حکومت میں جن مقامی لوگوں کو جو اعلیٰ سرکاری مناصب حاصل تھے محمد بن قاسم اور اس کے مقرر کردہ حاکموں اور گورنروں نے بھی ان لوگوں کے تجربات اور ان کے اثر و رسوخ سے بھرپور کام لیا۔ ٹیکس جمع کرنے کے لئے براہمن افسران مقرر کئے۔ اسی طرح مالیہ کی وصولی بھی براہمن افسروں کے ذمے تھی۔ یہی افسران خمس، جزیہ اور باج جمع کرنے پر مامور تھے۔ مالیہ اور ہر طرح کے محصولات نقدی یا اجناس کی صورت میں دیئے جا سکتے۔ جزیہ ان لوگوں سے وصول کیا جاتا تھا کہ جو مسلمانوں کے تحفظ اور امان میں تھے ایسے لوگوں کو افواج میں شامل ہونے کی پابندی نہیں تھی۔ اور مسلمان زکوٰۃ ادا کرتے تھے محمد بن قاسم کے مقرر کردہ یہ مسلمان حاکم اور گورنر اس قدر قابلِ اعتماد اور پر وقار تھے کہ ان پر مسلمانوں کے ساتھ ساتھ دوسری اقوام کے لوگ بھی پورا بھروسہ رکھتے تھے۔

گو سندھ کے ہندو راجاؤں نے جنگی سامان میں بھاری بھرکم ہاتھی اور آتشی ہتھیار بھی استعمال کرتے تھے لیکن مسلمان شتر سوار اور گھڑ سوار تھے۔ وہ منجنیق کے استعمال سے بخوبی واقف تھے اس لئے ان میں زیادہ پھرتیلا پن اور ہوشیاری تھی۔ مسلمان سپاہی اور جرنیل چونکہ بڑی حد تک عرب قبائل اور جنگ جو لوگوں میں سے تھے۔ اس لئے بھی وہ جنگی طور پر یہاں کے لوگوں پر برتر تھے۔ بعض مورخین کا یہ بھی خیال ہے کہ سندھ کے براہمن ہندو حکمران عوام سے کوئی دلچسپی یا ہمدردی نہیں رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ یہاں کی مقامی اور مقہور جاتیوں نے مسلمانوں کا ساتھ دیا اور مسلمان افواج کے ساتھ تعاون کیا۔

سندھ کے حاکموں اور گورنروں نے اپنے اپنے علاقوں میں مسلمانوں کی عبادات اور تعلیم و تربیت کے لئے مساجد تعمیر کرائیں اور مساجد کی آمدنی کے ذرائع بھی پیدا کئے، اسی طرح انہوں نے عالموں اور مبلغوں کا تقرر کیا۔ انصاف اور عدل کے تقاضے

Marfat.com

پورے کرنے کے لئے قاضی عدالتیں قائم کیں۔ مسلمانوں کی ان رواداریوں نے یہاں کے مجبور اور مقہور اور مظلوم طبقوں میں بہت مقبولیت حاصل کی اور لوگوں نے بڑی تعداد میں اسلامی تعلیمات کو ماننا شروع کر دیا۔ قاضی عدالتوں میں دیگر مذاہب کے لوگوں کے مقدمات کے فیصلے لوگوں کے اپنے مذاہب کی تعلیمات کی روشنی میں کئے جاتے تھے اسی طرح ہندوؤں کے بعض مقدمات ہندو پنچائت کی رائے سے نمٹائے جاتے تھے۔

ایک مؤرخ ٹین لی لین پول نے لکھا ہے کہ عربوں کی فتح سندھ ہندوستان اور اسلام کی تاریخ میں ایک فتح بے ثمر کہی جا سکتی ہے یہ حقیقت ہے کہ محمد بن قاسم اور اس کی افواج نے سندھ اور ملتان کا بیشتر علاقہ فتح کر لیا تھا۔ لیکن شمالی علاقوں کی جانب وہ بالکل پیش قدمی نہیں کر سکے تھے کیونکہ شمالی علاقوں کے راجپوت اور گجر آسانی سے فتح ہونے والے نہیں تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ محمد بن قاسم نے مفتوحہ علاقوں میں کئی مساجد اور مدرسے تعمیر کرائے تھے اور مسلمان حاکم اور گورنر بھی متعین کئے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرنے کی خاطر قاضی عدالتیں بھی قائم کی تھیں۔ لیکن عملی طور پر صورت حال یہ تھی کہ مسلمان حاکم یہاں کے مقامی نظام کو ذرا بھی بدل نہیں سکے تھے کیونکہ وہ انتظامی طور پر برائے نام ہی اختیار و حاکمیت رکھتے تھے۔ محمد بن قاسم کی وفات خلیفہ کی حکومت کے زوال کے باعث دو ہی سال کے اندر ہندوستان کے لوگ باغی ہو کر نافرمان ہو گئے تھے۔ صرف دیبالپور کی سرحد سے لے ساحل سمندر تک کا علاقہ خلیفہ کے گورنروں کے زیر تصرف رہ گیا تھا۔

محمد بن قاسم کے متعدد سپاہی اور افسران اور ملازم جو سندھ میں انتظامی امور کی بجاآوری کے لئے یا اپنی رضامندی سے یہاں پر رہ گئے تھے انہوں سندھی عورتوں سے بیاہ شادیاں کر لی تھیں۔ پھر برسوں تک ہندو اور عرب مسلمان سندھ میں بڑے دوستانہ انداز اور

Marfat.com

ارتباط اور امن کے ساتھ رہتے رہے۔ البتہ مساجد میں علمائے دین تبلیغ واشاعت دین کا فریضہ ادا کرتے رہے۔ اسی طرح رفتہ رفتہ سندھ کے ہندو بلا جبر واکراہ برضا ورغبت مشرف بہ اسلام ہوتے رہے۔ عرب مسلمانوں نے سندھ کے فن تعمیر اور انتظامی امور میں واضح اثرات مرتب کئے۔ اس طرح سندھی زبان پر بھی عربی زبان کے بہت گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی سندھی زبان میں باقی زبانوں کے مقابلے میں عربی زبان کے سب سے زیادہ الفاظ موجود ہیں۔ یہی نہیں بلکہ سندھ کے کئی مسلمان علماء نے اسلامی دنیا کے مراکز میں بھی بڑا نام پایا۔

عرب فاتحین چونکہ اپنے ساتھ ایک نیا اور جدید دین اور ثقافت لے کر آئے تھے۔ اس طرح انہوں نے اس خطہ ارض پر ایک نئی تہذیب کو رواج دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے ہندوستان اور عرب دنیا کے درمیان تجارتی روابط کو فروغ دیا اور ثقافتی ترقی کو بھی ایک نئی شاہراہ سے متعارف کرایا۔ اس کے بدلے میں عرب مسلمانوں نے ہندوستان کے لوگوں سے بھی کئی علوم وفنون میں اکتساب کیا مثلاً مسلمانوں نے ہندوستان کے مختلف مذاہب کے بارے میں وافر معلومات حاصل کیں۔ فلسفہ اور ہیئت کے علوم میں بھی مزید روشنی حاصل کی۔ یہی نہیں بلکہ ادویہ سازی اور ہندو لوک ریت کو عرب مسلمانوں نے یورپ تک پہنچا دیا۔ اس کے ساتھ ہی ہندوؤں کی بڑی بڑی کتابوں اور سنسکرت کی معرکتہ الآرا کتابوں کے عربی زبان میں تراجم کئے گئے۔ تراجم کا یہ کام دوطرفہ تھا۔ عربی زبان کی بھی بیشمار کتابیں ہندوستان کی زبانوں میں ترجمہ کی گئیں۔ تراجم کا زیادہ تر کام خلافتِ عباسیہ کے دوران میں ہوا۔

خلیفہ ہارون الرشید اور مامون الرشید کے دور میں ہندوستان کے بعض اور علاقے بھی ان کے زیر فرمان آچکے تھے، عباسی خلفاء کے گورنروں کی حکومت کا دور القادر باللہ بوالعباس احمد بن اسحاق بن المقتدر باللہ کے زمانہ میں ختم ہوا۔ خلیفہ ہارون الرشید ہی

Marfat.com

کے زمانہ میں برمکیوں نے ہندوستان کے دانش وروں اور اہل علم لوگوں کو بغداد میں آنے دعوت دی اور اسی دور میں سنسکرت کا وقیع کام عربی میں اور عربی کا قابل قدر کام ہندوستان کی زبانوں میں ترجمہ کروایا گیا۔ اس طرح بھی دونوں قوموں کو ایک دوسرے کے سمجھنے میں بڑی مدد ملی۔ طب، ہیئت اور فلسفہ کی کئی کتابیں دونوں زبانوں میں ترجمہ کی گئیں۔ کئی مسلمان دانشوروں نے سنسکرت اور ہندوستانی زبانیں برائے حصولِ علم پڑھنا شروع کر دیں۔ امیر خسرو نے لکھا ہے کہ ایک عرب ہیئت دان ابو مشعر بنارس بھی آیا تھا۔ بنارس اس دور میں ہندوؤں کا ایک بہت بڑا علمی ادبی اور ثقافتی مرکز تھا۔

اسلام چونکہ رواداری اور مساوات کا دین ہے اس میں ذات پات کی کوئی تمیز و تفاوت نہیں ہے اس لئے اسلامی تعلیمات نے برعظیم پاک و ہند کی چھوٹی جاتیوں کو بہت متاثر کیا اور چھوٹی جاتیوں نے اسلامی نظام اور تعلیمات میں عافیت اور سکون محسوس کیا۔ یہی وجہ ہے کہ کئی جاٹ اور میدلوگوں نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس طرح لین پول کا بیان پوری طرح سے نہیں شاید جزوی طور پر کسی حد تک درست ہو۔

محمد بن قاسم کے بعد سندھ کی تاریخ

محمد بن قاسم فاتح سندھ کی وفات کے بعد یزید بن مہلب کو سندھ کا گورنر مقرر کیا گیا تھا۔ اس دور میں خلافت پر سلیمان بن عبدالملک متمکن تھا۔ تاریخ معصومی میں لکھا ہے کہ خلیفہ نے عامر بن عبداللہ کو سندھ کا گورنر مقرر کیا تھا۔ بہر صورت یزید بن مہلب کی وفات کے بعد اس کے بھائی حبیب کو سندھ کا حاکم مقرر کیا گیا۔ جیسے کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ خلفائے راشدین میں سے خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں بھی سندھ کی جانب ایک فوجی جمعیت بھیجی گئی تھی۔ اس لشکر کو ناکام واپس جانا پڑا تھا۔ لیکن پھر بھی اس دور میں سندھ کے بعض لوگوں نے دین اسلام کو قبول کر لیا تھا۔ اس کے بعد حبیب

Marfat.com

کو سلطنت ہشام میں تبدیل کر دیا گیا تھا اور اس کی جگہ پر الجنید کو حاکم سندھ مقرر کر دیا گیا تھا۔ الجنید ایک بہادر جرنیل بھی تھا۔ اس نے جلد ہی بعض باغیوں کو دوبارہ دبا لیا تھا یہی نہیں بلکہ الجنید نے ہندوؤں کے ایک بہت بڑے لیڈر جے شایا کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا تھا لیکن اس کے بعد حاکم کمزور ثابت ہوئے اس طرح سندھ میں مسلمانوں کا تسلط دن بہ دن برائے نام ہو کر رہ گیا اور پھر عباسی خلافت کی مشاجرت کے ساتھ ساتھ سندھ بھی چھوٹی چھوٹی ریاستوں اور حکومتوں میں تقسیم ہوتا چلا گیا۔ نتیجتاً نویں صدی عیسوی کے اواخر تک سندھ مکمل طور پر اسلامی خلافت سے کٹ کر رہ گیا تھا۔

مورخین کا خیال ہے کہ سندھ کا علاقہ عرب مسلمانوں کے لئے کئی حوالوں سے قابل توجہ نہیں تھا۔ مثلاً سب سے پہلے تو سندھ برعظیم پاک و ہند کے شمالی اور شمال مغربی علاقوں کی طرح زیادہ زرخیز اور دیگر علوم و فنون کی دولت سے مالا مال نہیں تھا اور پھر سندھ ایسا مقام بھی نہیں تھا کہ جہاں سے از سر نو تیاری کر کے ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں فوجی لشکر بھجوائے جا سکتے۔ سندھ جیسے دور دراز علاقے کو بغیر کسی خاطر خواہ جزیہ اور خراج کے بھی سلطنتِ اسلامیہ میں شامل رکھنا محض مشکل تھا ان امور کے علاوہ یہ بھی قابل ذکر ہے کہ مسلمانوں کے مرکز میں بھی ایک طرح کے انتشار کے باعث اس قدر دور دراز صوبے پر تسلط اور حکومت برقرار رکھنا ذرا دشوار تھا۔ اس کے ساتھ ہی آٹھویں اور نویں صدی عیسوی کے دوران یہاں کے متعدد حکمرانوں نے مقامی طور پر خاصا استحکام حاصل کر لیا تھا اور اب انہیں شکست دینا چنداں آسان نہیں رہا تھا۔ سندھ اور باقی علاقوں کے راجپوت حکمران کئی حوالوں سے مضبوط اور مستحکم تھے سندھ کے ابتدائی مسلمان حاکموں کے بعد آنے والے حاکم اور گورنر مرکزی اسلامی حکومت کی کمزوری کے باعث خاصے کمزور ہوتے گئے تھے۔ اس لئے مقامی حکمرانوں نے دوبارہ اپنا اثر و رسوخ بڑھا لیا تھا۔

Marfat.com

باب۔ ۳

برِعظیم میں مسلمانوں کی حکومت

ابتدائی حکومتیں

۸۴۳ عیسوی کے قریب کابل کی ترک شاہی کو براہمنوں نے ختم کر دیا تھا۔ کابل شاہی کا یوں تو بلوچستان تک تسلط قائم تھا لیکن اب یہ سارا خطہ براہمن شاہی کا حصہ بن گیا تھا۔ اس وجہ سے ہندومت ہی اس علاقے کا بڑا مذہب بن چکا تھا۔ براہمن شاہی نے اپنی راجدھانی کابل کے دریائے سندھ کے کنارے پر ایک شہر اودے بھانپور میں تبدیل کر لی تھی۔ اس طرح اودے بھانپور اپنی خوشبویات، جواہرات اور کپڑے کی تجارت کے لحاظ سے ایک مرکزی شہر کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ اس ہندو شاہی کے نشانات سوات، کافر کوٹ، دیر، چکدرہ وغیرہ تک بھی ملتے ہیں۔ اسی عہد کے سکے اور گرجوں کے باقیات بھی پائے گئے ہیں۔ ہندو شاہی کے سکوں کے بارے میں تو یہاں تک گمان کیا جاتا ہے کہ یہ وسطی ایشیا کے علاقوں اور عباسی حکومت کے علاقوں میں بھی تجارت کے حوالے سے چلتے تھے اور قابلِ قبول تھے۔

Marfat.com

اسی اثنا میں ایران کی مشرقی سرحدوں پر سیستان کے علاقے میں ایک مسلمان تانبہ گر یعقوب بن لیث ایک مجاہد اور ہیرو کے طور پر ابھرا۔ اسے طاہری گورنر نے مشرقی ایران اور افغانستان کی عنانِ حکومت دے دی تھی۔ اس طرح ۸۷۰-۷۱ عیسوی میں یعقوب نے کابل میں ہندوشاہی حکمران کو شکست دے دی۔ یعقوب بن لیث کو اس فتح میں خاصا مالِ غنیمت اور سونا ہاتھ لگا۔ یعقوب نے اس مالِ غنیمت کا ایک مخصوص حصہ بغداد کو بھجوا دیا تھا۔ اس کے نتیجے میں خلیفہ نے اسے سندھ پر حکمرانی کی بھی اجازت دے دی تھی۔ بغداد میں سفاری خلیفہ بصرہ کے علاقہ میں بغاوتوں کو فرو کرنے میں مصروف تھا کہ اچانک یعقوب بن لیث نے خلافتِ بغداد پر حملہ کر دیا۔ لیکن اس کا یہ حملہ ناکام کر دیا گیا۔ اس طرح ۹۰۳ء تک یعقوب ایک بار پھر صرف سیستان تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔

مرکزِ اسلام اور خلافت سے کٹ جانے کے بعد برعظیم پاک و ہند میں عربوں کے مراکز سندھ اور مکران مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے شہروں کا روپ دھار چکے تھے اور یہاں پر مسلمانوں کا سب سے اہم اور بڑا شہر منصورہ بھی قائم ہو چکا تھا۔ منصورہ، شاہدادپور سے گیارہ کلومیٹر جنوب مشرق میں واقع تھا۔ منصورہ کے باقیات اور آثارِ قدیمہ سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ شہر کس قدر پرشکوہ اور اسلامی عظمت کا حامل تھا۔ اس شہر سے اس عہد کی شہری اور اسلامی زندگی کا بھی بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے اس شہر کا انتظام و انصرام خلیفہ بغداد کی حکومت کے براہ راست اختیار میں تھا۔ یہاں پر خلیفہ بغداد ہی کا سکہ جاری تھا۔ منصورہ کے ساتھ ساتھ ملتان بھی مسلمانوں کا اہم شہر تھا۔ ملتان پر تو اہل علم مسلمان حکمرانوں کا تسلط تھا۔

نویں صدی کے آخری سال تک کابل کی حکومت بھی ایک بار پھر مکمل طور پر مسلمانوں کے زیر اقتدار آ چکی تھی اور اب ہندوشاہی صرف کشمیر میں قائم تھی۔ ہندوشاہی نے بڑی حد تک پنجاب کو بھی اپنے ساتھ ملائے رکھنے کی کوشش کر رکھی تھی۔ کشمیری ہندوؤں کی اس

Marfat.com

وسعت پسندی کے خلاف پنجاب اور کشمیری حکمرانوں کی کئی بار جنگ ہو چکی تھی۔

ادھر بغداد میں سفاری حکمرانوں کے بعد جب سامانی حکمران برسرِ اقتدار آئے تو اس خاندان کا پورا عہد (۹۰۳ء سے ۹۹۹ء) امن و خوشحالی، تہذیب و ثقافت اور فلاحی سرگرمیوں کا دور کہلاتا ہے۔ ان سے پورا وسطی ایشیا فیض یاب رہا۔ اور اس دور میں صنعت و حرفت اور تجارت کے ساتھ ساتھ زرعی میدانوں میں بھی خاطر خواہ ترقی ہوئی۔ اسی عہد میں فارسی زبان کا موجودہ رسم الخط بھی مقبول اور مروج ہوا۔ اس دور میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ علم طب اور علم الادویہ کے سلسلے میں اس دور میں ہند اور یونان کی کتابوں سے بھی استفادہ کیا گیا۔

سامانیوں کی افواج میں لائق اور قابل جرنیل اور افسران ترک غلاموں میں سے تھے اسی لئے وہ ترک فوجی اب رفتہ رفتہ آداب جہان بانی اور آداب سلطانی سے آگاہ ہونے لگے تھے۔ ۹۶۲ عیسوی میں ایک ترک کمانڈر الپتگین نے مشرق کی جانب اپنے سامانی امیر کے خلاف بھی چڑھائی کر دی تھی۔

الپتگین مشرق کی جانب ہندوستان میں جنگ کے لئے بڑھا تھا۔ اس لئے اس کے ساتھ بہت سے لوگوں نے رضاکارانہ اپنی خدمات پیش کر دی تھیں۔ شاید وہ لوگ ہندوستان کی دولت اور زرخیزی سے بہت متاثر تھے۔ لیکن الپتگین اس سلسلے میں کوئی قابل ذکر کارنامہ سرانجام دیئے بغیر ہی اچانک موت سے ہمکنار ہو گیا۔ اس طرح ایک بار پھر ہندوشاہی نے کابل پر نظریں جمانی شروع کر دی تھیں۔

ہندوشاہی ان علاقوں میں مسلمانوں کا اختیار و تسلط روکنے کے درپے تھی اس طرح غزنی کے علاقے میں بیسیوں لڑائیاں ہوئیں۔ ۹۷۷ عیسوی کے لگ بھگ جب چرخ کی جنگ ہوئی تو ایک ترک اور سابق غلام سبکتگین نے ہندوؤں پر دو ٹوک اور فیصلہ کن فتح حاصل کر لی تھی۔ اس کے فوراً بعد سبکتگین نے اسلامی حکومت کو غزنی سے

Marfat.com

لے کر شمال مغرب میں قلات اور بلوچستان تک پھیلا دیا تھا۔ سبکتگین ہندوشاہی پر مسلسل حملے کر رہا تھا۔ ان دنوں ہندوشاہی کا ایک بڑا حکمران جے پال تھا۔ جے پال کی حکومت آج کے پاکستان کے اکثر علاقوں بشمول کشمیر پر قائم تھی۔ جے پال ترک مسلمانوں کو مغربی سرحدوں سے دور دھکیل دینا چاہتا تھا اس لئے اس نے اچھی خاصی فوج تیار کر رکھی تھی۔ مسلمانوں کی افواج بھی مقابلے میں کمزور نہیں تھیں، بہرصورت دونوں فوجیں میدان جنگ میں اتر آئیں۔ کئی دنوں تک جنگ جاری رہی۔ ایک طوفانی رات ہندوشاہی فوج بھاگ کھڑی ہوئی اور جے پال نے باجگزاری قبول کر لی اور جنگی ہاتھیوں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو دس لاکھ شاہی درہم بھی دینے کا وعدہ کر لیا جب جے پال یہ وعدہ کر کے مسلمانوں کے نرغے سے نکل گیا تو اس نے وعدہ خلافی سے کام لیا۔ اس پر سبکتگین کو بڑا غصہ آیا اور نے لمغام کے کئی مندروں کو نذر آتش کروا دیا۔ جواباً جے پال نے تمام راجاؤں مہاراجاؤں کو جمع کیا اور ایک بار پھر موجودہ شہر جلال آباد سے انیس کلومیٹر جنوب میں ایک مقام دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ اس گھمسان کی جنگ میں راجہ جے پال نے پسپائی قبول کر لی۔ اس طرح پشاور اور لمغام کا درمیانی علاقہ سبکتگین کے قبضے میں آ گیا۔ جے پال نے وہ علاقہ کھونے کے بعد لاہور کو اپنی شاہی میں شامل کرنے کا ارادہ کر لیا۔

محمود غزنوی

اپنے والد سبکتگین کی وفات ۹۹۸ء میں سلطان محمود مسند حکومت پر بیٹھا۔ محمود غزنوی نے چونکہ اپنے والد کی زندگی میں جے پال کے خلاف ایک شدید جنگ میں حصہ لیا تھا اور اس نے یہ بھی محسوس کر لیا تھا کہ ہندو راجے اور حکمران بدعہد بھی ہیں۔ اس لئے اس نے وسطی ایشیاء پر خراسان تک قبضہ کرنے کے بعد شاہراہ ابریشم اور برعظیم پاک و ہند کی جانب توجہ مبذول کی۔ اس سے پیشتر سامانی حکمرانوں نے محمود غزنوی کا بلخ، ہرات، ترمذ اور بست پر تسلط اور

Marfat.com

اختیار تسلیم کر لیا تھا۔ اس دوران میں حسب دستور محمود غزنوی نے اپنی حکومت کے لئے مرکزی خلیفہ اسلام سے بھی تائید اور سند حاصل کر لی تھی۔ عباسی خلیفہ قادر باللہ محمود کو پوری اخلاقی مدد کا یقین دلایا۔ اس پر محمود غزنوی نے برعظیم پر بار بار حملے کرنے کی اجازت بھی حاصل کر لی تھی اور یمین الدولہ اور امین الملتہ کا لقب بھی حاصل کیا تھا۔

۱۰۰۰ عیسوی تک محمود غزنوی نے ہندوشاہی کے قلعوں اور حکومتوں پر حملوں کا آغاز کر دیا تھا۔ اس کے بعد ۱۰۰۱ء میں سلطان محمود کی افواج نے پشاور کا رُخ کیا یہاں پر محمود کی راجہ جے پال کے ساتھ بڑے گھمسان کی جنگ ہوئی جے پال اور اس کے متعدد سپاہی قید کر لئے گئے۔ متعدد موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ یہاں سے محمود نے گندھارا تہذیب کے مشہور شہر اودے بھانپور کا محاصرہ کیا اور وہاں پر بھی ہندوشاہی فوجوں کو شکست دی اودے بھانپور اور پشاور کی فتح کے بعد دریائے سندھ کے مغرب میں ہندوشاہی کا محمود نے بالکل خاتمہ کر دیا تھا۔ اسی طرح محمود کے لشکر نے جلد ہی سوات دیر اور باجور پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔

ملتان میں فاطمی حکمرانوں کے پیش رو حکومت کر رہے تھے اب محمود نے ملتان پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ کیونکہ ملتان کے وہ فاطمی حکمران فرقہ اسماعیلی سے تعلق رکھتے تھے۔ محمود نے ملتان کے حکمرانوں کو بھی شکست دے کر یہاں پر جے پال کے پوتے سکھ پال کو حکومت دے دی۔ سکھ پال نے آغاز میں اسلام قبول کر لیا تھا۔

دریائے سندھ کے مشرقی کنارے پر ترلوچن پال نے بہت بڑی فوج جمع کر رکھی تھی اس نے ڈٹ کر سپاہ اسلام کا مقابلہ کیا آخر اسلامی افواج اس کی فوجوں کو دھکیلتی ہوئی کانگڑہ وادی تک لے گئیں اس دوران میں محمود غزنوی نے انند پال کو کچھ شرائط پر رہا کر دیا تھا اور انند پال نے ہر سال خراج کے طور پر ہاتھی اور دوسرا ضروری سامان بھجوانے کا وعدہ کر لیا تھا۔ اس طرح محمود غزنوی نے ہندوشاہی میں امن وامان اور قانون کے نفاذ کی بھی اجازت

Marfat.com

دے دی تھی۔

۱۰۱۳ء تک انند پال نے سالانہ خراج ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا لہذا محمود غزنوی کو ایک بار پھر ہندوشاہی پر حملہ کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اس سلسلے میں ترلوچن کے بیٹے بھیمانے نندن کے مقام پر محمود کی فوجوں کے مقابلے کی خاصی بڑی تیاری کر رکھی تھی۔ اس کے ساتھ کئی مقامی راجے بھی ترلوچن پال کے ساتھ آکر مل چکے تھے۔ بالآخر شدید اور بھرپور تیز جنگ کے بعد نندن کا قلعہ مسلمانوں نے فتح کر لیا۔ ترلوچن پال کشمیر کی جانب بھاگ کھڑا ہوا اور اس نے کشمیر میں جا کر کشمیری حکومتوں اور جاگیرداروں سے مدد حاصل کر کے دوبارہ کشمیری اور ہندوشاہی فوج تیار کر لی۔ ان مشترکہ فوجوں کو محمود غزنوی نے دریائے توی یا توہی کے کناروں پر شکست دی۔ اس کے بعد راجہ ترلوچن پال کو ہندوؤں نے قتل کر دیا تھا۔ اس کے بعد بھیمانے ہندوشاہی کی بچی کھچی سلطنت کا نظام سنبھالا ہوا تھا۔ لیکن ۱۰۲۱ء تک پنجاب کو محمود غزنوی نے غزنی حکومت کے ایک مشرقی صوبے کے طور پر شامل کر رکھا تھا۔ پھر محمود غزنوی نے ہندوشاہی پر ایک دو اور ضربیں لگائیں اور تب وہ غزنی واپس آگیا۔

سلطان محمود غزنوی نے ۱۰۰۰ عیسوی سے ۱۰۲۶ عیسوی تک ہندوشاہی پر پے بہ پے کامیاب حملے کئے۔ محمود کے ان حملوں کی تعداد سترہ بتائی جاتی ہے۔ اس طرح محمود نے درّہ خیبر سے لے کر سومناتھ تک سترہ حملے کئے۔ ہندوؤں کی لاکھوں کی فوج کو تہس نہس کیا اور ہندوشاہی کے مہیب ہاتھیوں اور دیگر مہلک ہتھیاروں کا بھی مقابلہ کیا۔ محمود کی ان جنگوں میں سومناتھ، پشاور، کشمیر، نندن، کالنجر اور دیگر کئی مقامات پر ہندوؤں کی مشترکہ افواج سے لڑنا پڑا۔

محمود غزنوی کی ان فتوحات اور حملوں کا ایک بڑا اثر یہ مرتب ہوا کہ سندھ کے ساتھ ساتھ اب پنجاب بھی اسلامی سلطنت میں شامل کر لیا گیا۔ ہندوستان کے ہزاروں افراد نے

Marfat.com

اسلام قبول کر لیا اور متعدد راجے مہاراجے بھی مشرف بہ اسلام ہو گئے اس طرح ہندوؤں اور مسلمانوں نے مل جل کر رہنا شروع کر دیا۔ مسلمان بزرگان دین نے سلسلہ درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ پر خصوصی توجہ دینی شروع کر دی۔ یہی نہیں بلکہ محمود کے ان حملوں اور فتوحات نے ہندوستان میں مزید اسلامی فتوحات کے دروازے وا کر دیئے۔ محمود نے ہندوؤں کے نہ صرف بڑے بڑے مذہبی مراکز پر قبضہ کر کے ان کے بت توڑے کہ جن کی بدولت مقامی حکمران سب سے زیادہ مالی مدد اور سرپرستی حاصل کرتے تھے بلکہ محمود نے ہندوؤں کی معیشت پر بھی حملے کئے۔

ابوریحان البیرونی سلطان محمود غزنوی کے عہد کا ایک بہت بڑا مورخ ہے اس نے "کتاب الہند" میں محمود غزنوی کے عہد کے بارے میں وافر اور صحیح معلومات فراہم کی ہیں۔ کتاب الہند میں البیرونی نے ہندوستان کی جغرافیائی، سیاسی، سماجی اور عام روزمرہ کی زندگی کی بھی تصویر کشی کی ہے۔ محمود غزنوی کے عہد میں شہر غزنی علم و ادب کا بہت بڑا مرکز بن چکا تھا۔ بڑے بڑے دانش ور شاعر اور فضلا نے اس شہر کو زینت بخش رکھی تھی، فردوسی، عتبی، انصاری اور بیہقی اسی دور کے علما اور فضلا ہیں۔ برعظیم پاک و ہند کے سب سے بڑے صوفی بزرگ حضرت عثمان بن علی ہجویری بھی اسی دور میں لاہور میں آ کر مقیم ہوئے تھے۔

سلطان محمود غزنوی نے ساٹھ سال کی عمر میں ۱۰۳۰ میں غزنی میں انتقال کیا۔ اس کی وفات پر اس کا بیٹا مسعود غزنی کے تخت پر بیٹھا۔ سلطان مسعود کو سلجوقوں نے شکست دی اور مسعود کے نابینا بھائی محمد کو تخت نشین کر دیا۔ محمد نے اپنی حکومت کی باگ ڈور اپنے بیٹے مودود کے سپرد کر دی تھی۔ مودود نے غزنی میں ۱۰۴۹ تک حکومت جاری رکھی۔ اس کے بعد برعظیم پاک و ہند سے غزنوی حکومت ختم ہوئی اور غوریوں کی حکومت کا آغاز ہونے لگا۔

Marfat.com

غوری حکمران

غزنوی حکومت کے زوال کے بعد گو کسی نہ کسی طرح غزنوی مرکز برعظیم کے ان مسلمان صوبوں پر اپنی حکومت برقرار رکھے رکھا اور یہی نہیں بلکہ بعض حکمرانوں نے بنارس اور اجودھن (پاک پتن) پر بھی حملے کئے تھے۔ گیارہویں صدی عیسوی کے اختتام تک تو مسلمانوں نے لاہور پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ غور کا علاقہ وسطی افغانستان میں واقع ہے یہاں پر غزنوی حکمرانوں نے حملہ کر کے اسلام کو پھیلا دیا تھا۔ بہرام شاہ نے یہاں پر متعدد غوری باغیوں کو عبرت ناک موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ اس طرح بارہویں صدی عیسوی کے وسط تک غوری برادران نے بھی طاقت حاصل کر لی تھی۔ اور انہوں نے غزنویوں پر شدید حملے کرنے شروع کر دیئے تھے۔ ان حملوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ غزنی کے کمزور حکمران جلد ہی ختم ہو گئے اور غوری غزنوی پر بھی قابض ہو گئے۔ لیکن غزنوی حکمرانوں نے اپنے مراکز لاہور میں تبدیل کر لئے تھے۔ اس طرح لاہور غزنویوں کا ایک مصروف اور بڑا مرکز بن چکا تھا اور ادھر مرکزی ایشیا میں غوریوں نے خراساں پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور پھر ۱۱۷۵ عیسوی میں محمد غوری نے درہ گومل کے راستے برعظیم میں داخل ہو کر ملتان اور اُچ پر قبضہ کر لیا۔ محمد غوری نے گجرات پر بھی حملہ کیا اور پھر کاٹھیاوار کے چلوکیہ راجہ سے شکست کھائی یہاں سے ناکام ہو کر محمد غوری دوبارہ غزنوی حکومت کے علاقوں کی جانب متوجہ ہوا اور ۱۱۷۹ء میں پشاور کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ سیالکوٹ اور لاہور میں خسرو ملک نے محمد غوری کا خوب مقابلہ کیا۔ لیکن وہ جلد ہی قیدی بنا لیا گیا۔ ۸۷-۱۱۸۶ء میں لاہور پر محمد غوری نے قبضہ کر لیا تھا۔ ۱۱۹۰ء میں محمد غوری نے بٹھنڈہ پر قبضہ کر لیا۔ پھر راجپوتوں نے ایک شدید لڑائی کے بعد بٹھنڈہ دوبارہ واپس لے لیا تھا۔ لیکن ۱۱۹۲ء میں محمد غوری اور راجپوت راجاؤں کی فوجوں کا ایک بار پھر ترائن کے میدان میں شدید مقابلہ ہوا۔ لیکن راجہ پرتھوی راج کو گرفتار کر لیا گیا اور اب دہلی کی حکومت پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ ۱۱۹۴ء میں محمد غوری نے قنوج اور بنارس کی

Marfat.com

حکومتوں کو شکست دے کر فتح حاصل کی اور پھر ۱۱۹۶ء تک اس نے اپنی حکومت گوالیار تک پھیلا لی تھی۔

کیونکہ غزنوی اور غوری فوج میں اکثریت ترکوں کی تھی۔ اس لئے محمد غوری نے ان مفتوحہ علاقوں کا پورا نظام اقتاء کی بنیادوں پر بڑے بڑے فوجی افسروں کے سپرد کر دیا تھا ویسے بھی محمد غوری کا کوئی بیٹا نہیں تھا۔ اس لئے بھی ترک فوجیوں نے اس طرح کی زیادہ مراعات حاصل کیں۔ محمد بن بختیار ایک خلجی قبائلی تھا اور محمد غوری کا غلام تھا اسے اودھ کا علاقہ دے دیا گیا محمد بن بختیار خلجی نے بنگال کی راجدھانی نادیہ تک رسائی حاصل کر لی۔ اس کے بعد بنگال کو پورے طور پر بھی بختیار خلجی نے فتح کر لیا تھا۔ فوجوں نے آسام کے علاقوں کو بھی تہہ تیغ کرنا شروع کر دیا تھا۔ پھر جب مغربی سرحدوں کی جانب غوری حکمرانوں نے توجہ کی تو اُدھر محمد غوری نے خوارزم ترک حکمران پر حملہ کر دیا۔ لیکن یہاں پر اسے ہزیمت اٹھانی پڑی۔ اس کے بعد گکھڑوں سے بھی غوری نبرد آزما ہوا لیکن یہاں بھی اسے کامیابی نہ ہو سکی۔ اس طرح وسطی ایشیا میں غوری حکومت شعلہ مستعجل کی طرح ابھری اور جل بجھی۔

سلاطین دہلی

محمد غوری کی وفات کے بعد اس کی سلطنت غوری کے دو جرنیلوں قطب الدین ایبک اور محمد خلجی کے حصے میں آئی۔ لیکن اپنی ذہانت اور سوجھ بوجھ کے اعتبار سے قطب الدین ایبک نے زیادہ مقبولیت حاصل کر لی اور وہی محمد غوری کا صحیح جانشین ثابت ہو سکا۔ قطب الدین ایبک سے پیشتر چونکہ وسطی ایشیا اور برعظیم پاک و ہند کی اسلامی سلطنت دو حصوں میں بٹ چکی تھی۔ اس لئے قطب الدین ایبک نے غزنی کے بجائے دہلی کو دارالحکومت بنایا۔ اس نے بھی جلد ہی اپنی خداداد صلاحیتوں کی بنا پر یکے بعد دیگرے فتوحات حاصل کرنی شروع کر دیں۔ اس نے جلد ہی ہانسی، میرٹھ، دہلی، رنتھبور اور کول وغیرہ کو بھی اپنی

Marfat.com

سلطنت میں شامل کر لیا تھا۔ کالنجر، ماہوبہ اور بنارس پر تو قطب الدین ایبک نے محمد غوری ہی کے عہد میں قبضہ کر لیا تھا۔ قطب الدین ایبک کے عہد میں چونکہ مسلمانوں کی حکومت قریباً سارے ہندوستان پر پھیلی ہوئی تھی اس لئے اسے زیادہ جنگیں نہیں کرنی پڑیں بلکہ اس نے حکومتی امور اور اسلامی حکومت کو مستحکم کرنے پر توجہ دی۔ قطب الدین ایبک نے ۱۲۱۰ء میں لاہور میں وفات پائی۔

شمس الدین التمش

قطب الدین ایبک کی وفات کے بعد اس کے ایک بیٹا آرام شاہ نے ایک سال تک ناکام حکومت کی لیکن پھر ۱۲۱۱ء میں شمس الدین التمش نے عنانِ حکومت سنبھال لی، مذہبی اعتبار سے ہندوؤں نے التمش کی شدید مخالفت کرنی شروع کر دی تھی، بہار اور بنگال کے خلجی حکمران بھی بغاوت پر آمادہ تھے اس کے ساتھ ہی منگول حملہ آوروں نے بھی برعظیم پاک و ہند کی سرحدوں پر دستک دینی شروع کر دی تھی۔ چنگیز خاں نے بلخ بخارہ اور خوارزم پر حملہ کر دیا تھا۔ بلکہ چنگیز خاں تو خوارزم کے حکمران کے تعاقب میں دریائے سندھ تک آن پہنچا تھا۔ اس لئے سلطان التمش ایک ایک بغاوت کو دبانے میں مصروف رہا۔ اس نے اپنے عہد میں برعظیم پاک و ہند کی وسیع و عریض اسلامی حکومت کو مستحکم بھی کیا اور یہاں پر اسلامی نظام کو زیادہ مستحکم بنیادوں پر رائج کرنے کی کوشش کی التمش کی سلطنت میں راجپوتانہ، سندھ اور بنگال بھی شامل تھے۔ اس نے اپنی ذہانتوں اور بہتر حکمت عملی سے سلطنت دہلی کو وقار اور استحکام بخشا۔

سلطان التمش کے بعد رضیہ سلطانہ تختِ دہلی پر براجمان ہوئی۔ رضیہ سلطانہ نے گو اپنی بساط بھر استعداد اور ذہانت کے ساتھ معاملات سلطنت کو نبھایا اور نظم و نسق کو بہتر بنانے کی کوشش کی۔ لیکن ہندوستان کی وسیع و عریض سلطنت میں بغاوتوں نے

Marfat.com

سر اٹھالیا۔اس طرح ایک سیاسی بحران سا پیدا ہو گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی منگولوں نے پھر برعظیم پر حملوں کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔

رضیہ سلطانہ کے بعد ناصر الدین محمود اور پھر غیاث الدین بلبن نے سلطانِ دہلی کے طور پر حکومت شروع کی۔ بلبن نے منگولوں کے حملے روکنے میں سابقہ حکومتوں میں اعلیٰ کردار ادا کیا تھا۔اس کے عہد میں بھی ملک میں اندرونی بغاوتیں پیدا ہونے لگی تھیں اس نے چند ایک بغاوتوں کو فرو کیا اور اس کے بعد اس نے ہندوستان کے مسلمانوں کی زندگی اور معیارِ زندگی کو بہتر بنانے پر اپنی توجہ مرکوز کر دی۔ اس طرح وہ برعظیم پاک و ہند میں مسلمانوں کو حکومت کو بچائے رکھنے میں کامیاب ہو چکا تھا لیکن اس کے جانشینوں کی نااہلی کے باعث خلجی حکمرانوں نے عنانِ حکومت سنبھال لی۔

خلجی حکمران

جلال الدین خلجی ۱۲۹۰ء میں دہلی کے تخت پر بیٹھا۔اس وقت وہ ستر سالہ بزرگی کی عمر میں تھا اس لئے شورشیں اور بغاوتیں اس کے عہد حکومت میں بھی برپا رہیں۔ وہ اپنے عہد میں امن و سکون اور فروغِ اسلام کے لئے کام کرتا رہا ۱۲۹۵ء میں علاء الدین خلجی نے تخت پر قبضہ کر لیا تھا۔حکومت کا نظام سنبھالتے ہی اس نے ہندوستان کی سرحدوں کو منگولوں کے حملوں سے محفوظ کرتے کے خصوصی انتظامات کرنے شروع کر دیئے تھے اس نے سرحدوں پر کئی با اعتماد اور جنگ جُو جرنیل مقرر کئے۔اس طرح اب منگولوں کو حملہ کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔لیکن علاء الدین خلجی نے خود دنیا کو فتح کرنے کی ٹھانی۔ اس طرح اس نے سب سے پہلے رنتھبور اور پھر چتوڑ، ماندو، اجین، دھرے نگری اور چندری کو فتح کر لیا۔اور پھر اسی طرح وہ غزنی، کابل، کشمیر، بنگال، بحیرہ عرب اور ہمالیہ کی چوٹیوں تک اپنی حکومت کو پھیلانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔اس نے دکنی ہندوستان

Marfat.com

کو پہلی بار فتح کر کے حکومت میں شامل کیا تھا۔ اس طرح علاء الدین اپنے عہد میں وسیع تر ہندوستان کا حکمران تھا۔ جب اس نے اپنی سلطنت کو خاصی وسعت دے لی تو پھر وہ زیادہ متانت کے ساتھ انتظامات حکومت میں محو ہو گیا۔ اس نے کئی طرح کے اضافی ٹیکس عائد کئے۔ کئی اسلامی نظام کا نفاذ کیا۔ عوام کی فلاح کے لئے بھی بے شمار اقدامات کئے۔

۱۳۱۶ء میں علاء الدین خلجی کی وفات کے بعد ملک کافور تخت نشین ہوا۔ اسے ملک مبارک نے حکومت چھین لی۔ ملک مبارک کے بعد خسرو خاں اور پھر غازی ملک تخت نشین ہوا۔ بہر صورت خلجی حکمرانوں نے یہ ثابت کر دکھایا تھا کہ بادشاہت کسی کی موروثی جائیداد یا وراثت نہیں ہے بلکہ کوئی بھی اہل شخص اس کا حقدار ہو سکتا ہے۔

تغلق خاندان

خلجی حکمرانوں کے زوال کے بعد غیاث الدین تغلق سلطنت دہلی کا حاکم ہوا۔ اس نے جلد ہی شورش پسند حکمرانوں کی سرکوبی کے انتظامات کئے۔ لیکن عنانِ حکومت سنبھالنے کے پانچ ہی سال بعد ۱۳۲۵ء میں ایک مہم کے دوران فوت ہو گیا۔ لیکن اس نے دہلی کے بجائے دارالحکومت تغلق آباد میں قائم کر دیا تھا۔

غیاث الدین تغلق کے بعد محمد تغلق تخت نشین ہوا۔ اس نے امور سلطنت میں کچھ تبدیلیاں کیں اور ملک کے نظام کو صوبوں میں تقسیم کر دیا۔ اس دور میں گو زیادہ جنگیں تو نہ ہوئیں۔ لیکن لوگوں میں ابتری موجود رہی۔ اس عہد کے بارے میں ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں بے شمار مستند دستاویزات فراہم کر دی ہیں۔ بہر صورت محمد تغلق نے اپنے عہد حکومت میں عدل و انصاف کے تقاضے بطریق احسن پورے کئے۔ محمد تغلق کی وفات ۱۳۵۱ء کے بعد فیروز شاہ تغلق تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنے عہد میں بنگال پر دوبارہ حملے کئے اور پھر اسی طرح سندھ میں جام حکمرانوں پر بھی اس نے قابو پا لیا۔ اس کے علاوہ فیروز شاہ دورِ

Marfat.com

حکومت جو ۱۳۸۸ء تک برقرار رہا۔ تاریخ میں امن اور خوشحالی کا دور کہلاتا ہے۔

تغلق حکمرانوں کے زوال کے بعد لودھی خاندان نے حکومت کی بہلول لودھی، سکندر لودھی اور ابراہیم لودھی مشہور حکمران تھے۔ لودھی حکمرانوں نے بڑی حد تک اسلامی حکومت کے وقار کو بحال رکھا اور ملک کے اندرونی معاملات کو سدھارنے پر زیادہ توجہ دی۔ اسی عہد حکومت میں مغلیہ خاندان کے بابر نے ابراہیم لودھی کو لاہور میں شکست دے کر لاہور پر قبضہ کر لیا تھا ۱۵۲۶ء میں ابراہیم لودھی اور بابر کی فوجوں کی جنگ پانی پت کے میدان میں ہوئی اور بابر نے ایک بار پھر کامیابی حاصل کی۔

اسی دوران میں دہلی میں سیّد خاندان نے حکومت کی۔ سیّد خاندان کی حکومت دہلی پر قائم تھی جبکہ صوبہ سرحد اور وادی سندھ پر تیموری حکمران مسلّط تھے، سیّدوں کی حکومت کے دوران میں ملتان بھی سلطنتِ دہلی سے الگ ہو کر آزاد اور خود مختار حکومت کا درجہ اختیار کر گیا تھا۔ اسی طرح شمال مغربی پنجاب پر گکھڑ قابض رہے سندھ پر اس دور میں سام خاندان حکومت کرتا تھا۔ بلوچستان میں میر چکر رند نے سندھ کے سام حکمرانوں کے مقابلے میں زیادہ استحکام حاصل کر لیا تھا۔ دکن میں بہمنی مسلمانوں کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ بنگال تغلق حکمرانوں نے زیر تسلط تھا ادھر وجے نگر کے حکمرانوں میں کرشن دیو رائے نے اپنی سلطنت میں پرتگالی تاجروں کو خوش آمدید کہا اور پھر پرتگالیوں نے ۱۵۱۰ء تک گوا کی بندرگاہ پر قبضہ کر لیا صرف بارہ سال کے عرصے میں پرتگالیوں نے اس قدر طاقت حاصل کر لی تھی کیونکہ یہاں پر پہلا پرتگالی واسکوڈے گاما ۱۴۹۸ء میں کالی کٹ کی بندرگاہ پر پہنچا تھا۔ گو پرتگالی محض تجارت کی غرض سے اس برعظیم میں آئے تھے اور ان کا بنیادی مقصد مصر اور برعظیم پاک و ہند کی تجارت کو کمزور کرنا تھا لیکن انہوں نے رفتہ رفتہ یہاں کی سیاسی اور انتظامی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر کئی ساحلی علاقوں اور جزائر شرق الہند پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پورا برعظیم پاک و ہند بڑی حد تک مسلمان

Marfat.com

حکمرانوں کے قبضے میں آچکا تھا لیکن چھوٹی چھوٹی خود مختار اور آزاد ریاستیں تھیں اور ان میں سے اکثر ایک دوسری سے برسرِ پیکار رہتی تھیں۔

مغلیہ حکمران

اسی پس منظر میں برعظیم پاک و ہند میں مغلیہ حکمرانوں کا سنہری دور شروع ہوتا ہے۔ اس وقت شمالی ہندوستان کی آزاد ریاستیں باہم آپس میں نبرد آزما رہتی تھیں، پنجاب، سندھ اور کشمیر کی ریاستیں بھی باہمی آویزشوں کا شکار تھیں۔ البتہ اس سارے عہد میں لوگوں کو ہندوؤں کے مقید اور محدود ذات پات کے نظام کے بجائے مسلمانوں کا نظامِ مساوات اور باہمی بھائی چارہ کا معاشرہ زیادہ دلکش دکھائی دیتا تھا۔ یوں تو تیموری خاندان نے سون سے برعظیم پاک و ہند پر حملوں کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ لیکن جب مغلیہ سلطنت کے بانی ظہیرالدین محمد بابر نے ابراہیم لودھی کو پانی پت کے میدان میں شکست دی تھی تو اس کے بعد تو بابر جلد ہی سارے ہندوستان پر قابض ہو گیا۔ بابر نے ۱۵۲۵ سے ۱۵۳۰ء تک حکومت کی اور شاندار مغلیہ حکومت کی داغ بیل رکھی۔

بابر کی وفات کے بعد ۱۵۳۰ء میں کا بیٹا نصیرالدین ہمایوں تخت نشین ہوا۔ ہمایوں نے مغلیہ سلطنت کو استحکام بخشا۔ چند ایک بغاوتوں کو دبایا۔ لیکن آویزشیں اور شورشیں برپا ہوتی رہیں ۱۵۵۴ء میں ہمایوں نے وفات پائی۔ اسی دور میں افغان حکمران شیر شاہ سوری پہلے ہی سے ہمایوں کی حکومت کے درپے تھا اور وہی ہمایوں کے بعد تخت نشین ہوا شیر شاہ سوری نے برعظیم پاک و ہند کو ایک غیر معمولی نظام حکومت دیا۔

جلال الدین اکبر مغلیہ حکمرانوں میں سب سے بڑا حکمران تھا اور اپنی ہم عصر دنیا میں سب سے زیادہ اہم بھی تھا وہ پہلے پندرہ سال تک جنگ و جدل اور فتوحات میں مشغول رہا اور پھر اس نے ملک کے دیگر انتظامی امور پر توجہ دی۔ اس نے دین الٰہی جاری کیا لیکن

Marfat.com

یہ مقبول نہ ہوسکا۔ زندگی کے دوسرے شعبوں میں اس نے بے شمار اصلاحات نافذ کیں۔ اس نے فنون کی سرپرستی کی۔ اور دیگر مذہبی فلسفوں کو بھی پنپنے کا موقع دیا۔ اکبر اعظم نے ۱۶۰۵ء میں وفات پائی۔ اکبر کے بعد برعظیم پاک و ہند کی باگ ڈور نورالدین محمد جہانگیر نے سنبھالی۔ اس نے جلد ہی اسلامی اقدار کی بحالی کا کام شروع کر دیا۔ اور اس کے عدلِ جہانگیری کے چرچے ہو گئے۔ اس نے فنون کی سرپرستی بھی کی اور تعمیرات میں خاصی دلچسپی لی۔ ۱۶۲۷ء میں جہانگیر کی وفات پر شہاب الدین محمد شاہجہان تخت نشین ہوا۔ اس نے ایک بار پھر ملک میں اسلامی اطوار کے احیا کے لئے کام کیا اور پھر ۱۶۵۸ سے ۱۷۰۷ء تک اورنگ زیب عالمگیر کا دورِ حکومت رہا۔ اورنگ زیب نے اسلامی رسوم کے خاتمے کے لئے کام کیا اور اس کے ساتھ ہی اسلامی قوانین کے نفاذ پر توجہ دی۔ اس کے دور میں ایک بار پھر ملک میں بغاوتوں اور شورشوں کا آغاز ہو گیا تھا۔ بالآخر وہ بغاوتوں کو فرو کرنے ہی میں دنیائے فانی سے کوچ کر گیا۔

اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد قریباً ایک سو سال تک برعظیم پاک و ہند میں استحکام پارہ پارہ رہا۔ مغلیہ حکمران برائے نام حکومت کرتے رہے اور ملک میں کوئی مستحکم حکومت قائم نہ ہو سکی۔ اور اسی دوران میں انگریزوں نے رفتہ رفتہ برعظیم پاک و ہند میں بذریعہ تجارت نفوذ حاصل کیا اور پھر بالآخر وہ ۱۸۵۷ء کی جنگ جیت کر ہندوستان پر قابض ہو گئے۔

مُغلوں کا سُنہری دَور

برعظیم پاک و ہند پر آل تیمور کی شروع ہی سے توجہ رہی ہے۔ یہی وجہ ہے تغلق حکمرانوں اور ان سے پہلے خلجی حکمرانوں کے عہد میں بھی تیموری خاندان نے برعظیم کے متعدد علاقوں پر حملوں کا سلسلہ شروع کر کے کئی ایک علاقوں پر اپنا تسلط بھی قائم کر لیا تھا۔ پھر ۱۴۹۴ء میں جب ظہیرالدین بابر اپنی عمر کے بیسویں سال فرغانہ کا بادشاہ بنا تو اس کے بعد بابر نے برعظیم کی جانب زیادہ توجہ مرتکز کر دی تھی۔ فرغانہ کی سلطنت بابر کو اپنے والد سے ورثے میں ملی تھی۔ بابر کے والد کی

Marfat.com

یہ بھرپور خواہش تھی کہ وہ ایک بار پھر تیموری سلطنت سمرقند پر براجمان ہو جائے لیکن یہ خواب اس وقت پورا نہ ہو سکا بہرصورت بابر کے دل میں یہ امنگ بدستور مچلتی رہی۔

بابر نے جب فرغانہ کی سلطنت سنبھالی تو اس وقت ابھی وہ نوخیز اور نوجوان ہی تھا اس لئے بعض کہنہ مشق لوگوں نے اس سے فائدہ بھی اٹھایا اور کئی ایک لوگ بابر کے شدید دشمن بھی ہو گئے۔ حتیٰ کہ بابر کے اپنے رشتے دار بھی اس کی دشمنی پر تلے ہوئے تھے۔ گو ایک عرصے تک ان مشکلات اور مخالفتوں کی آندھیوں میں بابر کی دادی اس کی رہنمائی کرتی رہی۔ لیکن دادی کی وفات پر دشمنوں نے زیادہ شدت اختیار کر لی تھی اور اس طرح بابر سے اس کی اپنی سلطنت فرغانہ بھی چھن گئی۔ اس کے بعد وہ کئی برسوں تک بے سلطنت بادشاہ رہا۔

اس صورت حال اور سلطنت کے چھن جانے کے باوجود بابر نے حوصلہ نہیں ہارا بلکہ وہ ذہنی طور پر اور عملی طور پر بڑی حکمت عملی کے تحت اپنے آپ کو مضبوط بناتا رہا اور ایک صبح اس نے اپنے حواریوں اور سپاہیوں کے ساتھ سمرقند پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح سمرقند کے لوگوں نے بابر کے لئے شہر کے دروازے کھول دیئے لیکن ازبک ترک قلعہ بند ہو کر لڑتے رہے یہ قلعہ بندی اس قدر مضبوط تھی کہ بابر کو ایک بار پھر سمرقند سے ہاتھ دھونے پڑے۔ اس دوسری پسپائی کے باوجود بابر با حوصلہ رہا اور اس نے اب کئی بار کابل اور غزنی کا رخ کیا اور وہاں سے ارغن منگولوں کو بھگا کر قبضہ کر لیا۔ یہیں پر سے اس نے ہندوستان کی جانب بڑھنے کا ارادہ کیا۔

بابر کے ہندوستان پر حملے

بابر چونکہ کابل اور غزنی کے علاقے پر قابض ہو چکا تھا اور یہاں سے برعظیم پاک و ہند کی جانب دروازے کھلتے تھے۔ اس لئے بابر نے بھی دیگر متعدد حملہ آوروں کی طرح

Marfat.com

درہ خیبر کے راستے سے ہندوستان کا رُخ کیا۔ سب سے پہلے بابر نے کوہاٹ اور بنوں میں افغان قبائل پر حملے کر کے ان علاقوں پر قبضہ کر لیا، اور پھر جشنِ عید دریائے گومل کے کنارے پر منایا۔ اس کے بعد بابر کے سپاہیوں نے ان علاقوں سے مویشیوں کی لوٹ مار کر کے غزنی میں جا کر پناہ لے لی۔ اس کے ڈیڑھ ہی سال بعد یعنی ۱۵۰۷ء میں بابر نے دوبارہ ایک جمعیت تیار کر کے افغانستان کے جنوب مشرقی علاقوں کہ جہاں پر خلجی قبائل آباد تھے ان پر حملے کر کے قبضہ کر لیا۔ وہیں سے اب ہندوستان کے علاقوں اور ریاستوں قلات اور بلوچستان پر بھی بابر کے سپاہیوں نے چونکہ اس سے پیشتر بنوں اور کوہاٹ میں بھیڑ بکریوں گھوڑوں اور دوسرے مویشیات کی لوٹ مار کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ لیکن اب ان نئے مفتوحہ علاقوں میں لوٹ مار کرنے سے بابر نے روک دیا تھا۔ اور ان راستوں سے گزرنے والے قافلوں کو بھی باحفاظت گزرنے کی اجازت دے دی تھی۔ بابر نے جب مزید حملے کئے تو قندھار میں اسے شکست ہوئی لیکن کافرستان کے کیلاش لوگوں پر اسے تسلط حاصل ہو گیا تھا۔

اسی دوران میں ادھر کابل میں ایک شازش ہوئی اور شاہ اسماعیل نے بابر کے سب سے بڑے دشمن ازبغ خاں (ازبک خاں) کو قتل کر دیا۔ اس طرح ۱۵۰۹ء میں بابر کو شاہ اسماعیل ایک معتمد ساتھی کی طرح مل گیا۔ اب کی بار بابر نے اہل فارس کی مدد سے ایک بار پھر تیسری مرتبہ سمرقند کو فتح کر لیا۔ ۱۵۱۵ء تک بابر کا کابل میں بھی تسلط قائم ہو گیا اور پھر ۱۹-۱۵۱۵ء میں بابر نے قندھار اور قلات پر بھی قبضہ کر لیا۔

سندھ کے حکمران

بابر نے برعظیم پاک و ہند کے شمال مغربی علاقوں اور ریاستوں میں پے بہ پے فتوحات کے بعد ارغن منگولوں کو سندھ کی جانب بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اسی دوران میں سندھ کا

Marfat.com

سام حکمران جام نظام الدین فوت ہوگیا۔ تو حکمران جام فیروز بنا۔ جام فیروز گو نظام الدین کا بیٹا تھا لیکن وہ ارغن منگولوں کے مقابلے میں کمزور تھا۔ اس لئے شاہ بیگ ارغن نے روہڑی اور سکھر کے درمیان بھکر میں ایک قلعہ تعمیر کر لیا تھا اور اسی قلعے میں بیٹھ کر وہ پورے سندھ کو فتح کرنے کے منصوبے بنا رہا تھا۔ ارغن منگولوں نے جب ۲۱-۱۵۲۰ میں سندھ پر حملوں کا آغاز کیا تو انہوں نے جلد ہی سام حکمرانوں کی راجدھانی ٹھٹھہ پر قبضہ کر لیا۔ جام فیروز اپنی جان بچا کر گجرات بھاگ گیا۔ اس طرح ارغن منگولوں نے سندھ میں ۱۵۵۵ء تک حکومت کی اور سندھ کو ثقافتی طور پر ایران سے وابستہ رکھا۔

پنجاب اور صوبہ سرحد

ظہیر الدین محمد بابر نے ۱۵۱۹ء میں یوسف زئی لوگوں نے ایک قلعہ باجور پر حملہ کر کے وہاں قبضہ کر لیا۔ باجور کے لوگوں کے بارے میں خیال تھا کہ وہ بے دین اور ملحد تھے۔ اس لئے بابر نے انہیں بے دریغ تہہ تیغ کیا۔ بچوں اور عورتوں کو قیدی بنا لیا گیا۔ اس کے بعد بابر اور اس کی فوجوں نے حضرو کے قریب دریائے سندھ کو عبور کر کے پنجاب کے علاقوں میں بھی قدم رکھا۔ یہاں پر سب سے پہلے کچھ گوجروں نے مزاحمت کی لیکن بابر سب کو تہہ تیغ کرتا گیا۔ کچھ عرصے بعد بابر سوان دریا تک پہنچ گیا۔ پھر خوشاب کے بعد دریائے جہلم تک آ گیا۔ جہلم کے قریب بہرہ قبائل نے بابر سے بات چیت کر کے لوگوں کے مال کو لوٹ مار سے بچانے کا معاہدہ کر لیا۔ اور پھر بعض بلوچ قبائل نے بھی بابر کا تسلط تسلیم کر لیا۔ اسی مقام پر بیٹھ کر بابر نے پنجاب کے سب سے بڑے مرکز لاہور کے حکمران دولت خاں اور دہلی کے حکمران ابراہیم لودھی کو پیغام بھجوائے کہ بابر سلطنت تیمور کو واپس حاصل کرنے کے لئے آن پہنچا ہے۔ دلچسپی کی بات ہے یہ کہ جو پیغامبر بابر نے لاہور کے حکمران دولت خاں کے پاس بھجوایا تھا۔ اسے یہاں پر کسی طرح کا کوئی جواب دیئے بغیر پانچ

Marfat.com

مہینوں تک روکے رکھا تھا۔ اس دوران میں بابر اور اس کے سپاہی جہلم اور دریائے جہلم کے خوب صورت بالائی علاقوں میں گھومتے رہے۔ یہاں پر جھیل کلر کہار ان لوگوں کی توجہ کا مرکز بنی رہی۔ یہاں سے کچھ ہی فاصلے پر گکھڑ لوگوں نے ایک مضبوط پہاڑی قلعہ پھر والا تعمیر کر رکھا تھا۔ گکھڑ لوگوں کا شمال مشرقی پنجاب کے بیشتر علاقوں پر قبضہ اور تسلط تھا۔ بابر اس علاقے کی قدرتی خوب صورتیوں اور فیاضیوں کے باوجود گکھڑ لوگوں کی طاقت سے بے خبر نہیں تھا۔ لہٰذا گکھڑ لوگوں کی قوت ختم کرنے کے لئے بابر نے رات کے وقت طویل مسافت کر کے قلعے پر حملہ کیا۔ اس حملے میں ایک مقامی گجر بابر کی فوجوں کی رہنمائی کر رہا تھا قلعے کے باہر گکھڑ اور مغل سپاہیوں کی گھمسان کی لڑائی ہوتی۔ گکھڑ سردار خود بھی حفاظت کے لئے متواتر لڑتا رہا۔ لیکن مغل سپاہی قلعہ کے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے اس طرح پوٹھوہار کے مرتفاعی علاقوں میں گکھڑ حکمرانوں کا تسلط ختم ہو گیا۔ لیکن گکھڑ سرداروں نے مغلوں کا ساتھ دینے کا وعدہ کر کے اپنے علاقوں میں امن و سکون کی فضا قائم رکھی۔ مغل حکمران بابر اور اس کے سپاہی وہاں سے پشاور کے راستے سے کابل واپس چلے گئے۔

سرحدی علاقوں میں یوسف زئی قبائل کو برتری حاصل تھی۔ گو یوسف زئی عورت بابر کے حرم میں شامل تھی۔ اس کے باوجود بابر کو ان لوگوں کی وفاداری پر شک تھا۔ لہٰذا بابر نے یوسف زئی کارروائیوں اور شورشوں کو دیکھ کر ہشت نگر کے علاقے کی جانب پیش قدمی کی۔ یوسف زئی قبائل اپنی اجناس کے ذخائر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ بابر نے ان کا پیچھا کیا تو باڑہ کے نواحی علاقوں کے آفریدی بھی اپنے چاول کے ذخائر چھوڑ کر چلے گئے۔ بابر نے یہاں پر لوٹ مار کا بازار گرم کرنے کے بجائے پشاور قلعہ میں ایک چھاؤنی قائم کر کے اجناس کا ذخیرہ محفوظ کرا دیا۔

پشاور پہنچنے کے بعد بابر نے کئی مہمات سر کر لیں اور دریائے سندھ کے گرد و نواح

Marfat.com

شورشیوں اور ڈکیتوں کا قلع قمع کیا۔ بے شمار افغان قبائل جو پنجاب کے علاقوں میں برسوں سے آباد تھے انہوں نے بابر کی باجگزاری قبول کر لی۔ اسی طرح بابر کی تیسری مہم کے دوران سیالکوٹ کے لوگوں نے بھی بابر کی حکومت تسلیم کر لی تھی۔ اسی اثناء میں بابر نے لاہور کے حکمران دولت خاں سے اس بنیاد پر معاہدہ کر لیا تھا کہ دولت خاں سلطان دہلی کے خلاف بابر کی مدد کرے گا۔ اور اسے ممکنہ سہولتیں فراہم کرے گا۔ اس معاہدے کے تحت دولت خاں لودھی اور علاء الدین لودھی نے بھی سلطان دہلی ابراہیم کے خلاف محاذ آرائی کر کے سلطان ابراہیم کو شکست دی۔ اس صورتِ حال پر بابر نے ایک یک گونہ اطمینان محسوس کیا اور پھر وہ کابل روانہ ہو گیا۔

۱۵۲۵ء میں بابر نے اس برعظیم پر پانچویں بار حملہ کیا۔ اب کی بار اسے پہلے سے بھی زیادہ مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ حتیٰ کہ اسے پشاور کے قریب ہاتھیوں کو بھی لڑائی میں دھکیلنا پڑا۔ اب تک لاہور کے حکمران دولت خاں نے بھی بابر کا ساتھ دینے کے بجائے بابر کے حملے کو روکنے کی ٹھان رکھی تھی۔ لیکن بابر حسب معمول علاقوں کو فتح کرتا ہوا سیالکوٹ پہنچ گیا۔ پسرور کے قریب بابر نے کئی باغی جاٹوں اور گجروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور پھر لاہور کا رخ کیا۔ لاہور میں دریائے راوی کے قریب دولت خاں کی فوجوں نے ڈیرہ ڈالا ہوا تھا۔ سیالکوٹ میں دولت خاں کی فوجوں کی شکست اور بابر کی قتل و غارت اور لاہور کی اس سے پہلے حملے میں تباہی اور بربادی کے پیش نظر دولت خاں کی فوجیں بابر کی فوجوں سے معمولی مقابلے کے بعد بھاگ کھڑی ہوئیں۔ لیکن اسی دوران میں معلوم ہوا کہ سلطان ابراہیم لودھی اپنی فوجیں لے کر بابر کے مقابلے کے لئے شمال کی جانب سے آ رہا ہے۔ اس لئے بابر اور اس کے حمایتوں نے اب دہلی کا رخ اختیار کر لیا تھا۔

Marfat.com

پانی پت کی لڑائی

بابر کی فوجیں اور ابراہیم لودھی کی فوجیں ۱۵۲۶ء میں پانی پت کے میدان میں ایک دوسری کے سامنے آئیں۔ ظاہری طور پر ابراہیم لودھی کی فوج کی تعداد زیادہ تھی۔ لیکن اس میں نظم وضبط اور دور اندیشی کا قدرے فقدان تھا۔ اسی لئے بابر نے اپنی تھوڑی فوج کے باوجود اس جنگ کو جیت لیا تھا۔ بابر نے اس جنگ میں پہلی بار توپیں، گولے اور بندوقیں استعمال کی تھیں۔ بابر کے سپاہی وفادار، زیادہ محتاط اور حکم ماننے والے تھے گھمسان کی جنگ ہوئی۔ لیکن بابر نے ابراہیم لودھی کی فوجوں کو جلد ہی پسپا کر دیا۔ صبح تک ابراہیم لودھی اور اس کے پندرہ ہزار سپاہی اس جنگ میں مارے گئے اور دوسرے ہی دن بابر کو دہلی کے تخت کا حکمران قرار دیا گیا۔ بابر نے دہلی اور آگرہ کے خزانوں پر قبضہ کر کے حقدار اور بہادر سپاہیوں کو انعامات دیئے۔

سلطنت دہلی کا نظام سنبھالتے ہی ظہیر الدین محمد بابر نے اعلیٰ نظام دینے کے انتظامات کر دیئے۔ اور بابر نے یہ بھی اعلان کیا کہ یہاں کے علاقوں کو فتح کرنا۔ لوٹ کا مال لینا اور پھر کابل واپس چلے جانا اب مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ خطۂ ہندوستان میں وسیع و عریض رقبہ موجود ہے۔ سونے اور چاندی کی بہتات ہے اور پھر ہنر مند لوگوں کی بے پناہ تعداد موجود ہے۔ لہٰذا اب ضروری ہے کہ اس ملک کے اندر رہ کر یہاں پر کوئی مناسب نظام قائم کیا جائے۔

پانی پت کی جنگ جیتنے کے بعد گو بابر کے قدم بہت مضبوط ہو چکے تھے۔ لیکن ابھی اس سے بھی کٹھن مرحلہ موجود تھا۔ وہ مرحلہ میواڑ کے رانا سانگا سے مقابلہ تھا۔ شمالی ہندوستان کی تمام ریاستوں میں رانا سانگا سب سے مضبوط حکمران تھا۔ لہٰذا اب بابر نے رانا سانگا کو بھی مطیع کرنے کے لئے ایک مہم کا آغاز کیا۔ رانا سانگا راجپوتوں کا بہت بڑا سردار

Marfat.com

تھا۔ آغاز میں اس نے سوچا کہ بابر جس طرح پہلے کئی بار ہندوستان کے علاقوں کو فتح کر کے واپس کابل چلا جاتا ہے اب بھی اس کے ارادے یہی ہوں گے، لیکن اصل میں اب صورت بدل چکی تھی۔ لہٰذا رانا سانگا نے اپنی فوجیں لے کر بابر کی جانب خود بڑھنا شروع کر دیا۔ ادھر بابر کی فوجیں رانا سانگا کی جانب روانہ ہو چکی تھیں۔ دونوں فوجوں کا آگرہ کے قریب کنواہنہ کے قریب سامنا ہوا۔ شدید گھمسان کا رن پڑا۔ ہزاروں سپاہی لقمۂ اجل بنے اور بابر نے لڑائی کا یہ میدان بھی جیت لیا اور راجپوتوں کی قوت تباہ کر دی۔ دیگر کئی علاقوں کے راجپوتوں نے بابر کا ساتھ دے رکھا تھا اور بابر ان راجپوتوں اور جاٹوں کی بہادری پر انہیں انعامات بھی دیتا رہتا تھا۔ کنواہنہ کی جنگ جیتنے کے بعد بابر نے سلطنت کو استحکام بخشنے کے لئے کابل سے لاہور اور لاہور سے آگرہ تک ایک سڑک تعمیر کرنے کا منصوبہ بنایا اور یہ بھی کہا کہ ہر پندرہ کوس کے فاصلے پر ایک چوکی بنائی جائے جہاں پر چھ گھوڑے بھی تیار رکھے جائیں۔ اس مقصد کے لئے بابر نے کارندوں اور ماہرین کی ایک بہت بڑی تعداد مختص کر دی۔ اس نے پشاور قلعہ کی از سر نو تعمیر کا کام بھی شروع کرا دیا۔

۱۵۲۶ء میں سندھ کے ارغن منگولوں نے حملہ کر کے قلعہ ملتان پر قبضہ کر لیا اور پھر ملتان میں قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔ اس کے بعد ایک آدھ بار ملتان کی فوجیں یہاں کے ارغن حکمرانوں کے خلاف سینہ سپر ہوئیں۔ لیکن نقصان اٹھایا۔ پھر ایک بار ان افواج نے ملتان کے سابق کمانڈر کی زیر قیادت ارغن حکمرانوں کو یہاں سے بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کے بعد ملتان کو پنجاب کے گورنر کے ماتحت دے دیا گیا تھا۔ گویا اس طرح ملتان بھی بابر کی حکومت کا ایک حصہ بن گیا تھا۔

بابر نے ۱۵۲۹ء میں آخری جنگ دریائے گھاگرہ کے کنارے پر لڑی۔ اس جنگ میں بابر کے مقابلے میں افغان سردار اور بہار اور بنگال کے سردار تھے اور ابراہیم لودھی کا ایک بھائی محمود بھی شامل تھا۔ بابر نے یہ جنگ بھی جیت لی۔ لیکن اب اس کی طبیعت اچاٹ

Marfat.com

ہونے لگی تھی۔

بابر کو اپنے بیٹے ہمایوں سے بے حد پیار تھا اور اس کی جدائی بابر کے لئے ناقابل برداشت ہوتی تھی۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ ایک بار ہمایوں کو آگرہ سے واپس بیماری کی حالت میں لایا گیا۔ علاج معالجہ کرایا گیا۔ لیکن افاقہ نہ ہوا۔ بہر صورت کہا جاتا ہے کہ بابر نے خدا سے دُعا کی کہ ہمایوں کو زندگی دینے کے لئے اس کی اپنی جان کی قربانی لے لی جائے۔ کہا جاتا ہے کہ ایسا ہی ہوا۔ ہمایوں دن بہ دن توانا اور تندرست ہوتا گیا اور بابر پر بیماری طاری رہنے لگی۔ بالآخر دسمبر ۱۵۳۰ء میں بابر اس دارِ فانی سے کوچ کر گیا۔ بابر کی اپنی ہی وصیت کے مطابق اسے کابل میں ایک باغ کے اندر ایک چشمے کے قریب دفن کیا گیا۔

ظہیر الدین محمد بابر ایک صحیح العقیدہ اور علم دوست حکمران تھا بے حد منکسر المزاج تھا۔ اس نے اپنی ساری زندگی مصروفیت اور عمل میں گزاری۔ ہمیشہ وہ پابہ رکاب رہا۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس نے بیشتر جنگوں میں کامیابی حاصل کی۔ بابر کو یہ مہلت ہی نہیں ملی تھی کہ وہ شمالی ہندوستان میں اپنی حکومت قائم کر سکتا۔ بابر کی وفات کے بعد اس کی سلطنت کا ہندوستانی حصہ ہمایوں کو اور کابل سلطنت کا حصہ کامران کو ملا۔ کامران بابر کا چھوٹا بیٹا تھا۔ اس نے تو والد کی وفات کے ساتھ ہی بڑی عجلت میں مغربی پنجاب اور لاہور پر قبضہ کر لیا تھا۔ اسی دوران میں افغان سردار شیر شاہ نے گجرات پر قبضہ کر لیا تھا اور بہار پر افغان حکمران ہی مسلط تھے۔ لیکن اس کے باوجود ابھی متعدد راجپوت سردار مغلوں ہی کے وفادار تھے۔ لیکن اس صورت حال میں ہمایوں کو کئی مشکلات درپیش رہیں۔ اسے کبھی جنگ و جدل میں الجھنا پڑا کبھی بھاگنا اور دشمنوں کی سرکوبی کے لئے سرگرم عمل رہنا پڑا اسے آسودہ اور خوشحال زندگی گزارنے کی شدید امنگ بھی تھی۔ لہٰذا اس نے دہلی اور آگرہ میں اپنے اس شوق کا اظہار بھی کیا اور اعلیٰ اور پُر عیش عمارات تعمیر کروائیں۔ یہی نہیں بلکہ ہمایوں نے تعمیرات پر خصوصی توجہ دی اور ملک کو خوشحال کرنے کے اقدام کئے۔

Marfat.com

ہمایوں نے ۱۵۳۵ء میں بہادر شاہ والیٔ گجرات کو شکست دے کر گجرات کو بھی مغلیہ سلطنت میں شامل کر لیا تھا اور شیر خاں سوری کی سرگرمیوں پر بھی کڑی نظر رکھی ہوئی تھی ۱۵۳۹ء میں دریائے گنگا کے کناروں پر چونسہ کے مقام پر شیر خاں نے ہمایوں کی فوجوں پر حملہ کر دیا تھا۔ ہمایوں نے شکست کھائی اور اس طرح شیر شاہ سوری نے سلطنت دہلی پر بھی قبضہ کر لیا۔ ہمایوں کی فوجیں اور شیر شاہ سوری کی فوجیں ایک بار ۱۵۴۰ء میں قنوج کے مقام پر آمنے سامنے آئیں۔ لیکن مقابلہ نہ ہوا اور نصیر الدین ہمایوں کو میدان جنگ سے بھاگنا پڑا۔ ہمایوں بھاگ کر لاہور میں اپنے بھائی کے پاس آگیا۔ لیکن شیر شاہ سوری نے تعاقب جاری رکھا۔ اس طرح دونوں بھائیوں نے شہر لاہور کو چھوڑ کر کہیں پناہ لے لی۔ کچھ عرصے کے بعد دونوں بھائیوں کی آپس میں لڑائی ہو گئی تو پھر کامران کابل چلا گیا اور ہمایوں اپنے دوسرے بھائی بندل کے پاس سندھ میں آگیا۔ حمیدہ بانو کو ہمایوں نے یہیں ہی دیکھا تھا اور بعد میں ہمایوں نے حمیدہ بانو سے شادی کر لی۔ اس شادی کے بعد ہمایوں نے دو ایک بار دوبارہ پہلے سی قوت حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن اب سردار اور راجے اس کا تسلط ماننے کے لئے تیار نہیں تھے لہٰذا ہمایوں کو بہت سا وقت ایک طرح کی جلا وطنی میں گزارنا پڑا اور بالآخر انہیں سلطنت فارس ہی میں پہنچ کر سکون نصیب ہوا لیکن ان کے چھوٹے بیٹے اکبر کو انھوں نے اس کی ایک چچی کی تحویل میں دے دیا تھا۔

شیر شاہ سوری

نصیر الدین ہمایوں کا تعاقب کرتے ہوئے شیر شاہ سوری پہلے تو بہت دور تک نکل آیا لیکن پھر خوشاب کی جانب چلا گیا۔ شیر شاہ سوری نے خوشاب کو اپنا عارضی ہیڈ کوارٹر بنا رکھا تھا یہیں سے شیر شاہ سوری نے گکھڑ سرداروں پر حکومت کی اور ایسے سردار کہ جو باجگزار نہیں تھے ان کی بھی خبر لیتا رہا۔ گکھڑ سرداروں کا روات میں ایک بہت بڑا قلعہ موجود

Marfat.com

تھا شیر شاہ سوری نے اس قلعے کو فتح کرنے کے لئے ایک جنگ لڑی۔ بے شمار گکھڑ سردار مارے گئے۔ ایک بڑے سردار کی ایک بیٹی کے ساتھ شیر شاہ کے ایک جنرل نے زبردستی شادی کر لی اور اس کے ایک بیٹے کو یرغمال بھی بنا لیا۔ رہتاس فتح کرنے کے بعد شیر شاہ سوری نے مشرق کا رخ اختیار کیا۔ اور بنگال اور دوسرے علاقوں کے باغیوں کی خبر لی۔

پنجاب کو حملوں سے بچانے کے لئے شیر شاہ نے رہتاس کا ایک قلعہ تعمیر کرایا۔ اس قلعے کی مدد سے شیر شاہ نے کشمیر کے علاقے فتح کرنے کی کوشش کی اور پھر پنجاب میں پاک پتن اور ملتان پر بھی اپنا تسلط جمایا۔ شیر شاہ نے ۱۵۴۰ سے ۱۵۴۵ تک ایک مختصر سی حکومت کی۔ لیکن اس نے نظام حکومت پر پوری توجہ دی۔ شیر شاہ سوری کا والد بہار کا ایک بڑا سردار تھا۔ اس نے اپنے والد کے تجربے کی بنا پر ملک میں مالیہ کی وصولی کا ایک موثر نظام قائم کیا۔ ان امور کی بجا آوری میں وہ مختلف سرداروں اور ذمے دار لوگوں پر کڑی نظر اور احتساب رکھتا تھا۔ شیر شاہ سوری نے بھی علاء الدین خلجی کی طرح مالیاتی نظام کو مرکزی بنانے کی کوشش کی۔ اس نے بڑے جاگیرداروں کی جاگیریں توڑ کر ان کے اختیارات کو کم کیا اور عام کاشت کاروں اور زمینداروں کے مفادات کو ہمیشہ مقدم رکھا۔ نظام مالیہ میں کاشتکاری کی زمین کی صحیح پیمائش اور ملیے کا ایک باضابطہ نظام قائم کیا۔ شیر شاہ سوری نے بعض علاقوں میں مالیہ کے محصولات فصل کی نوعیت اور پیداوار کو ملحوظ رکھ کر مقرر کئے شیر شاہ ہی نے ایک بار پھر سکہ سازی پر خصوصی توجہ دی اور ٹانکہ سکہ جاری کیا۔ روپیہ جاری کیا اور نئی ٹکسالوں کا اہتمام کیا۔ اسی طرح اوزان کے پیمانوں پر کڑی نظر رکھی۔ شیر شاہ سوری نے بھی تعمیرات اور لوگوں کو سفر کی سہولتیں فراہم کرنے پر توجہ دی اور جرنیلی سڑکوں کی تعمیر کا کام مثالی طور پر کیا۔ لاہور سے ملتان آگرہ سے برہان پور اور مارواڑ سڑکیں شیر شاہ ہی کی بنائی ہوئی ہیں۔

شیر شاہ سوری کو گو ایک بنی بنائی سلطنت ملی تھی۔ لیکن اس کے باوجود شیر شاہ

Marfat.com

نے ملک میں اصلاحات کے نفاذ اور اسلامی تعلیمات کے نفاذ پر بھی توجہ دی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ پہلا حکمران تھا کہ جس کی حکومت کی جڑیں عوام میں تھیں۔ وہ اپنی ذہانت، عقلمندی اور تجربے کی بنا پر ہندوستان کو ایک غیر معمولی نظام دینے میں کامیاب ہوا۔

مغل اعظم

شیر شاہ سوری کی وفات کے وقت ہمایوں تو ایک طرح سے جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ اس لئے شیر شاہ سوری کے جانشین اس عظیم نظام کو بالکل نہ سنبھال سکے۔ قریباً دس سال تک شیر شاہ سوری کا ایک بیٹا اسلام شاہ حکومت تو کرتا رہا لیکن کچھ قابل ذکر کام نہ کر سکا۔ پنجاب میں سکندر نے اور سندھ میں انتشار نے حکومت کو کمزور کر دیا۔ سندھ میں ارغن منگولوں کے بعد طور خاں منگولوں نے تسلط اختیار کر لیا تھا اور پھر دو طور خاں سرداروں نے سارے سندھ کی حکومت کو آپس میں بانٹ لیا تھا۔ ایک ٹھٹھہ میں تھا اور دوسرا بھکر میں تھا۔ وہ دونوں امن کے ساتھ نہ رہ سکے حتیٰ کہ ان میں سے ایک سردار نے غیر ملکی پرتگالیوں سے بھی مدد مانگ لی تھی۔ اس طرح جب پرتگالی بیڑے دریائے سندھ کے دہانے کے قریب پہنچے تو دونوں حکمرانوں نے امن و امان قائم کر لیا۔ لیکن پرتگالیوں نے ٹھٹھہ میں لوٹ مار شروع کر دی اور جا بجا آگ لگا دی۔ اس کے ساتھ ہی پرتگالیوں نے لوگوں کا بڑی بے دردی کے ساتھ قتل بھی شروع کر دیا۔

اسی اثناء میں جلاوطنی کی صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد نصیر الدین ہمایوں نے ایک بار پھر کابل اور قندھار میں اپنا تسلط قائم کر لیا تھا جب شیر شاہ سوری کی حکومت میں انتشار پھیلا ہوا تھا تو ہمایوں کو ایک بار پھر برعظیم میں وارد ہونے کا موقع مل گیا تھا اس طرح ہمایوں اور اس کا نوجوان بیٹا اکبر قلعہ پھروالا میں پہنچے، ۱۵۵۴ء میں یہاں پر گکھڑ حکمرانوں نے کامران کو قید کر رکھا تھا کیونکہ کامران کا خیال تھا کہ وہ شیر شاہ کے بعد

Marfat.com

حکمرانوں کی طرح کہیں حکومت کر سکے گا۔ لیکن ایسا تو ممکن نہ ہوا اور ایک قیدی بن کر رہ گیا۔ ہمایوں نے قلعہ کابل میں اپنے بھائی کامران سے دوبارہ صلح کر کے اسے مکہ حج کرنے کے لئے بھجوا دیا۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ ہمایوں نے اپنے بھائی کامران کو اندھا کر کے حج کرنے کے لئے بھجوایا تھا تاکہ اس کے گناہ بخشے جائیں۔ اس کے بعد جب ہمایوں قلعہ رہتاس میں پہنچا تو یہاں سے افغان فوجی اور گورنر بھاگ گیا۔ اس کے بعد ہمایوں نے لاہور پر بھی قبضہ کر لیا اور پھر سرہند کی جانب بڑھ گیا۔ یہاں پر سکندر سوری اس سے مقابلے کے لئے آیا لیکن شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ پھر ہمایوں نے اب دہلی کی جانب چڑھائی کی اور اس طرح ۱۵۵۵ء میں دوبارہ دہلی اور آگرہ پر قبضہ کر لیا۔

اس بار ہمایوں زیادہ عرصہ تخت نشین نہ رہ سکا۔ کیونکہ قریباً ڈیڑھ ہی سال بعد یعنی جنوری ۱۵۵۶ء میں ہمایوں ایک کتب خانے کی سیڑھیوں سے گر کر جان بحق ہو گیا۔ ہمایوں ایک نرم دل اور علم دوست حکمران تھا۔ وہ ایک بہادر اور حوصلہ مند جرنیل بھی تھا۔ لیکن اس کے دوسرے حکمرانوں نے ہمایوں کے ساتھ وفاداری نہیں کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ایک عرصے تک ہمایوں کو کٹھن اور جلاوطنی کی زندگی بھی گزارنی پڑی۔ اصل میں تو بابر کی موت کے بعد ہی سے راجپوت اور گجر سرداروں نے بڑی طاقت اور استحکام حاصل کر لیا تھا اور اسی طرح افغان اشراف کا بھی بڑا تسلط قائم تھا لیکن ہمایوں کے لئے یہ صورتِ حال بڑی کٹھن تھی اور دوسری جانب ہمایوں کی اپنے بھائی کامران سے بھی نہیں بن رہی تھی۔ اس لئے اس سلسلے میں ہمایوں کچھ نہ کر سکا۔

ہمایوں چونکہ خود ایک اہل علم اور علماء کی قدر و منزلت کرنے والا حکمران تھا اس لئے اس نے اپنے عہد میں علم و ادب اور ثقافت کی ترقی کے لئے گرانقدر خدمات انجام دیں۔ دیگر علوم و فنون کی سرپرستی کی اور خصوصاً ثقافتی اور مصوری کے ذوق میں زیادہ دلچسپی لے کر تیموری اور صفوی روایات کو زندہ کیا۔ ہمایوں نے اپنے عہد میں کابل اور آگرہ

Marfat.com

دونوں مقامات کو ثقافت اور علم و ادب کے گہوارے بنا دیا۔ ہمایوں کی اس فیاضی اور علم و ثقافت کی سرپرستی نے ہندوستان میں مغلیہ دور حکومت کو جمالیات اور تحفظ ثقافت کے اوصاف سے بھی متصف کیا۔ ہمایوں کے عہد کے بارے میں گلبدن بیگم کی یادداشتوں کے حوالے سے بہت سی معلومات میسر آئی ہیں۔

جلال الدین محمد اکبر نے یوں تو بچپن ہی سے تمام ہنر سیکھنے شروع کر دیئے تھے لیکن وہ آٹھ نو سال کی عمر میں گھڑسواری، نیزہ بازی اور شکار کھیلنے میں مہارت حاصل کر چکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اکبر شکار کھیلنے کو اپنی مروجہ تعلیم پر بھی فوقیت دیتا تھا۔

نصیر الدین محمد ہمایوں نے جب کابل کو فتح کیا تھا تو اس وقت اکبر کی عمر صرف نو سال تھی۔ اس عمر ہی میں اکبر کو غزنی کا گورنر بنا دیا گیا۔ اس کے بعد جب ہندوستان پر مغلوں کا دوبارہ قبضہ ہوتا گیا۔ اس وقت بھی اکبر کئی جنگوں اور مہمات میں شامل تھا۔ اور بیرام خاں اس کی سرپرستی کر رہا تھا، ۱۵۵۶ء میں جب ہندو وزیر ہیموں نے آگرہ کو فتح کر لیا تھا تو اس کے بعد ہیموں نے دہلی پر بھی قبضہ کر کے خود ہندوستان کے بادشاہ کا لقب دے لیا تھا۔ اکبر اس وقت جالندھر میں موجود تھا جبکہ اکثر مغل شہزادے دہلی سے بھاگ گئے تھے۔ ہیموں کی زیر نگرانی ہندوستان کے راجپوتوں اور دیگر راجاؤں نے ایک بہت بڑی فوج بنائی تھی۔ اس وقت بیرام خاں کے علاوہ کوئی اکبر کے ساتھ نہیں تھا۔ ایسی صورت حال میں لوگوں نے مشورہ دیا کہ اکبر کو اب کابل چلے جانا چاہیئے۔ لیکن اس نازک وقت پر اکبر نے مشکل راہ اختیار کی اور ہیموں سے سلطنت ہند چھیننے کا ارادہ کیا۔ اس کے بعد اکبر اپنی فوجوں کے ساتھ ستلج عبور کر کے دہلی کی جانب بڑھنے لگا۔

پانی پت کی دوسری لڑائی

ادھر ہندو راجاؤں نے بھی مغلیہ حکمرانوں کے خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے بڑی

Marfat.com

مضبوط فوج ترتیب دے رکھی تھی اور ہیموں کی فوجیں بھی پہلے ہی سے پانی پت کے میدان میں منتظر تھیں۔ نومبر ۱۵۵۶ء میں دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ اور پھر پانی پت کے میدان میں ایک تاریخی اور خونریز جنگ چھڑ گئی۔ ایک تیر ہندو فوج کے سردار ہیموں کی آنکھ میں آکر لگا جس سے ہیموں بے ہوش کر گر پڑا۔ ہندو فوجیوں اور سپاہیوں نے سمجھا کہ ہیموں مارا گیا ہے اور تمام دستے افراتفری کے عالم میں بھاگ کھڑے ہوئے مغل فوجوں نے دہلی اور آگرہ پر قبضہ کر لیا۔ اس جنگ میں اکبر کو ہندوؤں پر بہت بڑی فتح نصیب ہوئی اور سلطنت دہلی ایک بار پھر مغلیہ حکمرانوں کے قبضے میں آگئی۔ اکبر چونکہ ابھی نوخیز بچہ ہی تھا۔ اس لئے سلطنت کے تمام امور کی سرپرستی بیرام خاں ہی کرتا رہا۔ سرپرستی کا یہ سلسلہ مزید چار سال تک جاری رہا۔ پھر ۱۵۶۰ء میں سلطنت کے جملہ تمام امور کو براہ راست اپنے ہاتھ اور اختیارات میں لے لیا۔ اور بیرام خاں کو حج کے لئے بھجوا دیا گیا۔

توسیع اور استحکام

اکبر نے حکومت کے جملہ تمام امور اور اختیارات سنبھالنے کے بعد ۱۵۶۱ سے ۱۵۷۶ء تک تمام علاقوں کو از سر نو فتح کر کے وہاں استحکام پیدا کیا۔ ۱۵۶۱ء میں مالوہ ۱۵۶۴ء میں گوندوانہ ۱۵۶۷ میں گجرات ۱۵۷۲ء میں گجرات کے کچھ اور حصے اور راجپوت ریاستیں ۱۵۷۶ میں بہار اور بنگال بھی فتح کر لئے۔ ان ریاستوں اور علاقوں کو فتح کرنے کے دوران میں اکبر نے بڑے بڑے سرداروں اور جاگیرداروں کے ساتھ کئی معاہدے بھی کئے اور ان لوگوں میں شادیاں بھی کیں۔ بلکہ پوری رواداری کا ثبوت دیا۔ اکبر نے بڑی ہی مصلحت انگیزی کے تحت راجپوت راجاؤں کو باوقار اور معزز مقام دے کر اپنا حلیف بنا لیا تھا۔ اکبر نے انہیں یہاں تک اجازت دے دی تھی کہ وہ اگر ہندو مذہب پر بھی قائم رہیں تو بھی ان کی عزت اور تکریم برقرار رہے گی۔ اکبر نے مان سنگھ ہندو اور ٹوڈرمل کو اعلیٰ عہدے بھی دے

Marfat.com

رکھے تھے، اکبر نے شہزادوں کی بڑی فراوانی کے ساتھ ہندو راجپوتوں میں شادیاں بھی کر دی تھیں۔

معاشی نظام

اکبر نے اپنی سلطنت میں ٹوڈرمل ہندو کا دیا ہوا اقتصادی نظام قائم کر رکھا تھا۔ اور اس نظام کی اساس شیر شاہ سوری کے نظام معیشت پر تھی۔ مالیہ لگان زمین کی پیداواری صلاحیت اور رقبے کے لحاظ سے مقرر کیا گیا تھا۔ اور مالیہ جمع کرنے کے لئے اکثر فوجیوں ہی کو مقرر کیا گیا تھا تاکہ مالیہ کی وصولی میں کوئی کوتاہی اور کمزوری نہ رہے۔ ان فوجیوں کو جابجا ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں تبدیل بھی کر دیا جاتا تھا۔ ملک کی زمین کا ایک بڑا حصہ "خالصہ" کے طور پر حکومت کے تصرف میں رہتا تھا اور اس سارے رقبے کی کل آمدنی حکمران اعلیٰ اور اس کے وارثوں کو دی جاتی تھی۔

زمین کو پٹے پر دینے کا نظام بھی اس عہد میں رائج تھا لیکن اس میں کہیں کہیں بے ایمانی اور خیانت ہو جاتی تھی۔ لہٰذا اکبر نے لاہور، ملتان، دہلی، آگرہ، اودھ، الہ آباد، اجمیر اور مالوہ وغیرہ سے اس نظام کو ختم کر دیا تھا۔ اس کے پانچ سال بعد یہ سارے علاقے منصب داری نظام کے تحت خالصہ ہو کر حکومت کی تحویل میں آ چکے تھے۔ اتنی بڑی تعداد میں زرعی زمینوں کو حکومتی قبضہ میں لینے کا ایک مقصد اکبر کے نزدیک یہ بھی تھا کہ تمام پیداوار کو مرکزی حکومت کے سپرد کیا جائے اور مرکزی حکومت ہی اس کی تقسیم کا اہتمام کرے۔ اکبر سے پیشتر بھی کئی مسلمان حکمران اس برعظیم میں ایسے تجربات کر چکے تھے۔ لیکن ان کے زمانوں میں بہت سی زرعی زمین خالی بھی رہنے لگی تھی۔ لیکن اکبر اس طرح زمین کے خالی رہنے کے حق میں نہیں تھا۔

مغلیہ انتظام و انصرام

اکبر کو جب خالصہ عہدے داروں کی بے ایمانیوں اور خیانتوں کا علم ہوا تو اس نے

Marfat.com

متعدد منصب داروں کو عبرتناک سزائیں دیں۔ اس کے بعد اکبر نے بعض علاقوں کے لئے مالیہ کی شرح مستقل طور پر ایک ہی مقرر کر دی۔ اس طرح ۱۵۸۰ء تک ایک توازن سا پیدا کیا جا سکا جس میں جاگیر، خالصہ اور زمینداری شامل تھی اس کے ساتھ ساتھ اکبر نے مالیہ لگان اجناس کے علاوہ رقم کی صورت میں بھی وصول کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس کے بعد تو مغلیہ حکومت کا قائم کردہ یہ نظام قریباً دو سو سال تک جاری رہا۔

اکبر نے چونکہ شروع ہی سے دوسرے مذاہب کے لوگوں کے ساتھ رواداری اختیار کر کے بیاہ شادیوں کو بھی کسی مذہبی تفریق کے بغیر رواج دے دیا تھا۔ اور اس کے علاوہ اس نے راجپوتوں اور ہندو راجاؤں کو بھی خوب عزت بخش رکھی تھی۔ اس لئے اس سے ہر مذہب اور ملت کے لوگ خوش تھے بلکہ تمام مذاہب کے لوگوں کو اعلیٰ مناصب اور عہدے بھی دیئے جاتے تھے۔ خلاصتاً اکبر غیر مسلموں سے بھی بڑی نرمی اور رواداری سے رہتا تھا۔ اکبر خود ہندوؤں کی متعدد رسوم و رواج میں شامل اور شریک ہوتا تھا اور ہندوؤں کے پوتر مقامات کی یاترا بھی کرتا تھی۔ اس نے متعدد علاقوں سے جزیہ لینا بھی بند کر دیا تھا۔

اکبر ذاتی طور پر خود بھی مذہب کا بڑا دلدادہ تھا۔ اس نے عبادت کے لئے ایک بہت بڑا ہال تعمیر کروا رکھا تھا۔ علماء کی مذہبی مباحث کو بڑی چاہت سے سنتا تھا اور دیگر مذاہب کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرتا رہتا تھا۔ پہلے پہل وہ مسلمان علماء ہی کے نظریات اور مباحث سنتا تھا۔ لیکن بعد میں اس نے دوسرے مذاہب میں بھی دلچسپی پیدا کر لی تھی۔ اس طرح اکبر کو بعض اوقات اپنے اختیارات پر بھی شک و شبہ ہونے لگا تھا۔ اس تشکیک کے کچھ عرصہ بعد اکبر نے اپنی معصومیت کا اعلان بھی کرنا شروع کر دیا ۱۵۷۹ء میں اکبر نے بعض معاملات علماء کے مشورے کے بغیر ہی طے کرنے شروع کر دیئے تھے لہٰذا علماء اس کے خلاف ہوتے گئے۔ اسی دوران میں اکبر نے ہندومت، جین مت، عیسائیت، زرتشت ازم اور یہودیت کے بارے میں بھی بیشتر معلومات حاصل کر لی تھیں۔

Marfat.com

بلکہ ہر مذہب کے مبلغ اور عالم کو اپنے مذہب کو اکبر کے سامنے بیان کرنے کے مواقع میسر آ گئے تھے یہ ہر طرح کی مذہبی مباحث ایک سرکاری ہال میں ہوتی تھی، کہا جاتا ہے کہ اکبر زرتشت افکار سے سب سے زیادہ متاثر ہوا ۱۵۸۲ء تک اکبر نے مذہبی رہنماؤں کو بڑی شدت کے ساتھ تسلیم کرنا شروع کر دیا تھا اور بالآخر اس نے اعلان کر دیا کہ وہ خود ایک بہت بڑا مذہبی عالم ہے اور مذہبی رہنما ہے۔ اکبر یہ بھی کہا کرتا تھا کہ اللہ ایک ہے اور بادشاہ روئے زمین پر اللہ کا نمائندہ ہے۔ اکبر کا مذہبی زعم اس قدر زیادہ تھا کہ اس نے اپنے نائب خدا ہونے کے حوالے سے لوگوں کو ایک نیا دین "دین الٰہی" کی صورت میں دے دیا۔ لیکن یہ دین زیادہ دیر تک نہ چل سکا۔ اس طرح اکبر سے اسلام کی کئی بنیادی تعلیمات بھی مسخ ہوتی گئیں۔ اکبر کے اس دین الٰہی کے خلاف مختلف مذاہب خصوصاً اسلام میں ایک شدید ردعمل ابھرا۔ کہا جاتا ہے کہ اکبر کی مذہبی معاملات میں کشادہ ذہنی اور رواداری نے تنگ نظر ردِعمل کو ابھارا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکبر کا دین الٰہی بھی اس کے زوال کا ایک اہم سبب بن گیا۔ اکبر کی یہ کشادہ ذہنی اصل میں ایک طرح کا زعم بن گئی تھی اور یہ زعم بلاشبہ اکبر کی ایک بہت بڑی غلطی تھی۔

اکبر اعظم کے زمانے میں پاکستان کے علاقوں کی صورتحال

جو علاقے آج پاکستان کا حصّہ ہیں اکبر اعظم کے زمانے میں ان کی صورت حال پر مفصل بات چیت سے پہلے ضروری ہے کہ دیگر حالات پر روشنی ڈال دی جائے۔ ۱۵۸۰ء میں بنگال اور بہار کے متعدد مقتدر لوگوں اور مذہبی رہنماؤں نے اکبر کی غیر روائتی مذہبی سرگرمیوں اور انہیں سرکاری طور پر تحفظ دینے کی پالیسیوں کے خلاف آواز بلند کر رکھی تھی۔ اسی دوران میں اکبر اعظم کے ایک نسبی برادر حکیم مرزا نے کابل سے اٹھ کر دریائے سندھ عبور کر کے پنجاب کے کچھ علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اگرچہ حکیم مرزا کابل کا حکمران تھا اور اس کے پاس فوج

Marfat.com

کی ایک مناسب تعداد موجود تھی۔ لیکن اس کے باوجود وہ قلعہ رہتاس پر قبضہ نہ کر سکا۔ وہاں سے ناکام ہو کر حکیم مرزا نے لاہور کا رُخ کیا۔ عین اس وقت اکبر اعظم خود دریائے ستلج پر تھا لہذا اس نے بڑی تیز رفتاری سے لاہور کا رُخ کیا۔ لیکن اس سے پیشتر ہی حکیم مرزا کابل کی جانب بھاگ چکا تھا۔ اکبر نے مان سنگھ کو اس کے تعاقب میں روانہ کیا۔

آئندہ کے لئے ایسے کسی خطرے کا بروقت مقابلہ کرنے کے لئے اکبر اعظم نے شہر گجرات کی بنیاد رکھی اور وہاں پر ایک دیوار اور قلعہ بھی تعمیر کروایا۔ پہلے پہل اس شہر کو گجرات اکبر آباد بھی کہا جاتا تھا۔ لیکن بعد میں محض گجرات ہی مشہور ہو گیا۔ گو اکبر اس سے پیشتر حکیم مرزا کے تعاقب کے لئے اپنے ایک جنرل مان سنگھ کو روانہ کر چکا تھا۔ لیکن اس کے بعد اس نے خود بھی کابل کی طرف رُخ کر لیا تھا۔ دریائے سندھ پر پہنچ کر اکبر اور مان سنگھ مل گئے۔ یہاں پر اکبر نے قلعہ کی تعمیر کا حکم دیا اور پھر اکبر اور مان سنگھ اپنی فوجوں کے ساتھ کابل کی طرف روانہ ہو گئے کابل پہنچ کر اکبر اعظم نے جلد ہی کابل پر قبضہ کر لیا۔ اور وہاں اپنی بہن کو گورنر مقرر کر دیا۔ اسی طرح آذیدی قبیلے کے لئے ایک بھاری وظیفہ مقرر کر دیا۔ کابل میں یہ انتظامات کرنے کے بعد اکبر درہ خیبر کے راستے سے واپس آ گیا۔

اکبر اعظم نے دریائے سندھ پر اٹک کے مقام پر جس قلعے کی تعمیر کا حکم دیا تھا۔ وہ پانچ سال میں مکمل ہوا۔ اس کی تعمیر کے بعد قلعہ رہتاس کی حیثیت ثانوی ہو گئی تھی۔ کیونکہ قلعہ اٹک زیادہ اہم اور مرکزی ہو گیا تھا۔

اس عہد میں پنجاب اور سندھ زمینداری نظام کے تحت مشکلات سے گزر رہا تھا۔ تاہم بعض شہروں کی صورت حال بدستور بہتر ہو رہی تھی۔ ملتان، رفتہ رفتہ ایک مذہبی مرکز بھی بنتا جا رہا تھا اور تجارتی مرکز بھی اسی طرح سہون بھی صنعت و تجارت کا مرکز ہو چکا تھا۔ روہڑی میں اکبر کے ایک سرکاری افسر نے ایک نہایت خوبصورت مسجد تعمیر کروائی تھی۔

اکبر اعظم کے عہد میں لاہور کو پنجاب بھر میں سب سے زیادہ اہمیت اور فوقیت حاصل

Marfat.com

ہو چکی تھی، ۱۵۸۴ سے ۱۵۹۸ء تک اکبر اعظم نے لاہور میں اپنی عدالت لگائی۔ گو اس دوران میں وہ صوبہ سرحد میں بغاوتوں سے بھی نمٹتا رہا۔ لیکن اس کا سرکاری مرکز لاہور ہی رہا۔ لاہور سے کشمیر، سندھ، بلوچستان اور دکن پر بھی اپنی توجہ مرتکز رکھی۔ لاہور جب سرکاری مرکز تھا تو پنجاب کی بیشتر زمین سرکاری تحویل میں لی جا چکی تھی۔ گو پنجاب کے اکثر جاگیرداروں کو اکبر کی اس کارروائی سے نقصان پہنچا تھا۔ لیکن اس کے باوجود پنجاب کے بعض راجپوت سرداروں کو موروثی طور پر جاگیریں دے دی گئی تھیں۔

اکبر اعظم کے دوست اور سرکاری اہلمد ابوالفضل نے لاہور کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ ایک بارونق اور بہت زیادہ آبادی والا شہر تھا۔ یہاں پر ہر نسل اور قوم کے لوگ آباد تھے۔ تجارت اور صنعت و حرفت بھی عروج پر تھی۔ اور یہاں پر صرف چادریں بنانے کے قریباً ایک ہزار کارخانے موجود تھے۔ اکبر اعظم نے بھی یہاں پر قالین اور دریاں بنانے کی ورکشاپ قائم کی۔ یہاں پر ایک نئی ٹکسال بھی سکہ سازی کے لئے بنائی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ اکبر کے عہد میں لاہور، آگرہ سے بھی بڑا شہر تھا۔ یہاں پر نہایت خوبصورت عمارات اور باغات بھی بنائے گئے تھے۔ لاہور کے بارے میں اسی عہد کے ایک یورپی سیاح نے لکھا ہے کہ ایشیا یا یورپ میں بھی لاہور کے مقابلے کا کوئی شہر موجود نہیں ہے۔

کابل پر پہلے ہی اکبر اعظم نے قبضہ کر کے حکیم مرزا کے بجائے اپنی بہن کو گورنر بنا دیا تھا۔ اب اس کی خواہش تھی کہ کابل کو بھی مستقل طور پر اپنی سلطنت کا حصہ بنا لیا جائے۔ اس مقصد کے لئے ضروری تھا کہ دریائے سندھ پر بہت بڑے حفاظتی انتظامات ہوں اور قلعہ اٹک ہی اہم کردار ادا کرے۔ لہٰذا قلعہ اٹک کی فوری تعمیر کے لئے اکبر اعظم نے خود ساڑھے تین مہینے اٹک ہی میں گزارے۔ یہیں پر اکبر نے کشتیوں کا ایک پل بنانے کے مستقل انتظامات کئے اور پھر خٹک خاندان کے لوگوں کو اس قلعے اور پل کی حفاظت کی ذمے داری سونپ دی گئی اور انہیں اٹک اور پشاور میں اختیارات بھی دے دیئے گئے اس طرح پشاور میں چھوٹے

Marfat.com

چھوٹے قلعوں کی تعمیر کی بھی حوصلہ افزائی کی گئی تاکہ افغانستان کا راستہ کھلا رکھا جا سکے۔ اسی طرح اکبر نے خیبر سے کابل تک ایک اہم سڑک تعمیر کروا دی۔ لیکن یہاں پر آفریدیوں نے مغل فوجوں کی نقل و حرکت میں مزاحمت سے کام لیا۔

روشنیہ تحریک

متعدد آفریدی قبائل، برکی، اورک زئی اور تراہی قبائل پیر بایزید انصاری کی روشنیہ تحریک سے بہت متاثر تھے۔ روشنیہ تحریک آغاز میں تو پیر روشن کے حوالے سے ایک مذہبی تحریک رہی لیکن پھر اس نے ایک طرح کی عسکری حیثیت بھی اختیار کر لی تھی۔ اس تحریک کے ماننے والے اکثر لوگ خیبر اور تیراہ میں آباد تھے۔ ۱۵۸۶ء میں اس تحریک کے پیروکاروں نے مغل جاگیرداروں پر بھی حملے کرنے شروع کر دیئے تھے۔ پیر روشن کا بیٹا جلالہ اس تحریک کا سب سے سرگرم رکن تھا۔ اکبر نے اس تحریک کو بغاوت کے حوالے سے دبایا تو جلالہ چترال کی جانب بھاگ گیا۔ اور ۱۶۰۱ء میں وہ فوت ہو گیا لیکن اس تحریک کا اثر یہ ہوا کہ سرحدی علاقوں میں سرکاری مالیہ مقرر نہ کیا جا سکا۔

سوات اور کشمیر

۱۵۸۵ء میں اکبر اعظم نے اٹک سے دو مہمات پر فوجیں روانہ کیں۔ ایک سوات اور باجوڑ کے لئے اور دوسری کشمیر کے لئے۔ سوات میں یوسف زئی قبائل کا بہت زور تھا لیکن یہ دونوں مہمات ناکام ہو گئیں اور کم و بیش آٹھ ہزار آدمی مارے گئے۔ لہٰذا اس کے بعد مغلوں نے پشاور میں رہ کر جہاں تک ممکن ہو سکا اپنا تسلط قائم رکھا۔ سوات اور بُونر کو یوسف زئی لوگوں کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ لیکن سند، مالاکنڈ اور چکدرہ میں مغلوں نے قلعے تعمیر کروا دیئے تاکہ پشاور کی جانب جانے والی شاہراؤں کی حفاظت کی جا سکے

Marfat.com

باجور میں تو مغلوں نے ایک شاندار تین گنبدوں والی مسجد بھی تعمیر کروائی۔

کشمیر کی وادیوں میں مدتوں سے فرقہ وارانہ فسادات جاری تھے وہاں کے مسلمان اکبر اعظم کی حکومت کی حمایت کرتے تھے۔ جب اس سلسلے میں اکبر اعظم نے توجہ کی تو اس کی پہلی مہم ناکام ثابت ہوئی۔ لیکن پھر ۱۵۸۶ء میں کشمیر کو مکمل طور پر اکبر نے فتح کر لیا تھا۔ کشمیر کی تجارتی اہمیت بہت زیادہ تھی کیونکہ چین میں بھیجا جانے والا تمام تجارتی سامان سرینگر ہی میں ذخیرہ اور جمع کیا جاتا تھا۔ اس طرح مغلیہ حکومت کے دوران میں کشمیر کے لئے واہ، حسن ابدال، ایبٹ آباد، مانسہرہ اور مظفر آباد سے سرینگر تک ایک مشہور شاہراہ قائم ہو چکی تھی۔ اکبر اعظم نے موجودہ آزاد کشمیر کے علاقے میں دریائے جہلم پر ایک پل بھی تعمیر کروایا۔ کہا جاتا ہے آج کا شہر واہ بھی اکبر نے بسایا تھا اور یہاں کی ہریالیوں اور خوبصورتیوں کو دیکھ کر "واہ" پکار اٹھا تھا۔

سندھ اور بلوچستان

سندھ میں چونکہ ٹھٹھہ شہر کو پرتگالیوں نے شدید نقصان پہنچایا، اس لئے وہ شہر ایک بار بالکل اجڑ گیا تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ وہی شہر دوبارہ آباد ہو گیا تھا۔ ۱۵۵۴ء تک اس شہر میں پھر سے چہل پہل اور زندگی کی گہما گہمی ہو گئی تھی۔ سندھ کے طورخن سرداروں میں خانہ جنگی مدتوں سے جاری تھی، طورخن سرداروں کی اس خانہ جنگی سے اکبر نے فائدہ اٹھایا اور پے بہ پے حملے کر کے سندھ کو بھی اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تھا۔

لیکن اس سندھ کے شہر ٹھٹھہ پر جب اکبر نے حملہ کیا اور اسے فتح کر لیا تو طورخن لوگوں نے خود ہی اپنے شہر کو تباہ برباد کرنا شروع کر دیا تھا بہرصورت مختلف حملوں اور باہمی بات چیت کے بعد اکبر نے سندھ کو مغلیہ سلطنت میں شامل کر کے طورخن لوگوں کو گورنر مقرر کر دیا تھا۔ اس طرح سندھ میں امن وامان بحال ہو گیا تھا۔ ٹھٹھہ کی بندرگاہ پر

Marfat.com

مقامی گجراتیوں، ایرانیوں اور پرتگالیوں کا تسلط اور اثر ورسوخ زیادہ تھا، ٹھٹھہ سے مچھلی سمیت متعدد اشیاء باہر بھیجی جاتی تھیں اس طرح ٹھٹھہ کو بندرگاہ کے حوالے سے اہم مقام مل چکا تھا۔

۱۵۹۴ء میں اکبر اعظم نے بلوچستان اور مکران کو بھی سلطنت مغلیہ میں شامل کر لیا تھا۔ ۱۵۹۵ء میں قندھار بھی اکبر اعظم کی سلطنت کا حصہ بن گیا تھا۔ اس طرح اکبر اعظم کی حکومت میں قلات اور قندھار جو تجارت کے بہت بڑے مراکز تھے اور ساحلی تجارت کے لئے مکران کہ جس کی اہمیت مسلّم تھی وہ بھی مغلیہ تصرف میں تھا۔

گو اکبر اعظم کی سلطنت کابل قندھار سے بنگال اور اڑیسہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن جنوبی ہندوستان کا بیشتر علاقہ اس میں شامل نہیں ہو سکا تھا اکبر نے احمد نگر کے سلطان پر حملے بھی کئے اور چاند بی بی کو بھی ساتھ ملایا لیکن امید بر نہ آسکی۔ صرف خندیش اور برار پر قبضہ ہو سکا تھا۔ جنوبی ہندوستان کے حکمران اس لئے بھی اکبر کی سلطنت میں شامل نہیں ہونا چاہتے تھے کہ اکبر کا نظام حکومت اور نظام معیشت ایسا تھا کہ اس میں مفتوحہ علاقوں کو بہت کچھ دینا پڑا تھا۔

اکبر اعظم کا اقتصادی نظام

اکبر کے عہد حکومت کے آخری نصف میں زراعت نے بڑی ترقی کر لی تھی۔ اکبر نے خالصہ افسران کو پیداوار بڑھانے پر انعامات سے بھی نوازنا شروع کر دیا تھا۔ اس طرح ضلعی سطح پر بھی زمینداروں میں زیادہ فصلیں اگانے کا رجحان پیدا ہو گیا تھا۔ مقامی زمیندار اپنی مقامی ضروریات کے مطابق کاشت کاروں سے واسطہ رکھتے تھے۔

اکبر کے عہد حکومت میں بھی آبادی کی اکثریت دیہات ہی میں رہتی تھی۔ ہر شخص اپنے ہی دیہات اور گاؤں کی پیداوار پر تکیہ اور مدار کرتا تھا۔ اسی طرح ہنرمند لوگوں کو بھی زراعت پیشہ لوگ سہولتیں اور زمینیں دے دیتے تھے۔ اکبر نے چونکہ مالیہ لگان رقم کی صورت میں

Marfat.com

وصول کرنے کا نظام رائج کیا تھا۔ اس لئے زمیندار زیادہ سے زیادہ اجناس فروخت کرکے نقد رقم حاصل کرتے تھے۔ اس طرح بھی حکومت کے پاس مرکز میں اجناس کے وافر ذخائر جمع ہو جاتے تھے۔ اس باعث لوگوں میں زیادہ رقم فراہم کرنے والی فصلیں مثلاً کپاس اور گنا اگانے کا رجحان بڑھا۔ اسی طرح کپڑا سازی اور شکر سازی کی صنعت کو بھی فروغ حاصل ہوا کوہ نمک کے سلاسل میں کان کنی کو ترقی ملی اور اس حوالے سے نیل اور نیلے رنگوں کی صنعت نے بھی ترقی حاصل کی۔ نیل کو اس قدر ترقی دی گئی کہ اسے دوسرے ملکوں میں بھی بھیجا جانے لگا۔ پرتگالی اور دلندیزی ہندوستانی نیل کے سب سے بڑے عالمی سطح کے تاجر تھے۔ دلچسپی کی بات یہ ہے کہ جو نیل ہندوستان سے وسطی ایشیا اور یورپ میں بھیجا جاتا تھا اسے لاہوری نیل کہا جاتا تھا۔

اکبر کے زمانے میں اندرونِ ملک تجارت اور سفر کی سہولتوں کی خاطر بڑی بڑی شاہراؤں کو زیادہ آرام دہ اور سایہ دار بنانے پر توجہ دی گئی تھی۔ سڑکوں کے کناروں پر مخصوص فاصلے پر سرائیں بھی بنائی گئی تھیں۔ ان سراؤں کو لوگ ریسٹ ہاؤس کو طرح استعمال کرتے تھے۔ اس لئے سرائے کی تعمیر عام امرا کا مشغلہ بھی بن گیا تھا۔ اسی طرح ان شاہراؤں پر سے ہر سال بڑے بڑے تجارتی قافلے وسطی ایشیا کی جانب اور چین کی منڈیوں تک پہنچتے تھے۔ اس طرح لاہور، ملتان، پشاور، اٹک آگرہ، کابل اور قندھار وغیرہ اکبر کے زمانے میں بڑے بڑے تجارتی مرکز بن گئے تھے۔ اسی عہد میں اکبر نے بنگال میں پرتگالیوں کو بھی تجارت کرنے کی سہولتیں دے دی تھیں۔ ٹھٹھہ کو ایک طرح سے عالمی بندرگاہ کی حیثیت حاصل ہو چکی تھی۔

اکبر اعظم نے اپنی پوری سلطنت میں ایک ہی کرنسی جاری کر رکھی تھی۔ اس کے تمام سکے تین دھاتوں سے بنائے جاتے تھے۔ سونے کی مہر تھی۔ روپیہ اور آنہ چاندی کا ہوتا تھا۔ اسی طرح دام اور پیسہ تانبے کے ہوتے تھے۔ بعض دیہات میں کوڑیوں کو بھی کرنسی

Marfat.com

کی حیثیت حاصل تھی۔ غیر ملکی تاجر دیگر ملکوں کی دھاتوں کے سکے بھی یہاں پر استعمال کر سکتے تھے۔ ملک میں پرائیویٹ اور سرکاری بینکوں کا ایک نظام رائج تھا۔ ہنڈی کا نظام بھی جاری تھا۔ گویا اکبر کے عہد میں معیشت مستحکم بنیادوں پر استوار تھی۔ حکومت قیمتوں اور ٹیکسوں کو زیادہ نہیں ہونے دیتی تھی۔ اوزان ناپ اور دیگر پیمانوں پر حکومت کا سخت کنٹرول تھا۔

اکبر اعظم بذات خود ایک واجبی سا پڑھا لکھا بادشاہ تھا۔ لیکن ہندوستان میں اشوک کے بعد وہ سب سے بڑا حکمران تھا۔ اسے کتابیں پڑھنے کا بے حد شوق تھا۔ وہ کتابیں سن کر پڑھتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ بے حد مغرور اور ذہین تھا۔ انتہا کی یادداشت کا مالک تھا۔ شاعری، موسیقی اور مصوری کا قدردان تھا۔ ایسے فنون کی اس نے ہمیشہ سرپرستی کی ہے۔ اکبر اعظم نے اپنے دربار میں بے شمار امراء، شرفاء، فنکاروں اور دیگر سرداروں کو بھی جگہ دے رکھی تھی۔ اکبر اعظم اکتوبر ۱۶۰۵ء میں فوت ہوا۔ وفات سے چند ثانیے پیشتر اکبر نے اپنے بیٹے شہزادہ سلیم کو تخت و تاج کا وارث بنا دیا تھا۔

شہزادہ سلیم نورالدین جہانگیر کے لقب سے مغلیہ سلطنت کا بادشاہ بنا۔ عین اسی وقت لاہور کے کچھ سرداروں اور اشراف نے شہزادہ سلیم کے بڑے بھائی شہزادہ خسرو کو اکبر اعظم کا جانشین مقرر کرنا چاہا۔ اس طرح جہانگیر نے اس کے دعوے کو ختم کرنے کے لئے آگرہ سے لاہور کی جانب رخ کیا اور شہزادہ خسرو کو دریائے چناب کے کنارے پر شکست دے کر اندھا کر دیا۔

جہانگیر کی حکومت کا آغاز ہونے سے پیشتر ہی سکھ مذہب کے پیروکار مغلیہ حکومت کے سخت دشمن بن چکے تھے وہ اس لئے کہ اکبر نے سکھوں کے گورو ارجن کو قتل کروا دیا تھا۔ ان کی جائیداد ضبط کر لی تھی۔ حتیٰ کہ گورو ارجن قید ہی میں مر گیا تھا۔ اس صورتحال نے سکھوں کے جذبات کو مزید بھڑکا دیا تھا۔ گورو ارجن کے بیٹے گورو ہرگوبند نے سکھوں کی ایک بہت بڑی فوج بنائی تھی اور مغلیہ سلطنت کی مسلسل مخالفت کرنی

Marfat.com

شروع کردی تھی۔ اسی طرح پنجاب کے بھٹی قبائل بھی مغلیہ حکومت کی مخالفت پر تلے ہوئے تھے۔ بھٹی قبائل عبداللہ بھٹی (دلا بھٹی) کی زیر کمان اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھے ہوئے تھے۔ ان مخالفتوں کے باوجود جہانگیر نے لاہور ہی کو اپنا پایہ تخت بنائے رکھا اور شیخوپورہ میں اپنے لئے ایک شکارگاہ بھی بنالی۔ جہانگیر چونکہ بڑی حد تک فنون اور تعمیرات میں دلچسپی رکھتا تھا۔ اس لئے وہ دنیاوی فیاضیوں سے بھی بہرہ ور ہوتا رہا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے باغات اور اعلیٰ عمارات کی تعمیر پر خصوصی توجہ دی اور اپنی اہلیہ نور جہاں کے لئے بھی کئی باغات اور عمارات بنوائیں۔

جہانگیر نے چند ایک ابتدائی نزاعات کو ختم کرنے کے بعد اسلامی اقدار کی بحالی کے لئے بھی کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ اکبر نے جو دین الٰہی دیا تھا اور اس سے مسلمانوں میں جو ردعمل ابھرا تھا۔ جہانگیر نے اسے ختم کرنے پر توجہ دی، دوسرے مذاہب کے علماء کی بھی قدر و منزلت کا خیال رکھا۔ اس نے جب سلطنت مغلیہ میں توسیع و ترقی کی جانب توجہ مبذول کی تو سب سے پہلے شہزادہ خرم کی بغاوت کو کچل دیا۔ لیکن اس کے بعد شہزادہ خرم نے ہمالیہ کے علاقہ میں کانگڑہ میں اپنا اثر و رسوخ بڑھالیا۔ اس دوران میں جہانگیر کی عیش و عشرت نے بھی اپنا رنگ دکھانا شروع کر دیا تھا۔ اس طرح جہانگیر کی محبوب بیوی نور جہاں نے بھی امور سلطنت میں موثر طور پر دخل اندازی کرنی شروع کر دی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ ایک وقت ایسا بھی آگیا تھا کہ جہانگیر امور سلطنت کی بجا آوری میں نور جہاں ہی کے مشوروں اور رائے پر عمل کرنے لگا تھا۔ بہرصورت اس نے عدل و انصاف کا ایک نہایت مثالی اور اعلیٰ نظام قائم کر رکھا تھا۔ جہانگیر انصاف پسند اس قدر تھا کہ انصاف کے تقاضے پورے کرنے کے لئے وہ کسی حسب نسب یا قوم و ملّت کی بھی رو رعایت نہیں کرتا تھا۔

نور جہاں نے جب جہانگیر کی مخالفتوں کو فزوں تر ہوتے دیکھا اور شہزادہ خرم کی

Marfat.com

مقبولیت کو بڑھتے ہوئے محسوس کیا تو اس نے شہزادہ شہریار کی شادی اپنی سابقہ بیٹی سے کردی کیونکہ اس کا خیال تھا کہ شہریار اپنے والد جہانگیر کے بعد امور سلطنت باآسانی سنبھال سکے گا۔ نورجہاں کے اس اقدام سے شہزادہ خرم کے حامیوں اور دیگر کئی راجاؤں اور سرداروں میں ایک منفی ردعمل ابھر آیا، شہزادہ خرم اب تک شاہجہاں کے لقب سے احمد نگر پر حکومت کر رہا تھا۔ اسی دوران میں کابل کے حکمران نے بغاوت کر لی۔ لیکن ۱۶۲۵ء میں اس بغاوت کو دبا لیا گیا۔ اس بغاوت کو مہابت خاں نے دبایا تھا۔ اس کے ایک ہی سال بعد ۱۶۲۶ء میں مہابت خاں نے ایک بار جہانگیر کو کشمیر جاتے ہوئے قید کر لیا لیکن نورجہاں نے بڑی عقل مندی کے ساتھ اپنے خاوند جہانگیر کو اس قید سے آزاد کرا لیا۔ لیکن اس واقعے کے کچھ عرصہ بعد ۱۶۲۷ء میں جہانگیر کا انتقال ہو گیا۔

جہانگیر ایک اچھا اور حلیم طبع منتظم اور انصاف پسند بادشاہ تھا۔ وہ خود فارسی کا ایک عمدہ ادیب تھا اور علم و ادب کی سرپرستی کرتا تھا۔ تزک جہانگیری اس کی ایک قابل ذکر تصنیف ہے۔ جہانگیر کا عہد چونکہ شورشوں کی نذر ہو گیا تھا اس لئے جہانگیر نے جنگ و جدل پر زیادہ توجہ نہیں دی بلکہ تعمیرات میں دل لگایا۔ اس طرح جہانگیر کے دم قدم سے مغلیہ سلطنت کو متعدد قابلِ ذکر اور اعلیٰ اور خوب صورت عمارات کی نعمت مل گئی۔ اس نے مغل مصوری کو بھی عروج بخشا اور ہر طرح کے فنکاروں کی بجا طور پر سرکاری سرپرستی کی۔

جہانگیر نے جنگ و جدل سے منہ موڑ کر سلطنتِ مغلیہ کی بہتری کے لئے امور پر توجہ دی۔ لوگوں کی خوشحالی کو پیشِ نظر رکھا۔ امن و امان اور انصاف سے لوگوں کے دلوں میں گھر کیا۔ لوگوں کی سہولت اور تجارت کے فروغ کیلئے جہانگیر نے نہایت وقیع انتظامات کئے متعدد مسجدیں اور سرائیں بھی تعمیر کرائیں۔ یہی نہیں بلکہ جہانگیر نے اپنے دورِ حکومت میں دوسرے ممالک سے تجارت کو بڑا فروغ دیا۔ برطانیہ کی ایسٹ انڈیا کمپنی اور ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی نے بھی اسی عہد میں مغلیہ حکومت سے خاطر خواہ مراعات حاصل کیں۔ اور

Marfat.com

اسی طرح جہانگیر کے دربار میں کئی انگریزوں نے بھی مقام حاصل کیا۔ جہانگیر نے جاگیرداری نظام کو بہتر بنانے کے لئے کئی طرح کی ضروری تبدیلیاں پیدا کیں اور کسانوں کو زیادہ فائدہ پہنچانے کا اہتمام کیا۔ حکومت کے قبضے میں جو زمینیں تھیں ان میں سے اکثر زمینیں کسانوں اور زمینداروں کو دے دیں۔ لیکن چونکہ جہانگیر مجموعی طور پر حلیم طبع تھا اس لئے اس کے کارندوں نے اپنی روش نہ بدلی اور وہ اپنی من مانی کرتے رہے۔

شہاب الدین محمد شاہجہاں

نورالدین محمد جہانگیر کی وفات پر ۱۶۲۷ء میں اس کا بیٹا شہاب الدین محمد شاہجہاں لاہور میں سلطنت مغلیہ پر براجمان ہوا۔ لاہور سے شاہجہان کو دلی لگاؤ تھا اور لاہور ہی اس کی جائے پیدائش تھی۔ اس لئے شاہجہاں نے کچھ عرصہ لاہور ہی میں گزارا۔

اسی دوران میں روشنیہ تحریک نے ایک بار دوبارہ سر اٹھایا۔ اسے شاہجہان نے جلد ہی دبا لیا اور تب ایک بار پھر یہ تحریک اپنے سیاسی عزائم ہار کر مذہبی تحریک ہی بن کر رہ گئی۔ شاہجہان کے دور حکومت میں اٹک اور پشاور میں بدستور امن و سکون رہا۔ کشمیر میں ایک قحط پڑا۔ اس قحط پر قابو پانے کے لئے شاہجہاں نے کئی اقدام کئے۔ ۱۶۳۴ء میں گولکنڈہ بھی باضابطہ طور پر سلطنتِ مغلیہ کا حصہ بن گیا۔ ۱۶۳۶ء میں بیجاپور پر بھی مغلیہ قبضہ ہو گیا اور شاہجہان کے بیٹے اورنگ زیب کو دکن کا وائسرائے مقرر کیا گیا۔ اس کے بعد کابل، بلخ اور بدخشاں بھی مغلیہ سلطنت میں شامل ہو گئے۔ ۱۶۵۰ء تک سکردو بھی اس سلطنت میں شامل ہو گیا تھا۔

پنجاب میں سکھ شاہجہان کے عہدِ حکومت میں پرامن ہی رہے لیکن سندھ میں بدستور باغی عناصر اپنی سرگرمیوں میں مصروف رہے کیونکہ سندھ کے لوگ جاگیرداری نظام سے نالاں تھے۔ انہیں ایک طرف تو سرکاری جاگیرداروں کو مالیہ دینا پڑتا تھا اور دوسری طرف مقامی چودھری اور ارباب بھی ان سے محصولات لیتے تھے۔

Marfat.com

دکن میں جواں سال اورنگ زیب حالات پر قابو نہ پا سکا۔ اس طرح اسے ۱۶۵۳ میں واپس بھجوا دیا گیا۔ ۱۶۵۳ء میں اورنگ زیب نے گولکنڈہ پر حملہ کر دیا۔ ممکن تھا کہ گولکنڈہ فتح ہو جاتا لیکن عین اسی وقت اورنگ زیب کو حکم ملا کہ یہ حملہ روک دیا جائے۔ اس کے بعد اورنگ زیب نے بیجاپور پر حملہ کیا۔ لیکن فتح سے پیشتر ہی اسے مزید کارروائی سے روک دیا گیا۔ کیونکہ داراشکوہ کو بیجاپور میں لوٹ مار کی یہ صورت پسند نہیں تھی، شاہجہان جوں جوں بوڑھا ہو رہا تھا اس کے بیٹوں میں وراثت کے حوالے سے رقابت اور دشمنی بڑھتی جا رہی تھی، داراشکوہ کو اورنگ زیب کی فتوحات یکسر ناپسند تھیں۔ اس لئے ۱۶۵۷ میں جب شاہجہان شدید بیمار پڑ گیا تو بیٹوں نے تخت و تاج کے لئے لڑنا شروع کر دیا۔ اسی دوران میں اورنگ زیب نے کئی ایک حملوں کے بعد آگرہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ آگرہ ہی میں بیٹوں نے اپنے باپ شاہجہان کو قید کر رکھا تھا ۱۶۶۶ء میں اپنی موت تک شاہجہان آگرہ ہی میں قید رہا۔

شاہجہان کی حکومت

شاہجہان ایک عظیم مغلیہ حکمران تھا۔ اس دور میں برعظیم کا ہر شہر خوشحالی اور تجارت کے اعتبار سے دنیا کے بڑے بڑے شہروں سے بہتر تھا۔ ثقافت اور علم و ادب کا گہوارہ بنا ہوا تھا خوب صورت عمارات، اعلیٰ تعلیمی نظام۔ خوب صورت اور دلکش سکے۔ صنعت و حرفت کے کارخانے اور معیاری مصنوعات اس عہد کی نعمتیں تھیں، اس عہد میں دنیا کا کوئی بھی بادشاہ شاہجہان کے علاوہ شاہ جہان کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا۔

شاہ جہان نے ایک طرف تو ملک میں اسلامی نظام حکومت میں دلچسپی لی اور اس کے ساتھ ہی لوگوں کی خوشحالی کے لئے اہم اقدام کئے۔ غیر اسلامی رسوم کو ختم کرنے پر توجہ دی لیکن غیر مسلموں کو بھی عزت اور تکریم بخشی، شاہجہان خود علم و ادب کا دلدادہ تھا۔ علماء اور فنکاروں کا قدردان تھا۔ اس نے اپنی محبوب بیوی ممتاز محل کی یاد میں آگرہ میں ایک لازوال تاج محل تعمیر

Marfat.com

کروایا۔ اسی طرح دلی میں لال قلعہ کی بنیاد رکھی۔ لاہور میں شالامار باغ، دہلی میں دیوان عام اور دیوان خاص تعمیر کروائے۔ لاتعداد اعلیٰ اور خوب صورت مساجد تعمیر کروائیں۔ مقبرہ جہانگیر اور مقبرہ آصف خاں لاہور میں شاہجہان ہی نے تعمیر کروائے۔ ایسی تعمیرات میں دوسرے چھوٹے مغل حکمرانوں اور منصب داروں نے بھی بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔

شاہجہان ہی کے عہد میں تجارت کے ساتھ زراعت، صنعت و حرفت اور مصنوعات کو بھی ترقی دی گئی۔ بارود بنانے کا اہتمام کیا گیا۔ جوں جوں تجارت اور انڈسٹری میں اضافہ ہوا اس کے ساتھ ہی ٹیکس میں بھی اضافہ کیا گیا۔ غیر ملکی تجارت کو بڑھایا گیا۔ پرتگالیوں و لندیزوں اور انگریزوں کو بنگال کی تجارت میں ترقی کے مناسب مواقع دیئے گئے۔ اس طرح انہوں نے ساحلوں کے ساتھ ساتھ تجارت پر بڑی حد تک تسلّط حاصل کر لیا۔

زراعت کی ترقی کی خاطر شاہجہاں نے کسانوں اور زمینداروں کے مفادات کو فوقیت دی۔ جاگیرداری نظام کے نقائص کا خاتمہ کیا۔ بے ایمان سرکاری ملازمین کی تطہیر کی مالیہ کی وصولی کے لئے ہزاروں نئے اور ایمان دار ملازم رکھے گئے، ہر طرح کے محصولات میں سے پانچواں حصّہ بادشاہِ وقت کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ اس حصّے میں سے بادشاہ تمام انتظامی امور بھی سرانجام دیتا تھا اور لوگوں کے لئے فلاحی کاموں میں بھی اسی رقم کو خرچ کیا جاتا تھا۔

شاہجہان کے عہد میں ایک جانب ملک میں خوشحالی کا دور دورہ ہوا تو اس کے ساتھ ہی ملک میں نئے باغی گروہوں نے سر اٹھایا۔ دکن میں شیواجی نے ہمیشہ مغلیہ حکمرانوں کو پریشان رکھا۔ شیواجی نے بیجاپور میں کئی قلعے بھی تعمیر کر لئے۔ یہی نہیں بلکہ شیواجی نے دھوکے بازی سے ایک افغان افسر کو پیٹ میں چھرا گھونپ کر ہلاک کر دیا تھا۔ شیواجی روز بروز طاقت پکڑتا جا رہا تھا۔ اسی دوران میں مرہٹے بھی بدستور اپنے حق کی خاطر بہت مضبوط ہو چکے تھے۔

Marfat.com

اورنگ زیب عالمگیر

شاہجہان ابھی زندہ تھا اور بیٹوں کی قید ہی میں تھا کہ بیٹوں میں حصول اقتدار کے لئے جنگ ہونے لگی تھی۔ لیکن اورنگ زیب عالمگیر نے اپنے ایک بھائی کو گرفتار کر کے اور پھر اسے موت کے گھاٹ اتار کر خود تخت و تاج سنبھال لیا۔ بڑا بھائی دارا لاہور کی جانب مراجعت کر چکا تھا۔ بلکہ دارا کا لاہور میں خاصا تسلط تھا اور اس نے یہاں پر ایک فوج بھی تیار کر لی تھی۔ اس کے حواریوں اور حمائیتوں میں پنجاب پشاور اور کابل کے لوگوں کی اکثریت تھی۔ اس بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھتے ہوئے اورنگ زیب نے دارا کا ملتان اور بھکر تک تعاقب کیا اور پھر لاہور اور دہلی جاتے ہوئے دارا کو بدعتی اور ملحد قرار دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔

اورنگ زیب کے عہد کے ابتدائی دو تین برسوں میں صوبہ سرحد، سندھ اور شمالی ہندوستان میں بدامنی اور بے چینی کی فضا طاری رہی۔ لیکن اسی دوران میں اورنگ زیب عالمگیر نے بنگال کے قریباً پورے علاقے کو فتح کر لیا تھا، ۱۶۶۱ء تک مشرق میں کوچ بہار تک کا علاقہ سلطنت میں شامل کیا جا چکا تھا۔ ۱۶۶۶ء میں چٹاگانگ کا علاقہ بھی فتح ہو چکا تھا۔ ان مفتوحہ علاقوں میں سے دلندیزیوں کو بھی بھگایا جا چکا تھا۔

ادھر دوسری جانب مرہٹوں نے قوت حاصل کرتے ہوئے ۱۶۶۳ء تک بیجاپور اور احمد نگر پر اپنا قبضہ کر لیا تھا۔ ان کی سرکوبی کے لئے اورنگ زیب عالمگیر نے اپنے چچا شائستہ خاں کو روانہ کیا۔ شائستہ خاں نے آغاز میں چند ایک معرکے جیت لئے اور پونہ پر قبضہ کر لیا لیکن مرہٹوں نے پھر سورت کی ایک خوشحال بندرگاہ پر حملہ کر کے وہاں پر لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ اس ساری صورت حال پر گو اورنگ زیب کو دلی دکھ پہنچا لیکن اب کی بار اس نے اپنے ایک جرنیل جے سنگھ کو اس مہم پر روانہ کیا۔ جے سنگھ راجپوت تھا۔ لہذا اس نے مرہٹوں پر قابو پا لیا۔ صرف تین ہی مہینوں کے عرصے میں جے سنگھ نے شیواجی کے حمایتی علاقوں میں پے بہ پے

Marfat.com

فتوحات حاصل کیں۔ اس طرح شیواجی کے ہاتھ سے کم از کم تیئس قلعے جاتے رہے تو اس نے اورنگ زیب عالمگیر کو اپنا حکمران تسلیم کر لیا۔ اس پر شیواجی کو آگرہ میں گرفتار کر کے نظر بند کر دیا گیا۔ لیکن شیواجی نے اس نظر بندی سے بھی فرار ہونے کی کوشش کی۔ ایک دن سچ مچ وہ نظر بندی کی قید سے بھاگ کر دکن میں آ گیا۔ پھر کئی برسوں تک اس نے ایسی کوئی اشتعال انگیز حرکت سے پرہیز کیا، ۱۶۷۰ء تک اس نے ایک بار پھر طاقت پکڑنی شروع کر دی تھی اور پھر ۱۶۷۴ء میں شیواجی کو مرہٹوں کا بادشاہ بنا دیا گیا۔ مرہٹوں کی حکومت کے اس قیام کو اورنگ زیب عالمگیر بھی نہ روک سکا۔ مرہٹوں کی یہ حکومت کلیان سے گوا تک پھیلی ہوئی تھی۔ مشرق میں کرناٹک تک اور جنوب میں میسور تک اس کا علاقہ تھا۔

سرحدی بغاوتیں

اورنگ زیب عالمگیر کا دور شروع ہوتے ہی پشتون لوگوں نے سرحدی علاقوں میں بغاوتوں کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ یوسف زئی سرداروں نے پانچ ہزار افراد پر مشتمل فوج تیار کر کے ہزارہ ضلع کے نچلی پر حملہ کر دیا تھا۔ دیگر یوسف زئی سرداروں نے پشاور اور اٹک کے ضلعوں پر حملوں کا آغاز کر دیا تھا۔ دریائے کابل کے کنارے ان کی مصروفیات کے مرکز تھے۔ مغل حکمرانوں نے کابل اور لاہور سے فوج کے ذریعے ان بغاوتوں اور شورشوں کو دبانے کی کوشش کی۔ کئی پشتونوں کو سزائیں دیں۔ ان کے علاقوں کو آگ لگا دی اور گھروں کو تباہ کر دیا۔ بالآخر ۱۶۷۲ء میں جب آفریدیوں نے مغلوں کے خلاف جنگ کا اعلان کیا تو اس کے بعد امن و امان کی صورت قائم ہو گئی اور سرحدی علاقہ مکمل طور پر باغیوں کے تسلط میں آ گیا۔ ان علاقوں میں اورنگ زیب عالمگیر نے خود ایک سال تک کا وقت گزارا اور کئی جنگوں میں حصہ لیا۔ بالآخر ۱۶۷۶ء تک سرحدی علاقوں کی بغاوتوں کو فرو کیا جا سکا۔ اسی عہد میں خوشحال خاں خٹک نے بھی مغلیہ حکومت کے خلاف پشتونوں کی آزادی کی جنگ میں حصہ لیا تھا۔

Marfat.com

آگرہ کے گرد و نواح میں جاٹوں نے تو اکبر اعظم ہی کے زمانے سے بغاوتوں کو اپنا رکھا تھا۔ ادھر مشرقی پنجاب میں ستنامی ہندوؤں نے بھی ۱۶۷۲ء میں بغاوت کر دی تھی۔ ستنامی ہندو چونکہ مذہبی اعتبار سے بھی ہندوؤں میں زیادہ معتبر تھے۔ اس لئے ہندوؤں نے کھل کر ان کا ساتھ دیا۔ لیکن مغلیہ حکومت نے اس بغاوت کا بڑی شد و مد سے قلع قمع کر دیا۔

اورنگ زیب عالمگیر کا نظام حکومت

اورنگ زیب عالمگیر کا تمام عہد گو بڑی حد تک بغاوتوں اور شورشوں کا زمانہ تھا اور اسے چند برس بھی مرکز میں بیٹھ کر انتظام و انصرام کی مہلت نہ ملی لیکن اس کے باوجود اس نے اپنی مقدور بھر کوشش کر کے مغلیہ نظام حکومت کو دانش مندی سے قائم رکھا اورنگ زیب عالمگیر نے دکن میں زرعی مالیاتی نظام متعارف کرایا۔ اورنگ زیب نے بھی تمام زمین کو مرکزی حکومت میں شامل کر کے کئی ایک اصلاحات کا نفاذ کیا۔ اور مخصوص زمینوں کا نظام بھی رائج تھا۔

اورنگ زیب عالمگیر نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ اکبر اعظم کا نظام حکومت بہتر طور پر کارگر ثابت نہیں ہوا۔ لہٰذا اس نے اپنا جداگانہ نظام قائم کیا۔ اس نے مسلمانوں کے لئے خالص اسلامی نظام کی داغ بیل ڈالی۔ بلکہ اورنگ زیب عالمگیر نے مشرق وسطیٰ کے خلفاء کی ہی طرح نظام حکومت قائم کرنے کی کوشش کی۔ لیکن برعظیم کے حالات میں وہ نظام پوری طرح سے قائم نہ ہو سکا بلکہ الٹا اس کی ناکامی نے لوگوں میں ایک ردِ عمل کو جنم دیا۔ کیونکہ اورنگ زیب کے پورے عہد حکومت میں ہندوؤں کو حکومتی مناصب سے دور رکھا گیا تھا۔ اس طرح ہندو مغلیہ حکومت سے نالاں رہے اور مسلمان حکمرانوں کا ایک مخصوص گروہ اپنی من مانیاں کرتا رہا۔ بعض غیر مسلم مورخین اورنگ زیب عالمگیر کی ہندوؤں کے خلاف اسی مذہبی پالیسی کو مغلیہ سلطنت کے زوال کا سب سے بڑا سبب گردانتے ہیں۔ حالانکہ جاٹوں، مرہٹوں اور ہندوؤں کی بغاوتیں بھی اس کا باعث تھیں۔ راجپوتوں نے بھی اورنگ زیب عالمگیر کے نظام حکومت اور جزیہ

Marfat.com

دینے کے خلاف بغاوت کردی تھی، راجپوت بہت اچھے جنگجو تھے۔ لہٰذا انہوں نے اورنگ زیب عالمگیر کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور بالآخر وہ نیم خود مختار ریاستیں قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ لیکن راجپوتوں کی بغاوتوں کو فرو کرنے کی خاطر اورنگ زیب عالمگیر نے بیس سال تک کا عرصہ محض دکن ہی میں گزار دیا۔ دکن میں اورنگ زیب عالمگیر نے بیجاپور اور گولکنڈہ کو فتح کر لیا لیکن اورنگ زیب عالمگیر کے دکن میں اس قدر طویل قیام کے باعث مرکز سے اس کا رابطہ کٹ کر رہ گیا۔ سلطنت کے شمالی علاقوں سے عملی طور پر اس کا تسلط ختم ہوگیا اور محصولات کے حصول میں بھی کمی واقع ہوگئی۔ اس صورتِ حال کے پیش نظر اورنگ زیب نے اپنے افسران کو کئی رعائتیں بھی دے دیں اور ان کی جاگیروں کی ملکیت کو بھی تسلیم کر لیا۔ لیکن محصولات کی رقوم میں اضافہ نہ کیا جاسکا۔ سترھویں صدی کے اواخر تک تو افسران کو حکومت کی جانب سے بھی نقد ادائیگیاں کی جانے لگی تھیں۔ گویا مغلوں کا پورا نظام معیشت تباہ ہو کر رہ گیا تھا اور مقامی سرداروں نے بھی بغاوتوں کی راہ اختیار کر لی تھی۔ اپنی حکومت کے آخری برسوں میں اورنگ زیب عالمگیر نے خود لکھا ہے کہ "کوئی صوبہ اور ضلع ایسا نہیں ہے کہ جہاں بے دینی نہ پھیل چکی ہو۔ اور وہاں کے لوگوں کا تعاقب نہ کیا گیا ہو۔ بہر صورت ایسے لوگوں نے اپنے آپ کو ہر جگہ مستحکم کر رکھا ہے۔"

اس عہد کے پاکستانی علاقے

اورنگ زیب عالمگیر کے بعد کابل پشاور صوبہ میں امن و امان رہا۔ ۱۷۰۲ء میں سبی کے زمینداروں نے بغاوت کر دی تھی اور وہ مغلیہ مقابلے میں شکست سے دوچار ہو گئے۔ سندھ میں داؤد پوتا اور کلہوڑا حکمران آپس کی آویزشوں کا شکار تھے ان پر ملتان کے مغل گورنر نے قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ مغل حکومت سندھ سے صرف محصولات ہی حاصل کرنے میں کامیاب رہی۔ لاہور اس عہد میں دریائے راوی کی طغیانیوں کی لپیٹ میں تھا۔ اس طرح

Marfat.com

پنجاب عمومی طور پر زوال پذیر تھا۔ صرف سکھ اس صوبے میں ترقی کر رہے تھے ۱۶۹۹ء میں تو سکھوں کے دسویں گورو، گورو گوبند نے سکھوں کی ایک خالصہ فوج بھی بنالی تھی۔ خالصہ فوج نے مقامی حکمرانوں اور سرداروں سے کئی جنگیں لڑیں۔ اس طرح پنجاب میں سکھوں کو نیم خود مختاری حاصل ہو گئی تھی۔ اس کے بعد سکھ دیگر حکمرانوں کے لئے مستقل مسائل کا موجب بنتے رہے۔

اورنگ زیب عالمگیر ۱۷۰۷ء میں احمد نگر میں فوت ہوا۔ گو اورنگ زیب عالمگیر کی سلطنت مغلیہ حکومت کی سب سے بڑی سلطنت تھی کہ جو کابل اور غزنی سے لے کر آسام کو چھوتی تھی اور جنوب میں کرناٹک اور میسور تک پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن اس کے پورے عہد میں سرحدی پشتون علاقوں، پنجاب میں سکھوں، آگرہ کے نواح میں جاٹوں، اجمیر کے نواح میں راجپوتوں، احمد نگر، بیجاپور، پونہ وغیرہ میں مرہٹوں نے بغاوتوں اور شورشوں کا سلسلہ جاری رکھا۔

اورنگ زیب عالمگیر چونکہ خود مسلسل پابہ رکاب رہا اور بغاوتوں کو فرو کرنے میں مصروف رہا۔ اس لئے شاہی خزانے بالکل خالی ہو چکے تھے۔ اسی لئے اورنگ زیب اپنے عہد حکومت میں کوئی زیادہ عظیم الشان اور پرشکوہ عمارات تعمیر نہ کروا سکا۔ بادشاہی مسجد لاہور کی تعمیر کا آغاز اسی دور میں ہوا اور پھر ٹھٹھہ کی عظیم الشان مسجد جو شاہجہان کے عہد میں بننی شروع ہوئی تھی مکمل ہوئی۔ اس عہد میں فنون لطیفہ میں شاعری اور موسیقی نے خوب ترقی کی۔ پشتو اور پنجابی زبانوں میں لٹریچر نے فروغ حاصل کیا۔ پنجابی میں صوفیانہ شاعری نے بہت مقام حاصل کیا اورنگ زیب عالمگیر نے خود اسلامی ضوابط پر کام کیا۔ اس نے اسراف سے پرہیز کیا۔

گو اورنگ زیب عالمگیر اتنی وسیع و عریض سلطنت میں ہمہ وقت بغاوتوں ہی کو دبانے میں سرگرم عمل رہا لیکن اس کے باوجود اس نے پچاس سال تک ملک کو یورپی حملہ آوروں سے محفوظ رکھا۔ اورنگ زیب نے بنگال کے سوا جل پر سے یورپی حکمرانوں کو بے دخل کر کے

Marfat.com

وہاں پر اپنے محافظوں کا اہتمام کیا۔ اسی طرح چٹاگانگ کی بندرگاہ پر کئی جنگیں کر کے برطانوی تسلط کو وہاں سے ختم کر کے رکھ دیا۔ یہی نہیں بلکہ سورت میں بھی مغلیہ بحریہ نے اپنا قبضہ جما رکھا تھا۔ جب تک اورنگ زیب عالمگیر زندہ رہا یورپی اور مرہٹے دبے رہے لیکن اورنگ زیب کی وفات کے ساتھ ہی وہ دوبارہ ابھر آتے۔

اورنگ زیب کا زوال بھی اورنگ زیب کی سب سے بڑی اور خوشحال سلطنت تھی لیکن مغلیہ سلطنت کا زوال بھی اورنگ زیب کی اپنی ہی زندگی میں شروع ہو چکا تھا۔ گو اورنگ زیب نے مغلیہ سلطنت کے جاہ و حشم کو برقرار رکھنے کی کوشش کی لیکن پوری طرح کامیاب نہ ہو سکا اورنگ زیب خود ایک پیچیدہ حکمران تھا۔ اور اس نے خود مشکل وقت میں حکومت کی۔ اورنگ زیب ایک کٹر مذہبی آدمی تھا وہ اسلامی اصولوں کی پابندی کا شدت سے قائل تھا۔ اس نے نماز روزہ کی پابندی پر زور دیا۔ دیگر بادشاہوں کی طرح اس نے حرم کی تعداد میں اضافہ نہیں کیا۔ اورنگ زیب بنیادی طور پر ایک جنگجو حکمران تھا یہی وجہ ہے کہ وہ اسی سال کی عمر میں بھی ایک کمانڈر کے طور پر چاق و چوبند تھا۔

مسلم حکومتوں کے خدوخال

برعظیم پاک و ہند میں امام الدین محمد بن قاسم نے ایک مثالی اسلامی حکومت کی بنیاد رکھ دی تھی، اس اسلامی حکومت نے ہندوؤں اور بدھوؤں کو خاصی حد تک متاثر کیا۔ اس طرح بے شمار لوگ رضاکارانہ طور پر اسلام کو قبول کر کے مسلمان ہوتے رہے۔ اسلامی تعلیمات کا اثر اس قدر واضح تھا کہ مسلمانوں نے اپنی زندگی قرآن و سنت کے احکام کے مطابق بسر کرنی شروع کر دی اور یہی وجہ ہے کہ سندھ میں عربی زبان کے رسم الخط کو بھی اپنا لیا گیا۔

محمد بن قاسم ہی برعظیم پاک و ہند میں اسلامی تعلیمات اور نظام کے فروغ کا باعث

Marfat.com

نہیں تھا۔ بلکہ اس نے تو اس کی بنیاد رکھی تھی اور پھر اس کے بعد اسلامی تہذیب و ثقافت رفتہ رفتہ ترقی کرتی رہی۔ مسلمان فاتحین اس کی ترویج و ترقی کے لئے کام کرتے رہے سبکتگین، محمود غزنوی، محمد غوری، قطب الدین ایبک، محمد تغلق، ابراہیم لودھی، بابر، ہمایوں، اکبر شاہجہاں اور اورنگ زیب سب نے یکے بعد دیگرے اس برعظیم میں حکومت بھی کی اور اسلامی سلطنت کے لئے نہایت وقیع خدمات انجام دیں۔

سلاطینِ دہلی نے بادشاہت کے انداز میں حکومت کی۔ کیونکہ اس سے پیشتر برعظیم پاک و ہند کے اکثر مسلمان خلیفہ بغداد سے اپنی حکومت کی سند اور اجازت حاصل کر لیتے تھے لیکن سلاطین دہلی نے اس امر کو حکومت کے لئے چنداں ضروری نہ سمجھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس عہد تک خلیفہ بغداد بذاتِ خود ایک کمزور اور غیر مستحکم حیثیت کا حامل رہ گیا تھا۔ جبکہ برعظیم میں مسلمان حکمرانوں کی حالت زیادہ مضبوط اور مستحکم تھی اور یہ زیادہ خود مختاری اور آزادی سے حکومت کرتے تھے۔ گو اسلام بڑی حد تک جمہوری حکومت کی تعلیم دیتا ہے۔ لیکن ان سلاطین دہلی نے اس امر کو بالکل ملحوظِ خاطر نہ رکھا بلکہ بعض اوقات جبراً اور طاقت کے بل بوتے پر وہ مسندِ شاہی پر متمکن رہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہر سلطان کے اختیارات قرآن و سنت ہی کے تابع ہوتے تھے۔ اسی طرح انصاف اور عدل کے تقاضے پورے کرنے کی خاطر بھی قرآن و سنت ہی سے روشنی حاصل کی جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے دوسرے مذاہب کے لوگوں سے مسلمانوں کی یہ روش سب سے زیادہ اعلیٰ اور بہتر دکھائی دیتی تھی۔

سلاطین دہلی میں سے صرف علاء الدین خلجی کے بارے میں بعض لوگوں کا گمان ہے کہ وہ قوانین شریعت کا زیادہ خیال نہیں رکھتا تھا۔ بلکہ وہ ہمیشہ اپنے فوجی، انتظامی سیاسی اور سماجی معاملات نپٹانے کے لئے اسلام کے بنیادی اصول و ضوابط ہی سے اکتساب کرتا تھا۔ گو مسلمانوں کی حکومت میں منصبِ شاہی تو مسلمانوں ہی کے پاس ہوتا۔ لیکن

Marfat.com

کسی دوسرے مذہب یا ذات کے لائق اور ذہین افراد ہر مسلمان حکمران کے عہد میں اعلیٰ قابلِ قدر مقام حاصل کر لیتے تھے بلکہ محمد بن قاسم نے مالیاتی اور انتظامی امور بڑی حد تک مقامی اور غیر مسلم لوگوں ہی کے سپرد کر رکھے تھے۔

سلاطین نے بعض نہایت اہم اور بے حد سنجیدہ معاملات سے نپٹنے اور ان کے حل کے لئے صلاح مشورہ حاصل کرنے کے لئے "مجلس خلوت" بھی بنا رکھی تھی۔ اس مجلس خلوت میں نہایت با اعتماد اور قریبی عزیز و اقارب اور ذہین لوگوں کو شامل کیا جاتا تھا۔ اس مجلس میں ہر طرح کی رائے کی بھرپور آزادی ہوتی تھی۔ لیکن بعض حالات میں یہ ضروری نہیں ہوتا تھا کہ سلطان کسی کی تجویز یا مشورے کو ضرور ہی مان لے۔ بہر صورت یہ مجلس خلوت سلاطین کو متعدد اچھے اور بہتر مشورے دیتی تھی۔ اس کے علاوہ "دربار عام" میں عام لوگوں اور عوام کے نمائندے اور "دربار خاص" میں خصوصی نمائندے ہوتے تھے ان دونوں مجالس سے بھی سلاطین موقع محل کے مطابق رائے اور ان کی صلاح حاصل کرتے تھے۔

ہر سلطان نے اپنے نظامِ حکومت کے لئے وزارتیں اور وزراء مقرر کر رکھے تھے آغاز میں ایسے وزراء کی تعداد تھوڑی تھی۔ لیکن بعد میں وزراء کی تعداد بیس تک بھی بتائی جاتی ہے۔ حکومتی امور کی بجا آوری کے لئے آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ مالیات اور مختلف محصولات ہی تھا۔ یہ محصولات جاگیرداروں، زمینداروں عطیہ میں دی ہوئی زمینوں اور تجارتی مصنوعات سے حاصل کئے جاتے تھے۔ مالیات اور محصولات کی شرح ہر عہد میں مختلف رہی ہے۔ سلاطین کی معاشی پالیسی عموماً فقہ حنفی کے مطابق رہی ہے۔

ہر طرح کی افواج سلطان کے ماتحت اور اسی کے حکم کی منتظر ہوتی تھی۔ اس عہد کی افواج میں زیادہ تر سپاہی ترکی، ایرانی، ختائی اور ہندوستانی ہی ہوتے تھے۔ فوج کے مختلف شعبے ہوتے تھے۔ صوبائی انتظامیہ کے لئے نائب السلطنت کے عہدے ہوتے تھے۔ ہر نائب السلطنت انصاف اور عدل کے تقاضے پورے کرنے کے ساتھ ساتھ

Marfat.com

انتظامی اور مالی امور پر بھی اختیار رکھتا تھا۔ ہر سلطان کے عہد میں عام لوگوں کی زندگی، صحت عامہ تبلیغ و تدریس اور تعمیر و ترقی پر توجہ دی گئی۔ اسی طرح رفاہ عامہ کے کاموں پر بھی پوری پوری توجہ دی جاتی رہی۔ دستکاریوں اور فنون کی بھی سرپرستی فرمائی گئی اور ملکی مصنوعات کو بیرون ملک بھجوانے کے انتظامات بھی کئے جاتے رہے۔ لوگوں کو تعلیم و تربیت اور فنون کی تربیت کے پورے پورے مواقع دیئے جاتے رہے۔ جا بجا مدرسوں اور مساجد کی تعمیر کی گئی۔ بزرگانِ دین کو دین اسلام کی نشر و اشاعت کے مواقع دیئے گئے۔ بلکہ بعض اوقات بزرگانِ دین کے فیوض سے سلاطین خود بھی بہریاب ہوتے رہے۔

جہاں تک سلاطینِ دہلی کے بعد مغلیہ حکمرانوں کا تعلق ہے اس عہد کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا حصہ ۱۵۲۶ سے ۱۷۰۷ء تک محیط ہے اسی دور میں مغلیہ حکمرانوں کی عظمت کا چرچا، استحکام اور نظامِ حکومت کا دبدبہ تھا۔ بعد کا دوسرا دور ۱۷۰۷ء سے بہادر شاہ ظفر کی وفات تک کا ہے۔ اس دور میں رفتہ رفتہ مغلیہ حکومت ہی نہیں بلکہ برعظیم پاک و ہند میں مسلمانوں کی حکومت زوال آشنا ہوتی ہے اور غیر ملکی یورپی اس برعظیم پر قابض ہو جاتے ہیں۔ مغلیہ حکمرانوں کی حکومت اپنی وسعت کے اعتبار سے کابل سے بنگال اور ہمالیہ سے بحیرہ ہند اور بحرہ عرب تک تھی۔ گو ظاہری طور پر اس عہد میں اتنی وسیع و عریض حکومت کو قابو میں رکھنا بڑا مشکل کام تھا۔ لیکن حکمرانوں نے نیم فوجی اور نیم شہری نظام کے تحت اس طرح کا بندوبست کر رکھا تھا کہ اس میں ہر طرح کے عدل و انصاف کے تقاضے بھی پورے ہوتے تھے اور انتظامی امور بھی طے پاتے تھے، بلکہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ عدل و انصاف کی انتظامیہ کی بالا دستی تھی۔ اس لئے لوگوں میں کسی طرح کی بے چینی یا ابتری نہیں تھی۔

حکومت کی مرکزی انتظامیہ میں متعدد وزارتیں ہوتی تھیں۔ اسی طرح صوبائی سطح پر بھی نظام قائم تھا۔ عدالتوں سے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ دوسرے مذاہب کے

Marfat.com

لوگوں کو بھی پورا پورا انصاف ملتا تھا۔ قاضی القاضات مسلمانوں کے مقدمات نمٹاتا تھا اور اسی سے ہندو بھی انصاف طلب کرتے تھے۔ اسی طرح انصاف کے لئے قاضی اور مفتی بھی تعینات کئے ہوتے تھے۔

مغلیہ حکومت میں حکومت کو مرکزی اور صوبائی ہر دو طرح سے آمدنی ہوتی تھی۔ مختلف اقسام کے مالیات اور محصولات نافذ تھے۔ مالیات کے لئے ایک الگ محکمہ اور اس کے عہدیدار تھے۔ مغل شہنشاہوں نے حتی الامکان کوشش کی کہ ان کے عہد حکومت میں ملک ترقی کرے۔ لوگوں میں امن و آشتی رہے۔ لوگوں کا معیار زندگی بلند ہو۔ زراعت اور صنعت و حرفت ترقی کرے اور اسی طرح تجارت بھی فروغ پائے۔ یقیناً مغل حکمرانوں نے اس کے لئے بہت کوشش کی اور ملک کو خوشحال اور ہر طرح کی ترقی سے ہمکنار رکھا۔ یہی نہیں بلکہ لوگوں کو صحت کے لئے شفاخانے، مفت علاج کی سہولتیں اور علم و ادب کے حصول کے بہتر مواقع فراہم کئے۔ بلکہ اکثر علوم و فنون کی سرپرستی سرکاری سطح پر کی گئی۔ ایسی سرپرستی جاگیردار بھی کرتے رہے، اسی عہد میں اسلامی فنون مثلاً فن تعمیر، فن کتابت اور خوش نویسی وغیرہ نے بھی بہت ترقی کی۔ اس کے ساتھ ساتھ نقاشی، سنگ تراشی مصوری، موسیقی اور دیگر کئی فنون نے بے انتہا ترقی کی۔ ملک نے اقتصادی اور سماجی طور پر بھی قابل ذکر ترقی کی۔ اس عہد میں لوگوں کو طرح طرح کی آسائشوں اور سہولتوں سے بہرہ ور کیا گیا۔ ڈاک کا نظام، سکہ سازی، مسافروں کے لئے آرام گاہیں، سیر و سیاحت کے مقامات، آبپاشی کے لئے نہری نظام میں ترقی، دریاؤں پر شہروں کی موجودگی کو مزید حسین بنانا دور دراز کے شہروں کو پختہ سڑکوں سے ایک دوسرے سے ملانا اور اسی طرح کی دیگر سہولتیں فراہم کرنے میں کسی بھی مغلیہ حکمران نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ مغلیہ عہد میں قالین بافی، کپڑا بافی، ریشم کی مصنوعات، لکڑی کے کام، دھات کاری، زراعت، پھلوں، سبزیوں، گھریلو زندگی کی ضروریات کے حصول وغیرہ میں بھی بڑی قابل رشک حد تک ترقی ہوئی۔ مغلیہ حکمرانوں

Marfat.com

اور جاگیرداروں کی زندگی تو یقیناً آسائشوں کے اعتبار سے مثالی تھی۔ لیکن انہوں نے اپنے اعلیٰ ذوق اور نفاست کی جو نشانیاں تعمیرات، تصنیفات اور کارہائے نمایاں کی صورت میں چھوڑی ہیں۔ ان کی کہیں اور مثال مشکل ہے۔ خلاصتاً یوں کہا جا سکتا ہے کہ برعظیم پاک و ہند مغلیہ عہد حکومت میں کئی حوالوں سے ایک مثالی اور خوشحال ملک تھا۔ یہ ملک اس قدر خوش حال اور اپنے وسائل، مصنوعات اور زرعی دولت سے مالا مال تھا کہ اب دوسرے یورپی ممالک کی اس ملک پر نظریں جم چکی تھیں۔

مسلمانوں کا زوال

برعظیم پاک و ہند میں مغلیہ حکمرانوں نے قریباً دو سو سال تک بڑے تزک و احتشام سے حکومت کی۔ دنیا میں کسی ایک ہی خاندان کی۔ اس قدر طویل اور مستحکم حکمرانی کی مثال نہیں ملتی۔ لیکن اتنی بڑی حکومت کو کیونکہ اور کس لئے زوال آشنا ہونا پڑا؟ اس کی کئی وجوہ ہیں اور بیشتر کا تعلق مغلیہ نظام حکومت سے ہے اکبر کا سارا مالیاتی نظام شیر سوری کے نظام پر استوار تھا۔ اور اس نظام کی جڑیں سلاطین دہلی کے نظام میں تھیں اور قریباً یہی نظام مالیات آج بھی ہمارے یہاں رائج ہے مالیات کی وصولی کے لئے جاگیرداری نظام میں کئی طرح کے عہدیدار اور ملازم تھے۔ اس جاگیرداری نظام کا بنیادی مقصد یہی تھا کہ کوئی چھوٹی خود مختار حکومت قائم نہ ہو سکے۔ اس لئے یہ جاگیرداری نظام بالواسطہ طور پر مرکزی حکومت کے لئے معاون اور مددگار تھا۔

اورنگ زیب عالمگیر کے بیٹے شاہ عالم نے تریسٹھ سال کی عمر میں عنانِ حکومت سنبھالی۔ وہ صرف پانچ سال تک حکومت کرنے کے بعد انتقال کر گیا۔ شاہ عالم بہادر شاہ کی بے وقت موت مغلیہ سلطنت کے لئے ایک دھچکا ثابت ہوئی۔ اورنگ زیب عالمگیر نے مرہٹوں کو دبا کر رکھا تھا۔ لیکن بہادر شاہ نے اپنے عہد میں شیواجی کے پوتے شاہو کو قید و بند سے آزاد کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ بہادر شاہ نے سکھوں کے گورو گوبند سنگھ سے دوستانہ

Marfat.com

تعلقات بحال رکھے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ گوبند سنگھ کی وفات کے بعد بندہ سنگھ نے مغلوں کے خلاف جنگ شروع کر دی۔ اس طرح بہادر شاہ اوّل کی موت کے بعد برعظیم پاک و ہند کی صورت بعینہٖ فیروز تغلق کے بعد والی ہو گئی تھی۔ مغلیہ حکومت اب ٹوٹ پھوٹ رہی تھی کیونکہ بہادر شاہ اوّل کے بعد بادشاہت کے لئے بھی اس کے جانشینوں میں نااتفاقی پیدا ہو گئی تھی۔ لاہور میں اس دور میں فسادات اور لوٹ مار کا بازار گرم ہو گیا تھا۔ اس طرح بہادر شاہ اوّل کا لائق اور محبوب بیٹا شہزادہ اعظم تخت نشین نہ ہو سکا۔ بلکہ اس کے بجائے جہاندار شاہ مستند نشین ہوا لیکن کچھ عرصے کے بعد شہزادہ اعظم کے بیٹے فرخ سیار نے اس صورتحال کو بالکل قبول نہ کیا اور وہ سید برادران کے تعاون سے تخت چھیننے میں کامیاب ہوا۔ بالآخر ۱۷۱۹ میں سید برادران نے فرخ سیار کو قید کر لیا اور پھر اسے قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد دو کٹھ پتلی حکمران محمد شاہ اور بہادر شاہ برسر اقتدار آئے۔ لیکن یہ دونوں بھی سید برادران کے زیر اثر رہے۔ اس دوران میں کٹھ پتلی حکومتیں دور دراز کے علاقوں پر توجہ نہ دے سکیں۔ اس طرح دیگر صوبوں پر اصولی طور پر اور عملی طور پر گورنروں ہی کی حکومت قائم رہی۔ انہوں نے رفتہ رفتہ دربار دہلی سے اپنا تعلق بھی توڑنا شروع کر دیا تھا۔

پنجاب پر زکریا خاں نے حکومت کا آغاز کیا۔ اور اس نے حتی الامکان کوشش کی کہ وہ سکھوں پر اپنا تسلط برقرار رکھے۔ لیکن سکھوں کی بے چینی نے پنجاب کی ساری تجارت کو تباہ و برباد کر دیا۔ اس طرح پنجاب کے مشہور شہروں ملتان، ڈیرہ اسماعیل خاں، سیالکوٹ، گجرات اور لاہور وغیرہ کی خوشحالی خواب و خیال ہوتی گئی۔ تجار نے بہار، بنگال اور کشمیر کی جانب رخ کرنا شروع کر دیا تھا۔

برعظیم پاک و ہند کے شمالی علاقوں میں افغانستان کے روہیلوں نے اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ ان لوگوں نے بھی مغلیہ بادشاہوں کو ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ اسی دوران میں یورپی لوگوں نے رفتہ رفتہ بحرہ ہند کے ساحلوں پر آباد ہونا شروع کر دیا تھا اور انہوں نے

Marfat.com

یورپی اقوام سے تجارت بھی بڑھالی تھی۔ البتہ بنگال پر علی وردی خاں نے بڑی کامیابی سے ۱۷۵۶ء تک اپنا تسلط اور امتیاز برقرار رکھا۔ اسی طرح حیدرآباد دکن میں نظام الملک نے ۱۷۴۸ء تک بڑی خوش اسلوبی سے حکومت کی اور اس نے سلطنتِ دہلی سے بھی رابطہ رکھا۔ صوبہ سرحد اور بلوچستان میں صورت حال یکسر تبدیل ہو چکی تھی۔ کوئٹہ تک غازئی حکومت کرنے لگے تھے۔ صوبہ سرحد میں چند آفریدی حکمران اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ سندھ میں کلہوڑہ حکمرانوں اور پھر داؤد پوتہ حکمران قابض تھے۔

افغان غلزئی حکمرانوں کو نادر شاہ نے ختم کر دیا۔ اس کے علاوہ بھی نادر شاہ نے کئی افغانوں کو شکست دی۔ افغانوں سے نمٹنے کے بعد نادر شاہ بلوچستان کی جانب بڑھا نادر شاہ مشرق کی طرف سندھ میں سے بڑھنا چاہتا تھا لیکن سندھ میں کلہوڑہ حکمرانوں کی مزاحمت پر وہ شمالی علاقوں کی جانب بڑھ آیا اور اس نے مغلیہ علاقوں پر حملے کر کے پہلے کابل پر اور پھر پشاور پر قبضہ کر لیا۔ یہاں سے نادر شاہ نے پنجاب میں دریا آباد اور امین آباد پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد نادر شاہ نے لاہور کی جانب توجہ کی لاہور والوں نے اپنے شہر کو بچا لیا تو وہ دہلی کی طرف بڑھ گیا۔ محمد شاہ کی فوجوں نے نادر شاہ کا مقابلہ کیا لیکن دو ہی گھنٹوں کی جنگ کے بعد نادر شاہ نے مغلیہ حکومت کے مرکز دہلی پر قبضہ کر لیا تھا یہی نہیں بلکہ نادر شاہ نے دہلی میں تباہی پھیلا دی۔ وہ یہاں سے مشہور زمانہ ہیرا کوہ نور جہانگیر کی تصاویر کی البم اور شاہجہاں کا تختِ طاؤس بھی لے گیا۔ اس طرح مغلیہ حکومت کے قبضے سے سندھ اور پنجاب جاتے رہے۔

اسی دوران میں انگریزوں اور فرانسیسیوں نے اپنی تجارت کو ہندوستان کے ساحلوں تک بڑی کامیابی سے بڑھا لیا تھا۔ ہندوستان کے مشرقی ساحلوں پر کرناٹک کا نواب ان غیر ملکیوں کے مقابلے کے لئے کمزور ثابت ہوا۔ اس طرح برطانوی اور فرانسیسی اس پر اپنی جنگی برتری قائم رکھنے میں کامیاب رہے۔ ادھر احمد شاہ ابدالی نے بھی

Marfat.com

برعظیم پر حملوں کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ اس دور میں پنجاب ابتری کا شکار تھا۔ احمد شاہ ابدالی نے ۱۷۴۸ء میں اٹک کے قریب دریائے سندھ کو عبور کیا اور پھر وہ آناً فاناً دریائے راوی کے کناروں تک آن پہنچا۔ لاہور سے ہوتا ہوا وہ دہلی کی جانب بڑھ گیا۔ احمد شاہ ابدالی نے بھی وہی کچھ کیا جو نادر شاہ نے کیا تھا۔ احمد شاہ ابدالی کے مقابلے میں مغلیہ افواج نے سرہند کے مقام پر بھرپور مقابلہ کیا اور پھر اسے دریائے سندھ کے پار بھگا دیا۔

مغلیہ حکمرانوں کے آخری تاجداروں اور کرناٹک کے نوابوں کے بارے میں اب فرانسیسی لوگوں نے بھی مداخلت کرنی شروع کر دی تھی۔ بلکہ یہیں سے ان کی پالیسی "لڑاؤ اور حکومت کرو" یا "بانٹو اور حکومت کرو" واضح ہونے لگی تھی، برعظم پاک و ہند کے حکمرانوں اور لوگوں کو یورپی لوگوں کی فتوحات کی کوئی پرواہ اور خبر نہیں تھی کیونکہ یہ لوگ تو ظاہری طور پر محض تجارت کی غرض سے اس برعظیم میں وارد ہوتے تھے لیکن یہ غیر ملکی تاجر اور سیاستدان مغلیہ حکومت کے زوال اور لوگوں کی بے چینی سے بخوبی آگاہ تھے۔ انہوں نے مغلوں کے مقابلے میں اٹھنے والوں پر پوری نظر رکھی تھی یہی وجہ ہے کہ وہ مرہٹوں اور سکھوں کو آشیرباد دیتے رہے۔

مغل شہنشاہوں کے بعد جانشینوں نے مغلیہ حکومت کی پالیسیوں میں چھوٹی چھوٹی مصلحتوں کے تحت تبدیلیاں کرنی شروع کر دی تھیں۔ لوگوں کو بے جا مراعات دینا شروع کر دی تھیں۔ عاجلہ مفادات اور آسائشوں کو مطمع نظر بنا لیا گیا تھا۔ رقص و سرود اور ناؤ نوش کی محفلوں کو معمول بنا لیا گیا تھا۔ حکمرانوں اور شہزادوں نے اب مشکلات کا مقابلہ کرنے کے بجائے تساہل پسندی اور آرام طلبی کو شعار بنا لیا تھا۔

مغلیہ عہد میں برعظیم پاک و ہند اپنے سونے چاندی، ہیرے جواہرات، قیمتی زیورات اور موتیوں کے باعث بہت متمول تھا۔ اس پر مستزاد یہاں زرعی دولت، علم و ہنر اور فنون میں لوگوں نے بڑی دسترس حاصل کر لی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اکثر مسلمان حکمرانوں نے

Marfat.com

اپنی سلطنت میں رعایا کی فلاح و بہبود اور ان کی بہتری کے لئے زیادہ کوشش کرنے کے بجائے ہمیشہ محصولات اور مالیات حاصل کرنے کی خاطر قلمرو میں وسعت کرنے پر ہی زیادہ توجہ دی۔ اس طرح انتظامی طور پر کئی ایک پیچیدگیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ آخری مغلیہ حکمرانوں کے عہد میں تو بجا طور پر طوائف الملوکی نے جنم لے لیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ دنیا جہاں کی پوری سیاست اب ایک نیا رخ اختیار کر چکی تھی۔ خلافت اور ترکی کی حکومت کمزور ہوتی جا رہی تھی۔ اب یورپی اقوام نے دنیا میں پھیلنا شروع کر دیا تھا۔ خصوصاً یورپ میں لوگوں نے نئے نئے تجربات کرنے شروع کئے تو ان کے اثرات دنیا کی ہر حکومت پر مرتب ہوئے۔ یورپ کی نئی ایجادات نے بھی دنیا جہاں کی آنکھوں کو خیرہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ زوال پذیر مسلم حکمران ان تبدیل ہوتے ہوئے حالات کو نہ بھانپ سکے۔ کہا جاتا ہے کہ بعض آخری مغل حکمرانوں نے اپنی ان خامیوں اور کمزوریوں پر قابو پانے کے لئے کئی غیر ملکی یورپی ماہرین کی خدمات بھی حاصل کر رکھی تھیں۔ لیکن انگریزوں اور فرانسیسیوں نے اسلحہ سازی میں جو برتری حاصل کر لی تھی۔ یہ کمزور حکمران اس کے مقابلے میں خاصے کمزور تھے۔

انگریزوں کی آمد

ایک زمانہ تھا کہ جب برعظیم پاک و ہند میں مغلیہ حکمرانوں کا عروج تھا اور مغلیہ بادشاہت ہر لحاظ سے دنیا کی ایک عظیم حکومت تصور کی جاتی تھی۔ اس وقت پورا یورپ اپنے سیاسی، انتظامی اور سماجی حوالوں سے بہت کمزور اور پست تھا۔ لیکن جب یورپی اقوام نے انگڑائی لی تو انہوں نے اپنی ظلمت کو جلد ہی نور میں بدلنا شروع کر دیا تھا۔

برعظیم پاک و ہند کی ترقی اور یہاں کا متمول ماحول بیرونی دنیا کے لئے ہمیشہ باعث کشش رہا ہے۔ اس لئے اکثر اقوام نے شروع ہی سے برعظیم پاک و ہند کے حکمرانوں سے تجارتی روابط بحال اور برقرار رکھے ہیں۔ سکندر لودھی کے زمانے میں یہاں واسکوڈے گاما

Marfat.com

پہنچا۔ اس نے کالی کٹ کی بندرگاہ میں کچھ عرصہ قیام کیا اور یہاں کے سواحل پہ تجارتی امکانات اور اشیاء کا جائزہ لیا۔ کیونکہ برعظیم پاک و ہند کے سواحل سے بہت بڑی مقدار میں گرم مصالحے یورپی ممالک میں بھجوائے جا سکتے تھے۔ واسکوڈے گاما کی آمد کے قریباً ایک سو سال بعد ہندوستان میں پرتگالیوں نے اپنی تجارتی کوٹھیاں بنانے کی اجازت حاصل کر لی تھی اسی دوران میں عیسائی مشنری بھی جوق در جوق برعظیم پاک و ہند میں آنے لگے تھے انہی عیسائی مشنریوں نے یہاں پہ چھاپہ خانہ کی ایجاد کو متعارف کرایا۔

سولہویں صدی کے اواخر تک پوری یورپی دنیا برعظیم پاک و ہند کی جانب للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس دوران میں انگلستان میں ۳۱ دسمبر ۱۶۰۶ کو ایسٹ انڈیا کمپنی کی بنیاد رکھی گئی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی بنیادی طور پر مشرقی دنیا سے تجارت کے لئے اور بالخصوص جزائر شرق الہند یعنی موجودہ انڈونیشیا وغیرہ میں فیکٹریاں قائم کرنے اور گرم مصالحوں کی تجارت کے لئے بنائی گئی تھی۔ اس کمپنی کے قیام سے پیشتر ولندیزی جو ان علاقوں میں خاصا تسلط حاصل کر گئے تھے۔ انہیں کمپنی نے ہرگز حصہ دار بننے کی اجازت نہیں دی تھی۔ اس لئے کچھ عرصہ تک ہندوستانی ساحلوں پر ولندیزیوں ہی کی بالادستی قائم رہی۔ کچھ عرصے تک ایسٹ انڈیا کمپنی بمشکل تمام صرف سورت میں مقام حاصل کر سکی اور اس کے بعد اس نے رفتہ رفتہ بمبئی، مدراس اور کلکتہ تک اپنا تجارتی تسلط بڑھا لیا تھا۔ اس وقت تک کئی نوجوان اور سیاحت پسند انگریزوں نے بھی اپنی خدمات اس کمپنی کے سپرد کر دی تھیں۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالے سے گو انگریزوں نے برعظیم پاک و ہند میں محض تجارت کی غرض سے قدم رکھے تھے لیکن یہاں کے رحمدل اور مساوات پسند حکمرانوں نے رفتہ رفتہ انگریزوں کو انتظاماتِ حکومت میں بھی ذمے دار عہدے سونپنے شروع کر دیئے تھے۔ جہانگیر نے اپنے عہد حکومت میں ایک انگریز کو منصب دار بھی مقرر کر رکھا تھا۔ مغلیہ

Marfat.com

حکومت میں منصب دار کا عہدہ ایک قابل قدر اور اہم منصب ہوتا تھا اور یہی نہیں بلکہ منصب دار کی اولاد کے لئے بھی مختلف مناصب حاصل کرنے کے مواقع ہوتے تھے۔ اس آغاز کے بعد رفتہ رفتہ انگریزوں نے بھی حسب لیاقت مقام اور منصب حاصل کرنا شروع کر دیا تھا پھر ایک وقت آیا کہ انگریزوں کو باضابطہ طور پہ کئی شہر اور علاقے تفویض کئے جانے لگے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ انگریزوں نے مسلمان حکمرانوں کے زوال کو بھانپ لیا تھا۔ اس لئے انہوں نے ریت کی گرتی ہوئی دیواروں کو سہارا دینے کے بہانے بھی مسلمانوں سے بڑی بڑی جاگیریں اور وسیع علاقے حاصل کر لئے تھے۔

اٹھارہویں صدی عیسوی برعظیم میں انتشار و ابتری کی صدی تھی۔ کیونکہ مرکزی حکومت بالکل کمزور اور برائے نام ہو کر رہ گئی تھی۔ اس صورتِ حال سے ایسٹ انڈیا کمپنی نے بجا طور پر فائدہ اٹھایا اور اس نے اپنے علاقوں اور صوبوں سے اپنے دشمن اور مخالفوں کو نکالنا شروع کر دیا تھا۔ اس نے فرانسیسی لوگوں پہ سختی کا آغاز کر دیا تھا اور پھر لارڈ کلائیو نے فرانسیسیوں کو نکال باہر کیا تھا۔ اس طرح جب انگریزوں کا اور کوئی غیر ملکی مدمقابل نہ رہا تو انہوں نے اب سیاسی طور پر بھی ایک مقام حاصل کرنا شروع کیا۔ انہوں نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ یہاں کے حکمرانوں کو آپس میں لڑایا اور اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے خود بھی بعض کمزور حکمرانوں کے خلاف جدید ہتھیاروں سے جنگیں لڑیں۔ اس طرح ہندوستانی حکمران ان کی ریشہ دوانیوں کا شکار ہوتے رہے۔ اس طرح ایک عہد میں نوبت یہاں تک پہنچی کہ یا تو وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا تسلط مان لیں اور یا پھر وہ اپنا وجود کھو دیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی ان پالیسیوں سے برعظیم پاک و ہند میں ایک کے بعد ایک حکومتیں بنتی رہیں اور جلد جلد زوال آشنا ہوتی رہیں۔ بالآخر انگریزوں نے مغلیہ حکومت کو اس کے انجام تک پہنچا دیا۔ انگریزوں نے اپنا تسلط برقرار رکھنے اور بڑھانے کے لئے ہر طرح کا ظلم و ستم روا رکھا۔ مسلمانوں کے خلاف انہوں نے سکھوں اور ہندوؤں کو بھی اپنے

Marfat.com

ساتھ ملائے رکھا۔ اور بالآخر انگریزوں نے برعظیم پاک وہند میں اپنی حکومت قائم کرلی۔

جب برعظیم پاک وہند میں انگریز اپنی استعماری قوت بڑھا رہے تھے تو اس دوران میں کچھ مسلمان حکمرانوں نے اپنے صوبوں کو آزادی سے ہمکنار کر لیا تھا اور وہاں پر اپنا تسلط برقرار رکھا تھا۔ دکن میں آصف جاہ، اودھ میں سعادت خاں اور بنگال میں مرشد قلی خاں بطور مستحکم اور مضبوط حکمران قائم رہے۔ پنجاب کو پہلے تو احمد شاہ ابدالی نے اپنی حکومت میں شامل کر لیا تھا اور پھر پنجاب پر سکھ غالب آگئے۔

۱۷۱۷ء میں مرشد قلی خاں کو بنگال کا گورنر مقرر کر دیا گیا تھا۔ اس نے انگریزوں کو اپنی حکومت سے حتیٰ الامکان دور ہی رکھا، ۱۷۲۷ء میں شجاع الدین نے اپنی حکومت قائم کر لی تھی، ۱۷۳۹ء میں سرفراز خاں مسندِ بنگال پر بیٹھا۔ اس دوران میں جب سلطنتِ دہلی ختم ہوئی تو بنگال میں بھی بعض منصب داروں نے سازش کر کے بغاوت کر دی۔ سرفراز خاں ۱۷۴۰ء میں بغاوتوں کو فرو کرتا ہوا مارا گیا۔ تو بنگال میں علی وردی خاں برسرِ اقتدار آیا۔ علی وردی خاں چونکہ زیادہ اہل اور لائق منتظم تھا۔ اس نے بغاوتوں کو دبایا اور مرہٹوں کے خلاف بھی وہ برسرِ پیکار رہا۔ علی وردی خاں نے انگریزوں اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ بہتر تعلقات قائم کر رکھے تھے۔ یہی نہیں بلکہ علی وردی خاں نے اپنے صوبے میں مقیم انگریزوں کو آپس کی شورشوں سے بھی محفوظ رکھا ہوا تھا۔

۱۷۵۶ء میں علی وردی کی وفات پر اس کا پوتا سراج الدولہ مسند بنگال پر قابض ہوا لیکن میر جعفر ہمیشہ اس کی حکومت کے درپے رہا۔ سراج الدولہ انگریزوں کے شدید خلاف تھا۔ وہ ان کی پالیسیوں اور وسعت پسندانہ خیالات سے انکار کرتا تھا۔ انگریز بھی اس کی حیثیت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ اس لئے انگریزوں نے اس کی اجازت کے بغیر ہی کلکتہ میں قلعے بنانے شروع کر دیئے تھے۔ اس پر سراج الدولہ نے انگریزوں پر حملے کر کے انہیں کلکتہ سے مار بھگایا تھا اور قاسم بازار فیکٹری پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ اسی طرح سراج الدولہ

Marfat.com

نے میر جعفر کے پشت پناہ پورنیہ کے شوکت جنگ پر بھی حملہ کیا اور اس کا کام تمام کر دیا۔

نواب سراج الدولہ کی ان فتوحات اور شدید رویے سے انگریز بوکھلا گئے تھے۔ لہذا انہوں نے لارڈ کلائیو اور ایڈمیرل واٹسن کو اس مہم پہ روانہ کیا۔ کلائیو اور واٹسن نے جلد ہی جنگ کے بعد کلکتہ اور قاسم بازار فیکٹری کو سراج الدولہ کے قبضے سے چھڑا لیا۔ اس کے بعد ۱۷۵۶ء میں پھر کلائیو، واٹسن اور آئر کوٹ نے جنگی بحری جہازوں سے بنگال پر چڑھائی کر دی۔

نواب سراج الدولہ اس وقت دیگر بغاوتوں اور مشکلات سے دوچار تھا اور ادھر دہلی میں احمد شاہ ابدالی بربادی کا موجب بن رہا تھا۔ لہذا سراج الدولہ نے اومی چند کے ذریعے سے انگریزوں سے امن کے لئے بات چیت کرنے کی رضامندی کا اظہار کیا۔ اس طرح ایک اور سازش کے تحت میر جعفر کو نواب بنا دیا گیا اور میر جعفر نے انگریز حکومت کو تسلیم کر لیا۔

لیکن اسی دوران میں انگریزوں نے سراج الدولہ کے خلاف معاہدہ شکنی کا الزام لگایا کہ اس نے فرانسیسیوں کو تحفظ دیا ہے اس بہانے کے بعد انگریزوں نے لارڈ کلائیو کی سرکردگی میں نواب سراج الدولہ کے خلاف لشکر کشی کی۔ اس طرح پلاسی کے مقام پر نواب سراج الدولہ اپنی فوجوں کے ساتھ کلائیو کے مقابلے میں آیا۔ کئی دنوں تک بڑی گھمسان کی جنگ ہوئی سراج الدولہ کے دو بڑے ماہر اور معتمد جنرل میر مدن اور بہادر خاں شہید ہو گئے۔ اس کے بعد نواب سراج الدولہ بہتر طور پر انگریزوں کا مقابلہ نہ کر سکا اس دوران میں میر جعفر نے ایک غدار کے طور پر نواب سراج الدولہ کے ساتھ اپنی وفاداری کا اظہار کیا لیکن غداری کر کے اس نے نواب سراج الدولہ کو شہید کروا دیا۔ اس طرح انگریزوں نے ۱۷۵۷ء میں پلاسی کی جنگ جیت کر ایک بہت بڑا معرکہ سر کر لیا۔ حسب وعدہ انگریزوں نے میر جعفر کو ایک اہم مقام دیا۔ نواب سراج الدولہ کی شہادت سے انگریزوں کا ایک بہت بڑا مخالف ختم ہو گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی برعظیم پاک و ہند میں مسلم حکومت کے اختتام پر ایک کاری ضرب لگی تھی۔ سراج الدولہ کی شہادت کے بعد انگریزوں نے

Marfat.com

میر جعفر اور میر قاسم کو بنگال میں بطور کٹھ پتلی گورنر مقرر کر کے چند برس کے بعد انہوں نے الہ آباد تک کے علاقے کو اپنے قبضے میں لے لیا۔

دکن میں بمبئی اور مدراس تک انگریزوں نے پہلے ہی تسلّط حاصل کر رکھا تھا۔ لیکن اب بنگال کی فتح کے بعد انگریزوں کے قدم اور بھی مضبوط ہو گئے تھے۔ احمد شاہ ابدالی نے گو مرہٹوں کو بڑی حد تک تہہ تیغ کیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود مرہٹوں نے دکن میں نظام حیدر آباد اور حیدر علی کے ساتھ میسور میں جنگیں جاری رکھیں۔ حیدر علی ایک اعلیٰ درجے کے منتظم اور جرنیل تھے انہوں نے انگریز دشمنی برقرار رکھی اور ان کے خلاف برسرپیکار رہے۔ گو حیدر علی کو زیادہ کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ لیکن ان کی مزاحمت اور انگریز دشمنی انگریز حکومت کے لئے ایک مستقل خطرہ بنی رہی۔ حیدر علی نے آغاز میں مرہٹوں کے خلاف بہت جنگیں کیں اور اپنا مقام برقرار رکھا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک وقت حیدر علی نے مرہٹوں کے خلاف انگریزوں سے بھی تعاون اور مدد طلب کی تھی۔ لیکن انگریزوں نے کوئی مدد نہ کی اس طرح حیدر علی ہمہ وقت مراٹھوں سے برسرپیکار رہا۔ اس دوران میں کسی طرح کی مدد کرنے کے بجائے انگریزوں نے حیدر علی پر کئی طرح سیاسی حملے کئے بالآخر حیدر علی اور انگریزوں کی براہ راست جنگوں کا آغاز بھی ہو گیا۔ حیدر علی کو چند ایک معمولی کامیابیاں بھی نصیب ہوئیں۔ لیکن انگریزوں نے کئی طرح جنگی چالوں مصلحتوں اور وعدہ خلافیوں کے بعد بالآخر اس حریت پسند سپوت حیدر علی کا ۱۷۸۲ء میں خاتمہ کر دیا۔

حیدر علی کی طرح اس کا جانشین جنگجو اور بہادر بیٹا ٹیپو سلطان جب ذرا مستحکم ہوا تو اس نے بھی انگریز دشمنی کو اپنا ایمان بنایا اور اس نے انگریز کی استعماری فطرت کو ہرگز پسند اور قبول نہ کیا۔ انگریزوں نے اس سپوت حریت کو بھی ہمہ وقت شدید جنگوں میں الجھائے رکھا۔ فتح علی ٹیپو سلطان نے انگریزوں کے ساتھ نہایت پامردی کے ساتھ جنگیں جاری رکھیں اور بلا مبالغہ انگریزوں کو بہت نقصان پہنچایا۔ انگریزوں نے

Marfat.com

اسی نقصان سے بچنے کے لئے ۱۷۸۴ میں معاہدہ منگلور کیا۔ لیکن یہ معاہدہ منگلور بھی امن و امان کی کیفیت برقرار نہ رکھ سکا کیونکہ اس سے پیشتر بھی ٹیپو سلطان انگریزوں کی چالبازیوں سے بخوبی واقف تھا۔ اس لئے ٹیپو سلطان نے جلد ہی جان لیا کہ انگریز کے یہ معاہدے محض اس کی عیارانہ چالیں ہیں۔ یہی ہوا۔ انگریزوں نے میسور میں بالواسطہ ایک جنگ شروع کردی۔ لیکن جلد ہی جنگ کے دو فریقوں نے آپس میں معاہدہ کرلیا۔

۱۷۹۰ء میں ایک بار پھر مرہٹوں، نظام اور انگریزوں نے آپس میں ایک معاہدہ کرلیا اس کے بعد ٹراونکور کی جنگ شروع ہوئی۔ اس میں لارڈ کارنواس نے خود حصہ لیا۔ لیکن ٹیپو سلطان کو برتری حاصل رہی۔ گو ٹیپو سلطان نے ظاہری طور پر برتری حاصل کرلی تھی۔ لیکن اسے برقرار رکھنا ایک مشکل کام تھا۔ اس کے بعد سرنگا پٹم کی مہم میں ٹیپو سلطان کو مجبور کردیا گیا کہ وہ ایک نہایت ناپسندیدہ معاہدہ پر بھی دستخط کردیں۔ اسی دوران میں ہندوستان میں برطانوی گورنر جنرل ولزلے کو بنایا گیا۔ ولزلے نے بھی ٹیپو سلطان کے خلاف اپنی پالیسی میں کوئی نرمی یا لچک پیدا نہ کی۔ بلکہ ٹیپو سلطان کی حکومت پر حملہ کرنے کے بہانے کی تلاش میں رہا۔ لارڈ ولزلے نے جنرل ہیرس کو یہ ذمے داری سونپی کہ ٹیپو سلطان کو بہر طور ختم کردیا جائے۔ جنرل ہیرس نے ٹیپو سلطان پر حملہ کردیا۔ اب کی بار ٹیپو سلطان نے انگریز کا براہ راست مقابلہ کرنے کو جنگی نقطہ نظر سے بہتر جانا اور اس نے جنگ میں کئی حوالوں سے کامیابیاں حاصل کیں۔ لیکن انگریزی فوج کی عددی برتری اور جدید ساز و سامان اور مسلمانوں کی غداریوں نے ٹیپو سلطان کے لئے جنگ میں نہایت نازک صورت حال پیدا کردی۔ فتح علی ٹیپو سلطان ایک سچے اور بہادر حب الوطن کی طرح بڑی بہادری کے ساتھ لڑتا رہا۔ ٹیپو سلطان ہر سطح پر دشمن کے مقابلے میں قوی رہا اور پامردی سے قائم رہا۔ لیکن انگریزی فوج نے چاروں طرف سے گولہ باری کرکے ٹیپو سلطان کو خود بھی زخمی کردیا۔ ٹیپو سلطان اپنی آخری سانس تک لڑتا رہا اور بالآخر دشمن نے اسے شہید کردیا۔ اس

Marfat.com

طرح برعظیم پاک وہند میں انگریزوں کا سب سے بڑا بہادر باغیرت اور شدید جذبہ حریت کا مالک دشمن ختم ہوگیا۔ ٹیپو سلطان کی شہادت پر تمام انگریزی حکومت میں جشن منائے گئے اور پورا ہندوستان انگریزی تسلط میں آگیا۔

۱۷۹۸ء میں فتح علی ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد انگریزوں نے برعظیم کی وسطی ریاستوں کو بھی اپنے قبضے میں لینا شروع کر دیا تھا۔ پھر ۱۸۰۳ء تک انگریز دہلی میں حاکمانہ انداز میں بھی داخل ہو چکے تھے۔ انگریزوں نے اپنی شاطرانہ چالوں سے مسلمانوں کو زندگی کے تمام شعبوں سے خارج کرنا شروع کر دیا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنے پنجوں کو زیادہ مضبوطی سے گاڑنے پر توجہ مرکوز کر دی تھی۔ انگریزی حکومت صرف مسلمانوں کو پس پشت ڈال کر خود مسند حکومت کے تمام امور پر غالب تھی۔ انگریزوں نے مسلمانوں کے اس زوال کے بعد برعظیم پاک وہند میں مشنری بنیادوں پر زیادہ فعال کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس طرح مسلمان رفتہ رفتہ ایک محکوم اور بے یار و مددگار قوم اور اقلیت بن کر رہ گئے تھے۔

Marfat.com

باب۔ ۴

مسلمانوں کی جدوجہد آزادی ۱۸۵۷ء

مسلمانوں کی جنگ آزادی

۱۸۵۷ء کا سال اس لحاظ سے تاریخ پاک و ہند میں اہم ہے کہ ایک تو اس سال مسلمانوں نے ہندوستان میں اپنی سلطنت کو انگریز حکمرانوں سے آزاد کرنے کی آخری بھرپور کوشش کی۔ دوسرے اس سال مغلیہ سلطنت کا آخری چشم و چراغ بھی ختم کر دیا گیا۔ یہ جنگ آزادی میں ایک ایسا مسلمان گھرانہ اور شخص نے حصہ لیا اور مرہٹوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں پر جو انگریز حکمرانوں نے جفا روا کر دی تھی اور انہیں زندگی کے ہر مقام اس سے محروم کر رکھا تھا اس سے مسلمانوں میں ایک شدید ردعمل پیدا ہوا۔ اس صورت حال میں ہندوستانی انگریزوں کی حکمران فوجوں کے اندر ہی سے سوچنا تھا اور فوج میں ایک طرح سے مسلمانوں اور ہندوؤں کی انگریز فوجیوں سے جنگ جاری ہو چکی تھی۔ یہی جنگ بڑی تیزی کے ساتھ پھیلتی گئی اور اس جنگ میں عام شہریوں نے بھی حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔

Marfat.com

گو جنگ آزادی کے آغاز کی بے شمار وجوہ تھیں۔ لیکن بڑی وجوہات سیاسی، سماجی مذہبی اور معاشی ہی تھیں۔ یہ تمام وجوہات اس قدر شدید اور اہم تھیں کہ جنگ آزادی کے لئے حریت پسند مسلمان کوئی باضابطہ منصوبہ بندی بھی نہ کر سکے اور انہوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ حکمران انگریز طبقہ کس قدر طاقت ور اور کس قدر جدید جنگی چالوں سے آشنا اور اسلحے سے مسلح ہے۔ چونکہ انگریزوں کے برعظیم پر قبضے کی بدولت ان کی تہذیب و تمدن بھی نفوذ کرنے لگی تھی۔ اس لئے پرانے نظریات و خیالات معدوم ہونے لگے تھے اور ایسٹ انڈیا کمپنی نے جذباتی طور پر بھی لوگوں کو مشتعل کرنا شروع کر دیا تھا۔ انگریز افسروں نے مشنریوں کا ساتھ دینا شروع کر دیا تھا اور وہ ایک طرح سے مشنریوں کے ساتھ تعاون کر کے عیسائیت کے فروغ کے لئے بھی کام کرنے لگے تھے۔

انگریزوں کی مذہبی مداخلت

یہ حقیقت اپنی جگہ پر مسلمہ ہے کہ حکمران انگریزوں کے مذہبی خیالات بالکل ہندوستانی لوگوں کے مذہبی خیالات سے متفق نہیں تھے۔ انگریزوں کے سماجی طور طریقے بھی یہاں کے لوگوں کے لئے بڑے نرالے اور بے باک سے تھے اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے تو لوگوں میں عیسائیت کا پرچار کھلے بندوں کرنا شروع کر دیا تھا اور یہی نہیں بلکہ عیسائیت قبول کرنے والوں کے لئے کئی طرح کی مراعات اور تحفظات کی جھلک بھی دکھانی شروع کر دی تھی۔ ایسے قوانین بھی بنا لئے گئے تھے کہ اگر کوئی شخص عیسائیت قبول کر لیتا ہے تو اس کے موروثی حقوق بھی قائم رہیں۔ عیسائیت کے لئے مزید کئی طرح کی دلکشیاں اور رنگینیاں بھی پیدا کر لی گئی تھیں۔

ایک جانب انگریزی فوج کے ملازم جو ہندوستان کے باشندے تھے وہ اب تک اپنے حکمرانوں سے شدید نالاں ہو چکے تھے اور اس کے ساتھ ہی اب فوج میں

Marfat.com

سوریا گائے کی چربی والے کارتوس بھی استعمال ہونے لگے تھے ان کارتوسوں کے استعمال نے مسلمانوں اور ہندوؤں کے مذہبی جذبات پر براہ راست ضرب لگائی اور انگریزوں کی اس کارروائی کے خلاف شدید غم و غصہ پیدا ہو گیا۔ حکمران طبقے نے ایک ایک فرد کو مجبور کرنا شروع کر دیا تھا کہ وہ عیسائیت قبول کر لے۔ انگریزوں کی اس پالیسی نے مسلمانوں اور ہندوؤں میں یکساں طور پر ردِ عمل ابھارا۔ کیونکہ کسی بھی مضبوط سے مضبوط مسلمان شاہنشاہ نے اس سے پیشتر کبھی جبراً لوگوں کو اپنا مذہب بدلنے پر مجبور نہیں کیا تھا اور اگر کوئی بھی مسلمان حکمران اس روش کو اپناتا اور رواداری سے کام نہ لیتا تو شاید اس خطۂ ہند پر مسلمانوں کے سوا ایک بھی کوئی غیر مذہب موجود نہ ہوتا۔

مجاہدین آزادی

مغلیہ سلطنت کے آخری چشم و چراغ بہادر شاہ ظفر کو اس عہد میں انگریزوں نے محصور اور مقید کر کے محض لال قلعہ تک محدود کر رکھا تھا۔ اب صورت حال یہاں تک پہنچ چکی تھی اس شاہی خاندان کو عام لوگوں کا سا معیار اور وقار نہیں دیا جاتا تھا۔ لارڈ ڈلہوزی نے تمام لوگوں سے ان کے القاب اور خطابات بھی چھین لئے تھے۔ اس طرح بھی لوگوں کے جذبات مجروح ہوئے اور لوگوں میں غم و غصہ کے ساتھ ساتھ بے چینی اور ابتری نے جنم لیا۔ اسی دوران میں انگریزوں نے بڑی مکاری کے ساتھ سلطنت اودھ کو اپنے ساتھ ملا کر اس کا تشخص ختم کر دیا تھا اور اس کے اسی ہزار فوجیوں کو سبکدوش کر کے بیروزگار کر دیا تھا۔ اس طرح بھی ملک میں بے چینی اور اضطراب بڑھ گیا تھا۔ انگریزوں نے صرف اودھ پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ مزید کئی ریاستوں کو بھی اسی طرح دیکھتے دیکھتے ختم کر دیا۔

معاشرتی اور معاشی طور پر فوج میں موجود ہندوستانی لوگوں کے ساتھ بدسلوکی کی جاتی تھی۔ ان کی تنخواہیں مقابلۃً تھوڑی تھیں اور انہیں مناسب عہدہ بھی نہیں دیا جاتا

Marfat.com

تھا۔ سیاسی طور پر بھی انھیں فوج میں کسی اعلیٰ عہدے تک نہیں پہنچنے دیا جاتا تھا۔ انگریزی ان پالیسیوں کے خلاف تو عوام الناس کے دلوں میں بھی منافرت پیدا ہو چکی تھی۔ اس حوالے سے شاہ عبدالعزیز، سید احمد شہید اور سید اسماعیل شہید نے باقاعدہ تحاریک شروع کر دی تھیں۔ ان سے پیشتر شاہ ولی اللہ بھی اسی احیاء کی تحریک کے لئے کام کرتے رہے تھے۔ انگریزوں نے مسلمانوں کی اس ابتری اور بے چینی کو محسوس کرنا شروع کر دیا تھا اور انھوں نے جان لیا تھا کہ مسلمان بہر صورت انگریزی حکومت کے لئے ایک مستقل خطرہ بنے رہیں گے۔

برعظیم پاک و ہند میں انگریز حکمرانوں کے خلاف عدم اطمینانی تو شروع ہی سے برقرار تھی۔ ان کے خلاف لوگوں میں ایک شدید ردِ عمل پایا جاتا تھا یہ ردِ عمل ایک طرح کی تحریک کا درجہ اختیار کر گیا تھا۔ اور اس تحریک میں مولوی احمد اللہ، مولوی احمد شاہ فیض آبادی نانا صاحب، تانتیا ٹوپی، مولوی عظیم اللہ، رانی جھانسی، کنور سنگھ، فیروز شاہ اور دیگر کئی مجاہدین شامل ہو چکے تھے۔

مسلمانوں کی اس جدوجہد آزادی کا سب سے پہلے جنوری سے مارچ ۱۸۵۷ء میں ڈم ڈم اور بارکپور میں اظہار ہوا۔ یہاں پر ہندوستانی سپاہیوں نے چربی والے کارتوس استعمال کرنے سے صریحاً انکار کر دیا تھا۔ ہندوستانی فوجیوں کے اس عمل نے انگریز فوجی افسروں کو بہت مشتعل کیا۔ انگریز افسروں نے ایسے انکار کرنے والے سپاہیوں کو فوراً معطل کر دیا۔ گو انگریز حکمرانوں نے ہندوستانی سپاہیوں کو معطل کر کے یہ سمجھ لیا تھا کہ انہوں نے صورتحال کو سنبھال لیا ہے۔ لیکن حالات میں بدستور نزاع برقرار رہی اور لوگوں میں انگریزوں کی اس کارروائی کے خلاف بھی ایک لاوا پکتا رہا۔ بلکہ ادھر انگریزی حکومت کے اس اقدام نے انگریزوں کو مزید شہ دے دی تھی کہ وہ جس طرح چاہیں ہندوستانی سپاہیوں کو دباتے رہیں۔ لیکن اسی دوران میں میرٹھ کی بارکوں میں موجود ہندوستانی سپاہیوں نے بھی یہ خاص کارتوس استعمال کرنے سے انکار کر دیا یہی نہیں بلکہ انگریز حکمرانوں کو اس

Marfat.com

اقدام پر برا بھلا کہا۔ انگریزی فوج کے افسروں نے ایسے باغی سپاہی کے خلاف فوجی کارروائی کر کے انہیں قید کر دیا۔ اس طرح قریباً پچاسی ہندوستانیوں کو قید کی سزا دی گئی۔ لہٰذا اس تشدد پر ہندوستانی فوجیوں نے بغاوت کر دی اور سب سے پہلے انہوں نے انگریز فوجی افسروں کو اپنے تشدد کا نشانہ بنایا اور شدید غم و غصے کا اظہار کیا۔ ہندوستانی سپاہی اس کے بعد دہلی کی جانب بڑھ آئے اور انہوں نے یہ عزم ظاہر کیا کہ وہ ایک بار پھر دربار مغلیہ وقار بحال کر کے ملک میں مسلمانوں کی حکومت قائم کر دیں گے۔

ہندوستانی سپاہیوں کے اس آغاز پر دہلی نوچ نصیر آباد اور انبالہ کے ہندوستانی فوجیوں نے بھی میرٹھ کے سپاہیوں کا ساتھ دیا۔ اس طرح ان مجاہدین کی تعداد سی ہزار تک ہو گئی۔ ہندوستانی سپاہیوں کی اس فوج نے مغلیہ شاہی مرکز کی جانب رجوع کیا۔ اس بغاوت اور مسلمانوں کی جدوجہد کی شدت کا نتیجہ یہ نکلا کہ وقتی ایک بار پھر انگریز حکمران سرزمین ترہوت، روہیلکھنڈ پردیش اور بہار سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ ہندوستانی مجاہدین نے ایک بہت بڑے حصے کو واگزار کروا لیا تھا صرف آگرہ میں کچھ عناصر باقی تھے اور آرہ کا قلعہ انگریزوں کے قبضے میں رہ گئے۔

ہندوستان کے ان مشترکہ فوجی دستوں نے بہادر شاہ ظفر کے لال قلعہ پر بھی قبضہ کر لیا اور انہوں نے مغلیہ وقار اور سلطنت بحال کرنے کے لئے انتھک کوششیں کیں۔ اس طرح جدید فوج کے زیر اہتمام ایک نئی انتظامیہ قائم کر دی گئی لیکن یہ مسلمانوں کی دیرینہ برقرار نہ رہ سکی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مجاہدین بغیر کسی منصوبہ بندی اور ایک سربراہ کے ساتھ اشتراک و تعاون کے بغیر یہ جنگ آزادی لڑ رہے تھے۔ اس لئے انگریز جاسوس ان کی خامیوں اور منصوبوں سے واقف ہوتے رہے۔ ویسے بھی ہر طرح کی موجودگی کا موثر نظام بھی انگریزوں ہی کے پاس تھا۔ اس لئے بھی یہ ہندوستانی سپاہی انگریز کا مقابلہ نہ کر سکے۔

Marfat.com

میرٹھ اور انبالہ میں موجود انگریز افسروں اور سپاہیوں نے بڑی عجلت اور کوشش سے دوبارہ لشکر تیار کیئے۔ اسی اثنا میں جان لارنس نے پنجاب میں انگریزی سپاہیوں کی مدد کی خاطر تازہ دم فوجی دستے روانہ کر دیئے اور ان دستوں میں سکھ سپاہی بھی شامل تھے۔ اسی طرح ان فوجی دستوں نے مجاہدین آزادی کے خلاف زیادہ شدید کارروائی کرنی شروع کر دی۔ اس کے علاوہ انگریزوں کے پاس اسلحے کی فراوانی تھی ان کا اسلحہ جدید تھا اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک خاص طرح کی منصوبہ بندی سے ان مجاہدین سے نمٹ رہے تھے۔ ان کی جنگ کی حکمت عملی بھی مجاہدین سے مختلف اور بڑی حد تک موثر تھی۔ وہ ہندوستانی سپاہیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے دہلی شہر میں پہنچ چکے تھے۔ مجاہدین لڑتے رہے اور شہید ہوتے رہے۔ اس وقت بوڑھے بہادر شاہ ظفر نے ہمایوں کے مقبرے میں حضرت نظام الدین اولیاء کے مزار کے پاس پناہ لے رکھی تھی۔

دہلی میں مجاہدین آزادی، حریت کے پروانوں اور انگریزی استعماری قوتوں اور انگریزی حکومت کے بہی خواہ فوجیوں کے درمیان گھمسان کی جنگ جاری تھی۔ آزادی کے پروانے، شمع آزادی پر نثار ہو رہے تھے۔ اور انگریز پورے شہر کو اپنے قدموں تلے روند رہا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ مجاہدین حریت بھی دشمن پر کاری ضربیں لگا رہے تھے۔ کئی انگریز جنرلز اور نامی گرامی سپاہی بھی موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے تھے۔ بہر صورت انگریزی فوجوں نے دہلی کو ایک بار پھر اپنے قبضہ میں لے لیا۔ دہلی پر قبضہ ہونے کے بعد انگریزوں نے شہریوں کو بڑی ہی بے دردی کے ساتھ نہایت وحشیانہ انداز میں قتل کرنا شروع کر دیا۔ دہلی کے بازار اور گلیاں قتل عام سے رنگین ہو گئیں کیپٹن ہڈسن نے بوڑھے بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کر لیا اور پھر انہیں عبرتناک انجام دکھانے کے لئے انگریزوں نے ایک طشتری میں مغل شہزادوں، مرزا مغل، مرزا سلطان اور مرزا ابو بکر کے سر ان کے جسموں سے جدا کر کے پیش کیئے۔ لامحالہ اور بوڑھا بہادر شاہ ظفر یہ ظلم و ستم دیکھ کر نڈھال ہو گیا۔ انگریزوں

Marfat.com

نے دہلی میں مجاہدین آزادی کے لئے جو قتل عام کیا اس کی مثال بمشکل ملتی ہے بلکہ بعض انگریز مؤرخ بھی ان کی وحشت اور بربریت کو غیر انسانی عمل قرار دیتے ہیں۔

اسی جنگ آزادی کے دوران میں روہیل کھنڈ میں تو انگریزوں کو مجاہدین نے اس قدر مار بھگایا تھا کہ گمان تھا کہ شاید اس سرزمین میں کوئی بھی انگریز موجود نہیں ہے اور انگریزی حکومت کا بالکل صفایا کر دیا گیا ہے۔ بریلی کا نواب بہادر خاں بھی مجاہدین حریت کا ایک بہت بڑا ہمدرد تھا۔ اس نے مجاہدین کی پشت پناہی کی اور انہیں پورا پورا تحفظ بخشا، لیکن اس مرکز کو انگریزوں نے گورکھا سپاہیوں کی مدد سے سر کر لیا تھا۔ اس طرح روہیل کھنڈ میں ایک بار پھر انگریزوں نے اپنا تسلط بحال کر لیا۔

کانپور میں نانا صاحبؒ مجاہدین حریت کی قیادت کر رہے تھے۔ برطانوی چھاؤنی پر مجاہدین کے حملوں نے بہت سے انگریزوں کو موت سے ہمکنار کر دیا تھا۔ کئی انگریزوں کی لاشوں کو کنوؤں میں پھینک دیا گیا تھا۔ لیکن اس دوران میں اسی طرح کا کھیل انگریز فوجی اور ان کے حواری سکھ سورہالہ آباد اور بنارس میں کھیل رہے تھے۔ کانپور میں دوسرے علاقوں میں ظلم و ستم سے فارغ ہونے والے انگریزی لشکر پہنچ گئے اور انہوں نے شدید انتقامی کارروائی کر کے مجاہدین کو بری طرح سے کچل کر رکھ دیا۔ مجاہدین کو دبانے اور موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد انگریزوں نے کانپور کے شہریوں کا قتل عام شروع کر دیا اور حقیقت یہ ہے کہ کانپور میں تاریخ کا سب سے بھیانک قتل عام ہوا۔ نانا صاحب روہیل کھنڈ بھاگ گئے اور پھر وہاں سے نیپال چلے گئے لیکن انگریز پوری طرح سے کھل کھیلے۔

مجاہدین نے اودھ اور لکھنؤ میں بھی قابض انگریز حکمرانوں کے خلاف شدید بغاوت کر رکھی تھی اور وہ پوری طرح سے انگریز کے ساتھ ٹکر لے رہے تھے بلکہ مجاہدین نے یہاں پر حضرت محل کی قیادت میں انگریزوں کے خلاف جدوجہد سرگرم رکھی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مجاہدین کے حملوں کی تاب نہ لا کر کئی روز تک انگریزوں کو محض چھاؤنیوں ہی کے اندر

Marfat.com

مقید ہو کر رہنا پڑا۔ لیکن پھر جب کولن کیمپبل انگریزی سپاہیوں کے ساتھ ساتھ گورکھا سپاہیوں کو بھی اپنے ہمراہ لا کر مجاہدین پر حملہ آور ہوا تو یک دم جنگ کا نقشہ ہی بدل گیا۔ یہ گورکھا فوجی نیپال کے بہادر جنگ نے فراہم کئے تھے۔ مجاہدین نے حضرت محل اور اس کے حواریوں کی مدد سے کئی بار دشمنوں کے حملوں کو پسپا کیا۔ لیکن ناکافی اسلحہ، منصوبہ بندی کے فقدان اور جنگی حکمت عملی کی کوتاہیوں کے باعث مجاہدین پر انگریزی اور گورکھا فوج غالب آ گئی۔ ظاہر ہے انگریز نے غلبہ حاصل کرنے کے بعد قتل عام شروع کر دیا۔ حضرت محل بھی ایک روپوش کی طرح نیپال چلی گئیں اور پھر وہیں گمنامی کی حالت میں فوت ہوئیں۔

بندھیل کھنڈ اور وسطی ہندوستان میں جھانسی کی رانی لکشمی بائی نے انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی کا علم بلند کر رکھا تھا۔ بعض دوسرے مجاہدین آزادی نے بھی اس کا ساتھ دیا اور وہ سچ مچ مردانہ وار دیر تک استعماری قوتوں کے خلاف لڑتی رہی۔ لیکن وہ اور اس کے حواری بھی جلد ہی انگریزی فوج کے ہاتھوں شہید کر دیئے گئے۔

جنگ آزادی کی اس پوری تحریک میں پنجاب کی فوجیں اور لشکر ابھی کسی طرح کی حیل و حجت سے محفوظ تھے۔ کیونکہ ان پر جان لارنس کا شدید دباؤ اور کنٹرول تھا۔ ان فوجیوں میں سے جنھوں نے ذرا بھی بغاوت کی تھی انہیں یا تو معطل کر دیا گیا تھا اور یا پھر انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔ تاکہ دیکھنے والے ان کے انجام سے عبرت پکڑیں۔ ویسے بھی پنجاب کے فوجیوں میں سکھوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی اور سکھوں نے انگریزوں کے ساتھ انتہائی درجے کی وفاداری کا اظہار کیا تھا۔ بلکہ سکھوں نے پنجاب کی افواج میں کسی طرح کی بغاوت کو قوت حاصل کرنے سے روکے رکھا اور اس کے ساتھ ساتھ سکھوں نے انتظامیہ کے ساتھ ساز باز رکھا اور مجاہدین کی جاسوسی کر کے انہیں نقصان پہنچایا۔

Marfat.com

مسلمانوں سے انتقام

مسلمانانِ ہند کی یہ جدوجہد آزادی گو ہمہ پہلو تھی۔ اس میں عالمِ دین بھی شامل تھے اور فوجی سپاہی بھی۔ لیکن بعض نہایت اہم بنیادی خامیوں کے باعث ناکام ہو گئی۔ جدوجہد آزادی کے رہنماؤں کی کمی تھی۔ ان مجاہدین کا آپس میں اشتراک و رابطہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ اسلحہ اور آلاتِ جنگ بھی ضرورت سے بہت کم تھے۔ اس لئے مجاہدین کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ انتقاماً انگریزوں نے قتل عام اور ظلم و ستم کو روا رکھا۔ لاکھوں مجاہدین نہتے شہریوں اور عورتوں اور بچوں کو انہوں نے ظالمانہ کارروائیوں سے ہلاک کر دیا۔ مسلمان بالخصوص انگریزوں کی ان کارروائیوں کا شکار ہوئے۔ اس حقیقت کا انگریز مورخین نے بھی اقرار کیا ہے کہ اس جنگ آزادی میں سب سے زیادہ نقصان مسلمانوں ہی کا ہوا اور انہیں ہی سب سے زیادہ مظالم کا شکار ہونا پڑا۔ بعض انگریز مورخین نے مسلمانوں پر ان مظالم کو بڑے تفاخر کے ساتھ بھی بیان کیا ہے اور انگریزوں کی بربریت اور سفاکیت کو بہادری کا نام دیا ہے۔

انگریزوں نے ۱۸۵۷ء کی اس جدوجہد آزادی پر پوری طرح سے قابو حاصل کر لینے کے بعد مزید انتقامی کارروائیاں جاری رکھیں۔ ان کارروائیوں میں بھی انہوں نے مسلمانوں ہی کو نشانہ بنایا۔ مسلمانوں کو سرِعام پھانسیاں دی گئیں۔ سرِعام انہیں قتل کیا گیا۔ بڑی بے دردی کے ساتھ مسلمانوں کو گولیوں سے اڑا دیا گیا۔ یہی نہیں بلکہ مسلمان مجاہدین کی حمایت کرنے والوں کو بھی سخت سزائیں دی گئیں۔ دہلی، لکھنؤ، الہ آباد، کانپور میرٹھ، آگرہ اور بریلی وغیرہ میں قتل عام میں بھی سب سے زیادہ اور سب سے پہلے مسلمانوں ہی کو پیشِ نظر رکھا گیا۔ ان تمام شہروں میں جنگ آزادی نے خونی ہولیاں کھیلی جاتی دیکھیں۔ اس پر مستزاد جنگ آزادی میں عدم منصوبہ بندی اور صرف

Marfat.com

جذباتیت کے باعث مسلمانوں کا سیاسی اور سماجی وقار جاتا رہا۔ جو زندہ بچ رہے انہیں بھی انگریز حکمران تحقیر کی نظر سے دیکھنے لگے۔ مسلمانوں کا وجود اور ان کی سماجی حیثیت بالکل مفقود ہوگئی۔ ایک طرح سے اس برعظیم پاک و ہند میں مسلمان اب ایک نہایت مقہور، مجبور اور بے یار و مددگار اقلیت بن کر رہ گئے۔ کسی کو ان سے کوئی ہمدردی نہیں تھی اور کوئی ان کا پرسانِ حال نہیں تھا۔ بے شمار باعزت مسلمان جیلوں میں ڈال دیئے گئے تھے اور متعدد متمول مسلمانوں کو ان کی جائیدادوں سے محروم کر دیا گیا تھا۔ املاک قرقیاں کر لیں اور ان سے چھوٹی موٹی ملازمتیں بھی چھین لی تھیں۔

اس طرح برعظیم پاک و ہند میں مسلمانوں پر ایک تنزل اور ناآسودگی کا دور شروع ہوگیا۔ نہ ان کا مستحکم وجود رہا اور نہ حکومت ہی رہی۔ وہ ایک شکست خوردہ، مایوس اور کسمپرس قوم بن کر رہ گئے۔ دوسری جانب انگریزوں نے جنگ پلاسی کی فتح کا صد سالہ جشن منایا۔ انگریزوں کو اعزازات اور القابات سے نوازا۔ سکھوں اور گورکھا فوجیوں کو کئی طرح کی مراعات دیں۔

اس جدوجہد آزادی کو دبانے کے بعد انگریزوں نے مسلمانوں کے اس خواب کی تعبیر کو خاک میں ملا دیا تھا کہ وہ شاید مغلیہ حکومت کو دوبارہ جاری و ساری کر سکیں گے۔ یہی نہیں بلکہ مسلمانوں پر یہ بھی واضح کر دیا تھا کہ انگریز دشمن نے برعظیم پر حکومت کرنے کے لئے ہر طرح کا ہتھکنڈہ آزمایا ہے۔

جنگِ آزادی میں انگریزوں نے کامیابی حاصل کرنے کے بعد بہادر شاہ ظفر کو رنگون میں اسیری کے دن گزارنے اور موت کا انتظار کرنے کے لئے بھجوا دیا۔ ادھر ایسٹ انڈیا کمپنی کے بجائے برطانوی ملکہ وکٹوریہ کا راج قائم کر دیا۔ گو ملکہ وکٹوریہ نے برعظیم پاک و ہند کو اپنے تاج برطانیہ کی کالونی کے طور پر تسلیم کرنے کے ساتھ ہی جنگ آزادی کے مجاہدین کے لئے عام معافی کا بھی اعلان کر دیا تھا لیکن یہ اعلان عملی صورت کبھی بھی حاصل نہ کر سکا تھا۔ بلکہ اب تو انگریزی حکومت میں مسلمانوں کے ساتھ نت نئی زیادتیوں اور صعوبتوں کا دور شروع ہوگیا تھا۔

Marfat.com

باب - ۵

نشاۃ ثانیہ اور تحریک پاکستان

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد صرف ایک مختصر سے عرصے کے لئے برعظیم پاک و ہند کے مسلمان مایوسی اور خاموشی کی تصویر بن کر رہ گئے تھے۔ انگریزوں نے اپنا پورا تسلط قائم کر لیا تھا۔ اس کے قریباً ایک ہی سال بعد ۱۸۵۸ء میں انگریزی حکومت نے ایک مسودے کا اعلان کیا۔ اسے اعلان الہ آباد بھی کہا جاتا ہے۔ اس اعلان میں حکومت برطانیہ نے چند ایک حقوق کو بالصراحت تسلیم کر لیا تھا۔ اور اس میں ہندوستانیوں کے حقوق کے بارے میں کہا گیا تھا کہ :۔

۱۔ ایسی پالیسی اختیار کی جائے گی کہ جس میں کسی دوسرے کے مذاہب میں کسی طرح کی مداخلت نہ ہو سکے۔ اس میں لوگوں کے اعتقادات کو بھی پیش نظر رکھا جائے گا۔

۲۔ اس سے پیشتر ہندوستانیوں سے کئے گئے معاہدوں کی پاسداری کی جائے گی۔

Marfat.com

۳۔ ہندوستان کے مزید علاقوں کو اپنی حکومت میں شامل کرنے سے پرہیز کیا جائے گا۔ اور کسی طرح وسعت پسندی کو روا نہیں رکھا جائے گا۔

۴۔ ہندوستانیوں کو پبلک سروس میں بھی ملازمت کے یکساں مواقع فراہم کئے جائیں گے۔

۵۔ ہندوستانیوں کے آباؤ اجداد کی جائیداد اور املاک سے انہیں محروم نہیں کیا جائے گا۔ یہاں کے لوگوں کے رسم و رواج اور دستور کی حفاظت کی جائے گی۔

انگریزی حکومت نے وقتی طور پر شاید ہندوستان کے لوگوں کے جذبات کو تھوڑا سا محسوس کیا اور ان کی خاطر اعلان کی حد تک ہی سہی دلجوئی سے کام لیا۔ لیکن عملی طور پر مذکورہ بالا امور پر کوئی توجہ نہ دی گئی۔ اس کے باوجود مسلمانوں کے متعدد حقوق کو پامال کیا جاتا رہا ان کی املاک اور جائیدادوں کو بدستور غصب کیا جاتا رہا۔ لیکن اس کے باوجود کچھ ایسی تحاریک موجود تھیں کہ جن کی بدولت لوگوں میں زیادہ بے چینی اور بدگمانی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ لوگوں کے لئے تھوڑا سا تحفظ کا پہلو یہ بھی تھا کہ اب کمپنی نے ہندوستان کی حکومت کی باگ ڈور حکومت برطانیہ کے سپرد کر دی تھی اس طرح ایسٹ انڈیا کمپنی کی بدنظمیاں اور بعض امور میں اس کی جانب داریوں کا بھی خاتمہ ہو چکا تھا۔ اس طرح جلد ہی برطانوی اور یورپی فوجیوں کے ساتھ ساتھ ہندوستانی فوجیوں کے درمیان تفاوت اور امتیاز ختم کر دیا تھا۔ ملک میں انصاف کی خاطر کلکتہ، بمبئی، مدراس اور الہ آباد میں ہائی کورٹس قائم کر دیئے گئے اس سے پیشتر کلکتہ، بمبئی اور مدراس میں یونیورسٹیاں قائم کر دی گئی تھیں۔ اب ان میں مزید وسعت پیدا کر کے ان کی ترقی کی جانب بھی توجہ دی گئی تھی۔ اسی طرح گورنر جنرل کی ایگزیکٹو کونسل میں وسعت کی گئی اور چاروں بڑے صوبوں میں سے بھی نصف نمائندگی حاصل کرنے کا وعدہ کیا گیا۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ ممبروں کی نصف نمائندگی غیر سرکاری ممبروں میں سے ہوگی۔

کہنے کو تو انگریزی حکومت نے اعلان الہ آباد میں یہ وعدہ کر لیا تھا کہ ہندوستانیوں کے

Marfat.com

مذاہب اور عقائد میں کسی طرح مداخلت نہیں کی جائے گی۔ لیکن اسی دور میں حکمران طبقے نے وسیع پیمانے پر عیسائیت کا پرچار شروع کر دیا تھا۔ انگریزوں کی سرپرستی میں پادریوں اور ہندوؤں نے مسلمانوں پر مذہبی حملے کرنے کا آغاز کر دیا تھا۔ ان حملہ آوروں کے مقابلے اور پادریوں کے جواب میں ہندوؤں میں رشی سوامی دیانند سرسوتی نے آریہ سماج اور مسلمانوں میں مرزا غلام احمد قادیانی نے جماعتِ احمدیہ کی بنیاد رکھی ایک عرصے تک آریہ سماج اور جماعتِ احمدیہ کی بھی آپس میں ٹھنی رہی۔

اعلان الہ آباد کو بالائے طاق رکھتے ہوئے انگریزی حکومت نے مسلمانوں کو ان کی کئی ملازمتوں سے برخاست کر دیا۔ ان پر مقدمات چلا کر انہیں غدار اور مجرم قرار دے دیا گیا۔ ملازمتوں میں مسلمانوں کا جو تھوڑا بہت حصہ تھا اسے بھی قریباً بالکل ختم کر دیا صورتحال یہ تھی کہ ۱۸۷۱ء میں کلکتہ میں کسی بھی محکمے میں کوئی بھی مسلمان چپڑاسی، ہرکارے، پیادے مسل بردار یا پن مرمت کرنے والوں کے سوا نہیں تھا۔ مسلمانوں کی یہ صورت حال اس قدر مایوس کن اور غیر اطمینان بخش تھی کہ بدلتے ہوئے حالات اور انگریز حکومت کی پالیسیوں سے اتفاق کرنے کے لئے تیار نہیں تھے اسی طرح وہ نئے نظریات اور افکار کو قبول کرنے سے گریزاں تھے۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ ان افکار و نظریات کو تسلیم کرنا شاید خلافِ اسلام ہے یہاں تک چہ میگوئیاں ہونے لگی تھیں کہ انگریزی زبان پڑھنا اسلام کے خلاف ہے۔ خلاصتاً مسلمان بدلتے ہوئے حالات اور وقت کے تقاضوں سے بے خبر تھے۔

ایک طرف مسلمان اپنی محرومیوں کے سایوں میں غلطاں تھے اور دوسری طرف بنگالی ہندو، مدراسی اور مرہٹہ لوگوں نے یورپی علوم و فنون کی جانب زیادہ توجہ دینی شروع کر دی تھی بلکہ ہندوؤں میں تو اس سے قریباً ایک سو سال پیشتر راجہ موہن رائے نے یورپی علوم و فنون کو اپنانے اور اختیار کرنے کی تحریک کا آغاز کر دیا تھا۔ مسلمان ادبار و آلام میں گھرے ہوئے تھے۔

Marfat.com

سرسیّد احمد خاں کی تحریک

سرسیّد احمد خاں ۱۸۱۷ء میں پیدا ہوئے انھوں نے پہلے پہل مغلیہ دربار کی ملازمت اختیار کی اور پھر وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازم ہو گئے جنگ آزادی کے درمیان میں سید احمد خاں نے انسانی ہمدردی کی بنا پر کئی انگریزوں کی جانیں بچائی تھیں۔ سرسید احمد خاں نے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد مسلمانوں کی کسمپرسی اور اخلاقی، اقتصادی اور تعلیمی پستی کا اندازہ کر لیا تھا۔ اس لئے انہوں نے کمال غم خواری، جان سپاری اور ہمدردی کی راہ اختیار کی۔ ۱۸۵۸ء میں سید احمد خاں نے اردو زبان میں ایک پمفلٹ لکھا کہ برعظیم میں جنگ آزادی یا بغاوت کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ انگریز نے ہندوستانیوں کے ذہن کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔

سید احمد خاں مسلمانوں کی زبوں حالی اور ان کی کمزوریوں سے بھی واقف تھے اور وہ ان کی صلاحیتوں سے بھی آگاہ تھے۔ انہوں نے یہ بھی جان لیا تھا کہ اس وقت انگریزوں کی حکومت بہت مضبوط ہے اور اسے مسلمانوں کی جدوجہد سے اس وقت ختم نہیں کیا جا سکتا۔ سید احمد خاں نے اپنے اسی پس منظر کے ساتھ کام کا آغاز کیا انیسویں صدی کے وسط تک سرسید احمد خاں ایک جانب حکومت کی ایک باعزت ملازمت کر رہے تھے اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے تصنیف و تالیف کا کام بھی شروع کر رکھا تھا۔ انہوں نے سب سے پہلے ایک قابل ذکر کتاب "آثار الصنادید" لکھی اس کتاب سے ایک جانب یہ بھی باور کرانا مقصود تھا کہ مسلمانوں کے آباؤ اجداد نے ثقافتی اور سماجی فلاحی کاموں میں بھی بڑی شاہانہ دلچسپی لی ہے اور انہوں نے اپنے اعلیٰ ذوق تعمیر کے بھی بے مثل نمونے چھوڑے ہیں۔ اس کے بعد سید احمد خاں نے ایک اور نہایت اہم کتاب "اسبابِ بغاوت ہند" لکھی۔ اس کتاب میں سید احمد خاں نے ایک طرح سے پورا تجزیہ کر کے رکھ دیا کہ وہ کیا متعدد

Marfat.com

اسباب اور وجوہات تھیں کہ جن کی بدولت برعظیم پاک و ہند کے لوگوں خصوصاً مسلمانوں کو "بغاوت" کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ انہوں نے یہ بھی واضح کرنے کی بھرپور کوشش کی کہ اس جدوجہد میں محض مسلمان ہی ملوث نہیں تھے بلکہ برعظیم پاک و ہند کی دوسری اقوام بھی شامل تھیں۔ سید احمد خاں نے اپنی اس تصنیف میں انگریزوں کی پالیسیوں پر کڑی نکتہ چینی کی اور انہیں ان کی بے جا اور غلط بلکہ متعصبانہ پالیسیوں کے حوالے سے مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک سے آگاہ کیا۔ اور یہ بھی واضح کیا کہ اس ہلچل میں اگر بعض ہندوستانی جذبات بھی کارفرما تھے لیکن ان جذبات کو ابھارنے اور حالات کو اس قدر نزاکت بخشنے اور لوگوں کو جوش دلا کر مشتعل کرنے میں خود انگریزوں کے رویے اور ان کے اپنے خسرانہ نقائص اور جانبداریاں بھی شامل تھیں۔

سر سید احمد خاں نے حکمران طبقے سے بتایا کہ مسلمانوں کی اس جدوجہد کی اصل وجہ انگریز دشمنی نہیں تھی بلکہ اس کے پیچھے کئی سیاسی، سماجی اور معاشی عوامل کارفرما تھے۔ انگریزوں کی اس غلط فہمی کا ازالہ کرنے کی خاطر سید احمد خاں نے ایک پمفلٹ "نصاریٰ" بھی تحریر کیا تھا۔ انہوں نے "اسبابِ بغاوتِ ہند" میں لکھا کہ مسلمانوں کو انگریزی حکومت نے اپنی پالیسیوں اور منصب داریوں سے محروم اور دور رکھا ہوا تھا متعدد ایسے قوانین اور ضوابط بھی بنا رکھے تھے کہ جو صرف ہندوؤں ہی کو ہر طرح کا تحفظ فراہم کرتے تھے اور مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک کیا جاتا تھا۔ حکمران طبقہ ہندوؤں ہی کی دلجوئی کرتا تھا۔ اور ہندوؤں ہی کے مفادات کو مقدم رکھتا تھا۔ ایسے علاقے کہ جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی، وہاں پر مسلمانوں کو ان کے جائز حقوق و مفادات سے محروم رکھا گیا تھا ان کے علاوہ بعض فوجی بدنظمیاں اور انتظامی ناانصافیاں بھی روا تھیں۔

سید احمد خاں نے ایک جانب تو ہر طرح سے انگریزی حکومت کی مسلمانوں کے خلاف غلط فہمیوں کے ازالے کا کام کیا اور اس کے ساتھ ہی دوسری طرف مسلمانوں

Marfat.com

کو مغربی علوم کے حصول کی طرف مائل کیا۔ سر سید احمد خاں کے بارے میں کہا جاتا ہے وہ ایک طرح کے مصلح تھے اور انہوں نے اس اصلاح کے لئے بھی ذریعہ تعلیم ہی کو اختیار کیا۔ انہوں نے مسلمانوں کی تمام خامیوں اور کوتاہیوں کا علاج بھی محض مغربی تعلیم کے حصول ہی کو قرار دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ سر سید نے حکومت سے یہ بھی مطالبہ کرنا شروع کر دیا تھا کہ لیجسلیٹر میں ہندوستانیوں کو بھی اپنے خیالات کے اظہار کا موقع فراہم کیا جانا چاہیئے۔ بلکہ اس اسمبلی میں ہندوستانی ارکان بھی شامل کرنے چاہئیں۔

اس دوران میں سر سید احمد خاں نے مسلمانانِ ہند کی صورت حال کو مزید واضح کرنے اور حکومت کی غلط فہمیوں کے ازالے کے لئے رسالہ "دی لائل محمڈنز آف انڈیا" شروع کر دیا۔ اس رسالے کے ذریعے بھی انہوں نے اسی امر پر زور دیا کہ بغاوت ہند میں مسلمانوں کو مجبور کر دیا گیا تھا کہ وہ اس طرح سے مسلح ہو کر مقابلہ کریں۔ اس سے پیشتر جدوجہد آزادی کے حوالے سے غیر مسلم مصنفین نے جتنی بھی کتابیں لکھی تھیں ان میں مسلمانوں ہی کو سب سے بڑا ہدف بنایا گیا تھا اور انہی کے خلاف حکمران طبقہ کو اکسایا گیا تھا۔ سر سید احمد خاں نے اپنے اس رسالہ میں مسلمانوں پر عائد کئے گئے الزامات کی بالصراحت اور مثالوں سے تردید کی اور مسلمانوں کی صورت حال زیادہ سے زیادہ واضح کرنے کی کوشش کی۔ یہی نہیں بلکہ سر سید احمد خاں نے بائیبل کا ترجمہ بھی کیا اور مزید واضح کیا کہ برعظیم پاک و ہند میں اپنے رسم و رواج، سماجی اور معاشرتی اصول و ضوابط مذہبی تعلیمات اور اشتراک و تعاون کے اطوار و امکانات میں مسلمان ہی سب سے زیادہ رواداری کے پابند ہیں۔ لیکن اب صورتِ حال یہ ہو چکی ہے کہ انہی مسلمانوں ہی کو پس پشت ڈالا ہوا ہے۔ سر سید احمد خاں کا یہ رویہ اور مسلمانوں کی وکالت کسی بھی نہج سے ہندو مخالفت پر مبنی نہیں تھی بلکہ ان کا منشا ہی یہی تھا کہ مسلمان کہ جو ادبار کا شکار ہو چکے ہیں انہیں بھی سماجی زندگی اور معاشرے میں مناسب مقام اور اہمیت دی جائے۔

Marfat.com

ان مقاصد کو پیش نظر رکھ کر سر سید احمد خاں نے ہر پہلو اور ہر طرح سے مسلمانوں کی بہتری اور مسلمانوں کی سماجی ترقی کے لئے کام کیا۔ انہوں نے خاصی دور اندیشی سے کام لے کر مسلمانانِ برعظیم کے لئے ایک محفوظ راہ تلاش کر لی تاکہ وہ قومی بقا اور ارتقا بھی برقرار رکھ سکیں اور تعلیمی سرگرمیوں کو بھی اپنائے رکھیں۔ انھوں نے لامحالہ حالات کے پورے تناظر میں یہ محسوس کر لیا تھا کہ انگریزی حکومت سے سازگاری اور وقتی مفاہمت و مصالحت ہی ان کی اس تحریک کا بنیادی مقصد تھا کیونکہ عین اس عہد میں ہندوؤں نے مسلمان دشمنی کو اپنا شعار بنا رکھا تھا اور وہ انگریزوں کی چاپلوسی اور خوشامد میں کو دقیقہ اٹھا نہ رکھتے تھے، سر سید احمد خاں نے اس پس منظر میں یہ جان لیا تھا کہ مسلمانوں کو علمی زیور سے آراستہ کر کے انہیں ترقی کی راہ پر گامزن کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا انہوں نے غازی پور میں ۱۸۶۴ء میں ایک ٹرانسلیشن سوسائٹی قائم کی۔ اس انجمن ترجمہ کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ یورپی زبانوں نے لٹریچر اور کتابوں کو اردو زبان میں ترجمہ کیا جائے یہی سوسائٹی بعد میں علی گڑھ سائنٹیفک سوسائٹی بنا دی گئی۔ اسی طرح ایک اور سوسائٹی برٹش انڈین ایسوسی ایشن بنائی گئی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کا دارالعلوم سے ایک مستقل رابطہ قائم رکھا جائے۔ ۱۸۶۶ء میں سر سید احمد خاں نے جب اس ایسوسی ایشن کا افتتاح کیا تو انھوں نے ہندو اور مسلم کی تمیز روا رکھے بغیر فرمایا کہ "تمہیں وہ لوگ ہو کہ جو اپنے آپ پر ملامت کرتے رہتے ہو۔ حالانکہ یورپی لوگ زندگی کی تمام آسودگیوں سے فیض یاب ہو رہے ہیں"

اسی عہد میں سر سید احمد خاں نے محض وقتی ضروریات کے لئے ایک کتابچہ "سرکشی ضلع بجنور" اور "خیر خواہانِ مسلماناں" بھی لکھا تاکہ انگریز حکام اس حقیقت سے آگاہ ہو سکیں کہ اگر مسلمانوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے حکام پر ناجائز جبر و تشدد اور ظالمانہ کارروائیاں کی تھیں تو اس کے پس پردہ بھی انگریز حکمرانوں کی پالیسیاں ایسی تھیں کہ ان سے عوام و خواص شدید تکلیف میں مبتلا تھے۔ اس کے بعد سر سید اپنے حقیقی مقصد

Marfat.com

کی جانب متوجہ ہوئے اور انہوں نے رفتہ رفتہ اپنی اصلاحی تعلیمی اور سیاسی مساعی کی جانب توجہ دی، تاکہ مسلمان جو ہندوؤں کے مقابلے میں جدید تعلیم و تربیت میں بہت پیچھے ہیں۔ تعلیم کے میدان میں استقامت اور سلامتی سے قدم بڑھا سکیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ وقت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اپنی کھوئی ہوئی توانائیاں از سر نو حاصل کر سکیں اور اخلاقی لحاظ سے اپنی دینی روایات اور تہذیب کی پابندی کر سکیں۔

۱۸۶۷ء تک سر سید احمد خاں نے بنارس میں اپنی تعیناتی کے بعد برٹش انڈین ایسوسی ایشن کی جانب سے وائسرائے ہند کو ایک تجویز بھجوائی کہ ایک ورنیکولر یونیورسٹی اور بیورو آف ٹرانسلیشن قائم کیا جائے تاکہ یونیورسٹی سطح کی تدریسی نصابی کتابیں اردو زبان میں ترجمہ کی جا سکیں۔ سر سید احمد خاں کی اس تجویز پر ہندوؤں کی جانب سے شدید احتجاج ہوا اور بنارس کے ہندوؤں نے کہا کہ اردو زبان کہ جو فارسی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے اسے سرکاری عدالتوں میں سے ختم کر دیا جائے اور اس کے بجائے ہندی زبان کہ جو دیوناگری میں لکھی جاتی ہے۔ اسے رائج کیا جائے یہ پہلا واضح ثبوت تھا کہ جس سے سر سید احمد خاں نے محسوس کیا کہ ہندو اور مسلمان مشترکہ طور پر ایک قوم کی طرح ہرگز ترقی نہیں کر سکتے اس کے بعد جب سر سید احمد خاں نے بنارس کے کمشنر سے ملاقات کی اور حالات آشکار کئے تو کمشنر بنارس نے کہا کہ یہ پہلا موقع ہے کہ میں سن رہا ہوں کہ سر سید احمد خاں ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ فلاح و بہبود کے بجائے اب محض مسلمانوں کے حق کے لئے بول رہے ہیں اس پر سر سید احمد خاں نے وہ تاریخ ساز الفاظ کہے کہ "اب اس امر کا مجھے بخوبی احساس اور کامل شعور ہو چکا ہے کہ یہ دونوں قومیں کسی بھی کام میں خلوص دل سے شریک نہیں ہو سکیں گی اور کسی مشترکہ کوشش کے لئے ہرگز تیار نہیں ہو سکیں گی۔ جو زندہ رہے گا وہ میری اس بات کی حقیقت کو بذاتِ خود دیکھ لے گا۔"

اسی نوعیت کا ایک خط سر سید احمد خاں نے نواب محسن الملک کے نام ۲۹ اپریل ۱۸۷۰ء

Marfat.com

کو لکھا تھا کہ "یہ وہ تجویز ہے کہ جو ہندو مسلم اتحاد کو ناممکن بنا دے گی۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ہندو اور مسلمان مکمل طور پر علیحدہ علیحدہ ہو جائیں گے۔" سر سید احمد خاں کی ان تجاویز پر حکومت برطانیہ نے کچھ ہی عمل کیوں نہ کیا ہو۔ لیکن سر سید احمد خاں نے دونوں قوموں کی روش کے حوالے سے متوقع حالات کی پیش بندی کر دی تھی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ایک طرح سے خاموشی رہی لیکن سر سید اپنے تعلیمی اور علمی مشن پر سرگرم عمل رہے انہوں نے سب سے پہلے ابتدا میں مراد آباد میں ایک مدرسے کی بنیاد رکھی اور غازی پور میں ایک مڈل سکول قائم کیا۔

۱۸۶۹ء میں حکومت نے سر سید احمد خاں کے ایک صاحبزادے سید محمود کو اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے انگلستان کے لئے ایک سکالرشپ دیا۔ سر سید احمد خاں اس سے پیشتر ملک میں اپنی تصنیف و تالیف اور صحافتی زندگی کا بھرپور آغاز کر چکے تھے وہ اب برطانوی صحافت کا بھی جائزہ لینا چاہتے تھے اسی لئے انہوں نے سفرِ انگلستان میں اپنے صاحبزادے سید محمود کا ساتھ دیا۔ سید احمد خاں قریباً سترہ مہینے انگلستان میں رہے۔ انگلستان میں انہوں نے علمی ادبی اداروں اور کئی اخبارات و جرائد کا بغور جائزہ لیا۔ بے شمار لوگوں سے ملاقاتیں کیں۔ انھوں نے ملکہ وکٹوریہ سے ملاقات کی سیکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا سے بھی وہ ملے۔ یہ دورہ انگلستان ہی کا ثمر تھا کہ سر سید احمد خاں نے برعظیم میں بھی آکسفورڈ اور کیمبرج کی طرز کی ایک یونیورسٹی قائم کرنے کا ارادہ کیا۔

سر سید احمد خاں کے اس خیال کو ہندوؤں نے تعصب کی نگاہ سے دیکھا لیکن ان کے رفقائے کار نے ان کے اس نظریئے کو بہت سراہا۔ مغربی اور یورپی تعلیم کے مخالف بعض مسلمانوں نے سر سید احمد خاں کے اس ارادے کو ناپسند کیا لیکن سر سید احمد خاں اپنی لگن میں بڑے مصمم ارادے کے ساتھ مصروف کار رہے۔ برعظیم پاک و ہند میں مسلمان جدید علوم و فنون کے ویسے بھی بڑے مخالف تھے اور اسے شاید اسلامی تعلیمات اور اسلام کے لئے کسی طرح کا خطرہ تصور کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے ۱۸۷۲ء میں ہگلی کالج کہ جس کا سارا تعلیمی نظام ایسٹ انڈیا کمپنی کے سپرد

Marfat.com

تھا۔اس میں کل تین سو طالب علم تھے بلکہ اس کالج کی مالیات کا ایک بڑا حصہ مسلم ایجوکیشنل ٹرسٹ پورا کرتا تھا۔اس کالج میں مسلمان طالب علموں کی تعداد صرف تین تھی۔

انگلستان سے واپسی پر سر سید احمد خاں نے ۱۸۷۰ء میں ایک ماہوار پرچہ "تہذیب الاخلاق" بھی جاری کیا۔اس پرچے کے اجرا کا بھی بنیادی مقصد یہی تھا کہ مسلمانوں کو جدید دنیا کے تقاضوں سے روشناس کرایا جائے اور ان کے فرسودہ خیالات کی بیخ کنی کی جائے۔یہاں پر بھی سر سید نے مسلمانوں کی علمی ضرورتوں کو پیش نظر رکھا۔سر سید چاہتے تھے کہ مسلمان تعلیم کے حصول کے ذریعے سے ایک بار پھر اپنے درخشاں ماضی کے صحیح معنوں میں وارث بنیں اور اس پر اپنا مستقبل تعمیر کریں۔ایک طرف سر سید احمد خاں نے "تہذیب الاخلاق" کو تعلیم و اصلاح کا ذریعہ بنایا تھا اور دوسری طرف انہوں نے اپنی توجہ مسلمانوں کے اپنے علمی ادارے پر مرتکز رکھی تھی، یہی وجہ ہے ۱۸۷۵ء میں انہوں نے غازی پور میں قائم شدہ مڈل سکول کو علی گڑھ میں منتقل کر لیا۔علی گڑھ میں اس سکول کو آغاز میں "مدرسۃ العلوم" کا نام دیا گیا اور پھر یہی مدرسہ ۱۸۷۷ء میں محمڈن اینگلو اورینٹل کالج کی صورت میں تشکیل پذیر ہوا۔اس کے لئے سر سید احمد خاں نے آکسفورڈ اور کیمبرج اور دوسرے دیگر کالجوں کے تدریسی نصاب اور طریقہ تعلیم اختیار کیا۔

تحریک علی گڑھ

علی گڑھ میں قائم کردہ اس محمڈن اینگلو اورینٹل کالج کے اغراض و مقاصد سے بالخصوص لارڈ لٹن وائسرائے ہند کو مطلع کر دیا گیا کہ اس کالج کے بنیادی مقاصد یہ ہیں کہ یہ کالج ہمارے عہد کے نسلی تعصبات کو ختم کرے گا۔مشرقی علوم کی تحصیل و تفہیم کو مغربی علم و ادب اور سائنس سے ہم آہنگ کیا جائے گا۔اس کے ساتھ ہی کالج کے قیام کے مقاصد میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ یہ کالج مسلمانوں میں یہ شعور پیدا کرے گا وہ تاج برطانیہ کے لئے کارآمد ثابت

Marfat.com

ہو سکیں۔

گو علی گڑھ کالج کا نام محمڈن اینگلو اورینٹیل کالج تھا لیکن اس کے باوجود اس میں ہر فرقے اور قومیت کے طالب علموں کو داخلہ مل جاتا تھا۔ بلکہ کالج میں بعض اہل علم اور لائق پروفیسر بھی ہندو ہی تھے۔ سر سید احمد خاں نے اس کالج کو فرقہ وارانہ بنیادوں سے بڑی حد تک مبرا اور بالا ہی رکھا کیونکہ وہ بے تعصب ہو کر چاہتے تھے کہ یہ کالج بہر صورت ترقی کرے۔ اس کے لئے انہوں نے شب و روز محنت شاقہ سے کام لیا۔ سر سید احمد خاں چاہتے تھے کہ یہ کالج بالآخر مسلمان نوجوانوں کو محض جدید تعلیم ہی سے آراستہ و پیراستہ نہ کرے بلکہ یہ کالج اپنی طرز و مقاصد کے اعتبار سے برعظیم کا ایک مثالی علمی ادارہ ہو کہ جس کے ساتھ طلبہ کو پوری محبت ہو اور وہ انقلابی اور سیاسی شعور بھی یہیں سے حاصل کریں۔ سر سید احمد خاں کے اس پوشیدہ مقصد کو انگریز حکمرانوں نے بھی بھانپ لیا تھا اور وہ بجا طور پر سمجھنے لگے تھے کہ سر سید کی تحریک علی گڑھ اور علی گڑھ کالج آئندہ کسی وقت حکومت کے لئے ایک خطرہ کا محاذ بن سکتا ہے۔

۱۸۷۸ء میں سر سید احمد خاں کو لارڈ لٹن نے امپیریل کونسل کا ممبر منتخب کر لیا۔ اس کے بعد ۱۸۸۱ء میں انہیں لارڈ رپن نے بھی امپیریل لیجسلیٹو کونسل کا ممبر بنایا تھا۔ یہ لارڈ رپن ہی کا دور تھا کہ جس میں جنوری ۱۹۸۳ء میں سر سید احمد خاں نے وہ تاریخی اور یادگار تقریر کی کہ جو اپنی سادگی اور سچائی کے لحاظ سے بہت اہم تھی۔

سر سید احمد خاں نے اس وقیع تقریر میں کہا کہ "جہاں تک سماجی، سیاسی امور کا تعلق ہے۔ انگلستان کے تمام لوگوں پر مشتمل ایک قومیت بنتی ہے۔ لیکن یہی اشتراک کا کلیہ ہندوستان میں لاگو نہیں کیا جا سکتا۔ انتخاب کے ذریعے نمائندگی سے مراد یہ ہے کہ غالب اکثریت کے لوگوں کی رائے اور ان کے مفادات کی نمائندگی، اور یہ نمائندگی ایسے ممالک کہ جہاں ایک ہی فرقے یا مذہب کے لوگ ہوں اور ان کا ایک ہی عقیدہ ہو۔ وہاں نمائندگی کے اس

Marfat.com

نظام کو اپنانا اور اختیار کرنا ایک طرح کی نعمت ہے لیکن ہندوستان جیسے ملک میں کہ جہاں ذات پات کا نظام بڑی شدت سے قائم ہے اور جہاں پر کسی نظام کے تحت کوئی ایک قومیت نہیں پیدا کی جاسکی۔ بلکہ جہاں پر ابھی مذہبی تفاوت بھی اپنی شدومد سے برقرار ہے اور جہاں پر نظام تعلیم نے ابھی تمام طبقوں اور قوموں کے لوگوں کو تعلیم و تربیت کے پورے مواقع فراہم نہیں کئے۔ وہاں پر انتخابات کا وہ نظام اور طریقہ کار نہیں اپنایا جاسکتا کیونکہ اس طرح بڑی قومیتوں کے لوگ چھوٹی قومیتوں پر غالب آجائیں گے اور ان کے مفادات کو پس پشت ڈال دیں گے اس طرح ایسے لوگ کہ جن کی حق تلفی ہوگی یا جن کی کسی طرح نمائندگی نہیں ہوگی۔ بہرصورت وہ کسی نہ کسی طرح بدامنی اور بے چینی کا شکار رہیں گے اور ان کی یہ بے چینی بالآخر شدت اختیار کرسکتی ہے۔"

انتخابات کے موقع پر سرسید احمد خاں نے اپنی اس تقریر کے ذریعے یہ واضح کردیا تھا کہ برعظیم پاک و ہند میں انتخابات کے ذریعے یقیناً بڑی قومیت ہی کے لوگ نمائندگی حاصل کرسکیں اور وہ نمائندگی صرف اکثریتی قومیت کی ہوگی۔ سرسید احمد خاں کی اس تقریر نے مسلمانوں کے موقف کی بھرپور نمائندگی کی۔ انہی انتخابات کے دنوں میں سرسید احمد خاں نے مزید بھی کئی تقاریر کیں اور ان میں اسی امر پر زور دیا کہ اگر ہندو اور مسلمان ایک ہی قومیت ہیں تو انہیں دل و جان اور روحانی طور پر بھی متحد اور ایک ہی ہونا چاہیئے۔ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور انسیت سے رہنا چاہیئے۔

سرسید احمد خاں نے یوں تو ۱۸۷۳ء سے ۱۸۸۸ء تک پنجاب کے شہروں کا تین چار بار دورہ اور سفر کیا۔ آخری سفر تک لیجسلیٹو کونسل میں بھی قابل ذکر کردار ادا کرچکے تھے۔ اس لئے پنجاب کے لوگوں نے ان کی خوب پذیرائی کی بلکہ سرسید احمد خاں کی پنجاب نے بے حد حوصلہ افزائی کی اور ان کی کوششوں کو شایان شان طور پر خراج عقیدت پیش کیا۔" اہل پنجاب کی طرف سے پرجوش خیر مقدم نے سرسید کے لئے تقدیر کی بازی کا

Marfat.com

رُخ پلٹ دیا۔" اور پنجاب فیصلہ کن طور پر قوم کی زندگی میں شامل ہوا۔ پنجاب نے ۱۸۷۳ء میں سرسید احمد خاں کی دعوت پر جس طرح لبیک کہا اس نے قومی تحریک میں نئی جان ڈال دی۔

پنجاب کے مسلمانوں نے سرسید احمد خاں کا قومی پیغام اس برجستگی سے کیوں قبول کر لیا۔ اس کی تشریح مولانا الطاف حسین حالی نے "حیاتِ جاوید" میں یوں کی ہے:

"..... پنجاب کے مسلمان جنہوں نے برٹش گورنمنٹ کی بدولت ایک مدت کے بعد نئی زندگی حاصل کی تھی اور اس لئے انگریزی تعلیم اور انگریزی خیالات کو خیر مقدم کہنے کے لئے تیار بیٹھے تھے سرسید کی منادی پر اس طرح دوڑے جیسے پیاسا پانی پر دوڑتا ہے۔ انہوں نے مدرسۃ العلوم کے لئے مالی مدد پہنچائی۔۔۔ کالج میں انھوں نے ہر صوبے سے زیادہ لڑکے تعلیم کے لئے بھیجے۔ ایجوکیشنل کانفرنس کے ساتھ انہوں نے سب سے زیادہ دلچسپی ظاہر کی۔ حق یہ ہے کہ قومی خدمات کی داد جو قوم کی طرف سے سرسید کو ملنی چاہیئے تھی۔ اس کا حق پنجاب کے مسلمانوں کے برابر کسی صوبے سے ادا نہ ہو سکا۔"

سرسید احمد خاں کے پنجاب کے اس دورے کے دوران میں ان کی کوششوں اور لیجسلیٹو کونسل میں اصولی تقاریر اور مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کے حقوق کی نمائندگی کے حوالے سے بعض ہندو لیڈروں اور دانش وروں نے بھی انہیں خراج تحسین پیش کیا اور کہا کہ سرسید احمد خاں کی کونسل میں خدمت محض مسلمانوں ہی کے لئے قابل تحسین نہیں بلکہ ان کی حقیقت پسندی اور ان کا عوامی تاثر اور پاسداری سب کے لئے باعث اطمینان ہے۔

ایک طرف سرسید احمد خاں نے خود عملی زندگی میں بھرپور حصہ لے کر قومی مقاصد کی خاطر خود رسائی حاصل کی اور دوسری جانب ان کے رفقاء نے رسالہ "تہذیب الاخلاق" کے ذریعے تعلیمی اور علمی جہاد جاری رکھا۔ ان کے رفقاء کار میں نواب محسن الملک، مولانا الطاف حسین حالی، مولانا شبلی نعمانی، مولوی نذیر احمد دہلوی وغیرہ شامل تھے۔ انہوں نے تہذیب الاخلاق

Marfat.com

میں مختلف علمی، دینی، اخلاقی، اصلاحی اور سیاسی مضامین کا سلسلہ شروع کر رکھا۔

سر سید احمد خاں نے مسلمانوں کو عملی طور پر پُر مایہ کرنے کے جس مشن کا آغاز کیا تھا۔ اس منصوبے کی مسلمانوں نے بھی پہلے پہل مخالفت کی۔ کیونکہ مسلمانوں کا خیال تھا کہ انگریزی حکومت کے قائم کالجوں میں جدید علوم کی تعلیم سے مسلمان طالب علموں کو دین سے برگشتہ کر دیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے اسی خدشے کو پیش نظر رکھتے ہوئے سر سید احمد خاں نے علیگڑھ کالج میں دینی اسلامی تعلیم کو بھی اولیت دی اور دیگر علوم و فنون بھی اختیار کئے۔ اس کالج میں سر سید احمد خاں نے خاص طور پر اسلامی تعلیمات اور عربی زبان کی تدریس و تعلیم کا اہتمام کیا اور اس کے ساتھ ہی حصول انگریزی پر بھی پوری توجہ مرتکز کی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کالج کے پہلے تین پرنسپلز بھی انگریز ہی مقرر کئے گئے۔ سچ مچ یہ کالج آکسفورڈ اور کیمبرج کی طرح طالب علموں کے لئے رہائشی سہولتیں بھی فراہم کرتا تھا۔ سر سید احمد خاں کو یہ بھی بخوبی احساس تھا کہ کچھ لوگوں کے نزدیک ان کے اپنے مذہبی خیالات زیادہ ترقی پسندانہ ہیں۔ لیکن انہوں نے اس کالج میں دینی اور اسلامی درس و تدریس کے سلسلے میں نصاب کی ترتیب و تشکیل میں ذاتی حیثیت کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔

علی گڑھ کالج کی سرپرستی کی ذمے داری نظام حیدر آباد اور امیر افغانستان سب سے زیادہ سنبھالے ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ سر سید نے خود بھی کالج کے لئے فنڈز جمع کئے تھے اور متمول مسلمانوں کی ایک تعداد بھی ہمہ وقت اس کالج کو مالی امداد فراہم کرتی تھی۔ اس کالج کا نظام کچھ اس طرح سے بنایا گیا تھا کہ اس کی سالانہ تقریب کے موقع پر صوبے کے گورنر کو بطور مہمان خصوصی مدعو کیا جاتا تھا۔ اس سے ایک طرف تو یہ کالج بالواسطہ طور پر سرکاری سرپرستی حاصل کر لیتا تھا اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی توقع برقرار رہتی تھی کہ اس کالج کے فارغ التحصیل طالب علموں کو حکومتی اداروں میں بھی ملازمتیں مل سکیں گی۔ جس طرح اس کالج میں کسی مذہب و ملت کی کوئی دو ٹوک قید و پابندی نہیں تھی اسی طرح اس کالج کی سرپرستی فرمانے والوں میں

Marfat.com

بھی کوئی تخصیص نہیں تھی۔ اس علمی کارِ خیر کو جاری و ساری رکھنے کے لئے کئی ہندو راجے بھی مالی سرپرستی کرتے رہتے تھے۔

سرسید کی دینی خدمات

یوں تو سرسید احمد خاں نے مسلمانوں کی دینی، سماجی اور سیاسی تعلیم و تربیت کے لئے "تہذیب الاخلاق" کے اجرا کے ساتھ ہی کام کا آغاز کر دیا تھا۔ لیکن انہوں نے اس کے علاوہ بھی دینی خدمات انجام دینے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ انہوں نے جابجا اپنے رسالہ "تہذیب الاخلاق" میں روحانی، دینی اور اسلامی تبلیغی مضامین بھی لکھے اور اسلام کی عظمت کے گن بھی گائے۔ انہوں نے مسلمانوں کی تاریخ فلسفہ اور فلسفیانِ اسلام کے حوالے سے بھی بہت وقیع تحریریں پیش کیں۔ یہ سرسید احمد خاں کی دینی لگن ہی تھی کہ وہ جب انگلستان گئے تو وہاں پر انہوں نے ولیم میور کی کتاب "لائف آف محمدؐ" کا مطالعہ کیا۔ اس کتاب کے بالاستعاب مطالعے کے بعد سرسید احمد خاں اس نتیجے پر پہنچے کہ متحدہ صوبجات کے گورنر سر ولیم میور نے اس کتاب میں اسلام اور بانیٔ اسلام نبی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر کئی طرح کے اہانت آمیز مضامین باندھے ہیں۔ حیات طیبہ کے بارے میں مصنف نے کئی نازیبا خیالات کا اظہار بھی کیا ہے لہٰذا سرسید احمد خاں نے اپنی تمام علمی ادبی اور تحقیقی صلاحیتوں اور نورِ ایمانی کو بروئے کار لا کر اس کتاب کے توڑ میں ایک نہایت وقیع کتاب "خطباتِ احمدیہ" تصنیف فرمائی۔

اس کتاب کی تصنیف و ترتیب کے دوران میں سرسید احمد خاں نے نواب محسن الملک کے ساتھ جو خط و کتابت کی اس سے بھی سرسید کے بارے میں واضح ہوتا ہے کہ انھوں نے خدمت اسلام کو ایک عہد میں اپنی زندگی کا مقصد ہی بنا لیا تھا۔ انگلستان میں بیٹھ کر سرسید احمد خاں کو خطباتِ احمدیہ کے بارے میں مقالات لکھتے وقت بے شمار اقتصادی مشکلات

Marfat.com

کا بھی سامنا درپیش رہا۔ سید احمد خاں نے نواب محسن الملک کے نام اپنے ایک خط میں اپنے جذبے کا یوں اظہار فرمایا کہ "میں نے مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ آنحضرت صلعم کی سیرت میں، جیسا کہ پہلے ارادہ تھا، کتاب لکھ دی جائے۔ اگر تمام روپیہ خرچ ہو جائے اور میں فقیر بھیک مانگنے کے لائق ہو جاؤں تو بلا سے۔۔"

اسی طرح سر سید احمد خاں نے اپنے مزید ایک دو خطوط میں یوں تحریر فرمایا کہ "شب و روز مصروف ہوں، اس کے سوا اور کچھ خیال نہیں آتا جاتا۔ ملنا جلنا سب بند ہے کیا کہئے اس کتاب کے پیچھے خواب و خور حرام ہو گیا ہے۔ خدا مدد کرے۔" دوسری جگہ انہوں نے اپنے ایک اور خط میں محسن الملک کے نام لکھا ہے کہ "اگر میری یہ کتاب تیار ہو گئی تو میں لندن آنا دس حج کے برابر سمجھوں گا۔"

بہر صورت اللہ تعالیٰ نے سر سید احمد خاں سے یہ کتاب مکمل کروائی۔ سید احمد خاں نے بنیادی طور پر یہ کتاب اردو میں لکھی تھی۔ لیکن ان کے بیٹے سید محمود نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ جب یہ کتاب شائع ہوئی تو انگریزوں میں جو علماء کا طبقہ اور اہل علم دانشور تھے انہیں اسلام کے بارے میں معلوم ہوا اور ان کی کئی غلط فہمیاں دور ہوئیں۔ سید احمد خاں نے اس کتاب کے ذریعے غیر مسلموں کی اس غلط فہمی کو بالصراحت دور کیا کہ حضور نبی اکرمؐ نے تبلیغ و تشہیر اسلام کے لئے تلوار سے کام لیا تھا۔ بلکہ یہ واضح کیا کہ اسلام تلوار کا استعمال صرف الحاد و انکار کی صورت میں کرتا ہے۔

سر سید احمد خاں ۱۸۷۶ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے اور اس کے بعد ۱۸۷۸ء سے ۱۸۸۳ء تک گورنر کی لیجسلیٹو کونسل کے ممبر رہے۔ کونسل میں سر سید احمد خاں نے ہمیشہ یہی موقف پیش کیا کہ مقامی گورنمنٹ کے مختلف اداروں میں مسلمانوں کو جداگانہ نمائندگی دی جائے۔ اس سلسلے میں انھوں نے اپنی کئی تقاریر میں اپنے موقف کے حق میں خیالات کا اظہار کیا۔ سر سید احمد خاں نے اپنی کونسل میں موجودگی کے دوران یہ حقیقت کلی طور پر محسوس

Marfat.com

کر لی تھی کہ انگریزی حکومت کی مسلمانوں کے بارے میں یہ پالیسی ہے کہ وہ انہیں ہمیشہ کمتری قرار دیتی رہے اور اگر کوئی مسلمان کلمۂ حق کہنے کی جرات کرے تو اس پر جنگ پسندی اور اندیشہ نقصِ امن کے تحت سختیاں کی جائیں۔ بہرصورت سرسید احمد خاں قوم کے ایسے خدشات سے بھی بخوبی نمٹتے رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے سب سے زیادہ توجہ مسلمانوں کو تعلیم و تربیت کے زیور سے آراستہ کرنے پر مرکوز کی۔ سرسید احمد خاں کا تعلیمی منصوبہ جو علی گڑھ تحریک کے نام سے موسوم ہے اس میں بنیادی طور پر مسلمانوں کو مغربی تعلیم سائنس اور فنون کے نئے اور جدید علمی ہتھیاروں سے لیس کرنا اور نئے تقاضوں سے آگاہ کرنا مدِنظر تھا۔ سرسید احمد خاں کی یہ تحریک اصل میں مسلمانوں کے لئے ایک جداگانہ اور پرشکوہ سلطنت کے قیام کے سہانے خواب کی تعبیر کے سلسلے میں پہلا باضابطہ اور مثبت قدم تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک انگریز افسر کی نظر میں سرسید احمد خاں ایک "چالاک باغی" تھے۔ کیونکہ وہ انگریز افسر بھی یہ سمجھتا تھا کہ وہ نوجوان مسلمان جو علیگڑھ میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ جب وہی نوجوان اعلیٰ ملازمتوں پر فائز ہونے کے لئے اور انڈین سول سروس کے عہدہ دار بننے کے لئے اپنی درسگاہ سے باہر آئیں گے تو وہ چاپلوسی سے خوشامدانہ انداز میں انگریزوں کی خدمت نہیں کریں گے۔ کیونکہ علی گڑھ کالج محض کوئی ایک کالج ہی نہیں تھا۔ بلکہ یہ تو ایک فکری تحریک تھی یہ کالج برعظیم پاک و ہند کے کل کے سیاست دانوں کی ایک تربیت گاہ تھی اور مسلمانوں کی اپنی عظمتِ رفتہ بحال کرنے کے لئے ایک بہترین قومی مرکز تھا۔ سچ مچ بعد میں اسی تربیت گاہ سے کئی قابلِ فخر مسلمان رہنما پیدا ہوئے۔ ان میں تحریکِ خلافت کے حامی مولانا محمد علی جیسے عظیم سیاسی رہنما بھی شامل تھے۔

گورنر کی لیجسلیٹو کونسل کے دوران میں اور اس کے بعد بھی سرسید احمد خاں ہمیشہ مسلمانانِ ہند کی تمام مسائل میں رہنمائی کرتے رہے سرسید احمد خاں کسی بھی پہلو سے اس قوم کو یکا و تنہا نہیں چھوڑتے تھے۔ انہیں جہاں اور جیسے بھی کوئی موقع ملتا مسلمانوں کی بھلائی

Marfat.com

کے لئے وہ اپنی وقیع خدمات پیش کر دیتے۔ اس سلسلے میں انہوں نے اپنے دورہ پنجاب کے دوران میں بھی مسلمانانِ ہند کو ان کی اہمیت اور حیثیت کا احساس دلایا اور پھر انہوں نے ۱۸۸۲ء میں لدھیانہ میں طالب علموں سے ایک خطاب میں فرمایا کہ "یاد رکھئے کہ مسلمان قوم جبھی قوم کہلانے کی مستحق ہے کہ تمام افراد متحد ہو کر اسلام کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیں جب تک وہ اپنے مذہب پر سختی سے عمل پیرا رہتے ہیں۔ ایک قوم ہیں۔ آپ کو اسلام کے لئے زندہ رہنا ہے اور اسلام کے لئے مرنا ہے۔ جب تک ہم میں اسلامی عقائد راسخ نہیں ہو جاتے ہم قوم کہلانے کے مستحق قرار نہیں پاتے۔ کوئی کچھ بھی ہو۔ لیکن اگر وہ مسلمان نہیں تو ہمیں اس سے کیا! وہ ہماری قوم کا فرد تو نہیں ہے۔ لہٰذا یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ مسلمان قوم کی فلاح اسلام کا پرچم بلند رکھنے ہی میں ہے۔"

اسی لدھیانہ کی تقریر میں سر سید احمد خاں نے مسلمانوں کے باہمی اتحاد و اتفاق، مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کے لئے کوششوں اور مسلمانوں کا دیگر اقوام سے ایک طرح کا موازنہ بھی کیا اور بالآخر یہ بھی یاد دلایا کہ مسلمان بلا مبالغہ ایک عظیم قوم ہیں، اس لئے ہمیں ہر کام قومی ہمدردی کے جوش اور جذبے سے کرنا چاہیئے۔ سر سید احمد خاں نے اپنی اس ساری تقریر میں ایک طرف مسلمانوں کو اسلام کی رسی تھامے رکھنے کی تلقین کی اور اس کے ساتھ ہی انہیں یہ بھی احساس دلایا کہ وہ فلاح و امن کی داعی ایک جداگانہ قوم ہے

انڈین نیشنل کانگرس

ہندوستان میں لارڈ لٹن نے ایک ایکٹ ۱۸۸۳ء میں یہ قانون منظور کیا تھا کہ کوئی ہندوستانی جج کسی انگریز یا اینگلو انڈین کے خلاف عاید کردہ کسی مقدمہ کی سماعت نہیں کر سکتا۔ البرٹ ایکٹ کے تحت اس تفاوت کو ختم کرنے کی تجویز پیش کی گئی تھی۔ لیکن اس تجویز کے خلاف انگریزوں نے بہت واویلا کیا۔ مسلمان تو ابھی عملی سیاست میں

Marfat.com

آنے کے لئے تیار ہی ہو رہے تھے لیکن ہندوؤں کی علمی تربیت ہو چکی تھی اور اب وہ عملی سیاست میں بھی آ چکے تھے۔ گو سر سید احمد خاں نے بھی اس قانون کی شدید مخالفت کی تھی لیکن اس کا کوئی خاطر خواہ فائدہ نہ ہوا۔ بہر صورت اس قانون سے ہندوستانیوں میں اس دوہری پالیسی کے باعث ایک بے چینی پیدا ہو چکی تھی۔

ہیوم نامی ایک انگریز نے برعظیم پاک و ہند کے لوگوں کی اس بے چینی اور عدم اطمینان کو بڑی زیرک نظروں سے محسوس کیا اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ انقلاب ۱۸۵۷ء کے اثرات ابھی دُور نہیں ہو سکے۔ لہٰذا ہیوم نے ہندوستان کے لوگوں اور بالخصوص طالب علموں سے کہا کہ ہندوستانیوں کو چاہیئے کہ وہ لوگ اپنی قومی تعمیر و ترقی کا کام خود سنبھال لیں۔ یہی نہیں بلکہ ہیوم نے یہ بھی کہا کہ "ہندوستان کے لوگ غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں اور اگر وہ خود جدوجہد نہیں کریں گے تو وہ سیاسی سطح پر کبھی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکیں گے"۔ ہیوم انگریز کی جانب سے ہندوستانیوں میں اس شعور کے پرچار سے محسوس ہوتا تھا کہ شاید وہ انگریزی حکومت کی شہہ پر ہندوؤں کو ایک نمائندہ سیاسی جماعت بنانے کی دعوت دے رہا ہے۔ بہر صورت مسٹر ہیوم ہی کی رہنمائی میں ۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگرس معرضِ وجود میں آئی اور پھر یہی جماعت ایک وقت تک ہندوستانیوں کی سب بڑی سیاسی جماعت بنی رہی۔

انڈین نیشنل کانگرس کا قیام مسٹر ہیوم نے شاید اس مقصد کے لیے کیا تھا کہ برعظیم کی تمام اقوام اس میں شریک ہو سکیں گی۔ لیکن بعد کے برسوں میں ثابت ہو گیا تھا کہ کانگرس محض ایک ایسی جماعت ہے کہ جو صرف ہندوؤں ہی کے حقوق و مفادات کی محافظ ہے۔ آغاز میں کانگرس کے مقاصد میں تھا کہ برعظیم میں بسنے والی تمام اقوام کے تمام متحارب اور متصادم عناصر کو یکجا کیا جائے۔ اس طرح تمام ہندوستانیوں کو ایک قوم بنانے کی کوشش کی جائے۔ ہندوستانیوں میں یہ شعور و احساس بھی راسخ کیا جائے کہ وہ سب

Marfat.com

بلا لحاظ مذہب وملت ایک متحد قوم ہیں۔

سرسید اور کانگرس

انڈین نیشنل کانگرس کے ہر سال اجلاس ہوتے رہتے تھے اور اس کے بعض سالانہ اجلاسوں میں حکومتِ برطانیہ کے نمائندے بھی بڑے پُر تکلف انداز میں شرکت کرتے تھے۔ کانگرس کے مختلف اجلاسوں میں کسی نہ کسی سطح پر انتظامیہ کے بعض شعبوں کی کارکردگی پر تنقید کی جاتی اور بعض انتظامی خامیوں کی بھی نشاندہی کی جاتی تھی اس طرح کانگرس نے چند ایک قوانین میں ترامیم کی تجاویز بھی بھجوادی تھیں۔ اس طرح ہندوستانی کسی جماعت نے جس سرعت سے اپنا نام پیدا کیا اور تواتر سے اجلاس منعقد کئے، اس میں ہندوستان کے تمام باشندوں کی دلچسپی بڑھی۔ اس دلچسپی کے باعث اور کانگرس کے بنیادی مقاصد کی دلکشی کو دیکھ کر بعض مسلمانوں نے بھی اس میں شریک ہونا شروع کر دیا تھا۔ حالانکہ سرسید احمد خاں مسلمانانِ ہند میں ایک علیحدہ مسلمان قومیت کا جو ادراک واحساس ابھارنا چاہتے تھے۔ کانگرس اس کے برعکس تمام ہندوستانیوں کو متحدہ قوم بنانے کا ارادہ رکھتی تھی۔ مسلمان کانگرس کی رکنیت اختیار کر رہے تھے ان کے باعث مسلمانوں کی وحدت اور اتحاد کو نقصان پہنچ رہا تھا۔ اس تازہ صورت حال کو دیکھتے ہوئے سرسید احمد خاں نے اپنی ایک تقریر میں کہا کہ "ممکن ہے کہ نیشنل کانگرس کچھ اثر رکھتی ہو لیکن یہ میرا پختہ ایمان ہے کہ برطانوی حکومت کے لئے امن وامان رکھنا۔ تشدد سے باز رکھنا اور خانہ جنگی کو روکے رکھنا کسی صورت میں بھی ممکن نہیں ہو گا۔"

سرسید احمد خاں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ مسلمانوں کو انڈین نیشنل کانگرس میں شرکت کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اس لئے وہ جب تک زندہ رہے مسلمانوں کو کانگرس میں شریک ہونے سے روکتے رہے سرسید احمد خاں نے اسلامیانِ ہند پر یہ بھی واضح کر دیا

Marfat.com

تھا کہ کانگرس جب کبھی لفظ ہندوستانی کہتی ہے تو اس سے اس کو مراد صرف "ہندو" ہی ہوتی ہے۔ سرسید نے اپنے موقف اور خدشے سے برطانوی حکومت کو بھی آگاہ کر رکھا تھا۔

سرسید احمد خاں بہرطور مسلمانوں کی کانگرس میں شمولیت کی شدید مخالفت کرتے رہے۔ لیکن جنوبی ہندوستان کے کچھ آزاد خیال مسلمان آل انڈیا نیشنل کانگرس میں آکر شریک ہو گئے تھے۔ ان میں مسٹر رحمت اللہ سیانی نے تو کانگرس کے ایک اجلاس میں یہاں تک کہہ دیا تھا کہ مسلمانوں کی کانگرس میں شرکت ان کے مستقبل کی بھی ضمانت ہو سکتی ہے۔ اسی طرح بدرالدین طیب جی بھی کانگرس ہی کے حامی ہو چکے تھے۔ کئی اور مسلمان بھی کانگرس کے ساتھ متفق ہونے لگے تھے۔ اس موقع پر سرسید احمد خاں نے اپنی ایک تقریر میں یوں فرمایا کہ:-

ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے ہندو اور بنگالی بھائی ہماری قوم کو کسی نہ کسی انداز میں نقصان پہنچا رہے ہیں۔ اس کے باوجود ہم یہ کیسے سوچ سکتے ہیں کہ ان کے ساتھ دوستانہ رویہ اختیار کئے رکھیں۔ ہمیں اپنے اس فرض کی ادائیگی میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیئے کہ ہمیں اپنی قوم کو ہندوؤں اور بنگالیوں کی معاندانہ سرگرمیوں سے ہر قیمت پر بچانا ہے۔ کانگرس کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ وہ پورے ہندوستان کی نمائندہ سیاسی جماعت ہے ہم اسے "قومی کانگرس" ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ یہ تو جبھی ممکن ہو سکتا ہے کہ کانگرس میں تمام قوموں کے مقاصد واضح طور پر شامل ہوں۔ جب کانگرسی رہنما اس بات کو خود تسلیم کرتے ہیں۔ کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے کچھ مقاصد نہ صرف مختلف ہیں۔ بلکہ متضاد بھی۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہم مسلمان ایک علیحدہ کانگرس کی تشکیل علیحدہ مقاصد کے لئے نہ کریں۔ لہٰذا ہمارے کانگرسی دوستوں کو خود ہی یہ فیصلہ ایمانداری کے ساتھ کر لینا چاہیئے کہ کیا ایسی اقوام جن کے مقاصد ایک دوسرے سے متحارب و متصادم ہوں۔ خواہ چند عام سی باتوں پر ان میں اتفاق بھی موجود ہو، ایک قومی کانگرس تشکیل کر سکتی ہیں بھلا! میری اس بات کو درست سمجھا جائے

Marfat.com

یا غلط، لیکن یہ کھلی حقیقت ہے کہ کوئی مسلمان خواہ وہ ایک معزز شخص ہو یا ایک پارچہ باف، وہ بات کبھی پسند نہ کرے گا کہ اس کی ہمسایہ قوم اسے غلام بنا لے۔ اسے اس بات کی بھی پرواہ نہیں ہوگی کہ وہ کمزور ہے یا اس کی حیثیت گر چکی ہے۔ وہ بہر حال آزادی کو ترجیح دے گا۔

سر سید احمد خاں کانگرس میں مسلمانوں کی شمولیت کے خلاف تھے اور وہ مسلمانوں کو ان کے اپنے مقام کا احساس بھی دلاتے رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان من حیث القوم انڈین نیشنل کانگرس سے الگ تھلگ رہے۔ جب کانگرس نے محض اور محض ہندوؤں ہی کے لئے کام کرنا شروع کر دیا تھا تو اس کے عہد میں سر سید احمد خاں نے بھی مسلمانوں کے دو قومی نظریئے کو زیادہ سے زیادہ ابھارنا اور اجاگر کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ یہ جذبہ کبھی سیاسی حوالے سے پیدا کرتے اور کبھی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں۔ بہر صورت انہوں نے مسلمانانِ ہند کے جذبہ قومیت کو برقرار اور بحال رکھا۔ انہوں نے مسلمان قوم کو اتحاد و یگانگت کے لئے اسلامی اصول و ضوابط اور اسلامی بھائی چارے کا سبق دیا۔ سر سید احمد خاں نے برطانوی حکومت کے قرائن اور کانگرس کی ہندو نوازیاں دیکھ کر یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ ہندوستان کے مسلمان انڈین نیشنل کانگرس کے ذریعے کبھی سیاسی سلامتی حاصل نہیں کر سکیں گے۔ لہٰذا انہوں نے کانگرس کو صاف لفظوں میں بتا دیا تھا کہ وہ مسلمانانِ ہند کو ہندو، سکھ مرہٹہ یا مدراسی نہ سمجھیں ورنہ کانگرس کا یہ رویہ برہمن کے لئے ایک خطرناک شگون ہوگا کیونکہ ہندوستان میں صرف ہندو ہی نہیں بلکہ دوسری بڑی قوم مسلمان بھی موجود ہیں، ہندو اور مسلمان دو مختلف اور علیحدہ قومیں ہیں۔ ہندو اگرچہ خاصی اکثریت میں ہیں لیکن مسلمان ان میں سیاسی طور پر اقلیت کی صورت میں ہرگز رہنا پسند نہیں کر سکتے اور اگر اسی طرح مسلمانانِ ہند انگریز کی ڈیموکریسی کو مان لیتے ہیں تو وہ ہمیشہ ہندو اکثریت کے تسلط میں رہیں گے۔ یہی نہیں بلکہ سر سید احمد خاں نے اپنی نگاہِ دور بین اور سیاسی فہم و بصیرت کے باوصف اپنی ایک تقریر میں کانگرس اور حکمران طبقے کو یہ احساس دلایا

Marfat.com

کہ سب کچھ ہونا ممکن ہے۔ اور مسلمانوں کو بھی یہ حوصلہ دیا کہ وہ اپنے اسلامی تشخص کے باعث کسی طرح سے کسی دوسرے کے محکوم ہو کر نہیں رہ سکیں گے انہوں نے اپنی تقریر میں یوں فرمایا کہ:۔

"میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر کل انگریز ہندوستان کو چھوڑ کر چلا جاتا ہے تو ہندوستان کا حاکم کون ہوگا؟ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ مساوی اختیارات کے تحت ہندو اور مسلمان ایک ہی تختِ حکومت پر ساتھ ساتھ بیٹھ کر حکومت کر سکیں گے؟ میں وثوق کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ ضروری ہو جائے گا کہ ہندو یا مسلمان دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرے۔"

کانگرس کے ابتدائی برسوں میں تو سر سید احمد خاں نے کانگرس کے ساتھ کھلم کھلا مخالفت مول لینے سے گریز کیا کیونکہ کانگرس کے سب سے پہلے اجلاس میں تو صرف چند ایک مسلمانوں ہی نے شرکت کی تھی۔ لیکن بعد کے برسوں میں جب برطانوی حکومت نے بھی کانگرس کی سرپرستی کرنی شروع کر دی تھی اور مسلمانوں کا بھی شمولیت کا ذوق و شوق بڑھا تو انہوں نے کانگرس کے ایک شدید اور سچے مخالف کے طور پر کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ اسی دوران میں انہوں نے مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ تعلیمی سرگرمیوں میں مصروف رکھنے اور اپنے آپ کو کانگرس کے خلاف حفاظتی اور مدافعاتی محاذ پر مستحکم کرنے کے لئے ۱۹۸۶ء میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس قائم کر دی۔

انہی برسوں میں برطانوی پریس نے بھی کانگرس کو تجاویز دینے کا منصب سنبھال لیا تھا اور یہاں تک تجویز کر دیا تھا کہ کانگرس کو چاہیئے کہ وہ برعظیم پاک و ہند کی واحد نمائندہ جماعت کی حیثیت اختیار کرنے کی خاطر مسلمانوں کو بھی اپنے ساتھ ملائے اسی لئے کانگرس نے اپنے سالانہ اجلاس منعقدہ مدراس میں بمبئی کے ایک معتبر مسلمان بدرالدین طیب جی کو اجلاس کی صدارت کے لئے بلایا۔ کانگرس کے اس اجلاس میں

Marfat.com

چھ سو پانچ مندوبین نے شرکت کی۔ ان میں سے پچھتر مسلمان نمائندے بھی شامل تھے۔ ان مسلمان نمائندوں میں کئی ایک محمڈن اینگلو اورنٹیل کالج علی گڑھ کے طالب علم بھی موجود تھے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ کانگرس شاید اہل بصیرت اور سیاسی سوجھ بوجھ کے حامل مسلمانوں کے بجائے نوخیز ذہنوں کے مالک اور جذباتی نعروں سے متاثر ہونے والے طالب علموں کو باآسانی اپنے دام میں لا سکی تھی۔

کانگرس نے مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے کئی طرح کے حیلوں اور سیاسی چالوں سے کام لیا یعنی انھوں نے کانگرس کے قیام کے دوسرے ہی سال کسی مسلمان کی صدارت میں اجلاس منعقد کر کے ایک بہت بڑا سیاسی حربہ آزمایا اور اس سے انہوں نے انگریزی حکومت کو بھی یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ کانگرس برعظیم کی تمام قوموں کی نمائندگی کرنے والی ایک جماعت ہے۔ یہی نہیں بلکہ مسلمانوں کو اس میں قابل عزت مقام بھی دیا جاتا ہے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ کانگرس نے مسلمانوں کی شمولیت اور شرکت کی خاطر بعض ترغیبات اور مراعات کی جھلک بھی دکھائی تھی اور اسی طرح کئی مسلمانوں کو بعض ناگزیر حالات کے دباؤ کے زیر اثر اس میں شامل ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔

حکومتی سرپرستی میں کانگرس کی چالاکیوں کے باعث کئی ایک مسلمان کانگرس سے متاثر ہونے لگے تھے۔ لیکن سر سید احمد خاں بدستور کانگرس کی مخالفت میں کوشاں تھے سر سید احمد خاں کی کانگرس مخالف پالیسی کسی طرح کی جذباتیت کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ سر سید احمد خاں علی وجہ البصیرت اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ اگر کانگرس مسلمانوں کی اکثریت کو بھی اپنے ساتھ ملا لے اور ان سے کانگرس کی حمایت حاصل کر لے تب بھی کانگرس میں موجود ہندوؤں ہی کا ہر طرح سے تسلط قائم رہے گا۔ کیونکہ برعظیم پاک و ہند میں مسلمان ہندوؤں کے چوتھے حصے کے برابر ہیں۔ اس لئے ہر طرح کی ملازمتوں پر مسلمانوں

Marfat.com

کی حیثیت نہایت اقلیتی ہو کر رہ جائے گی۔ یہی تناسب اسمبلیوں تک برقرار رہے گا لیکن کسی بھی اسمبلی میں ایک اور چار کا تناسب کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتا۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر طرح کی حکومت ہندو کی ہوگی۔ اور مسلمان ایک بے اثر اقلیت اور ایک خوار قوم کے درجے پر ہوگی۔

۱۸۸۸ء میں جب کانگرس نے ایک حد تک مسلمانوں کی ہمدردیاں اور وابستگیاں حاصل کر لی تھیں تو پھر کئی شعبوں اور طبقوں میں مسلمانوں کے رہنما سر سید احمد خاں کے بارے میں بھی غلط فہمیاں پیدا ہونے لگی تھیں۔ بنگالی طبقوں میں مسلمانوں نے کانگرس کی محسوس حد تک حمایت کر دی تھی۔ اس پر ہندو پریس نے سر سید احمد خاں کی کوششوں اور ان کی ذاتی شخصیت پر حملوں کی بوچھاڑ کر دی۔ پریس نے یہاں تک لکھ دیا کہ سر سید احمد خاں کانگرس مخالف لوگوں کے ہاتھوں میں کھلونا بنے ہوئے ہیں۔ لیکن برعکس اس کے مسلم پریس سر سید احمد خاں کی مساعیوں اور ان کے نظریات و افکار کی تائید و حمایت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتا تھا۔ اس سلسلے میں "دی مسلم ہیرالڈ"، "دی محمڈن آبزرور" اور "رفیق ہند" بجا طور پر سر سید تحریک کے حامی اور کانگرس کی شاطرانہ چالوں کے صریحاً خلاف تھے۔

کانگرس اور سر سید احمد خاں کی اسی آویزش کے دور میں برعظیم کے قریباً تمام مسلمانوں نے سر سید احمد خاں کے موقف کی تائید و حمایت کا اعلان کیا۔ انہوں نے کئی طرح کی قراردادیں منظور کر کے سر سید کو سیاسی اور اخلاقی تقویت پہنچائی۔ الہ آباد، لکھنؤ میرٹھ، لاہور، امرت سر، لدھیانہ، مدراس اور دیگر کئی اہم شہروں کے مسلمانوں نے سر سید احمد خاں کے حق میں اور کانگرس کی سرگرمیوں کے خلاف قراردادیں منظور کیں۔ اسی طرح سنٹرل نیشنل محمڈن ایسوسی ایشن کلکتہ، محمڈن لٹریری سوسائٹی کلکتہ، انجمن اسلام مدراس ڈینڈی گل انجمن، سنٹرل نیشنل محمڈن ایسوسی ایشن پنجاب، انجمن حمایت اسلام لاہور اور انجمن رفاہ عام الہ آباد نے بھی کانگرس کی مذموم سرگرمیوں پر اپنے عدم اطمینان اور غم و

Marfat.com

غصے کا اظہار کیا اور دوسری جانب سر سید احمد خاں کی کوششوں اور تحاریک کو خوب خوب سراہا اور اپنی تائید و حمایت اور تعاون کا یقین دلایا۔

اپنے قیام کے کچھ ہی عرصے کے بعد جب کانگرس نے حکومت کے ایما پر ہندوستان کے لوگوں کو بعض جھوٹے اعلانات اور بیانات سے غلط فہمیاں ابھارنی شروع کر دی تھیں تو اس کے توڑ اور صحیح صورتِ حال کی وضاحت کی خاطر سر سید احمد خاں نے ۱۸۸۸ء میں "انڈین پیٹریوٹک ایسوسی ایشن" قائم کر لی تھی۔ اس محب وطن ایسوسی ایشن میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہندوؤں نے بھی شرکت کی تھی۔ حب الوطنی کے جذبے سے سرشار اس ایسوسی ایشن کے بنیادی مقاصد درج ذیل تھے۔

۱۔ پارلیمنٹ کے ممبران، انگریزی رسائل و جرائد اور برطانوی عوام کے لئے ایسے پمفلٹ شائع کرنا اور انہیں تقسیم کرنا کہ جن میں یہ وضاحت ہوتی ہو کہ انڈین نیشنل کانگرس کے حمایتی کس کس طرح سے اور کن کن اطوار سے برطانوی لوگوں کو یہ گمراہ کن تاثر دینے کی کوشش کرتے رہتے ہیں کہ ہندوستان کی تمام اقوام میں اتحاد و اتفاق ہے اور یہ کہ ہندوستان کے رہنما اور حکمران کانگرس کے حمائیتوں کی اس روش پر مطمئن ہیں۔

۲۔ انہی ذرائع سے پارلیمنٹ کے ممبران، برطانوی اخبارات اور برطانیہ کے عوام پر یہ واضح کرنا کہ بالخصوص مسلمانوں کی سیاسی اور سماجی اسلامی انجمنیں اور ہندوؤں کی کئی سوسائٹیاں بھی کانگرس کی کارروائیوں سے مطمئن نہیں بلکہ وہ کانگرس کی سرگرمیوں سے یکسر کوئی سروکار ہی نہیں رکھتیں۔

انڈین پیٹریوٹک ایسوسی ایشن کے قیام کے مختصر عرصے کے بعد ہی ملک بھر کی قریباً چالیس انجمنوں اور سوسائٹیوں نے الحاق کر لیا۔ اس ایسوسی ایشن کے قیام کے بعد سر سید احمد خاں اپنی دیگر علمی، ادبی، سیاسی اور تصنیف و تالیف کی سرگرمیوں میں بے حد مصروف ہو گئے اس لئے اسے پورا وقت اور توجہ نہ دے سکے۔ اس طرح انڈین پیٹریوٹک

Marfat.com

ایسوسی ایشن ایک مختصر زندگی گزار کر ختم ہو گئی۔ لیکن اس کا ایک اثر یہ ہوا کہ اس کے شائع کردہ پمفلٹ اور دیگر اشاعتی مواد نے کانگرس کے بے جا اور جھوٹے پروپیگنڈے کا خاتمہ کر دیا۔

کانگرس کا ۱۸۸۸ء کا اجلاس الہ آباد میں انعقاد پذیر ہوا۔ اس میں کل ایک ہزار دو سو اڑتالیس ممبروں نے شرکت کی۔ اس اجلاس میں مسلمانوں کی تعداد دو سو بائیس تھی کہا جاتا ہے الہ آباد اجلاس سے پیشتر مسلمانوں کے ایک سیاسی رہنما مولوی ہدایت رسول نے مسلمانوں کو کانگرس کی جانب متوجہ کیا تھا۔ اور ایک عرصے تک کانگرس کی کارروائیوں کا تذکرہ کیا تھا یہی نہیں بلکہ اس نے سر سید احمد خاں کے بارے میں بھی یہ کہا کہ وہ واحد مسلمانوں کے لیڈر نہیں ہیں۔ اس نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ مسلمان سر سید احمد خاں کو ملحد اور بے دین قرار دے چکے ہیں۔ اس لئے وہ مسلمانوں کے کسی طرح سے بھی لیڈر تسلیم نہیں کئے جا سکتے۔ یہی نہیں۔ بلکہ اسی اثناء میں کانگرس کے حامیوں نے سر سید کے خلاف کئی طرح کے فتوے بھی حاصل کر لئے تھے۔ فتووں میں مسلمانوں کو کانگرس میں شرکت کے لئے بھی کہا گیا تھا۔ ایک فتوے میں تو یہاں تک کہا گیا تھا کہ سر سید احمد خاں کی اسلامی امور میں پیروی کرنا اور انڈین پیٹریوٹک ایسوسی ایشن میں شریک ہونا حرام اور کفر ہے۔

۱۸۸۹ء میں کانگرس کا اجلاس منعقد ہوا تو اس میں لیجسلیٹو کونسل کے ممبران کی تعداد میں اضافہ اور اصلاحات کی بات ہوئی۔ اس میں مولوی ہدایت رسول نے مطالبہ کیا کہ مسلمانوں کو بھی ہندوؤں ہی کے برابر نمائندگی دی جائے۔ لیکن کانگرس کو یہ تناسب بالکل پسند نہ آیا۔ اس طرح اب یہ صورت پیدا ہو گئی کہ کانگرس میں موجود مسلمانوں کا بھی کانگرس پر سے اعتماد اٹھ گیا۔ اور کانگرس نے مسلمانوں میں پچھلے سال سے جو تاثر پیدا کرنا شروع کیا تھا وہ رفتہ رفتہ ختم ہونے لگا۔ اس وقت پر اور مسلمانانِ ہند کی صورتِ حال کے بارے میں برطانوی حکومت کو آگاہ کرنا نہایت ضروری تھا تاکہ پارلیمنٹ میں مسلمانوں کے بارے

Marfat.com

میں بل پاس ہو سکے اس سلسلے میں سر سید احمد خاں نے مسلمانوں کی جانب سے ایک عرضداشت برعظیم کے ستر کے قریب شہروں کے چالیس لاکھ مسلمانوں کے دستخط کروائے اور پھر یہ عرضداشت رچرڈ ٹمپل کی وساطت سے برطانوی دارالعوام میں بھجوادی۔ اس طرح کی ایک عرضداشت محمڈن لٹریری سوسائٹی کلکتہ کی جانب سے بھی بھجوائی گئی تھی۔

برطانوی حکومت نے ۱۸۹۲ء میں جب ملک میں انڈین کونسلز ایکٹ نافذ کیا تو اس طرح کانگرس کے کچھ مطالبات مان لئے گئے اور یہ منظور ہوا کہ ہندوستانیوں میں سے کونسل کے کچھ نمائندے سربراہ حکومت خود چن لیا کرے گا اور یہی نمائندے میونسپل بورڈز اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے کام کیا کریں گے۔ اس طرح ہندوستان کے کئی ایک صوبوں میں یہ قانون نافذ کر دیا گیا۔ لیکن اس نظام میں مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہ ہوا۔ بلکہ اس کا ایک برا اثر یہ ضرور مرتب ہوا کہ مسلمانوں پر ہندوؤں کا تسلط زیادہ بڑھ گیا اور مسلمانوں کے تحفظات کم ہو گئے اس طرح مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان اختلافات کی خلیج وسیع ہوتی گئی۔ اس کے خلاف مسلمانوں میں اور ہندوؤں میں بھی مایوسی کی ایک فضا پیدا ہوئی۔ لہٰذا ہندوؤں کی ہندو قومیت کو مزید ابھارنے اور اجاگر کرنے کے لئے ہندوؤں کو دھرتی ماتا کا نظریہ دیا گیا اور ان کی ایکتا کے لئے بھی اسی نظریئے کو اہمیت دی گئی۔ دیانند سرسوتی کی آریا سماج تحریک نے بھی اسی دور میں زور پکڑا اور بمبئی میں بنکم چندر چیٹرجی نے بھی ہندو ایکتا کی خاطر ایک ادبی تحریک کا آغاز کیا۔

ڈیفنس ایسوسی ایشن

برطانوی حکومت انڈین کونسلز ایکٹ کے خلاف سر سید احمد خاں نے ۱۸۹۲ء میں شدید احتجاج کیا اور مطالبہ کیا کہ لیجسلیٹو کونسلز اور لوکل باڈیز میں مسلمانوں کی ایک خاطر خواہ تعداد کو بھی نمائندگی دی جائے۔ اسی مطالبے کو شدت بخشنے کے لئے سر سید نے ۱۸۹۶ء

Marfat.com

میں محمڈن اینگلو اورنٹیل ڈیفنس ایسوسی ایشن قائم کی۔ اس ایسوسی ایشن کے ذریعے بھی سرسید احمد خاں نے کہا کہ مسلمان ایک جداگانہ قوم ہیں۔ اور ان کی روایات ان کے مفادات ان کے سیاسی اور سماجی میلانات، ان کی مذہبی رسوم و عقائد علیحدہ اور ہندوؤں سے مختلف ہیں اس لئے لوکل باڈیز، لیجسلیٹو کونسل، امپیریل اور پراونشل کونسلز میں جداگانہ انتخاب کے ذریعے مسلمان نمائندے منتخب کئے جائیں۔ کیونکہ رائج الوقت ایکٹ کے تحت تو ہندوؤں کی اکثریت ہے اور وہی ان کونسلز میں اکثریت میں رہیں گے سرسید کے اس مطالبے پر نہ تو برطانوی حکومت نے توجہ دی اور نہ ہندوؤں ہی نے اسے درخور اعتنا سمجھا۔

سرسید احمد خاں نے ان تمام مشکلات اور ناپذیرائیوں کے باوجود اپنی تحریک اور کوششوں کو جاری رکھا۔ انہوں نے مسلمانوں کی تعلیم و تربیت پر مسلسل توجہ مرتکز رکھی۔ اس وقت ہندوستان کی سیاسی اور اقتصادی ترقی میں ہندو برطانوی حکومت کے زیر سایہ ترقی کر رہے تھے۔ ہندو عقلی اور مادی طور پر بھی بڑی سرعت کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے بلکہ کانگرس کے قیام کے دوران میں تو انہوں نے سیاسی سطح پر بھی بھی کئی ایک کامیابیاں حاصل کر لی تھیں۔ سرسید کے نزدیک تعلیم ہی سیاسی اور اقتصادی ترقی کی کلید تھی اور انہیں یہ بھی شعور تھا کہ تعلیمی اور معاشی لحاظ سے مسلمان پیچھے رہے جا رہے ہیں۔ اس کے برعکس جو مسلمان کسی حد تک تعلیمی اور معاشی طور پر آسودہ ہیں وہ بھی اپنی سادگیوں کے باعث کانگرس کا شکار ہو رہے ہیں۔

سرسید احمد خاں کی تعلیمی تحاریک کا بنیادی مقصد یہی تھا کہ مسلمان اپنے آپ کو تعلیم کے ہتھیاروں سے مسلح کر کے اس قابل ہو جائیں کہ وہ ایک بار پھر انگریزوں اور ہندوؤں کے خلاف ڈٹ سکیں اور تعلیم و اخلاق سے وہ مسلمان قوم کو اس لائق بنانا چاہتے تھے کہ وہ انگریز اور ہندو کی ذہنیت کو سمجھ سکیں اور پھر ان کے مزاج کے مطابق

Marfat.com

مسلمانوں کے علیحدہ وجود کو تسلیم کرنے پر مجبور کر سکیں۔

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس

سر سید احمد خاں بنیادی طور پر ایک مُصلح تھے وہ نہ تو مذہبی عالم تھے اور نہ ہی کوئی مفکر یا سیاسی رہنما تھے۔ ان کی کسی تحریک کا مقصد محض خالص مذہبی یا علمی ہی نہیں تھا۔ دراصل وہ تجدید و اجتہاد کے ذریعے وقتی اور مستقبل کے تقاضوں کے پیش نظر مسلمانوں کے لئے زندگی کی راہیں وسیع و کشادہ کرنا چاہتے تھے۔ سر سید احمد خاں کی تحاریک میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس برعظیم کے مسلمانوں کی ایک سب سے بڑی جماعت تھی اس کی مسلمانوں کے قومی تشخص کے ضمن میں خدمات قابل ستائش ہیں اس جماعت نے ہندوستان کے مسلمانوں میں مغربی علوم کی تعلیم و تربیت میں نہایت وقیع کردار ادا کیا ہے مسلمانان ہند نے اس کے پلیٹ فارم سے اسلامی تعلیمات کی تبلیغ بھی کی اور اسلامی تاریخ کی بھی حفاظت کی۔ اس کے ساتھ ساتھ اس انجمن کے حوالے سے اردو ادب اور زبان کی ترویج و ترقی کا کام بھی لیا گیا۔ ان سب سے بڑھ اسی انجمن نے اسلامیانِ ہند میں بلاواسطہ یا بالواسطہ طور پر سیاسی شعور و آگہی بھی پیدا کی۔

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس ۲۷ دسمبر ۱۸۸۶ کو علی گڑھ میں قائم ہوئی۔ اس انجمن کے بانیوں میں سر سید احمد خاں کے علاوہ مولوی سمیع اللہ خاں، مولانا شبلی نعمانی، منشی سید امتیاز علی خاں، جناب امداد الملک، سید حسین بلگرامی، جناب معظم اللہ خاں اور صاحبزادہ آفتاب احمد خاں شامل تھے۔ اس انجمن کے پہلے اجلاس میں اکسٹھ نمائندوں کے علاوہ مدرسۃ العلوم علی گڑھ کے ڈیڑھ سو طلبہ نے شرکت کی تھی۔

ابتدا میں اس انجمن کا نام "محمڈن ایجوکیشنل کانگرس" رکھا گیا تھا یہ نام ۱۸۹۰ء تک جاری رہا۔ پھر اس کے بعد لفظ کانگرس کے ابہام سے بچنے کے لئے اس میں لفظ کانگرس کو کانفرنس

Marfat.com

میں بدل دیا گیا۔ ۱۸۹۵ء میں اس کانفرنس کا نام "محمڈن اینگلو اورینٹل ایجوکیشنل کانفرنس" رکھ دیا گیا۔ اسی طرح چند ایک بار اسے "آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس" "مسلم ایجوکیشنل کانفرنس" اور پھر "آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس" کا نام بھی دیا گیا۔ حصولِ پاکستان کے بعد اسی کانفرنس کا نام "آل پاکستان مسلم ایجوکیشنل کانفرنس" رکھ دیا گیا۔ بہرصورت اس کانفرنس کے بنیادی مقاصد میں علی گڑھ تحریک کے تعلیمی پروگرام کو ملک بھر میں پھیلانا اور فروغ دینا۔ مسلمانوں میں باہمی اشتراک و تعاون سے کام کرنے کا جذبہ ابھارنا وغیرہ شامل تھے۔ گو اس کے قیام سے چند سال پیشتر علی گڑھ کی تحریکِ تعلیم و تدریس کے فروغ کی خاطر انجمن حمایت اسلام لاہور۔ مدرسۃ المسلمین لاہور (بعد میں اس کا نام اسلامیہ کالج رکھ دیا گیا تھا)، سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی وغیرہ قائم ہو چکے تھے۔

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے قیام کے وقت یہ طے پا گیا تھا کہ اس کا سالانہ اجلاس ہر سال ہوا کرے گا اور اس میں علی گڑھ تحریک کے فروغ اور ترقی کے لئے ہی کام کیا جاتا رہے گا۔ اسی طرح ہر سال ہر صوبے کے لوگوں کو اپنے اپنے حالات و واقعات کے اظہار کا موقع دیا جاتا رہے گا۔ اور ان کے مسائل سے بھی آگاہی حاصل کی جایا کرے گی۔ مسلمان اپنے ہر طرح کے مطالبات کے اظہار کے لئے اس کانفرنس کے پلیٹ فارم کو استعمال کریں گے۔ اس انجمن کے مقاصد میں درج ذیل امور کو بھی شامل کیا گیا۔

۱۔ مسلمانوں میں وسیع پیمانے پر مغربی سائنس اور علم متعارف کرانے کے انتظامات کرنا۔ مسلمانوں کو اعلیٰ سائنس اور مغربی علوم کے حصول کے لئے راغب کرنا اور اس مقصد کے لئے تمام امور پر بحث مباحث کرنا اور عملی اقدام اٹھانا۔

۲۔ صدیوں پیشتر مسلمانوں کے علوم و فنون پر تحقیق و تدقیق کرنا اور اکابر اسلاف کے کارہائے نمایاں پر انگریزی اور اردو میں مضامین لکھنا اور لیکچر دینا۔

۳۔ ممتاز مسلمان دانش وروں کی اردو اور انگریزی میں سوانح عمریاں لکھنا۔

Marfat.com

۴۔ مسلمان مصنفین کی نادر و نایاب کتابیں جمع کرنا اور ان کی حفاظت کرنا

۵۔ دانشوروں، محققین کو اس جانب مائل کرنا کہ وہ تحقیق کر کے تاریخی واقعات پر مضامین اور مقالات لکھیں اور لیکچر دیں۔

۶۔ ایسے سکول کہ جو مسلمانوں نے قائم کئے ہیں یا جو دوسرے ہم مذہب کے لوگوں نے بنائے ہیں، ان میں مذہبی تعلیم کی حوصلہ افزائی کرنا۔

۷۔ مسلمانوں میں مکتب اور نظامِ مکتب کی تہدیم کی وجوہات کا جائزہ لینا اور مسلمانوں کے مذہبی اور روائتی علوم کے فقدان اور ان کے اداروں کی کم مائیگی اور زبوں حالی کا جائزہ لینا۔

یہ بھی طے پایا گیا کہ اس کانفرنس کا صدر مقام اور مرکز علی گڑھ ہی میں رہے۔ کانفرنس کی باضابطہ ترویج و ترقی اور سرگرمیوں کے لئے دیگر مختلف انتظامی امور بھی طے کئے گئے۔ کئی طرح کا چناؤ کیا گیا اور اس کی رکنیت کے لئے چندہ بھی مقرر کر دیا گیا۔ مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے یہ ایک باضابطہ منظم اور اغراض و مقاصد کی حامل کانفرنس تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کانفرنس نے شروع دن ہی سے ایک طرح سے اپنا انقلابی کردار ادا کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس کانفرنس نے اپنے قیام سے لے کر مسلم لیگ کے قیام تک اسلامیانِ ہند کے لئے جو عظیم الشان خدمات انجام دیں، ان سے کسی بھی صورت صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کانفرنس بھی علی گڑھ ہی کا ایک تحفہ تھی۔ اس عہد کے دوران میں مولوی سمیع اللہ خاں، منشی امتیاز علی خاں رئیس، محمد حیات خاں، نواب محمد اسحاق، مولوی محمد حشمت اللہ ایم اے، نواب محسن الملک، جسٹس شاہ دین، امداد الملک سید حسین بلگرامی، نواب فتح علی خاں قزلباش، جسٹس سید امیر علی، سر آغا خاں، جسٹس بدرالدین طیب جی، خلیفہ محمد حسین، جسٹس سید شریف الدین نے اس کانفرنس کی سالانہ تقریبات کی صدارت کے فرائض انجام دیئے۔ ان کے علاوہ مولانا حالی، مولانا

Marfat.com

شبلی، نواب برکت علی، سردار محمد حیات، محمد بشیر الدین وقار الملک، آفتاب احمد خاں اور سر سید احمد خاں کے علاوہ دیگر کئی اکابر مسلمانوں نے اپنی بے پناہ خدمات اسی محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے لئے وقف رکھیں۔ گویا یوں کہنا چاہیئے کہ اس کانفرنس کی بدولت علی گڑھ مسلمانوں کی ہر طرح کی علمی، ادبی، سیاسی اور سماجی سرگرمیوں کا مرکز بنا رہا۔ یہ علی گڑھ کی کانفرنس ہی تھی کہ ۱۹۰۶ء میں جس کے بطن سے مسلمانانِ ہند کی سب سے بڑی سیاسی جماعت مسلم لیگ نے جنم لیا۔ علی گڑھ کی انہی خدمات کے پیش نظر سر آغا خاں نے اعتراف کیا تھا کہ "اگر علی گڑھ نہ ہوتا تو پاکستان بھی نہ ہوتا۔" اور اسی طرح علی گڑھ تحریک کے بانی سر سید احمد خاں کو پاکستان کے معمارِ اول کا درجہ دیا جاتا ہے۔

۱۸۹۸ء میں سر سید احمد خاں کی وفات تک یہ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس ایک تن آور درخت بن چکی تھی اور اب یہ کانفرنس ایک طرح سے ہندوؤں کی سیاسی جماعت کانگریس کے مقابلے میں مسلمانوں کی امیدوں اور آرزوؤں کا مرکز بن چکی تھی۔ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے قیام کے وقت ۱۸۸۶ء میں اس کے ممبران کی تعداد صرف ستاسی تھی لیکن سر سید احمد خاں کی وفات کے وقت ممبران کی تعداد ایک ہزار کے قریب ہو چکی تھی۔

یہ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس ہی کا کرشمہ ہے کہ اس کے ایک فعال رکن نواب وقار الملک نے اکتوبر ۱۹۰۱ میں پورے ہندوستان کا کئی حوالوں سے دورہ کیا۔ انہوں نے اس دورے کے بعد یہ تجویز کیا کہ مسلمانانِ ہند کی سیاسی اور سماجی صورت حال ایسی ہے کہ اب وقت آگیا ہے ملک میں مسلمانوں نے ہر طرح کے حقوق خصوصاً سیاسی حقوق کی حفاظت اور نمائندگی کی خاطر ان کی ایک اپنی علیحدہ سیاسی جماعت بھی ہونی چاہیئے کیونکہ کسی ایسی جماعت کے قیام کے لئے رائے عامہ نے بھی بھرپور طور پر اظہار کر دیا ہے۔ نواب وقار الملک کی اس تجویز کو پہلے پہل کوئی اہمیت نہ دی جا سکی۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ بعض لوگ یہ سمجھتے تھے کہ سر سید احمد خاں نے اپنی علی گڑھ تحریک

Marfat.com

کے ذریعے جو سیاسی اور سماجی بیداری پیدا کر دی ہے اس کے بعد اب کسی نئی جماعت کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اب جدید تقاضوں کے تحت ضروری تھا کہ سر سید احمد خاں کی علی گڑھ تعلیمی تحریک کی دکھائی ہوئی روشنی میں مسلمانوں کے حقوق و مفادات کے لئے مزید اقدام اٹھائے جاتے۔

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے ۱۹۰۲ء کے سالانہ اجلاس میں برعظیم کے مسلم اکابرین نے شرکت کی اور یہاں پر بھی اس امر کا اظہار کیا گیا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی ایک ایسی تنظیم بھی ہونی چاہیئے کہ جو ان کے سیاسی اور معاشرتی حقوق کی بھی محافظ ہو۔ لہٰذا اس خیال پر سوچ بچار کرنے کی خاطر ایک کمیٹی تشکیل دے دی گئی۔ بہر صورت اس وقت تک محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے ہر سال تاریخی نوعیت کے اجلاس منعقد ہوتے رہے۔ ڈیڑھ سو سے زائد نہایت اہم اور تاریخی قرار دادیں ان اجلاسوں میں منظور ہوئیں۔ اجلاسوں میں تاریخی نوعیت کی اور انقلاب آفریں تقاریر بھی ہوتی رہیں۔ نہایت اہم اور قابل قدر مضامین اور مقالات پڑھے گئے اور ان سب سے بڑھ کر اجلاسوں میں مسلمانوں کے ان گنت مسائل کو حل کرنے کے بارے میں غور و خوض کیا گیا اور مسائل کا حل ڈھونڈا گیا۔ خلاصتاً یوں کہا جا سکتا ہے کہ جب تک مسلمانان ہند کی کوئی دوسری بڑی سیاسی جماعت معرضِ وجود میں نہیں آسکی۔ اس وقت تک اسی محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس نے سر سید احمد خاں کی سجھائی ہوئی سیاسی بصیرت کے تحت مسلمانوں کو یکجا اور متحد رکھا۔ اس کانفرنس نے سیاسی حوالے سے بھی کام کیا اور علمی ادبی حوالوں سے بھی اپنے فرائض سرانجام دیئے۔ برعظیم پاک و ہند میں بیسویں صدی کے ابتدائی برسوں میں جب اردو کو پس پشت ڈال کر ہندی زبان کو سرکاری زبان کے طور پر متعارف کرایا جانے لگا تو بھی اسی کانفرنس کی بدولت نواب محسن الملک نے اردو ڈیفنس ایسوسی ایشن قائم کی۔ اسی دوران میں ۱۹۰۳ء

Marfat.com

میں مسلمانوں نے ایک سیاسی سماجی جماعت "سوشیو پالیٹیکل آرگنائزیشن" قائم کی اور جلد ہی اس کی شاخیں ملک کے دوسرے حصوں میں قائم ہونے لگیں۔ یوپی کے مسلمانوں نے "محمڈن پالیٹیکل ایسوسی ایشن" بھی ۱۹۰۳ء میں قائم کی۔ اس ایسوسی ایشن نے بھی مسلم لیگ کے قیام تک قابلِ ذکر کردار ادا کیا اور مسلمانوں کے لئے ایک موثر پلیٹ فارم فراہم کئے رکھا۔

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس نے ایک جانب مسلمانانِ برعظیم کو سائنس اور مغربی علوم و فنون کے حصول کے لئے سرگرم عمل رکھا اور اس کے ساتھ قوم کی ابتدائی تعلیمی ضرورتیں پوری کرنے پر بھی توجہ دی۔ کانفرنس کی بدولت لوگوں نے مذہبی، سائنسی تکنیکی اور پیشہ وارانہ مضامین کی تدریس بھی شروع کر دی۔ یہی نہیں بلکہ مسلمان عورتوں کی تعلیم و تربیت کے انتظامات بھی کر دیئے۔ جس کے نتیجے میں ۱۹۰۷ء میں علی گڑھ ہی میں عورتوں کا پہلا کالج سر سید گرلز کالج قائم کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ ایجوکیشنل کانفرنس نے پرائمری ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے حصول پر بھی اپنی پوری پوری توجہ مرتکز کی۔

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے متعدد فعال رہنما مثلاً محسن الملک، حالی، ڈپٹی نذیر احمد اور مولوی ذکاء اللہ ایک جانب اردو زبان و ادب کی حفاظت کر رہے تھے اور اس کے ساتھ ہی سر سید احمد خاں کی تحریک کو بھی روز بروز توانا کرتے جا رہے تھے۔ کانفرنس کے ان سر سید کے رفقاء کار اور سرگرم اور فعال ممبروں نے ۴ جنوری ۱۹۰۳ء کو پروفیسر آرنلڈ کی صدارت میں اردو زبان و ادب کی حفاظت اور ترویج و ترقی کے لئے "انجمن ترقی اردو" قائم کی۔ مولانا شبلی نعمانی کو انجمن کے سیکرٹری اور مولانا ڈپٹی نذیر احمد، مولوی ذکاء اللہ اور مولانا الطاف حسین حالی کو انجمن کے وائس پریذیڈنٹ مقرر کیا گیا۔ علم پرور اور زبان و ادب کے ماہرین کے اس گروپ کی قیادت میں انجمن ترقی اردو نے نہایت قابلِ قدر اور معرکۃ الآرا خدمات سرانجام دیں۔

مسلم لیگ کے قیام تک محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس مسلمانانِ ہند کی سرگرمیوں

Marfat.com

ایک مصروف ترین مرکز بن چکی تھی۔ اس دوران میں اس کانفرنس کے نہایت عظیم الشان اجلاس علی گڑھ، لکھنؤ، لاہور، الہ آباد، دہلی، شاہجہان پور، میرٹھ، کلکتہ، رام پور، مدراس، بمبئی ڈھاکہ وغیرہ میں ہو چکے تھے اس طرح مسلمانوں کی اس کانفرنس کو پورے ملک میں خاطر خواہ پذیرائی حاصل ہو چکی تھی۔

خلاصتاً ۱۹۰۶ء تک محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس مسلمانانِ برعظیم کے لئے ایک اہم اور لابدی انجمن کا درجہ اختیار کر چکی تھی۔ اس کانفرنس کی کارکردگی کا محتاط سے محتاط انداز میں بھی ناقدانہ جائزہ لیا جائے تو بھی یہ امور کھل کر سامنے آتے ہیں کہ اس کانفرنس نے برعظیم پاک و ہند کے مسلمانوں کی علمی، ادبی اور تعلیمی ترقی، اُردو زبان و ادب کے فروغ و تحفظ، ملک میں موجود اسلامی اداروں کی سرپرستی اور حفاظت۔ اور مسلمانوں میں قومی سطح پر بھائی چارے کی فضا پیدا کرنے اور ان میں عصری تقاضوں کے تحت سیاسی شعور و ادراک پیدا کرنے میں نہایت قابلِ قدر اور اہم خدمات انجام دی ہیں۔

Marfat.com

باب - ۶

آل انڈیا مسلم لیگ

پسِ منظر

انیسویں صدی کے آخری سال یعنی سر سید احمد خاں کی وفات کے ایک سال بعد ۱۸۹۹ء میں برطانوی وائسرائے لارڈ کرزن نے برعظیم پاک و ہند کی حکومت کا نظام سنبھالا۔ لارڈ کرزن گو ایک سخت گیر وائسرائے تھا لیکن اس نے سیاسی سخت گیری سے ہٹ کر ملک میں تعلیم آبپاشی ریلوے اور پولیس کے محکموں میں کئی طرح کی اصلاحات نافذ کیں۔ گو لارڈ کرزن کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ برعظیم کے تیس کروڑ لوگوں کو تیس کروڑ پتلیوں سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا تھا لیکن یہ حقیقت ہے کہ بیسویں صدی کے آغاز تک برعظیم کے لوگ سیاسی طور پر خاصے باشعور ہو چکے تھے۔ مسلمانوں میں تو خصوصاً سر سید احمد خاں کی تعلیمی تحریک اور محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی بدولت ایک طرح کی انقلابی بیداری پیدا ہو چکی تھی۔ اب لوگوں میں یہ بھی امنگ پیدا ہو گئی تھی کہ وہ خود حکومتی امور میں حصہ دار ہوں۔

Marfat.com

مسلمانوں نے اپنے آپ کو کانگرس سے علیحدہ رکھنے پر اپنی توجہ مرتکز کر رکھی تھی۔ اس طرح کانگرس کو یہ موقع نہ مل سکا کہ وہ بزعم خویش حقائق کی روشنی میں اپنے آپ کو برعظیم کے تمام لوگوں اور قوموں کی نمائندہ سیاسی جماعت کے طور پر حکومتی حلقوں میں متعارف کرا سکے کانگرس سے مسلمانوں کی اکثریت کی علیحدگی ان کے اپنے تشخص کو ابھار تو نہ سکی لیکن ان کا جداگانہ تشخص قائم اور بحال ضرور رہا۔ کیونکہ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا پلیٹ فارم برعظیم کے مسلمانوں کی سرگرمیوں اور ان کے ہر طرح کے امور کا ایک اہم مرکز بن چکا تھا۔

۱۹۰۳ء میں مسلمانوں نے جو سوشیو پالیٹیکل آرگنائزیشن قائم کی تھی۔ اس کی شاخیں صوبجاتِ متحدہ، مراد آباد، سہارن پور، مظفر نگر، علی گڑھ اور ایٹہ کے علاوہ بھی کئی شہروں میں قائم ہو گئی تھیں۔ اسی دوران میں نواب وقار الملک اور آفتاب احمد خاں بھی اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ مسلمانانِ ہند کو سیاسیات میں پوری طرح داخل ہونے اور اپنا کردار ادا کرنے کے لئے اپنی ایک علیحدہ سیاسی جماعت بنانے کی شدید ضرورت ہے۔ آفتاب احمد خاں جو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے لئے بڑا فعال کام کر رہے تھے انہوں نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ "جب تک مسلمان سیاست کے مفہوم سے واقف ہو کر اس میں حصہ نہیں لیں گے۔ اس وقت تک وہ تہذیب و تمدن کی روشنی سے بہرہ ور ہی نہیں ہو سکتے۔ جس طرح روحانی زندگی کی نشو و نما کے لئے مذہب ضروری ہے اسی طرح باعزت مہذب و متمدن زندگی کے لئے سیاست اور سیاسی علوم ضروری ہیں۔" انہوں نے یہ بھی کہا کہ سرِدست حکومت کے ضوابط کو سمجھنا اور حکومت کی پالیسیوں کو سمجھنا اور ان پر غور و خوض کرنا ہی ہماری سیاست اور سیاسی آگہی ہو گی۔

اکتوبر ۱۹۰۵ء سے پہلے مسلمانوں کی کسی سیاسی جماعت کے قیام کے لئے مسلمان اکابرین کے کئی مشاورتی اجلاس منعقد ہو چکے تھے اور یہاں تک طے پا لیا گیا تھا کہ ایسی سیاسی جماعت کے قیام کی تجویز پر بھی مسلمانوں میں کئی طرح کی آراء ابھریں اور اسی طرح پھر اس جماعت

Marfat.com

کے نام کے بارے میں مختلف تجاویز سامنے آئیں۔ متفقہ طور پر یہ طے پالیا گیا کہ برعظیم کے مسلمانوں کی اس سیاسی جماعت کو "محمڈن نیشنل یونین" کا نام دے دیا جائے اور اس کے مقاصد کے لئے یہ طے پایا گیا کہ یہ جماعت مسلمانوں کے مطالبات کی نمائندگی کرے گی اور اسی طرح مسلمانوں کی شکایات بھی حکومت تک پہنچائے گی۔ حکومت کی تمام ایسی پالیسیاں کہ جن میں مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں اتحاد و یگانگت کی نشاندہی ہوگی ان کے نفاذ کے لئے حکومت کے ساتھ تعاون اور حمایت کی جائے گی۔

اس مشاورتی اجلاس کے کئی شرکاء نے اس جماعت کے نام پر اعتراض کیا۔ اور کئی ایک نے اس کے مقاصد میں مسلمانوں کے دیگر فرقوں کے مفادات پر بھی اعتراض کیا لیکن بالآخر اسی اجلاس میں "محمڈن نیشنل یونین" کے بجائے مجوزہ جماعت کا نام "مسلم لیگ" رکھ دیا گیا۔ مارچ ۱۹۰۶ء تک یہ نام ہی مسلمان رہنماؤں نے پسند اور منظور کر لیا جون ۱۹۰۶ء میں مولانا محمد علی نے بھی سیاسی جماعت کے لئے "مسلم لیگ" کے نام پسند کیا۔ جلد ہی اس جماعت کے اغراض و مقاصد تیار کر کے اخبارات میں بھی چھپوا دیئے گئے۔

تقسیم بنگال

مسلم لیگ کے باضابطہ اعلان میں ابھی چند مہینے باقی تھے کہ برعظیم پاک و ہند کی سیاست میں ایک انقلابی واقعہ رونما ہوا۔ اس واقعہ نے مسلمانان برعظیم پر ایک خوشگوار اثر مرتب کیا یہ واقعہ تقسیم بنگال کا ہے لارڈ کرزن نے برعظیم میں آنے کے ساتھ بعض اصلاحات بھی کی تھیں انتظامی طور پر بھی اس نے صوبہ بنگال کی صورتحال کو بغور دیکھا اور جائزہ لیا کہ اتنے بڑے صوبے کو اگر دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے تو حکومتی سطح پر کئی ایک سہولتیں ہو سکیں گی۔ جب پہلی بار ۱۹۰۲ء میں تقسیم بنگال کی تجاویز کی فائل لارڈ کرزن کے سامنے پیش ہوئی تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ

Marfat.com

خود بھی ان دنوں صوبوں کی از سر نو حد بندیوں کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس نے جلد ہی یہ محسوس کر لیا تھا کہ اب بنگال کی تقسیم کو انتظامی سہولت کے لئے جلد عملی صورت پہنائی جانی چاہیئے۔

پیشتر اس کے کہ بنگال کی تقسیم کو عملی صورت میں نافذ کیا جاتا لارڈ کرزن نے اس ضمن میں مقامی خود اختیاری حکومتوں سے ان کی رائے طلب کرنے کے لئے تقسیم بنگال کا خاکہ بھجوایا۔ ان خود مختار حکومتوں نے اس منصوبے کی تائید کی لیکن جب یہ تجویز منظر عام پر آئی اور اس کی عملی صورتوں کا جائزہ لیا جانے لگا تو اس پر لوگوں نے اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی۔ لارڈ کرزن نے لوگوں کے ان اعتراضات پر پہلے پہل کوئی توجہ نہ دی لیکن پھر اس نے خود فروری ۱۹۰۴ء میں مشرقی بنگال کا دورہ کیا۔ دورے کے دوران میں اس نے وہاں کے مقامی رہنماؤں سے ملاقاتیں کیں۔ اس کے بعد لارڈ کرزن نے بتایا کہ تقسیم بنگال کا بنیادی مقصد انتظامی بوجھ ہلکا کرنا ہے۔ انتظامات کے لئے نئے صوبے میں ایک الگ قانون ساز کونسل اور بورڈ آف ریونیو ہو گا۔ اس تقسیم سے مشرقی بنگال کے مسلمانوں کو بھی متحد ہونے کا موقع ملے گا۔

۱۹۰۴ء کے آخر میں وائسرائے ہند نے اعلان کیا کہ عنقریب حکومت کانگرس کا ایک وفد انگلستان بھجوانے کے انتظام کر رہی ہے۔ وائسرائے کے اس اعلان سے بھی کانگرس نے صوبہ بنگال کی تقسیم کی تجویز پر صاد کرنا برداشت نہ کیا بلکہ کانگرس کے ایک خصوصی اجلاس کا بمبئی میں انعقاد کیا۔ اس میں مسلمانوں کے بھی سینکڑوں نمائندوں کو دعوت دی۔ لیکن صرف دس ممبر صوبہ بنگال سے مسلمانوں کی جانب سے اس اجلاس میں شریک ہوئے۔ اسی دوران میں وائسرائے ہند نے خود تقسیم بنگال کا زیرک نظری سے جائزہ لیا اور اس کے عملی پہلوؤں اور امکانات پر سوچ بچار کیا۔ اس منصوبے کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد وائسرائے نے فروری ۱۹۰۵ء میں یہ منصوبہ منظوری

Marfat.com

کے لئے برطانیہ بھیج دیا۔ وہاں سے اس منصوبے کی جلد ہی منظوری مل گئی۔ اس کے بعد جولائی ۱۹۰۵ میں تقسیم بنگال کا اعلان کر دیا گیا۔

اس تاریخی اہمیت کے اعلان کے بعد صوبہ بنگال کو دو حصّوں میں تقسیم کر دیا۔ بنگال کے مشرقی حصہ جو ڈھاکہ، راجشاہی، چٹاگانگ، کھلنا اور آسام کے کچھ علاقے پر مشتمل تھا اس میں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ اس حصّے کا صدر مقام ڈھاکہ بنا دیا گیا اور یہاں پر ایک انگریز لیفٹیننٹ سر بیم فائلڈ فلر کو بطور گورنر مقرر کر دیا گیا۔ دوسرا صوبہ مغربی بنگال بنا دیا گیا اور اس کا صدر مقام کلکتہ بنا دیا گیا۔ مغربی بنگال میں ہندوؤں کی اکثریت تھی۔

صوبہ بنگال کی یہ دو حصّوں میں تقسیم سے سب سے پہلا تاثر جو ہندوستان بھر کی تمام اقوام میں پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ بنگال کا ایک بڑا صوبہ دو قوموں کی اکثریت کے حساب سے دو حصّوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے بلکہ اب تو یہ تاثر بھی ملنے لگا تھا کہ مشرقی بنگال خالصتاً مسلم اکثریت کا صوبہ ہے۔ اس طرح مسلمانوں کو بھی خود شعور ہو گیا کہ مشرقی بنگال میں ان کی اپنی اکثریت ہے گویا اس تقسیم نے مسلمانوں کو ان کے سیاسی جمود سے جھنجھوڑ کر باہر نکال دیا اور انہوں نے پہلی بار اپنی مبہم امیدوں کے اظہار کا موقع محسوس کیا۔

اس تقسیم بنگال کے منصوبہ پر باضابطہ طور پر اکتوبر ۱۹۰۵ میں عمل درآمد شروع ہوا مسلمانوں کے صوبے مشرقی بنگال کا رقبہ ایک لاکھ چھ ہزار پانچ سو چالیس مربع میل تھا اور آبادی تین کروڑ دس لاکھ تھی۔ اس میں قریباً ۵۸٫۲ فیصد یعنی ایک کروڑ اسی لاکھ مسلمان تھے مسلمانوں کو اس قدر اہمیت مل جانا کوئی چھوٹا کام نہیں تھا۔ اسی لئے سر نواب سلیم اللہ خاں نے کہا تھا کہ "تقسیم بنگال نے ہمیں خواب غفلت سے بیدار کر دیا ہے"۔

تقسیم بنگال ایک جانب مسلمانوں کے لئے باعث نوید تھا لیکن دوسری طرف کانگرس اس تقسیم پر بیحد ناخوش تھی۔ کانگرس نے اپنے طور پر یہ تصور کر لیا تھا کہ تقسیم بنگال کا منصوبہ کانگرس کے خلاف ایک سوچی سمجھی سازش ہے اور اس سے ملکی استحکام اور اتحاد کو پارہ

Marfat.com

پارہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس کے خلاف کانگرس اور ہندوؤں نے ایک منظم تحریک کا آغاز کر دیا۔ اس تحریک کو شدت دینے کے لئے انہوں نے یہاں تک کہنا شروع کر دیا کہ دھرتی ماتا کے ٹکڑے کر کے کالی دیوی کی توہین کی گئی۔ اس طرح بے شمار ہندو مذہب اور دھرم کے حوالے سے بھی مشتعل ہو گئے بلکہ جب تقسیم بنگال کا عملی نفاذ ہوا اس دن ہندوؤں نے سوگ کا دن منایا اور ہڑتالیں کیں۔ اسی دن سے ہندوؤں کے لئے بندے ماترم کا ترانہ قومی ترانے کے طور پر اختیار کیا گیا۔ ہندوؤں نے طرح طرح کے الزامات عائد کئے کہ لارڈ کرزن نے تقسیم بنگال کر کے مسلمانوں کی بے جا طرفداری سے کام لیا ہے۔ ہندوؤں کے اس اشتعال انگیز احتجاج کے دوران میں چند ایک مقامات پر ہندو مسلم فسادات بھی ہوئے۔

اس صورت حال میں کمی واقع ہونے کے بجائے شدت پیدا ہوتی گئی کانگرس نے ایک احتجاجی تحریک کے دوران ایک طرح سے مسلمانوں کے خلاف [illegible] کر دیا۔ اس سے فسادات میں مزید شدت پیدا ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہندو [illegible] کا بائیکاٹ کر دیا گیا اور اس مقصد کے لئے کانگرس نے طالب علموں کو بھی آلہ کار بنایا۔ لیکن حکومت بنگال نے ایک سرکلر کے ذریعے سکولوں اور کالجوں کے طالب علموں کو کسی بھی طرح کی سیاسی سرگرمی اور ایجی ٹیشن میں حصہ لینے کی ممانعت کر دی۔ اسی دوران میں قانونی کارروائیاں کرنے کے کی خاطر انتظامیہ کے مختلف حکام کو احکامات جاری کر دیئے گئے۔

عین اس زمانے میں کہ جب ہندوستان میں کانگرس اور ہندو سودیشی مال کا بائیکاٹ کر چکے تھے اور تقسیم بنگال پر واویلا کر رہے تھے۔ ادھر انگلستان میں کنزرویٹو وزارت کے بعد لبرل حکومت قائم ہو گئی۔ اس طرح انڈیا آفس کی ذمے داری جان مارلے نے سنبھال لی۔ یاد رہے کانگرس جان مارلے کی اس تعیناتی پر بہت خوش تھی۔ کیونکہ جان مارلے

Marfat.com

کے نظریات کانگرس کے لئے زیادہ خوش آئند تھے۔اس کے ساتھ ہی لارڈ کرزن بھی مستعفی ہو گیا۔اور لارڈ منٹو ہندوستان کا نیا وائسرائے مقرر ہوا۔

اس ساری نئی انتظامیہ کے بعد لارڈ منٹو نے جان مارلے کو اپنے خط میں صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے لکھا کہ "میں سرکاری سطح پر جو بنگال کی تصویر پیش کی جا رہی ہے اس سے ہرگز مطمئن نہیں ہوں۔البتہ ہندوستان میں یہ جو اشتعال انگیز تحریکیں چل رہی ہیں ان کے پس پردہ ہندوؤں کا مالی اور قانونی نقصان ہے۔کیونکہ اس تقسیم سے ہندوؤں کی تجارت کے مراکز اب کلکتہ سے اُٹھ کر ڈھاکہ چلے جائیں گے۔" تقسیم بنگال پر ہندوستانی پریس نے بھی شدید ردعمل کا اظہار کیا اور کہا کہ بنگال کی تقسیم ہندوستانیوں کے جذبات کے سراسر خلاف ہے۔شاید ہندوؤں کی اشتعال انگیز کارروائیوں کے باوجود لارڈ منٹو نے جان مارلے کو لکھا کہ بنگال کی تقسیم سے اگرچہ مسلمان خوش ہیں اور ہندو نالاں۔لیکن پھر بھی انتظامی سہولت کی خاطر ضروری تھی۔اب صورت حال کو معمول پر لانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

اسی دوران میں شہزادی اور شہزادہ ویلز نے برعظیم پاک و ہند کا ایک دورہ کیا۔اس موقع پر لارڈ منٹو نے بہتر جانا کہ ہندو لیڈر گوکھلے کی ایک ملاقات کا اہتمام کر کے اس کے ذریعے ایجی ٹیشن اور بائیکاٹ کی تحریک ختم کرنے کے لئے کہا جائے۔اس طرح لارڈ منٹو نے اپنی جانب سے ہندوؤں کے لئے اپنے نرم اور ہمدرد جذبات کا بھی اظہار کیا۔اس اثناء میں بنگالی ہندو لیڈر سر بندر ناتھ بینرجی نے تقسیم بنگال کو تنسیخ کرنے کے لئے ایک تحریک چلا رکھی تھی۔اس کے تحت کانگرس اور ہندو کئی جلسے جلوس منعقد کر رہے تھے اور اس کے ساتھ ہی وہ بندے ماترم کا ترانہ بھی گا رہے تھے دوسری جانب مشرقی بنگال کے مسلمانوں کے لئے بندے ماترم کا ترانہ ایک ناپسندیدہ امر تھا۔اس لئے بنگال کا امن و امان خطرناک صورتِ حال سے دوچار تھا۔بنگالی ہندو اس وقت کانگرس سے بھی ایک قدم آگے چلے ہے تھے۔اس سے کانگرس کی اپنی پوزیشن بھی اب ایک مشکل مقام پر تھی۔

Marfat.com

گو کانگرس اور ہندوؤں کی اشتعال انگیز تحریکوں سے برعظیم کے تمام لوگوں اور قوموں کو مشتعل کیا جا رہا تھا لیکن مسلمان ان کارروائیوں سے الگ تھلگ رہے وہ اپنے طور پر کانگرس کے اس مطالبے کی مخالفت کرتے رہے کہ تقسیم بنگال کو منسوخ کر کے پھر سے ایک صوبہ بنا دیا جائے۔ مسلمانوں کے یہ بھی علم میں تھا کہ تقسیم بنگال کی سکیم کوئی محض لارڈ کرزن ہی کی اختراع نہیں تھی بلکہ اس کا اظہار تو بہت پہلے بھی کیا جا چکا تھا اور تقسیم بنگال کا منصوبہ ایک پرانا منصوبہ تھا جسے لارڈ کرزن نے جلد عملی جامہ پہنایا۔ اس لئے اس تقسیم کے خلاف کسی قسم کی ایجی ٹیشن یا تحریک چلانے کی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ صوبوں کی انتظامی تقسیم کے لئے کئی بار دیگر کئی صوبوں کی حد بندیاں کی جا چکی ہیں۔ اس سلسلے میں ایک مسلمان رہنما سید نواب علی چودھری نے کئی تاریخی مثالیں پیش کیں۔ اس نے حکومت کو یہاں تک مطلع کر دیا کہ اگر تقسیم بنگال کا منصوبہ ایک غلطی تھی تو اس تقسیم کے بعد اب پھر اس کی تنسیخ اس سے بھی بڑی غلطی ہوگی۔"

کانگرس اور ہندوؤں نے اپنی اشتعال انگیز سرگرمیاں اور بے گناہ لوگوں کا قتل جاری رکھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اب انہوں نے برطانوی مال کا بائیکاٹ بھی شروع کر دیا تھا۔ بنگالی ہندوؤں میں "راکھی بندھن" یعنی راکھی کا دھاگا بھی اتحاد کے طور پر تقسیم کیا جانے لگا تھا۔ لیکن اس کے برعکس مسلمان اور کئی ہندو بھی ان تحریکوں میں بالکل حصہ نہیں لے رہے تھے۔ جیسور کا ایک ہندو گھرانہ تو لوگوں کے گھروں میں جا کر انہیں سودیشی اشیاء استعمال کرنے کی تلقین کرتا رہا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ مسلمان سودیشی مال کے بائیکاٹ کی تحریک میں اس لئے بھی شامل نہیں ہوتے تھے کہ سودیشی مال۔ دیسی مال کے مقابلے میں مالی اعتبار سے ارزاں ہوتا تھا بہرصورت ہندوؤں نے لوگوں کو کئی مذہبی اور تاریخی واقعات کے ذکر سے بھی مشتعل کرنا شروع کر دیا تھا۔ اسی دور میں شیواجی کا میلا منایا گیا اور اس میں مرہٹوں کی غیرت اور حمیت کو للکارا گیا۔ شیواجی کی فتح میں چونکہ ایک مسلمان کی تحقیر تھی اس لئے مسلمانوں کو ہندوؤں کی یہ روش ایک آنکھ نہ بھائی۔ کیونکہ ہندو ایسے میلوں میں یہ بھی کہا کرتے تھے

Marfat.com

کہ اگر مسلمانوں کے مقابلے میں شیواجی پیدا ہو سکتے ہیں تو اب مسلمانوں کے مقابلے میں ایسے جری اور بہادر لوگ کیوں نہیں آتے۔

ان تمام سرگرمیوں اور ہندوؤں کی اشتعال انگیزیوں کے باوجود مسلمان مطمئن تھے اور وہ ایجی ٹیشن میں حصہ لینے کے لئے تیار نہیں تھے۔ لیکن ہندوؤں نے سودیشی مال فروخت کرنے والی مسلمانوں کی دکانوں کو اب لوٹنا بھی شروع کر دیا تھا۔ اصل میں کانگرس تو یہی چاہتی تھی کہ تقسیم بنگال کے خلاف مشرقی اور مغربی بنگال دونوں کے لوگ احتجاج کرنا شروع کریں۔ بہرطور مشرقی بنگال کے ہندوؤں نے اقلیت میں ہونے کے باوجود مسلمانوں کے لئے طرح طرح کے مسائل پیدا کرنے شروع کر دیئے۔ ایسی صورت حال میں مسلمانوں کے لئے ضروری ہو گیا تھا کہ وہ کسی ایک منظم جماعت کا قیام عمل میں لائیں۔ ڈھاکہ کے نواب سلیم اللہ ان خطوط پر پہلے ہی بڑی سنجیدگی سے غور و خوض کر رہے تھے کیونکہ ان کے سامنے بنگال کی تقسیم اور اس کے اثرات موجود تھے۔

اگست ۱۹۰۶ء میں لبرل سیکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا نے اپنی بجٹ تقریر میں یہ ایک اشارہ کیا تھا کہ عنقریب کونسلر کے انتظامات کیلئے اصلاحات کا نفاذ کیا جائے گا۔ لارڈ مارلے کے اس اعلان نے مسلمانوں کو ایک حد تک خائف کر دیا تھا کہ اگر کونسلز کے اختیارات میں اصلاحات کر کے مزید توسیع کر دی تو مسلمانوں کے حقوق اور زیادہ غیر محفوظ ہو جائیں گے اور اکثریت کے نمائندے اقلیت کے حقوق و مفادات کو پس پشت ڈال دیں گے۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے کئی ایک مسلمان رہنماؤں اور مہدی علی خاں المعروف نواب محسن الملک جو ان دنوں ایم اے او کالج علی گڑھ میں بطور سیکرٹری فرائض انجام دے رہے تھے۔ طے پایا گیا کہ مسلمان رہنماؤں کا ایک وفد اپنے حقوق و مطالبات اور کئی امور کی وضاحت کی خاطر وائسرائے ہند سے ملاقات کرے۔ اس بات پر بھی اتفاق کیا گیا کہ اصلاحات کے ایکٹ کے حوالے سے وائسرائے سے یہ بھی دریافت کیا جائے کہ آیا ان نئی متوقع تبدیلیوں

Marfat.com

اور اختیارات میں انتخابات کے ضمن میں مسلمانوں کے موقف کو پیش نظر رکھا جا رہا ہے کہ نہیں بہر صورت نواب محسن الملک نے وائسرائے ہند سے ملاقات کے لئے ایک وفد کی اجازت حاصل کر لی۔ یہ بھی گمان کیا جاتا ہے کہ شاید مسلمانوں کے ایک وفد کی وائسرائے سے ملاقات کے لئے کچھ انگریزوں مثلاً آرچ بولڈ پرنسپل ایم اے او کالج علی گڑھ، ڈنلپ سمتھ نے اس وفد کی وائسرائے سے رسائی میں مدد کی تھی۔

شملہ وفد

بہر صورت نواب محسن الملک نے مسلمان رہنماؤں کے ساتھ مل کر یہ فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کو متحد کر کے ان کے حقوق کی حفاظت کے لئے اقدامات کئے جائیں۔ لہٰذا اس مقصد کے لئے ستمبر ۱۹۰۶ء میں لکھنؤ میں ایک خصوصی اجلاس میں وفد کی جانب سے وائسرائے کو پیش کی جانے والی ایک یادداشت کا مسودہ تیار کیا گیا اور پھر یکم اکتوبر ۱۹۰۶ء کو مسلمان رہنماؤں کا یہ وفد آغا خاں کی قیادت میں شملہ پہنچا۔ اس تاریخی شملہ وفد کے ارکان کی تعداد پینتیس تھی اور اس وفد کے ارکان کی آمد و رفت کا خرچ کس طرح پورا کیا گیا۔ یہ ایک لمبی داستان ہے۔ اس سلسلے میں محض اتنا کہا جا سکتا ہے کہ وفد کے اخراجات کے لئے نواب محسن الملک نے کنگ اینڈ کو سے ایک معقول رقم سود پر حاصل کی تھی اور اس ساری صورت حال کا شرکاء وفد کو بعد میں علم ہوا۔

اس وفد کے ممبران کے قائد ہز ہائی نس آغا خاں تھے ان کے علاوہ باقی چونتیس ممبران میں ہندوستان بھر کے درج ذیل مسلمان رہنما شامل تھے۔

۱۔ ہز ہائی نس آغا خاں (قائد)

۲۔ شہزادہ بختیار شاہ کلکتہ

۳۔ ملک عمر حیات خاں ٹوانہ ضلع شاہ پور

Marfat.com

۴۔ خاں بہادر محمد شاہ دین ، لاہور

۵۔ خان بہادر سید نواب علی چودھری، میمن سنگھ

۶۔ نواب بہادر مرزا شجاعت علی بیگ، مرشد آباد کلکتہ

۷۔ نواب ناصر حسین خاں بہادر، پٹنہ بہار

۸۔ خاں بہادر سید امیر حسن خاں ، کلکتہ

۹۔ سیّد محمد امام ، پٹنہ بہار

۱۰۔ نواب سرفراز حسین خاں بہادر، پٹنہ بہار

۱۱۔ خان بہادر احمد محی الدّین ، مدراس

۱۲۔ مولوی رفیع الدّین احمد ، بمبئی

۱۳۔ ابراہیم بھائی آدم جی پیر بھائی ، بمبئی

۱۴۔ مولوی عبدالرحیم صاحب ، کلکتہ

۱۵۔ سیّد الہ داد شاہ ، خیرپور سندھ

۱۶۔ مولانا ایچ ایم مالک ، ناگ پور

۱۷۔ خان بہادر کرنل عبدالمجید خاں ، پٹیالہ

۱۸۔ خان بہادر خواجہ یوسف شاہ ، امرتسر

۱۹۔ خان بہادر میاں محمد شفیع ، لاہور

۲۰۔ خان بہادر شیخ غلام صادق، امرتسر

۲۱۔ مولوی حافظ حکیم محمد اجمل خاں، دہلی

۲۲۔ محمد احتشام علی، رئیس کاکوری، اودھ

۲۳۔ سیّد نبی اللہ ، ضلع الہ آباد

۲۴۔ سیّد عبدالرؤف ، ضلع الہ آباد

Marfat.com

۲۵۔ عبدالسلام خاں، رام پور

۲۶۔ خان بہادر محمد مزمل اللہ خاں، ضلع علیگڑھ

۲۷۔ حاجی محمد اسماعیل خاں ، علی گڑھ

۲۸۔ صاحبزادہ آفتاب احمد خاں، علی گڑھ

۲۹۔ نواب وقار الملک مولوی مشتاق حسین ضلع مرادآباد

۳۰۔ مولوی حبیب الرحمٰن خاں رئیس حبیب گنج، علی گڑھ

۳۱۔ نواب سید سردار علی خاں، بمبئی

۳۲۔ خلیفہ سید محمد حسین خاں بہادر، پٹنہ

۳۳۔ مولوی سید کرامت حسین، الہ آباد

۳۴۔ مولوی شریف الدین ، پٹنہ بہار

۳۵۔ مولوی سید مہدی علی خاں، محسن الملک

اس شملہ وفد نے وائسرگل لاج شملہ میں سر سلطان محمد شاہ آغا خان کی سربراہی میں لارڈ منٹو سے ملاقات کی اور وفد کے سربراہ آغا خان نے یکم اکتوبر ۱۹۰۶ء کو لارڈ منٹو کو درج ذیل امور پر مبنی عرضداشت پڑھ کر سنائی۔

۱۔ مسلمانوں کو ان کی آبادی اور تعداد کے تناسب سے، ان کی سماجی اہمیت اور مقامی اثر و رسوخ کے حوالے سے ڈسٹرکٹ اور میونسپل بورڈز میں جداگانہ بنیادوں پر نمائندگی دی جائے۔

۲۔ مسلمان نمائندوں کو یونیورسٹیوں کی گورننگ باڈیز میں بھی متناسب نمائندگی کی یقین دہانی کرائی جائے۔

۳۔ پراونشل کونسلوں میں بھی مسلمانوں کو جداگانہ انتخابات کی بنیادوں پر نمائندگی دی جائے اور اس مقصد کے لئے خصوصی انتخابات کے ذریعے مسلمان جاگیرداروں

Marfat.com

وکلاء، تاجروں، دوسرے شعبوں کے نمائندہ افراد، یونیورسٹی گریجوایٹس اور اسی طرح کے دوسرے ڈسٹرکٹ اور میونسپل بورڈز کے ممبران میں سے انتخاب کیا جائے۔

۴۔ امپیریل لیجسلیٹو کونسل میں مسلمانوں کے نمائندوں کی تعداد ان کی عددی آبادی کے اعتبار نہیں ہونی چاہیئے کیونکہ اس میں وہ مسلمان نمائندے امپیریل کونسل میں اپنا کوئی کردار ادا نہیں کر سکیں گے اور اقلیت ہو کر رہ جائیں گے۔ اس لئے ضروری ہے کہ امپیریل کونسل میں مسلمان نمائندوں کی تعداد بڑھائی جائے۔ جہاں تک ممکن ہو ایسے نمائندے بھی بذریعہ چناؤ ہی شامل کئے جائیں کیونکہ ہم نمائندوں کی نامزدگی کی حمایت نہیں کرتے۔ اس مقصد کے لئے بھی انتخابات مسلمان جاگیرداروں، وکلاء، تاجروں پراونشل کونسلز کے ممبران اور یونیورسٹی فیلوز میں سے کرائے جائیں۔

سر آغا خاں نے یہ عرضداشت محض کسی تمہید ہی کے بغیر یوں ہی نہیں پڑھ دی تھی بلکہ ایک پورے پس منظر کے ساتھ نہایت پُر مغز اور تاریخی اہمیت کی باتیں کیں انہوں نے کہا کہ "نمائندگی کے کسی بھی طریقہ کار، محدود یا غیر محدود میں ایک اقلیت کہ جو اپنے وجود میں کسی بھی طرح یورپ کی کسی درجہ اوّل کی اقلیت (سوائے روس کے) سے بالحاظ تعداد زیادہ ہے۔ اسے مناسب نمائندگی سے محروم نہیں رکھا جا سکتا۔ بلکہ وہ ملک کے انتظام کا بھی ایک اہم حصہ ہے۔ اس لئے کسی بھی شعبے میں مسلمانوں کو ان کی تعداد کے تناسب سے نمائندگی دینے کے بجائے ان کی سیاسی اہمیت اور مقام کے حوالے سے نمائندگی دی جانی چاہیئے"۔ انتخابات کے نظام کے حوالے سے سر آغا خاں نے کہا کہ "انتخابات کا یورپی نظام ہندوستان کے لوگوں کے لئے بالکل نیا ہے۔ آج کے نظام انتخاب میں ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی امیدوار کا نام منظوری کے لئے انتخابی باڈیز کی جانب سے بھیجا گیا ہو ایسا محض اسی صورت میں ممکن ہوتا ہے کہ جب امیدوار کی زیادہ وابستگیاں اور ہمدردیاں اہم مسائل ہی کے ساتھ ہوں"۔ اس وفد نے حکومت کے مختلف شعبوں

Marfat.com

مثلاً عدالتوں میں مسلمانوں کی ناکافی نمائندگی کا ذکر بھی کیا۔ یہ بھی کہا گیا کہ مسلمان اس امر کا اظہار بڑے دکھ کے ساتھ کرتے ہیں کہ مسلمان ججوں کو ہائی کورٹس اور چیف کورٹس میں اکثر نمائندگی دینے سے محروم ہی رکھا جاتا ہے۔ اس لئے آج صورت حال یہ ہے کہ ایک بھی مسلمان جج ان عدالتوں میں موجود نہیں ہے۔ جبکہ برعکس اس کے تین ہندو جج کلکتہ ہائی کورٹ اور دو چیف کورٹ پنجاب میں متعین ہیں حالانکہ ان صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔

وفد کی ان معروضات کے جواب میں وائسرائے ہند لارڈ منٹو نے بڑے ہمدردانہ انداز میں کہا کہ "میں ذاتی طور پر آپ لوگوں کے تمام مطالبات کا احترام کرتا اور انہیں اہمیت دیتا ہوں۔" وائسرائے نے یہ بھی کہا کہ "آپ لوگ دیکھیں گے کہ عنقریب ہندوستان کے حالات میں تبدیلی واقع ہونے والی ہے آپ لوگوں نے مجھے ایسے وقت پر مخاطب کیا ہے کہ جب سیاسی فضا مکمل طور پر تغیر پذیر ہو رہی ہے اس حالات کی تغیر پذیری سے صرف نظر کرنا بہت بڑی نادانی ہوگی۔ میں آپ لوگوں کے خیال سے بالکل متفق ہوں اور میں آپ کی عرضداشت سے متاثر ہوا ہوں کہ کوئی بھی ایسی نمائندگی نہیں ہونی چاہیئے کہ جس میں اس برعظیم کی کسی بھی قومیت کی تاریخی، روائتی اور اعتقادی حیثیت کو پیش نظر نہ رکھا جائے۔" لارڈ منٹو نے اپنے جواب میں گویا ایک طرح کا مصالحانہ انداز اختیار کیا اور کہا کہ "میں اس بات سے اتفاق کرتا ہوں کہ مسلمانوں کے لئے علیحدہ حیثیت کا تعین ضروری ہے۔ میونسپل بورڈ ہو یا ڈسٹرکٹ بورڈ یا مجلس قانون مسلمانوں کی علیحدہ حیثیت کا تعین بہر حال ہونا ضروری ہے۔"

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مسلمانوں کے اس وفد کی عرضداشت پر وائسرائے ہند کا ہمدردانہ اور مصالحانہ رویہ اس لئے ابھرا تھا کہ اسے معلوم تھا کہ برعظیم میں واقعی ہندوؤں کے بعد مسلمان ہی سب سے بڑی اکثریت ہیں۔ بعض اس نقطہ نظر سے

Marfat.com

بھی کہتے ہیں کہ اس عرضداشت کے آخر میں مسلمانوں نے راج برطانیہ سے وفاداری کا اعادہ بھی کیا تھا۔ بہرصورت کچھ بھی صورت ہو اب سچ مچ برعظیم پاک و ہند کے حالات میں یکسر تبدیلی پیدا ہو رہی تھی۔

مسلمانوں کے اس وفد نے جو نکات اٹھائے تھے ان کے حوالے سے وائسرائے سیکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا اور دیگر اہم حکومتی لوگوں کے مابین ان پر بات چیت ہوئی منٹو نے کہا تھا کہ مسلمانوں کے لئے جداگانہ بنیادوں پر انتخابات کا انعقاد مسلمانوں کا ایک جائز مطالبہ ہے۔ وائسرائے ہند کے مسلمانوں کے وفد کو جواب کے سلسلے میں پارلیمنٹ میں کانگرس کے کسی بھی نمائندے نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ لارڈ مارلے نے بھی اپنی ایک ٹیلی گرام میں وائسرائے ہند کو ان مطالبات کی اہمیت کے مطابق مقام دینے کے لئے کہا تھا۔ بعض ہندوستانی اخبارات اور منٹو کے اپنے بھائی مسٹر ایلیٹ نے منٹو کے جواب اور بیان کو بڑا برمحل، مصلحت انگیز دانش مندانہ قرار دیا تھا۔

مسلمانوں کے ایک وفد کی عرضداشت اور وائسرائے ہند کے حوصلہ افزا جواب کو کانگرس اخبارات نے اب کی بار پھر اپنے متعصبانہ انداز سے دیکھا۔ ہندوستان کے کانگرس نواز اخبارات نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ برطانوی حکومت نے مسلمانوں کے مطالبات کو سن کر ان پر ہمدردانہ غور کرنے سے برعظیم کی قومیتوں کا احتصال کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسی طرح کانگرسی رہنما بھی بڑے متفکر تھے کہ حکومت مسلمانوں کی خاطر بھی کچھ اصلاحات کرنے والی ہے لیکن لیکن اس کے ساتھ ہی "امرت بازار پتریکا" اخبار نے مسلمانوں کے اس وفد کی اہمیت کو نہایت کمتر ظاہر کرنے کے لئے یہاں تک لکھ دیا کہ یہ وفد حکومت کے اشارے پر وائسرائے ہند سے ملا ہے اس لئے اسے کل ہند وفد کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ اسی سلسلے میں اخبار "بنگالی" نے بھی کئی مخالفت بھرے اداریئے تحریر کئے اور یہ بھی تجویز کیا کہ مسلمانوں کو جداگانہ کوشش کرنے کے بجائے اپنے ہندو بھائیوں کے ساتھ مل کر کوشش کرنی

Marfat.com

چاہیئے۔لیکن مسلمانوں نے اس ہندو مسلم بھائی چارے کو کوئی اہمیت نہ دی۔ اسی اخبار بنگالی نے تو اپنے ایک اداریئے میں اس وفد میں شامل مسلمان رہنماؤں اور اہل علم لوگوں کی اہمیت کو بھی بیان کیا اور پھر ایک دوسرے حوالے سے وفد کی کامیابی کو کمتر دکھانے کی کوشش میں کہا کہ "اس قدر پائے کے مسلمان رہنماؤں اور اہل دانش لوگوں کو وائسرائے ہند کا جواب مطمئن کرتا ہوا دکھائی نہیں دیتا۔ بلکہ وائسرائے کے جواب سے مسلمانوں میں مایوسی کی لہر دوڑ جائے گی"۔ ایک اخبار "بنگالی" نے لکھا کہ "یہ وفد اصل ایجوکیشنل تحریک کا ثمر ہے۔ اس وفد نے جو عرضداشت پیش کی وہ بڑی اعتدال پسندی اور متانت کا کرشمہ تھی۔ مسلمانوں نے چناؤ کے لئے محض نامزدگی کو ناپسند کیا ہے اور اس کے ساتھ ہی جداگانہ انتخابات پر زور دیا ہے۔ مسلمانوں کے لئے جداگانہ نشستوں کا انتخاب نہ صرف ناقابل حفاظت ہوگا۔ بلکہ اس سے سیاسی طور پر کئی سنجیدہ قسم کی مشکلات بھی پیدا ہوں گی"۔

انگلو انڈین پریس نے کانگرس اخبارات کے برعکس مسلمانوں کے مطالبات اور وائسرائے کے جواب اور یقین دہانی کو حقیقی سیاسی روح کا آغاز قرار دیا۔ اور کہا کہ جدید دنیا کی جدید سیاست کا یہی وتیرہ ہونا چاہیئے لارڈ منٹو وائسرائے ہند بذات خود اس وفد اور اپنے جواب پر مطمئن تھا کہ مسلمانوں کے وفد نے بھی اس ملاقات کے بعد اطمینان محسوس کیا ہے جب وائسرائے ہند کے علم میں "امرت بازار پتریکا، بنگالی" کا متعصبانہ رویہ لایا گیا تو اس نے ان اخبارات کی اس روش کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ بعض اخبارات نے وائسرائے ہند کے ان جذبات کی بھی ترجمانی کی۔

نواب محسن الملک نے اپنے اس وفد کی ملاقات کے بارے میں ڈنلپ سمتھ کو بتایا تھا کہ مسلمان اپنے موقف کے اظہار اور وائسرائے ہند کی پذیرائی اور مطالبات کی اہمیت کو تسلیم کرنے پر مطمئن ہیں۔

Marfat.com

آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام

شملہ میں جب مسلمانوں کے سرکردہ اور اہم رہنماؤں نے وائسرائے ہند سے ملاقات کر کے اپنی عرضداشت پیش کر دی تھی تو اس کے بعد مسلمانوں نے یہ عہد بھی کر لیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے حقوق اور مفادات کی حفاظت کے لئے اپنی کوششیں جاری رکھیں گے لیکن اب مسلمانوں کو یہ احساس بڑی شدت کے ساتھ ہو چکا تھا کہ ان مقاصد کے حصول کے لئے کسی مستحکم اور منظم سیاسی پلیٹ فارم کی ضرورت ہے اس لئے شملہ وفد کے شرکاء نے غیر رسمی طور پر کسی سیاسی جماعت کے قیام کے بارے میں مفصل بات چیت کی تھی۔ اس سلسلے میں سر آغا خان نے لکھا کہ مسلمان رہنماؤں کو یہ احساس ہو چکا تھا کہ مسلمانوں کا اپنا سیاسی وجود ایک دوسری قوم کے اندر ہی بہر صورت منوانا ہوگا۔ اور اسے برطانوی حکومت سے بھی تسلیم کروانا ہوگا۔ اس سے پیشتر سید امیر علی نے ۱۸۷۷ء میں سنٹرل نیشنل محمڈن ایسوسی ایشن قائم کی تھی۔ وہی اب دوبارہ مسلمانوں کو ایک جداگانہ سیاسی جماعت قائم کرنے کے لئے پُرزور انداز میں کہہ رہے تھے۔

اسی دوران میں نواب سلیم اللہ خاں جو مشرقی بنگال کے مسلمانوں کے ایک مقتدر رہنما تھے وہ اپنی آنکھ کے آپریشن کے باعث شملہ وفد میں شرکت نہ کر سکے لیکن وہ حالات سے تو بخوبی آگاہ تھے۔ انہوں نے کسی سیاسی جماعت کے قیام کے لئے سب سے زیادہ اقدام اٹھایا۔ انہوں نے مسلمان رہنماؤں کے نام ایک خط "دی مسلم آل انڈیا کنفیڈریسی" سکیم کے بارے میں جاری کیا۔ اس کنفیڈریسی کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے حقوق و مفادات کے تحفظ کے لئے جہاں بھی ممکن ہو اور جہاں تک ممکن ہو۔ حکومت کی حمایت کی جائے۔ اس امر کو بھی ملحوظ رکھا گیا تھا کہ مسلمانوں میں کانگرس کے بڑھتے ہوئے تاثر کو ختم کیا جائے دوسرے لفظوں نواب سلیم اللہ ایک سیاسی جماعت کی بنا ڈال رہے تھے کہ جو مسلمانوں کے حقوق

Marfat.com

کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے نصب العین کا پروپیگنڈا بھی کر سکے۔ ممکن ہے یہ سکیم معمولی ہی دکھائی دیتی ہو۔ لیکن اپنے مقاصد کے اعتبار سے اسے مسلم لیگ کا پیش رو ضرور کہا جا سکتا ہے۔

نواب سلیم اللہ خاں کی اس سکیم کو بھی کانگریسی اخبارات نے تنقید کا ہدف بنایا اور بنگالی اخبار نے لکھا کہ مسلمان اس سکیم پر متفق نہیں ہو سکیں گے۔ کیونکہ اس کنفیڈریسی سے تو ہمیں "مرہٹہ کنفیڈریسی" اور "خالصہ کنفیڈریسی" یاد آ رہی ہیں۔ "بہاری" اخبار نے لکھا کہ مسلمانوں کی ایسی کنفیڈریسی، ہندو مسلم کشیدگی کا باعث بنے گی۔ اس لئے اس سکیم کو کوئی بھی مسلمان پسند نہیں کرے گا۔

اینگلو انڈین اخبارات نے یہاں پر بھی ایک بار پھر مسلمانوں کی اس قسم کی مجوزہ کنفیڈریسی کی سکیم کو سراہا اور مسلمانوں کے حق میں کنفیڈریسی سکیم کو ناگزیر اور لابدی قرار دیا۔ بلکہ یہاں تک کہا کہ مسلمان قومیت کو اس سطح پر تسلیم کر لینا چاہیئے کہ جہاں سے وہ اپنے خیالات کا بخوبی اظہار کر سکیں۔ ایک اینگلو انڈین اخبار نے مسلمانوں کی ایسی کیفیڈریسی کو پورے ملک کے مفاد میں ایک اہم اور ضروری امر قرار دیا۔ بہر صورت نواب سلیم اللہ کے اس خط کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے آمدہ اجلاس میں زیر بحث لانے کے لئے طے پا لیا گیا۔

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا سالانہ اجلاس ۲۹ دسمبر ۱۹۰۶ء کو ڈھاکہ میں منعقد ہوا۔ لہٰذا کانفرنس کے شرکاء نے اسی موقع پر مسلمانوں کی اپنی سیاسی جماعت کے قیام کی تجویز پر غور و خوض کرنا شروع کر دیا۔ گو اس سلسلے میں کانفرنس کے پہلے ہی دن سے تمام لوگوں نے آپس میں غیر رسمی بات چیت اور صلاح مشورے شروع کر دیئے تھے۔ اس کانفرنس کے شرکاء کی موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نواب سلیم اللہ نے اپنی مجوزہ کنفیڈریسی پر بات چیت کی۔ ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ کو اس کنفیڈریسی سکیم پر بحث مباحث اور غور و خوض ہوا۔ اس غور و خوض کے لئے اجلاس کی صدارت وقار الملک نے کی تھی۔

نواب وقار الملک نے اس اجلاس میں اپنی صدارتی تقریر میں فرمایا کہ :-

Marfat.com

"گرامی قدر! آج ہم سب جس مقصد کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں! یہ صرف اس لئے ہوئے ہیں کہ ہمیں اس امر کا احساس ہوگیا تھا کہ اب ہمیں ایک مقصد کے لئے اکٹھے ہونا ہے جب نیشنل کانگرس قائم ہوئی تھی اس امر کا ہمیں اس وقت بھی شدید احساس ہوا تھا۔ اس وقت سرسید احمد خاں کہ جنہوں نے مسلمانوں کو اس کانگرس سے علیحدہ رکھنے کے لئے بے مثال خدمات انجام دی ہیں۔ انہوں نے بھی اپنی بے پناہ سیاسی بصرت کے باوصف اس صورت حال کو محسوس کر لیا تھا۔ گو آج سرسید احمد خاں ہم میں موجود نہیں ہیں۔ لیکن ان کے نظریات کی سچائی آج ہمارے سامنے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے آج بھی مسلمانوں کا یہ ایقان ہے کہ مسلمانوں کے اپنے حقوق کی حفاظت اور مفادات کے حصول اور مسلمانوں کے نظریات کے فروغ کے لئے مسلمانوں کو اپنی ایک جداگانہ تنظیم قائم کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ آج سے پانچ سال پیشتر ۱۹۰۱ء میں کچھ مسلمان رہنما لکھنؤ میں جمع ہوئے تھے۔ وہ مختلف صوبوں سے آنے والے رہنما بھی محتاط بحث مباحث اور غور و خوض کے بعد اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ وقت آگیا ہے کہ وہ کوئی اپنی تنظیم قائم کریں درحقیقت اسی وقت سے صوبجات متحدہ میں کسی تنظیم کے قیام پر کام ہو رہا ہے۔ اس کی ضرورت اس وقت بھی زیادہ محسوس ہونے لگی تھی کہ جب بنگال کے دونوں صوبے ایک دوسرے کے زیادہ قریب ہونے لگے تھے۔ اور اس کے ساتھ ہی نیشنل کانگرس کے بالواسطہ یا بلاواسطہ اثر و نفوذ کے باعث فسادات رونما ہونے لگے تھے۔ اسی طرح جب گورنمنٹ لیجسلیٹو کونسل میں مسلمان نمائندوں کی شمولیت اور ان کی تعداد میں اضافے کے لئے سوچ رہی تھی۔ عین اس وقت مسلمانوں کے ایک ایک نمائندہ وفد نے یکم اکتوبر ۱۹۰۶ء کو شملہ میں وائسرائے ہند سے ملاقات کی۔ اس وفد نے ایک جانب اپنے مطالبات کا اظہار کیا اور دوسری طرف وہ جن مشکل حالات میں برعظیم میں زندگی گزار رہے ہیں اس کا ذکر بھی کیا۔ اس موقع پر مسلمانوں کے جو شرکاء وفد کے لئے جمع ہوتے تھے انہوں نے ایسے تمام امکانات اور ضروریات پر بڑی زیرک نظری

Marfat.com

سے غور و فکر کیا کہ مسلمانوں کے حقوق و مفادات کی حفاظت کی خاطر اور اپنے ہم مذہب مسلمانوں کی مدد اور تعاون کی خاطر مستقل بنیادوں پر کس طرح کام کیا جا سکتا ہے۔ انہی لوگوں کے صلاح و مشورے سے ہم آج ڈھاکہ میں جمع ہوتے ہیں کہ اس مقصد کے لئے حتمی خطوط پر کام ہو کہ جسے پہلے ہم التوا میں ڈالتے رہے ہیں۔"

نواب وقار الملک نے اپنے اس اردو زبان میں خطاب کے دوران مزید فرمایا کہ:۔

"وقت اور حالات کا تقاضا اور ضرورت ہے کہ اب مسلمان ایک جماعت کی صورت میں متحد ہو کر ایک ایسوسی ایشن بنائیں تاکہ وہ اپنی آواز ہندوستان کی دوسری پارٹیوں کی صداؤں کے اژدہام میں سے بھی، سمندر پار انگلستان تک پہنچا سکیں۔ اس لئے ہندو اکثریت کے اس سیلاب میں سے مسلمانوں کی صدا صرف اسی صورت میں بلند ہو سکتی ہے کہ ہم پورے خلوص اور جذبۂ فراواں کے ساتھ آپس میں متحد ہوں اور حکومت کے ساتھ بھی وفادار رہیں۔ اس لئے اب ہمیں نوجوان نسل کی مناسب رہنمائی کا فریضہ بھی ادا کرنا ہے۔ کیونکہ نوجوان نسل کو ہم محض لفاظی کرشمہ سازیوں سے مطمئن نہیں کر سکتے۔"

نواب وقار الملک کے اس خطاب کے بعد حسب پروگرام نواب سلیم اللہ نے سکیم کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ "معمول کے حالات کے مطابق ممکن ہے یہ تحریک دکھائی نہ دے اور شاید اس کا چرچہ بھی نہ ہو۔ لیکن اب وقت ایسا آچکا ہے کہ محض انہیں سنایا جا سکے گا کہ وہ جو سب سے بلند آواز میں ہوں گے۔ مسلمانوں نے اب اپنی روائتی پالیسی کے تحت سیاسی امور میں بھی حصہ لینا شروع کر دیا ہے۔ کیونکہ اب حکومت کو بھی اس اہمیت کا احساس ہو چکا ہے اور وہ بھی سیاست کے ایک پُر فریب شور میں صحیح صورت حال کو دیکھنے لگی ہے" اس کے ساتھ ہی انہوں نے ایک ایسی قرارداد پیش کی جس میں مسلمانوں کے سیاسی حقوق اور مفادات کے تحفظ اور ان کی بے تعصب ترقی اور فروغ اور حکومت سے وفاداری اور ہندوؤں سے خوشگوار تعلقات کا ذکر تھا۔

Marfat.com

اس قرارداد کی سب سے پہلے حکیم اجمل خاں نے تائید کی اور ان کے بعد دیگر لوگوں نے بھی تائید کی۔ اس قرارداد کی نقلیں اور کئی قراردوں کی نقلیں حکومتِ ہند اور سیکرٹری کو بھجوا دی گئیں۔ قرارداد کا اصل مسودہ یہ تھا کہ:۔

"اس امر کا عزم کیا جاتا ہے کہ یہ اجلاس کہ جس میں ہندوستان کے تمام حصّوں کے مسلمانوں پر مشتمل ہے اور جو ڈھاکہ میں منعقد ہوا ہے کہ ایک سیاسی ایسوسی ایشن قائم کی جائے کہ جس کا نام "آل انڈیا مسلم لیگ ہوگا، درج ذیل مقاصد کے حصول کے لئے کام کرے گی"۔

۱۔ ہندوستان کے مسلمانوں میں اس احساس کو اجاگر کرنا کہ وہ حکومتِ برطانیہ سے وفاداری کریں اور کسی آئندہ تجویز و تدبیر کے حوالے سے اگر حکومت کے اداروں سے متعلق کوئی کسی طرح کی غلط فہمی پیدا ہونے لگے تو اسے رد کرنا۔

۲۔ مسلمانانِ ہند کے سیاسی حقوق و مفادات کی نمائندگی کرنا اور ان کی حفاظت کرنا۔ اس سلسلے میں مسلمانوں کی امنگوں اور آرزوؤں کو حکومت تک بہتر طور پر پہنچانا۔

۳۔ مسلم لیگ کے اغراض و مقاصد کے فروغ کے لئے مسلمانانِ ہند کے لئے دوسری قومیتوں اور جماعتوں کے جذبات کو کسی طرح کی ٹھیس پہنچائے بغیر کام کرنا۔

ڈھاکہ میں منعقدہ اس اجلاس میں کئی ایک اور قراردادیں بھی پیش ہو کر منظور ہوئیں۔ ان میں سے ایک قرارداد میں سے ایک پراونشل کمیٹی بنا دی گئی اور اسے یہ کام سونپا گیا کہ وہ چار مہینوں کے اندر اندر مسلم لیگ کے لئے دستور وضع کرے۔ ایک اور قرارداد یہ بھی پیش کی گئی کہ پراونشل کمیٹی کسی مناسب وقت اور مناسب جگہ پر ہندوستان بھر کے مسلمانوں کے نمائندوں کی ایک میٹنگ کا اہتمام کر کے اس میں مسلم لیگ کے منشور کی منظوری کے لئے کام کرے گی۔ اسی اجلاس میں ایک قرارداد تقسیم بنگال کے لئے بھی منظور کی گئی اور اس حقیقت کو تسلیم کیا گیا کہ تقسیم نے مسلمان قومیت کو کئی فوائد سے بہرہ یاب کیا ہے اس کے خلاف ہر طرح کی اشتعال انگیز کارروائیوں اور بائیکاٹ کی تحاریک کی مذمت کی گئی۔

Marfat.com

مسلم لیگ کے اس تاسیسی اجلاس میں نمایاں شرکاء میں نواب سلیم اللہ، نواب محسن الملک، نواب وقار الملک، مولانا ظفر علی خاں، حکیم اجمل خاں، نثار احمد خاں، حسین شہید سہروردی، عبدالرحمٰن صدیقی، مولانا محمد علی، سید غلام حسین غازی، عبدالعزیز، شوکت علی، سید بقاء الحسن، فضل محمد خاں، شیخ عبداللہ، عبدالمجید، سید نبی اللہ، عبدالسلام رفیقی، صاحبزادہ آفتاب احمد خاں، نواب محمد علی، راجہ نوشاد علی خاں، سر رفیع الدین، خورشید جی، عبدالکریم، انوار احمد، ظہور احمد شاہ مصطفیٰ، وزیر حسن، شمشاد احمد، محمد یوسف، چودھری غلام مصطفیٰ، سید ظہور احمد، نواب علی محمد علی اور جسٹس شاہ دین کے علاوہ متعدد لوگوں نے حصہ لیا۔

اس تاسیسی اجلاس میں بنگال، آسام، بہار، آگرہ، اودھ، لکھنؤ، علی گڑھ، سہارنپور، الہ آباد لاہور، امرتسر، پشاور، کراچی، گجرات، بمبئی، مدراس، ناگپور اور برما وغیرہ کے مندوبین نے سینکڑوں کی تعداد میں حصہ لیا تھا۔

۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء کو جب مسلمانانِ ہند کی نمائندہ سیاسی جماعت آل انڈیا مسلم لیگ قائم کر دی گئی تو اس پر ہندوستانی اخبارات نے ملے جلے خیالات کا اظہار کیا، انگلو انڈین اخبار "انگلش مین" نے لکھا کہ مسلم لیگ اب کانگرس کو بہتر طور پر جواب دے سکے گی۔ یہ تنظیم اسلامی نظریات کے فروغ میں نشر و اشاعت کا کام بھی کرے گی۔ بہر حال مسلمانوں نے ایک مناسب وقت پر اپنی تنظیم کی ہے۔ کانگرس اخبارات اور بنگالی اخبار نے حسب سابق مسلم لیگ کے خلاف محاذ کھول دیا۔ بنگالی نے تو مسلم لیگ کے ممبران اور عہدیداروں پر بھی طرح طرح کی الزام تراشیاں شروع کر دی تھیں اور اس نے یہاں تک کہہ دیا کہ مسلم لیگ ایک طرح کی حکومتی جماعت بن کر رہ جائے گی۔ حالانکہ اس مسلم لیگ کے قیام میں نہ تو کسی انگریز کا عمل دخل تھا اور نہ ہی یہ تنظیم کسی طرح کے حکومتی اشارے پر بنائی گئی تھی۔ یہ ضرور ہے مسلم لیگ کے بعض ارکان حکومتی مناصب اور عہدوں پر ضرور فائز تھے۔

مسلم لیگ کے قیام کے بعد گو چار مہینوں کے اندر اندر اس کا منشور اور دستور بنانے

Marfat.com

کے لئے ایک کمیٹی بنادی گئی۔ اس کمیٹی کے سپرد یہ کام بھی کردیا گیا کہ وہ اس لیگ کی نشر و تشہیر کا کام بھی کرے گی۔ لوگوں کی رائے حاصل کرنے کے لئے لوگوں کو اس کے بارے میں ضروری معلومات فراہم کرے گی۔ جلد ہی اس لیگ کے منشور کا ایک رف ڈرافٹ تیار کرکے اسے متعلقہ ماہرین کے پاس بھیجا گیا اور پھر اخبارات میں بھی بھجوا دیا گیا۔ اس طرح جو آرا اور مشورے موصول ہوئے انہیں بھی حتی الامکان پیش نظر رکھا گیا اور پھر اس کا دستور حتمی طور پر اپنا لیا گیا۔

دسمبر ۱۹۰۷ء میں مسلم لیگ کا اجلاس کراچی میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس کی صدارت سر آدم جی پیر بھائی نے کی۔ اجلاس دو دن تک جاری رہا۔ بالآخر اسی اجلاس میں منشور کو جامع اور حتمی صورت بخشی گئی۔

مسلم لیگ کو آغاز ہی سے بے شمار ضروری مسائل نے گھیر لیا۔ مثلاً سب سے پہلے ملک میں کونسلوں میں عنقریب جو اصلاحات متوقع تھیں۔ ان میں مسلمانوں کے مفادات اور حقوق کی حفاظت اور نگرانی کرنا ملک بھر میں مسلم لیگ کی شاخیں قائم کرنا۔ ممالک اسلامیہ کے مسائل پر نظر رکھنا مثلاً اس دور میں مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے لوگوں کے مسائل تمام اسلامی دنیا کے مسائل بن چکے تھے۔ اسی طرح ترکی، ایران اور افغانستان کے حالات بھی قابل توجہ تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ جنوبی افریقہ میں جہاں ہندوستانی لوگ بھی موجود تھے وہاں پر نسلی فسادات برپا ہو چکے تھے۔ اسی طرح انگلستان میں مقیم ہندوستانیوں کو بھی کئی ایک مسائل کا سامنا تھا۔ ایک جانب مسلم لیگ نے ان تمام مسائل سے نمٹنا تھا۔ جبکہ دوسری جانب اس نے حالات و ضروریات اور تقاضوں کے مطابق اپنے لائحہ عمل اور دائرہ عمل کو مستقل متحرک اور فعال رکھنا تھا۔

ایک سال کے مختصر عرصے اور گوناگوں مسائل کے باوجود آل انڈیا مسلم لیگ کی کئی برانچیں جلد ہی مختلف کئی صوبوں میں کھول دی گئیں۔ لیکن ۱۹۰۸ میں جب

Marfat.com

مسلم لیگ کی ایک شاخ کا لندن میں بھی آغاز ہو گیا تو اس طرح مسلم لیگ کو ایک استحکام سا نصیب ہوا۔ مئی ۱۹۰۸ء میں لندن شاخ کے افتتاح میں سید امیر علی اور سید علی حسن بلگرامی نے شرکت بھی اور اختتامی اجلاس کی صدارت بھی سید امیر علی نے کی۔ لندن میں مسلم لیگ کے قیام کا سہرا وہاں پر مقیم نوجوان مسلمانوں ہی کے سر بندھتا ہے کہ جو وہاں پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے گئے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ ساتھ سید امیر علی کی قیادت اور تعاون بھی ان لوگوں کے لئے باعث رہنمائی ثابت ہوا۔ مسلم لیگ کی اس لندن شاخ نے مسلمانوں کی صحیح طرح سے نمائندگی کے لئے منٹو مارلے اصلاحات کے نفاذ کے حوالے سے قابلِ قدر اور اہم خدمات انجام دیں۔ ۱۹۱۲ء تک مسلم لیگ کی لندن شاخ نے قابل ذکر خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد تو مسلم لیگ نے برعظیم پاک و ہند کے اندر بہت اہم کردار ادا کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس لئے لندن برانچ زیادہ فعال نہ رہی۔

گو مسلم لیگ کے آغاز میں اس کے قیام میں قریباً ملک بھر کے چار سو ارکان نے حصہ لیا تھا اور اس وقت مسلم لیگ کے صدر سید محمد بھی بنا دیئے گئے۔ لیکن اس کے باوجود چالیس ارکان پر مشتمل ایک مرکزی ایگزیکٹو کونسل بھی بنا دی گئی تھی۔

مسلم لیگ کا ایک خصوصی اجلاس ۱۸-۱۹ مارچ ۱۹۰۸ء کو علی گڑھ میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں سر سلطان محمد شاہ آغا خاں کو مسلم لیگ کا مستقل صدر بنا دیا گیا اور سید علی حسن بلگرامی کو اعزازی سیکرٹری کا عہدہ سونپ دیا گیا۔ اگرچہ مسلم لیگ کا قیام عمل میں آچکا تھا۔ لیکن اس کے باوجود مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی اہمیت بدستور برقرار اور قائم رہی بلکہ مسلم لیگ کا پہلا اجلاس ڈھاکہ اجلاس کی طرح مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس کے بعد اسی جگہ پر منعقد ہو گیا۔ ۳۰ دسمبر ۱۹۰۸ء کو مسلم لیگ کا اجلاس امرتسر میں منعقد ہوا۔ یہاں پر استقبالیہ کمیٹی کے چیئرمین خان بہادر یوسف شاہ تھے۔ سید

Marfat.com

علی امام نے اس اجلاس کی صدارت کی۔ اسی اجلاس میں مسلم لیگ کا دستور بھی باضابطہ طور پر اپنا لیا گیا۔ اس وقت گورنمنٹ کی جانب سے اصلاحات کا چرچا اور سیکرٹری آف سٹیٹ کے جواب کے تذکرے تھے۔ اس لئے مسلم لیگ نے مسلمانوں کے جداگانہ انتخابات کے لئے کام کا آغاز کر دیا۔ ۱۹۰۸ء کے بعد مسلم لیگ کے اعزازی سیکرٹری کے فرائض حاجی موسیٰ خاں کے سپرد کر دیئے تھے۔ اس کے بعد مسلم لیگ کا ایک اور اجلاس ۲۹ جنوری ۱۹۱۰ء کو دہلی کے سنگرام تھیٹر میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں سر غلام محمد علی خاں پرنس آف آرکوٹ نے صدارت کے فرائض انجام دیئے اور آغا خاں نے بھی اجلاس میں شرکت کی۔ یہاں پر استقبالیہ کمیٹی کے سربراہ حکیم محمد اجمل خاں تھے۔ اسی دوران میں جب حاجی موسےٰ خاں نے لکھنؤ میں مسلم لیگ کے دفتر کا آغاز کیا اور ممبران کے مشورے سے مسلم لیگ کا مرکز علی گڑھ سے لکھنؤ تبدیل کر دیا گیا۔ اسی عہد میں سر آغا خاں نے یہ کوشش شروع کر دی تھی کہ گورنمنٹ آل انڈیا مسلم لیگ کو مسلمانانِ ہند کی نمائندہ جماعت کے طور پر تسلیم کرے۔

آغاز کار میں مسلم لیگ کے بنیادی ضروری اخراجات رضاکارانہ چندوں سے پورے ہوتے تھے اسی دور میں چندہ دینے والوں میں سر آغا خاں اور نواب آف ارکوٹ نے سب سے زیادہ حصہ لیا۔ ویسے بھی کانگرسی پریس نے مسلم کے خلاف یہ پروپیگنڈا جاری رکھا تھا کہ یہ جماعت حکومت کی قائم کردہ جماعت ہے اس لئے بھی لوگوں نے مسلم لیگ کی مالی ضروریات پوری کرنے پر زیادہ توجہ نہ دی۔ حالانکہ صورتحال اس کے بالکل برعکس تھی۔ کیونکہ مسلم لیگ کی حکومت ابھی سرپرستی نہیں کرتی تھی۔ بہرصورت مسلم لیگ نے اپنے اجلاس منعقد کرنے کا اہتمام کر لیا تھا اور اپنے قیام کے مقاصد بھی بتدریج پورے کرنے پر توجہ دیتی رہی۔ ڈسٹرکٹ سطح پر مسلم لیگ کے دفاتر قائم ہونے لگے۔

Marfat.com

منٹو مارلے اصلاحات

گولارڈ منٹو وائسرائے ہند اور سیکرٹری آف سٹیٹ جان مارلے نے اپنے عہدوں کا چارج سنبھالنے کے ساتھ ہی صورتِ حال کو بہتر بنانے کا آغاز کر دیا تھا۔ لیکن وہ اس کے باوجود کسی مستقل حل کے بھی خواہاں تھے۔ جان مارلے کی دارالعوام میں بجٹ تقریر کے بعد کہ جس میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ حکومت ہندوستان کے سیاسی حالات سدھارنے کے لئے عنقریب کچھ آئینی اصلاحات بھی کرے گی۔

وائسرائے ہند لارڈ منٹو نے اگست ۱۹۰۶ء میں ایک ایگزیکٹو کونسل قائم کر دی تاکہ وہ صورت حال کا جائزہ لے کر سنجیدہ سفارشات کرے۔ اسی طرح لارڈ مارلے نے بھی اپنی ایک تقریر میں اشارہ کر دیا تھا کہ جلد ہی مختلف کونسلوں میں اصلاحات نافذ کی جائیں گی اور ہندوستانی نمائندوں کو انتظامیہ میں شریک کیا جائے گا۔ ۶ مارچ ۱۹۰۷ء کو وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل نے یہ سفارش کر دی کہ کونسل میں کم از کم ایک ہندوستانی نمائندہ بھی ہونا چاہیئے۔ اس کے ساتھ ہی وائسرائے نے ایک ضمنی کمیٹی بھی قائم کر دی۔ اگست ۱۹۰۷ء تک ایگزیکٹو کونسل میں دو ہندوستانی نمائندوں کو بھی شامل کر لیا گیا۔ ان نمائندوں میں ایک مسلمان نمائندہ ایس ایچ بلگرامی تھے۔

ہندوستانی اخبارات و رسائل کانگرس نوازی اور مسلم لیگ کی ابتدائی کارروائیوں کے بعد بڑی حد تک تنقید برائے تنقید بھی کرنے پر لگے تھے۔ بلکہ مسلم لیگ کے قیام اور شملہ وفد کے بارے میں کانگرسی اخبارات نے جو واویلا کیا اور حقائق کو جس طرح مسخ کر کے پیش کرنے کا رویّہ اپنایا اس پر تو لارڈ منٹو نے بھی اظہار ناپسندیدگی کر دیا تھا۔ بہرحال کانگرسی پریس کی اس روش کو روکنے کے لئے ۸ جون ۱۹۰۸ء کو پریس ایکٹ نافذ کر دیا گیا اور چند ایک روزناموں پر پابندی عاید کر دی۔

Marfat.com

ادھر لارڈ مارلے نے جائزہ کمیٹی کی رپورٹ اور سفارش پر جب ۱۷۔ دسمبر ۱۹۰۸ء کو ہاؤس آف لارڈز میں ہندوستان میں آئینی اصلاحات سکیم کا اعلان کیا اور کہا کہ اصلاحات کی اس سکیم کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستان میں پارلیمانی نظام کے لئے کچھ اصول وضوابط ترتیب دیئے جائیں گے۔ لیکن ہاؤس آف لارڈ میں مارلے کی اس سکیم کی بھرپور مخالفت کی گئی۔ اسی دوران میں جنوری ۱۹۰۹ میں مسلم لیگ کی لندن شاخ کے ایک وفد نے لارڈ مارلے سیکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا سے ملاقات کی۔ اس وفد کی قیادت سید امیر علی نے کی۔ وفد نے اس امر پر زور دیا کہ آئینی لحاظ سے برعظیم پاک وہند میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے مفادات کو ایک ہی سطح پر دیکھا اور تسلیم کیا جائے اور اس کا بہترین عملی طریقہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی جداگانہ نمائندگی کے لئے اصول وضع کئے جائیں۔ جان مارلے نے اس وفد کو یقین دہانی کرائی کہ آئندہ اصلاحات میں مسلمانوں کے حقوق اور مفادات کو بھی مدنظر رکھا جائے گا۔ بلکہ اس کے چند ہی دن بعد وائسرائے ہند لارڈ منٹو نے برطانوی حکومت کو یہ تجویز بھجوائی کہ مسلمانوں کے لئے آٹھ نشستیں مقرر کر دی جائیں۔ ان میں چھ نمائندے مستقل ہوں اور دو نمائندے نامزد کئے جائیں۔ لیکن کانگرس نے وائسرائے کی اس تجویز کو مسلمانوں کی جانب داری کا نام دیا۔

برعظیم پاک وہند میں مسلمانوں کی صورت حال اور ان کی آئینی بے اطمینانی کو دیکھتے ہوئے لارڈ منٹو اور جان مارلے نے حسب وعدہ اصلاحات نافذ کرنے کے لئے بڑی سرگرمی سے کام کیا اور آخر نومبر ۱۹۰۹ء میں منٹو مارلے اصلاحات کا اعلان کر دیا گیا۔ کیونکہ ان اصلاحات کے لئے بنیادی طور پر وائسرائے ہند لارڈ منٹو اور جان مارلے سیکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا نے مشترکہ غور وخوض اور افہام وتفہیم سے کام کیا تھا، اس لئے یہ اصلاحات انہی دونوں کے نام "منٹو مارلے اصلاحات" کے طور پر مشہور ہیں۔ چنانچہ ۱۹۰۹ء کے ایک ایکٹ کے ذریعے منٹو مارلے اصلاحات نافذ کر دی گئیں۔ ان اصلاحات کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

۱۔ مجالسِ قانون ساز میں توسیع کی گئی۔

Marfat.com

۲۔ پنجاب برما اور آسام کی مجالسِ قانون ساز میں تیس ممبران کا اضافہ ہوا۔

۳۔ بنگال، یو پی، بمبئی، بہار، مدراس، اڑیسہ کی مجالس قانون ساز کی تعداد میں پچاس کا اضافہ کیا گیا۔

۴۔ جداگانہ نیابت کے اصول کو تسلیم کر لیا گیا۔

۵۔ وائسرائے کی کونسل کے ارکان کی تعداد بڑھا کر ساٹھ کر دی گئی۔

۶۔ مسلمانوں اور ہندوؤں کی رائے دہندگی کے سلسلے میں جداگانہ فہرستیں تیار کی گئیں۔

۷۔ قانون ساز اسمبلی کو بجٹ پر مکمل طور پر بحث کرنے کا اختیار دیا گیا۔

۸۔ کونسلوں کے اختیارات میں اضافہ کیا گیا اور ان کے دائرہ بحث کو بھی وسعت دی گئی۔

۹۔ ڈسٹرکٹ بورڈوں، میونسپل کمیٹیوں، یونیورسٹیوں اور دوسرے اداروں کے اراکین کے انتخاب کی اجازت دے دی گئی۔

۱۰۔ وائسرائے کی انتظامیہ کونسل جو پہلے انگریز اراکین پر مشتمل تھی۔ اس میں ایک ہندوستانی کا بھی اضافہ کر دیا گیا۔

۱۹۰۹ء کے ایکٹ کے ذریعے منٹو مارلے اصلاحات کے حوالے سے پراونشل کونسلوں میں زیادہ سے زیادہ پچاس تک ممبروں کا اضافہ ہو گیا۔ جبکہ چھوٹے صوبوں میں یہ اضافہ تیس ممبران تک ہوا۔ انتخابات کا طریقہ زیادہ حد تک بالواسطہ ہو گیا۔ لیکن وہ کسی حد تک بلاواسطہ بھی رہا۔ پراونشل کونسلوں میں غیر سرکاری نمائندوں کی ایک اقلیتی اکثریت ابھری۔ لیکن وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل میں یہ صورت پیدا نہ ہو سکی۔ اس طرح سنٹرل لیجسلیٹو کونسل میں قریباً ساٹھ ممبروں کا اضافہ ہوا۔

۱۹۰۹ء کے اس ایکٹ کے تحت ممبران انتظامیہ کی پالیسیوں کے بارے میں استفسارات کر سکتے تھے۔ لیکن ایوان میں مستقل طور پر حکومت ہی کو برتری اور اکثریت حاصل تھی۔ اس مستقل برتری کے بارے میں سیکرٹری آف سٹیٹ جان مارلے نے کہا

Marfat.com

تھا کہ حکومتی اور اکثریت اور برتری ایک لازمی امر ہے کیونکہ مقننہ اور ایگزیکٹو میں بھی یہ اکثریت اور برتری ہر سطح پر آئینی تقاضے پورے کر سکے گی۔

اس ایکٹ کے تحت اب کونسلوں کو حکومتی اثر و انضباط کی پابندی کے بجائے مقننہ میں سوالات اٹھانے کا حق بھی دے دیا گیا تھا۔ لیکن یہ ضروری نہیں تھا کہ ایوان میں ان کے سوال کا جواب دیا جائے جو وضاحت طلب کی گئی ہے اس پر بات چیت کی جائے۔ کونسلز کے ممبران کسی طرح کی کوئی قرارداد پیش کر سکتے ہیں۔ لیکن قرارداد کو منظور کرنے کی خاطر وہ کسی طرح کی پابندی یا مجبوری کا تاثر نہیں دے سکتے۔ اس طرح حتی الامکان کوشش کی جائے گی کہ ممبر جو کچھ کہنا چاہتا ہے اسے بغور اور ہمدردانہ طور پر سنا جائے۔ لیکن ضروری نہیں کہ اس کے ساتھ پورا پورا اتفاق کیا جائے۔ انگریز سیاست دانوں نے برعظیم پاک و ہند میں اس صورتِ حال کے بارے میں بتایا یہ سیاسی صورتحال انگلستان یا کسی دوسری نوآبادی میں نہیں ہے۔ اس سلسلے میں مارلے نے خود بھی یہی کہا کہ اس طور پر ضروری اصلاحات یا پارلیمانی نظام کا قیام ممکن ہو گا۔ تو میں پہلا شخص ہوں گا جو کہوں گا کہ یہ ناممکن ہے۔

"منٹو مارلے اصلاحات کی بنیاد اس حقیقت پر تھی کہ ہندوستان کی آبادی بہت سی نسلوں، طبقوں، گروہوں اور مذہبی جماعتوں پر مشتمل ہے۔ لہٰذا ان نسلوں، طبقوں، گروہوں اور مذہبی جماعتوں کو کونسلوں میں نمائندگی ملنی چاہیئے۔ تمام ہندوستانیوں کو بلا تفریق و تمیز ایک قوم سمجھ کر نمائندگی نہیں دی جا سکتی۔" ان اصلاحات کے تحت مسلمانوں کے بیشتر مطالبات تسلیم کر لئے گئے تھے۔ اس لئے ان اصلاحات کو مسلمانوں کے لئے ایک طرح سے حوصلہ افزا اصلاحات کہا جا سکتا ہے۔ بہر صورت یہ اصلاحات مسلمانوں کے حقوق کو ہندوؤں کے عاصبانہ ہتھکنڈوں سے ضرور محفوظ کرتی تھیں۔ لیکن اس کے باوجود مسلمانوں کو ان کی آبادی کے تناسب سے نمائندگی نہیں دی گئی تھی۔ اس کی مثالیں یوں پیش کی جا سکتی ہیں کہ صوبجات متحدہ میں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب ۱۴ فی صد تھا۔ لیکن

Marfat.com

ان کے لئے صرف آٹھ فیصد نشستیں رکھی گئیں اسی طرح پنجاب میں مسلمانوں کی آبادی اکثریت میں یعنی چون فیصد تھی لیکن یہاں پر مسلمانوں کو صرف سات نشستیں دی گئیں اور بمبئی میں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب بیس فیصد تھا جبکہ ان کے لئے نشستیں صرف ساڑھے نو فیصد رکھی گئیں۔

منٹو مارلے اصلاحات سے مسلمانوں کے مقابلے میں ہندو زیادہ خوش اور مطمئن تھے کیونکہ انہیں آبادی کی اکثریت کے حوالے سے بہر صورت زیادہ نمائندگی ملتی دکھائی دیتی تھی۔ گو ایک طرف مسلمانوں کو یہ بھی حق دے دیا گیا تھا کہ وہ پورے ملک میں کسی بھی سیٹ پر انتخاب لڑ سکتے ہیں مسلمانوں کو جو معمولی سا فائدہ پہنچا تھا لیکن اس پر کانگرس اور ہندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف اپنی متعصبانہ روش کو اور بھی تیز کر دیا تھا۔ ان اصلاحات کا فائدہ وقتی طور پر تو کچھ ضرور ہوا لیکن یہ اصلاحات زیادہ دیر تک نہ چل سکیں اور ملک میں شور و ہنگامہ اور افراتفری کا بازار گرم ہو گیا" ہندوؤں نے ان ہنگاموں میں زور شور سے حصہ لیا۔

Marfat.com

باب ۔ ۷

تنسیخِ تقسیمِ بنگال

تقسیم بنگال کے واقعے اور اس کے بعد کے دو ایک برسوں کے دوران میں مسلمانوں نے بلا مبالغہ پے در پے کئی تاریخی اہمیت کے اقدام اٹھائے تھے۔ مثلاً سب سے پہلے تو اس تقسیم بنگال نے مشرقی بنگال میں مسلمان اکثریت کو اجاگر کر کے ایک امتیازی مقام بخش دیا تھا اور پھر اکتوبر ۱۹۰۶ء میں مسلمانوں کے ایک اعلیٰ سطحی وفد نے وائسرائے ہند لارڈ منٹو سے شملہ میں ملاقات کر کے مسلمانوں کے موقف کی وضاحت کر دی تھی جس پر وائسرائے ہند نے جواباً مسلمانوں کے مطالبات کو اہمیت دینے کا وعدہ کیا تھا۔ ۱۹۰۶ء ہی کا آخری سورج غروب ہونے سے پہلے مسلمانانِ ہند نے ایک نہایت عظیم اور تاریخی کامیابی یہ بھی حاصل کر لی تھی کہ انھوں نے "آل انڈیا مسلم لیگ" مسلمانوں کی ایک سیاسی جماعت قائم کر لی تھی۔ مسلمانوں کی یہ کامیابیاں اور مسلمانوں کی یہ بیداری کانگرس اور ہندوؤں کے لیے مستقل ناخوشی کا باعث تھیں۔ اس لیے ہندو مسلمانوں کی ان کامیابیوں پر ہمہ وقت چوٹ لگاتے رہے۔

Marfat.com

گو ۱۹۰۹ء کی منٹو مارلے اصلاحات میں انتخابات کا اصول تسلیم کر لیا گیا تھا لیکن مرکزی قانون ساز مجلس اور بنگال کے سوا دوسری صوبائی مجالس قانون ساز میں منتخب ارکان کے مقابلے میں نامزد ارکان کی اکثریت برقرار رکھی گئی۔ اس کے باوجود جداگانہ انتخابات کی تجویز نے ہندوؤں کو مخالفت پر ابھارا۔ اس کے ساتھ ہی کانگرس نے مذہب کی بنیاد پر جداگانہ انتخابات کے قیام پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ اس سے پیشتر ہندوؤں نے تقسیم بنگال کے خلاف کئی ایک مقامات پر فسادات کی آگ بھڑکا دی تھی، دسمبر ۱۹۰۹ء میں کانگرس نے اپنے سالانہ اجلاس میں مجلسِ قانونِ ساز میں مسلمانوں کی جداگانہ نیابت کے اصول کو تنقید کا ہدف بنایا اور اس کے ساتھ ہی حکومت کے خلاف بھی عدم اطمینان کا اظہار کیا۔ اسی دوران میں بمبئی کے مسلمانوں کی جانب سے گورنر جنرل امپیریل لیجسلیٹو کونسل میں محمد علی جناح کو ایک غیر سرکاری ممبر کے طور پر منتخب کر لیا گیا۔

اس صورت حال میں اب مسلم لیگ کے دستور میں تبدیلی ناگزیر ہو چکی تھی۔ اس لئے اس امر پر غور و فکر کیا جانے لگا تھا اسی دوران میں کانگرس کے صدر دیسم ویڈر برن اور مسلم لیگ کے صدر سر آغا خاں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین ایک معاہدہ طے پانے کی تجویز پر بھی سوچ بچار شروع کر دی تھی۔ لیکن اینگلو انڈین پریس نے اس کوشش پر نکتہ چینی سے کام لیا۔ حالانکہ کانگرس نے اپنے ایک اجلاس کے دوران میں میونسپلٹی بورڈز ڈسٹرکٹ بورڈز اور لوکل باڈیز میں مسلمانوں کے علیحدہ انتخابات کے اصول کو ایک کمتر برائی کے طور پر تسلیم کر لیا تھا۔

تقسیم بنگال کے حوالے سے مشرقی بنگال کے مسلمانوں کو تو ہندوؤں نے پہلے ہی تنگ کر رکھا تھا اور ان پر بلووں کا سلسلہ بھی شروع کر دیا تھا۔ لیکن اب مغربی بنگال کے ہندو بھی معاشی بنیادوں پر نقصان کے حوالے سے بپھر گئے تھے۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے انتظامیہ نے اپنی کارروائیوں کے دوران بہت سے لوگوں کو گرفتار کر لیا

Marfat.com

تھا اور کئی ایک کو جلا وطن بھی کر دیا تھا۔ حکومت کی ان انتظامی کارروائیوں کے نتیجے میں ہندوؤں کے ارادے اور بھی بھیانک ہو گئے تھے۔ اب انہوں نے کئی انگریز سرکاری ملازموں اور عہدیداروں پر سختی کا آغاز بھی کر دیا تھا اسی کارروائی کے جواب میں ایک مسلمان ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس مسٹر شمس العالم کو ہندوؤں نے قتل کر دیا۔

لارڈ منٹو کو بعض حکام نے مشورہ دیا کہ ہندوؤں کے جذبات کو ٹھنڈا کرنے کے لئے اگر بلوائیوں کو رہا کر دیا جائے تو صورت حال ممکن ہے کہ معمول پر آ سکے۔ لیکن لارڈ منٹو نے جواباً کہا کہ "ایسے نازک موقع پر حکومت کی جانب سے اس طرح کی نرم کارروائی حکومت کی کمزوری پر محمول سمجھی جائے گی۔" لیکن اس کے ساتھ ہی ہندو لیڈروں کی جانب سے گرفتار شدہ بلوائیوں کی رہائی کا شدید مطالبہ کیا جانے لگا۔ کہا جاتا ہے کہ بعض گرفتار شدگان کی رہائی کے لئے حکومت بنگال نے خود بھی وائسرائے ہند سے شفارس کر دی تھی۔ اس سلسلے میں منٹو اور مارلے کی خط و کتابت اور صلاح مشورہ کسی وجہ سے بہتر نتائج پیدا نہ کر سکا۔ پھر ۱۳ نومبر ۱۹۱۰ء کو وائسرائے ہند لارڈ منٹو پر بھی احمد آباد کے سفر کے دوران ایک قاتلانہ حملہ کیا گیا۔ ۲۱ نومبر ۱۹۱۰ء کو مسٹر اے ایم ٹی جیکسن، ناسک کے کلکٹر کو بلوائیوں نے قتل کر دیا۔ اس کے علاوہ بھی کئی مقامات پر اسی طرح کے انتشار بھرے واقعات رونما ہوئے۔ اس صورت حال میں حکومتِ برطانیہ نے سوچا کہ بنگال کی تقسیم کو منسوخ کرنے سے یقیناً ملک میں امن و امان قائم ہو سکتا ہے۔

تنسیخ تقسیمِ بنگال کی تجویز

برعظیم پاک و ہند کی سیاسی تاریخ میں بیسویں صدی کے پہلے عشرے کے آخری چار برسوں میں مسلمانوں کی صورت حال میں مجموعی طور پر ایک سکوت سا طاری رہا۔ مسلمانوں کے کئی مطالبات مان لئے گئے تھے اور کچھ اصولی طور پر ٹھکرائے جا چکے تھے۔ لیکن اس

Marfat.com

دوران میں مسلمانان ہند کے مقام کو آئینی طور پر تسلیم کر لیا گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کے جداگانہ انتخابات پر عملدرآمد ہو رہا تھا۔ اس لئے مسلمانوں کے لئے تو کوئی جواز موجود نہیں تھا کہ وہ برطانوی حکومت سے اپنی وفاداری کو مشکوک کریں اور کسی طرح کی شورش سے کام لیں اس لئے مسلمانوں کے اس اطمینان اور ہندوؤں کی دہشت گردی سے تنگ آکر وائسرائے کی کونسل کے رکن سر جان جنکنز نے جون ۱۹۱۱ء میں تجویز پیش کی کہ تقسیم بنگال کو منسوخ کر دیا جائے اور اسی طرح دارالحکومت کلکتہ کے بجائے دہلی بنا لیا جائے۔ اس نے یہ بھی تجویز کیا کہ ان امور کا اعلان دہلی میں تاجپوشی کے دربار میں کیا جائے۔ اس سلسلے میں لارڈ ہارڈنگ جو لارڈ منٹو کے بعد ہندوستان کا وائسرائے بن کر آیا تھا۔ اس نے ان تجاویز کو بلا تامل منظور کر لیا۔

ان تبدیلیوں کے ضمن میں تجاویز پر مشتمل ایک یادداشت تیار کی گئی تاکہ وہ کونسل میں لازمی شرط کے طور پر منوائی جا سکے۔ یادداشت درج ذیل تھی۔

ا۔ دارالحکومت کو کلکتہ سے دہلی تبدیل کرنا۔

ب۔ بنگال کو متحد کر کے پریذیڈنسی کے طور پر کونسل میں شامل کرنا اور گورنر متعین کرنا۔

ج۔ بہار اور اڑیسہ کو لفٹیننٹ گورنر شپ کے تحت حیثیت دینا، اور

د۔ آسام میں چیف کمشنر شپ کو بحال کرنا

جولائی ۱۹۱۱ء میں جب کونسل کا اجلاس منعقد ہوا تو کونسل نے ان تجاویز کو منظور کر لیا تب وائسرائے ہند لارڈ ہارڈنگ نے سیکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا مارکیوس آف کریو کو ان تجاویز کے حوالے سے ایک مفصل خط لکھا اور درخواست کی کہ ان امور پر جلد عملدرآمد کی اجازت دے دی جائے۔ جب تاج برطانیہ کو اس سکیم کا علم ہوا تو اس نے اس فیصلے پر مسرت کا اظہار کیا۔ بہر صورت اس فیصلے کا اعلان ۱۲ دسمبر ۱۹۱۱ سے پہلے ہرگز نہ کیا جا سکا۔ کیونکہ دہلی دربار میں جب بادشاہ جارج پنجم کی تاجپوشی کی تقریبات منعقد ہوئیں

Marfat.com

تو ان امور کا باضابطہ طور پر اعلان کر دیا گیا۔

تنسیخِ بنگال پر مسلمانوں کا ردِ عمل

گو حکومت برطانیہ اور وائسرائے ہند نے اپنے طور پر تنسیخ تقسیم بنگال کا ایک جواز ضرور تلاش کر لیا تھا۔ لیکن یہ جواز مسلمانوں کے لئے کسی بھی طور تشفی کا باعث نہیں تھا۔ حکومت کا جواز یہ تھا کہ ہندوؤں کی دہشت گردی کی تحریکیں بہت زیادہ زور پکڑ گئی تھیں۔ بلکہ یہ تحریکیں کانگرس کی پشت پناہی کے باعث نیم فوجی تحریکوں کی صورت اختیار کر چکی تھیں اس لئے دسمبر ۱۹۱۰ء میں خود شاہ انگلستان نے لارڈ ہارڈنگ کو ہدایت کی تھی کہ وہ بنگال کی تقسیم کالعدم قرار دے کر دوبارہ متحدہ صوبہ قائم کر دے۔ شاید لارڈ ہارڈنگ تنسیخ بنگال کی اس تجویز کو ایک وقت تک خود پسند نہیں کرتا تھا۔ لیکن بعد میں اس نے بادل نخواستہ اس تقسیم کو قبول کر کے اس پر عمل کیا۔

دسمبر ۱۹۱۱ء ہی میں جب نواب سر سلیم اللہ کو اس شاہی فرمان کا علم ہوا تو انہیں حکومت برطانیہ کے اس فیصلے پر سخت صدمہ ہوا کیونکہ ہندوستان کی مقامی حکومت اور حکومتِ برطانیہ برعظیم کے مسلمانوں کو یہی بتاتی رہی تھی کہ تقسیم بنگال جو ایک بار عمل میں آ چکی ہے وہ حتمی صورت میں بہر حال جاری رہے گی۔ لیکن انگریزی حکومت کے اس عمل نے مسلمانوں کے اعتماد کو ایک شدید دھچکا پہنچایا اور انہیں یقین ہو گیا کہ حکومت محض غیر آئینی دباؤ میں آ کر اپنے فیصلے بدل لیتی ہے جبکہ اس کے نزدیک آئینی طریقہ کار اور آئینی حقوق محض برائے نام ہی ہیں۔ مسلمانوں میں شدید غم و غصہ کے جذبات اس لئے بھی ابھرے کیونکہ وہ اس وقت تک حکومت سے پوری وفاداری پر کاربند تھے۔ لیکن حکومت نے ان کی وفاداری کی پرواہ کئے بغیر انہیں گمراہی میں رکھا اور انہیں ایک فریب دیا۔ حکومت کے اس بودے جواز پر مبنی اقدام نے باغیانہ گمراہ کن اور مکارانہ عناصر کی حوصلہ افزائی

Marfat.com

کی لیکن اس سے مسلمان ایک بار پھر یک و تنہا ہو کر رہ گئے۔ اس وقت مسلمانوں کو نہ حکومت پر اور نہ ہندوؤں پر بھی کسی قسم کا بھروسہ رہا تھا کیونکہ دونوں نے مسلمانوں کے مفادات کو ضعف پہنچایا تھا۔

تنسیخ تقسیم بنگال کے سانحہ پر خواجہ سر سلیم اللہ نے مسلم لیگ کے چھٹے سالانہ اجلاس میں ان الفاظ میں اظہار کیا کہ "تقسیم بنگال کی تنسیخ اشتعال انگیز اور بے اعتمادی کی فضا میں جلتی پر تیل چھڑکنے کے مترادف ہے حکومت کے اس عمل نے عوام الناس پر یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ حکومت بھی اندھا دھند اور مشتعل مخالفتوں کے سامنے گھٹنے ٹیک سکتی ہے۔"

اس کے ساتھ ہی علی گڑھ میں سر سید احمد خاں کے جانشین نواب وقار الملک نے بھی اپنے طور پر شدید غم و غصہ کا اظہار فرمایا۔ انہوں نے علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کے شمارہ ۲۰ دسمبر ۱۹۱۱ء میں لکھا کہ "اب یہ روز روشن کی طرح عیاں ہو چکا ہے کہ مسلمان اب کسی طرح سے حکومت پر کوئی اعتماد یا بھروسہ کر سکیں گے بلکہ ایسا سوچنا بھی اب ممکن نہیں ہے اب وہ دن بیت چکے کہ جب حکومت پر کوئی اعتبار کیا جا سکتا تھا۔ اب ہم مسلمان جس طاقت پر بھروسہ یا اعتماد کر سکتے ہیں۔ وہ بفضل تعالیٰ مسلمانوں کا اپنا اتحاد ہے۔" انہوں نے ایک دوسرے موقع پر اسی حوالے سے مزید کہا کہ "بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ مایوسی اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ وہ خودکشی کی راہ دکھانے لگتی ہے اور یہ تجویز کہ ہمیں اب کانگرس سے اتحاد کر لینا چاہیئے یہ بھی ایک طرح کی مایوسی اور ناامیدی کا نتیجہ ہے۔ لیکن اس مایوسی کا باعث بھی حکومت خود ہی ہے لیکن میں آپ کو اس خودکشی کا کبھی مشورہ نہیں دے سکتا۔"

جنگِ بلقان

اس ادبار و آلام کے عہد میں بھی مسلمانِ ہند نے کانگرس کے ساتھ اتحاد و اشتراک کر کے اپنا تشخص مجروح نہ ہونے دیا۔ بلکہ وہ اپنی راہ عمل خود بناتے رہے اور سر سید احمد خاں کی بخشی

Marfat.com

ہوئی۔ بصیرت میں مصروفِ عمل رہے۔ مسلمانوں نے یہ بھی دیکھ لیا تھا یہ مشکلات و مصائب بھی کئی حوالوں سے اپنا تشخص قائم رکھنے میں ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔ اسی عہد میں چند ایک مزید واقعات رونما ہوئے کہ جنھوں نے مسلمانوں کی تشویش کو کئی چند کر دیا۔ مثلاً ستمبر ۱۹۱۱ء میں سلطنتِ عثمانیہ کے اور اٹلی کے درمیان جنگ چھڑ گئی اس کے فوراً بعد اٹلی نے ٹرپولی پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ اس دور میں ہی سلطان ترکیہ کو اسلامی دنیا کا خلیفہ تسلیم کر لیا گیا۔

مسلم لیگ تو پہلے ہی اسلامی دنیا کے تمام مسائل پر نظر جمائے ہوئے تھی بلکہ اسے اس ساری بدلتی ہوئی صورت حال پر گہری تشویش تھی۔ اٹلی نے جب دولتِ عثمانیہ کے دور دراز علاقہ طرابلس پر قبضہ کر کے مسلمانوں پر ظلم و ستم ڈھائے تو برعظیم پاک و ہند کے مسلمان اسلامی اخوت اور بھائی چارے کے درد سے تڑپ اٹھے۔ فوراً ہی یہاں کے مسلمانوں نے طرابلس کے مسلمانوں کی مدد و تعاون کے لئے چندے جمع کرنے شروع کر دیئے اور یہی نہیں بلکہ ہندوستان میں اٹلی کے مال کا بائیکاٹ کرنا شروع کر دیا۔ مسلمانوں کے اس بائیکاٹ سے گو حکومت برطانیہ کو کوئی واضح فرق محسوس نہ ہوا۔ لیکن اس قدر احساس ضرور ہو گیا کہ برعظیم پاک و ہند کے مسلمان دنیا بھر کے مسلمانوں سے باخبر اور ان کے افکار و مسائل سے آگاہ ہیں۔ اسی دوران میں بلقان کی ریاستوں نے متحد ہو کر ترکی پر حملہ کر دیا۔ ان سازشوں میں چونکہ برطانیہ بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر برابر شامل تھا۔ اس لئے اب تو مسلمانان ہند نے حکومت برطانیہ کے خلاف بھی اپنے غم و غصے کا اظہار کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس طرح مسلمانوں کی انگریزی حکومت کے خلاف نفرت مزید شدت اختیار کرتی گئی ایسی صورت میں کہ جب ایک طرف انگریز نے مسلمانان برعظیم کے اعتماد کو ٹھیس پہنچا کر وعدہ خلافی کرتے ہوئے تنسیخِ تقسیم بنگال کا اعلان کر دیا تھا اور اسی دور میں انگریز اسلامی دنیا میں رونما ہونے والی تبدیلیوں اور سازشوں میں بھی شریک تھا تو مسلمانوں کا صدمہ کئی چند ہو گیا تھا۔ لیکن اب ہندو اس ساری کارروائیوں پر مطمئن تھے۔ بلکہ وہ تو انگریز کی ان تازہ پالیسیوں

Marfat.com

پر خوشی کے مظاہرے کرتے ہوئے جشن منا رہے تھے۔ یہی نہیں بلکہ چارج پنجم کی تاجپوشی کی رسوم میں ہندوؤں اور کانگرس نے انگریزوں سے بھی بڑھ کر حصہ لیا اور اظہار مسرت کیا۔

کلکتہ میں مسلم لیگ کے اجلاس میں ۴ مارچ ۱۹۱۲ء کو نواب سر سلیم اللہ خاں نے ایک بار پھر تنسیخ تقسیم بنگال کو موضوع سخن بناتے ہوئے مسلمانوں کو باخبر کیا کہ تقسیم بنگال نے مسلمانوں کو ایک تاریخی موقع دیا تھا کہ وہ اپنی حالت کو سدھار سکیں اور بگڑی ہوئی صورتحال کو بہتر بنا سکیں، لیکن یہ تبدیلی ہندوؤں کو ایک آنکھ نہ بھائی۔ انہوں نے اس تقسیم کی ہر طرح سے مخالفت کی۔ بہر حال حکومت بنگال کی اس تقسیم کو ہماری مرضی کے خلاف کالعدم قرار دے دیا۔ لیکن میں اس امر کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر مشرقی بنگال کے مسلمان بھی شورش برپا کر دیتے تو چارج پنجم کا یہ اعلان کہ "ہندوؤں اور مسلمانوں کے مفادات ایک دوسرے سے مختلف ہیں، اور دونوں قومیں کبھی اکٹھی نہیں ہو سکتیں" کی عملی تصویر سامنے آجاتی۔"

آل انڈیا مسلم لیگ کے منشور اور دستور میں تبدیلی پیدا کرنے کے لئے گو ۱۹۱۰ء ہی سے کام کا آغاز ہو چکا تھا لیکن بسرعت تبدیل ہوتے ہوئے حالات کا بھی اب یہ تقاضا تھا۔ مسلم لیگ کے لئے نیا لائحہ عمل تیار کیا جائے۔ اس سلسلے میں مسلم لیگ کے اعزازی سیکرٹری وزیر حسن نے سرکردہ مسلمان رہنماؤں کو ایک سرکلر روانہ کیا اور اس سلسلے میں ان سے مسلم لیگ کے موجودہ منشور کا جائزہ لینے کیلئے بھی کہا گیا۔ یہی نہیں بلکہ مسلم لیگ نے مسلمانان بنگال پر ہندوؤں کی جانب سے کی جانے والی ناانصافیوں اور زیادتیوں کا بھی ایک جائزہ لیا اور ان پر شدید نکتہ چینی کی تاکہ حکومت پر واضح ہو سکے کہ مسلمانانِ ہند مسلمانوں پر ظلم و ستم کو روا رکھنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ چاہے یہ ظلم و ستم طرابلس میں ہو اور چاہے بنگال میں۔ اسی دوران میں ہندوستان کے مسلمانوں نے ترکی کے مسلمانوں کے ساتھ اپنے جذبہ اخوت اور ہمدردی کے باعث طرابلس کے لوگوں کے لئے طبی مشن ترکی روانہ کیا۔ اس مشن میں علی گڑھ کالج کے چار طالب علم چوہدری خلیق الزمان

Marfat.com

عبدالرحمٰن صدیقی، شعیب قریشی اور عبدالرحمٰن پشاوری شامل تھے اس طبی مشن کے سربراہ ڈاکٹر انصاری تھے۔ یہی نہیں بلکہ ہندوستان کے مسلمانوں نے سلطنت عثمانیہ کی سالمیت کے لئے ایک انجمن "خدام کعبہ" بھی بنادی تھی ان تمام کارروائیوں کا بنیادی مقصد یہی تھا کہ برعظیم پاک و ہند کے مسلمانوں کی پوری پوری ہمدردیاں اسلامی دنیا اور مسلمان بھائیوں کے ساتھ تھیں۔

مسلمانانِ ہند کی یہ کارروائیاں اور بے پناہ جذبات ہندوؤں اور کانگرس کے لئے سوہانِ روح بنتے گئے اس پر مستزاد اسی عہد میں مولانا ظفر علی خاں نے مسلمانوں کے حقوق و مفادات کی پاسداری اور تشخص کے لئے "زمیندار" اخبار کا اجرا کر دیا تھا۔ اب مسلمانوں نے برطانوی حکومت سے بے جا وفاداری کے بجائے حکومت خود اختیاری پر توجہ دینی شروع کر دی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہندو اور کانگرس مسلمانوں کی اشک شوئی کے لئے مسلمانوں کو ساتھ ملانے کا کام بھی کر رہی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ کانگرس نے مسلمانوں کے ایک سرگرم رہنما سید امیر علی کو کانگرس کی صدارت قبول کرنے کی پیش کش کر دی۔ لیکن سید امیر علی نے اس پیش کش کو ایک بڑے نصب العین کی خاطر یکسر ٹھکرا دیا بلکہ انھوں نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ کانگرس کی ایسی پالیسیوں اور چاپلوسیوں کا شکار نہ ہوں اور ہمیشہ ان سے علیحدہ رہیں۔

اس عہد میں مسلمانوں کی راست اور صحیح رہنمائی کے ایک طرف اردو اخبار زمیندار جاری ہو چکا تھا تو اس کے ساتھ ۱۹۱۱ء میں مولانا محمد علی نے ایک انگریزی اخبار کامریڈ کا آغاز کر دیا تھا۔ کامریڈ بھی سرسید احمد خاں کی تحریک کا حامی اخبار تھا۔ ۱۹۱۲ء میں مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنا اخبار الہلال جاری کیا۔ الہلال پہلے دونوں اخباروں کے برعکس علیگڑھ تحریک کا مخالف تھا۔ الہلال میں مسلمانوں کے مقامی مسائل کے بجائے پین اسلام ازم پر زیادہ توجہ دی گئی۔ تعداد اشاعت کے اعتبار سے ہفت روزہ اخبار "الہلال" بلاشبہ

Marfat.com

کامریڈ اور زمیندار سے بہت زیادہ تھا لیکن برعظیم پاک و ہند کے مسلمانوں کے نصب العین کی دوٹوک غمازی کرنے میں اس اخبار کا کردار متنازعہ رہا ہے۔

مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس دسمبر ۱۹۱۲ء اور جنوری ۱۹۱۳ء میں منعقد ہوا یہ اجلاس کلکتہ میں انعقاد پذیر ہوا۔ اجلاس میں مولوی بدرالدین حیدر خاں چیئرمین استقبالیہ کمیٹی تھے۔ مسلم لیگ کے اسی اجلاس میں صورت حال کے پیش نظر دستور میں تبدیلی کی گئی اور مسلمانوں کی حالت کے بارے میں بتایا گیا کہ مسلمان آج کل تاریخ کے سب سے زیادہ نازک دور سے گزر رہے ہیں۔ یقیناً ایک عظیم خاموش انقلاب قوم کی منزل کے لئے وقوع پذیر ہو رہا ہے۔ اجلاس میں دستوری تبدیلی یہ کی گئی کہ مسلم لیگ کے دستور میں وفاداری کے بجائے ہندوستان میں حکومت خود اختیاری کی شرط اپنا لی گئی۔ سوراج کے حوالے سے بھی لیگ کے منشور میں چند ایک تبدیلیاں کی گئیں۔ اس طرح مسلم لیگ دستوری اعتبار سے کانگرس کے قریب آگئی۔ اس طرح اب دونوں جماعتیں حکومتِ خود اختیاری کے لئے انگریز کے خلاف کھڑی ہو سکتی تھیں۔ یہی نہیں بلکہ مسلم لیگ نے اپنے لئے سیلف گورنمنٹ کی پالیسی اپنانے کا اعلان کر دیا تھا۔ اس پالیسی کا مقصد ہی یہی تھا کہ ہندوستان میں ہندوستان ہی کے لوگوں کی اپنی حکومت قائم ہو۔ مسلم لیگ کی یہ پالیسی درحقیقت مسلمانوں کی سیاسی زندگی میں ایک بہت بڑی تبدیلی تھی۔ کیونکہ ۱۹۰۶ء میں تو ہندوؤں نے یہ تاثر دینا شروع کر دیا تھا کہ سیلف گورنمنٹ کے لئے مسلم لیگ کسی صورت میں بھی معاون ثابت نہیں ہو سکے گی۔ لیکن ساتویں ہی سال میں یہی مطالبہ مسلم لیگ ہی نے بڑی شد و مد کے ساتھ کرنا شروع کر دیا۔

علی گڑھ یونیورسٹی؟

چند در چند واقعات اور مسلمانوں کی بے چینی کے پیش نظر اشک شوئی کے

Marfat.com

لئے حکومت نے مشرقی بنگال کے لوگوں کے لئے ڈھاکہ یونیورسٹی قائم کر دی تھی لیکن مسلمانوں کے غم کی یہ تلافی تو نہیں کر سکتی تھی مسلمانوں نے اس سے پیشتر ہی ایم اے او کالج علیگڑھ کو یونیورسٹی کا درجہ دینے کا مطالبہ کر رکھا تھا۔ لیکن پہلے پہل تو حکومت نے مسلمانوں کی اس تجویز کو یہ کہہ کر ٹھکرانے کی کوشش کی کہ اس مقصد کے لئے ایک خطیر رقم تیس لاکھ روپے درکار ہوں گے۔ اگر یہ رقم جمع ہو جائے تو مسلمانوں کا یہ مطالبہ پورا ہو سکتا ہے۔ مسلمان رہنما اس شرط کی بنیاد پر بھی علی گڑھ یونیورسٹی کے قیام کے لئے پرخلوص تھے لہٰذا راجہ صاحب آف محمود آباد، علی محمد خاں، سر آغا خاں اور مولانا شوکت علی نے اس مقصد کے لئے وسیع پیمانے پر فنڈ جمع کرنے کی مہم کا آغاز کر دیا تھا۔ لیکن جب ہر طرف سے اس مقصدِ خاص کے لئے چندہ ہونے لگا تو حکومت نے یہ پابندی لگا دی کہ علی گڑھ یونیورسٹی کو نہ تو خود مختاری دی جائے گی اور نہ ہی علی گڑھ سے باہر کے کسی کالج یا تعلیمی ادارے کا اس سے الحاق ہو گا۔ حکومت کا یہ رویہ بھی مسلمانوں کی جبن توقعات کے مطابق نہ تھا۔ حکومت کے اس عمل کو مسلمانوں نے اپنے اس مقصد کے منافی سمجھا۔ کہ جس کے لئے وہ جدوجہد کر رہے تھے۔ کیونکہ اگر اس یونیورسٹی کو مسلمانوں کی تعلیمی ترقی میں ایک مربوط نظام کے تحت کام نہیں کرنا تھا تو اس کالج کو یونیورسٹی کے درجے تک بلند کرنے کا کوئی فائدہ ہی نہیں تھا۔ اس سلسلے میں مسلمانوں نے وائسرائے سے شکایات گوش گزار کرنے تک توقف سے کام لیا اسی دوران میں جنگ عظیم کا آغاز ہو گیا اور یونیورسٹی کا درجہ دینے کا معاملہ ایک بار پھر کھٹائی میں پڑ گیا۔ اس صورت حال نے بھی مسلمانوں میں ایک بے چینی اور اضطراب پیدا کر دیا۔

دیگر حالات

ستمبر ۱۹۱۱ء میں جب استعماری قوتوں کی نوآبادیات اور استعماری قلمرو میں

Marfat.com

اضافہ ہو رہا تھا تو اٹلی نے مسلمانوں کے کئی علاقوں پر اپنا حق ظاہر کرنا شروع کر دیا تھا۔ تیونس اور طرابلس کی حیثیت اٹلی اور فرانس کے لئے متنازعہ بنی ہوئی تھی۔ اٹلی حالانکہ خود طرابلس کو ترکی کا حصہ تسلیم کرتا تھا۔ اس نے اس کے باوجود حملہ کر کے طرابلس کو ترکی سے چھین کر اپنے قبضے میں لے لیا۔ پھر اسی دوران میں ۱۹۱۲ء میں بلقان کی ریاستوں، مانٹی نیگرو، بلغاریہ، سرویا اور یونان نے آپس میں ایک خفیہ معاہدے کے تحت الحاق کر کے ترکی پر حملہ کر دیا۔ اس کے بعد اٹلی، روس اور برطانیہ کے تعاون سے انہی چاروں ریاستوں نے بلقان لیگ قائم کر لی۔ اس طرح ترکی کی صورت حال خاصی کمزور ہو گئی۔ کیونکہ اٹلی نے لیبیا پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ بلقان کی ریاستوں کی ترکی سے ایک سال تک جنگ جاری رہی لیکن ترکی کو بالآخر صلح ہی کرنی پڑی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی بلقان پر ترکوں کی حکومت کا سورج غروب ہو گیا۔

اسلامی دنیا پر اس نازک صورت حال پر برعظیم پاک و ہند کے مسلمانوں نے اپنے گہرے تعلق اور سروکار کا اظہار کیا۔ دیگر کئی کارروائیوں کے ساتھ ساتھ آل انڈیا مسلم لیگ کی لندن شاخ نے انگلستان میں بھی ترکی کے نصب العین کی حمایت کی۔ اسی اثنا میں دنیا بھر کے مسلمانوں کی حمایت اور مدد کرنے کی غرض سے اور مقامی سطح پر مسلمانان ہند کے حقوق و مفادات کی بہتر نگہداشت کے لئے مسلمان رہنماؤں نے مسلم لیگ کے منشور میں تبدیلیوں کو ناگزیر قرار دیا۔ اس امر کا اظہار مسلم لیگ کے کلکتہ اجلاس میں بھی کیا گیا تھا اس سے پیشتر سید حسن بلگرامی نے لندن سے نواب وقار الملک کے نام ایک مکتوب میں تحریر کیا تھا کہ "آل انڈیا مسلم لیگ کے اغراض و مقاصد اور دستور عمل میں ترمیم و اضافہ کی شدید ضرورت ہے۔ مسلم لیگ موجودہ دستور میں سنٹرل مسلم لیگ اور صوبائی مسلم لیگ کے درمیان رابطہ و ضبط کی وضاحت بھی ضروری ہے۔ اسی طرح ڈسٹرکٹ لیگ اور پراونشل لیگ کے رابطے اور تعلق کی صورت کا ذکر بھی ہونا چاہیئے۔ اس کے

Marfat.com

ساتھ ہی لیگ کے دفاتر اور تمام سطحوں پر مالی امور کے بارے میں بھی خاموشی ہے۔ اس لئے ان سب امور کے حوالے سے دستور میں تبدیلی کی جانی چاہیئے۔

مارچ ۱۹۱۳ء میں جب آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس لکھنؤ میں سر محمد شفیع کی زیر صدارت منعقد ہوا تو اس اجلاس میں محمد علی جناح نے مسلم لیگ کا ممبر نہ ہونے کے باوجود شرکت کی۔ اس موقع پر انھوں نے بھی مسلم لیگ کی پالیسیوں اور منشور کے بارے میں کھل کر بات چیت کی۔

لہذا مسلم لیگ کے منشور میں ضروری تبدیلی اس طرح کی گئی کہ سب سے پہلے یہ تسلیم کیا گیا کہ مسلم لیگ اصل میں بنیادی طور پر ایک سیاسی جماعت ہے۔ اس لئے ایک سیاسی جماعت کو ہر طرح کے سوالات اور جوابات کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ نتیجتاً یہ طے پایا گیا کہ ہندوستان کے لئے حکومت خود اختیاری کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اس سلسلے میں یہ مقصد حاصل کرنے کے لئے دوسروں کو بھی شریک اور شامل کیا جائے گا۔ حکومت کے موجودہ نظام کے اندر بھی بدستور اصلاحات کے لئے کوشش جاری رکھی جائے گی۔ قومی یک جہتی کو فروغ دیا جائے۔ اس کے لئے لوگوں میں اشتراک و تعاون کی روح کو پیدا کیا جائے اور ہندوستان کی دوسری قومیتوں سے بھی ربط و ضبط برقرار رکھا جائے۔

لامحالہ مسلم لیگ کا یہ نیا راہ عمل مسلمانوں کے سابقہ برسوں کے روایتی لائحہ عمل سے یکسر مختلف اقدام تھا کہ جس میں حکومتِ برطانیہ سے وفاداری کے بارے میں اس قدر بلند آہنگ رویّہ ظاہر کیا گیا تھا۔ اس حوالے سے مسلم لیگ اپنے قیام کے بعد ساتویں ہی سال میں حکومت خود اختیاری نتیجے پر پہنچ گئی تھی جبکہ کانگرس کہ جسے حکومت کی سرپرستی اور پشت پناہی بھی حاصل تھی وہ ایسا فیصلہ کرنے کے لئے ۱۹۰۵ء میں یعنی قیام کے بیس سال بعد قابل ہو سکی تھی۔

مسلم لیگ کے دستور میں یہ بنیادی تبدیلیاں مسلمانانِ برعظیم کی سیاسی تاریخ میں

Marfat.com

ایک نئی اور ترقی پذیر راہِ عمل کی موجب بنیں۔ ان تبدیلیوں کے بارے میں مسز سروجنی نائیڈو نے محمد علی جناح کے بارے میں اپنی کتاب "محمد علی جناح این ایمبیسڈر آف یونٹی" میں لکھا کہ بقول محمد علی جناح "مسلمان سیاسی طور پر اپنے عہدِ طفولیت سے ایک توانا جوانی کے روپ میں آ گئے ہیں۔ اس لئے اب انہیں کسی بھی اندرونی یا بیرونی آمرانہ پالیسی کا پابند نہیں کیا جا سکتا۔"

مسلم لیگ نے جب اپنے منشور میں یہ تبدیلی پیدا کرنی تھی تو اس کی ممبر شپ کی شرائط میں بھی نرمی پیدا کر دی گئی تھی۔ حالانکہ آغاز کار میں مسلم لیگ کے ممبران کی تعداد کو صرف چار سو افراد تک محدود رکھا گیا تھا۔ اور ان میں بھی ایک گروپ ان لوگوں کا تھا کہ جو یکم اکتوبر ۱۹۰۶ء کو وائسرائے ہند لارڈ منٹو سے شملہ میں ایک وفد کی صورت میں ملے تھے ان کی تعداد صرف پینتیس تھی۔ دوسرے گروپ میں مسلم لیگ کے تاسیسی اجلاس میں شریک ہونے والے افراد شامل تھے۔ اسی طرح ایک تیسرا گروپ کراچی میں مسلم لیگ کے ۱۹۰۷ء کے اجلاس میں شریک ہونے والے افراد پر مشتمل تھا۔ باقی ممبران صوبائی اور ضلعی سطحوں کے تھے۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ مسلم لیگ کے ممبران کی تعداد آٹھ سو سے تجاوز کر گئی۔ لیکن ۱۹۱۳ء کے بعد جب سے ممبر شپ کی شرائط میں نرمی کی گئی تو ممبران کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی تھی۔ اسی دوران میں ۱۹۱۴ء ہی میں محمد علی جناح نے بھی مسلم لیگ کی رسمی ممبر شپ حاصل کر لی تھی۔ مسلم لیگ کی رجسٹرڈ ممبر شپ کے ساتھ ساتھ وابستہ ممبران کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ لیکن ۱۹۲۰ء دسمبر تک آل انڈیا مسلم لیگ کے رجسٹرڈ ممبران کی تعداد نو سو ترپن تھی جبکہ غیر رجسٹرڈ وابستہ ممبران کی تعداد ہزاروں تک پہنچ چکی تھی۔

کانپور مسجد کا سانحہ

کانپور کے مچھلی بازار کی ایک سڑک اے بی روڈ پر مسلمانوں کی ایک مسجد اور ہندوؤں

Marfat.com

کا ایک مندر واقع تھے۔ جب کانپور کی آبادی بڑھتی گئی اور ٹریفک میں بھی اضافہ ہوا تو بلدیہ نے سڑک کو وسیع اور کشادہ کرنے کا پروگرام بنایا۔ سڑک کی اس کشادگی کے لئے ضروری ہو گیا تھا کہ کانپور کی مسجد یا ہندوؤں کے مندر کا کچھ حصہ منہدم کر کے سڑک کو وسیع کیا جائے اس سلسلے میں کانپور کے میونسپل بورڈ نے کئی طرح کی تجاویز ذہن میں رکھیں۔ لیکن بالآخر وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ مسجد یا مندر دونوں میں سے کسی ایک کو جزوی طور پر منہدم کر کے سڑک کشادہ کی جا سکتی ہے ابھی یہ فیصلہ تجویز ہی کی سطح پر تھا کہ مسلمانوں نے میونسپل بورڈ سے کہنا شروع کر دیا تھا کہ مسجد کو کسی بھی طور منہدم نہ کیا جائے اس کے برعکس ہندوؤں کا یہ مطالبہ تھا کہ سڑک کشادہ کرنے کی خاطر مندر کو ذرا بھی نقصان نہ پہنچایا جائے۔ بلکہ اس کے بجائے مسجد کو گرا کر سڑک بنا لی جائے۔

مسلمانوں کو جب اس صورتِ حال کا علم ہوا اور ہندوؤں کے عزائم ان پر عیاں ہوئے تو انہوں نے گورنر لیفٹیننٹ سر جیمز مسٹن تک رسائی حاصل کی۔ گورنر نے اس صورتحال کو ہندو مسلم تنازعہ اور دونوں قوموں کے مذہبی حوالے سے سمجھا اور اس پر غور و خوض کرنے کے لئے اس نے خود بھی ۱۳ نومبر ۱۹۱۲ء کو موقع محل اور مسجد اور مندر کی تعمیر اور سڑک کو مجوزہ کشادگی کو دیکھا۔ اس کے بعد سر جیمز مسٹن نے مسلمانوں کو یقین دلایا کہ مسجد یا مندر کا کوئی حصہ نہیں گرایا جائے گا۔ ہر چند لفٹیننٹ گورنر سر جیمز مسٹن نے بھرپور یقین دہانی کرائی تھی۔ لیکن مسلمانوں کو ہندوؤں کی مخاصمانہ کارروائیوں میونسپل بورڈ کی توسیعی سرگرمیوں سے پورا پورا خطرہ ضرور تھا کہ وہ کہیں مسلمانوں کی اس مسجد کا بیرونی حصہ گرا نہ دیں۔ مسلمانوں کے لئے مسجد کے کسی حصے کو گرانے کا تصور ہی عبادت گاہ کے تقدس اور احترام کے حوالے سے بڑا عذاب بنا ہوا تھا۔ وہ تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ میونسپل بورڈ محض سڑک کی توسیع کی خاطر مسجد کو کسی طرح کی گزند پہنچائے گا۔ اسی دوران میں کئی سربرآوردہ مسلمانوں اور کے دوسرے حلقوں کے مقتدر مسلم رہنماؤں نے کانپور مسجد کی صورت حال کے بارے میں

Marfat.com

اپنی تشویش کا اظہار ضرور کیا۔ مسلمانوں کے وفود بدستور گورنر سے رابطہ رکھے ہوئے تھے۔ اور بات چیت جاری تھی۔ لیکن میونسپل بورڈ کانپور کے ارادے ٹھیک نہیں تھے۔

پھر ایک دن یکم جولائی ۱۹۱۳ء کو اچانک میونسپل بورڈ نے پولیس کی نگرانی میں مسجد کا ایک حصّہ جو سڑک کی زد میں آتا تھا منہدم کر دیا۔ مقدس مسجد گرانے کا یہ واقعہ مسلمانانِ ہند پر ایک بجلی بن کر گرا۔ مسلمانوں میں شدید غم و غصّہ کی لہر پھیل گئی۔ مسلمانوں کا خون کھول اٹھا کہ ان کی مقدس عبادت گاہ اور خدا کے گھر کو منہدم کرنے کی سازش کی گئی ہے۔ اسی دن سے مسلمانوں نے حکومت اور ہندوؤں کے خلاف احتجاجی مظاہرے کرنے شروع کر دیئے تھے۔ مظاہروں اور مذمت کا یہ سلسلہ قریباً ایک مہینے تک جاری رہا۔ لیکن مسلمانوں کا جوش و جذبہ بدستور بڑھتا ہی گیا۔ اسی دوران میں مسلمانوں نے کئی مقامات احتجاجی جلسوں اور جلوسوں کا اہتمام بھی شروع کر دیا تھا۔ ۲۔ اگست ۱۹۱۳ء کو کانپور کے مسلمانوں نے ایک عظیم الشان جلسے میں مسلمانوں کے لئے حالات کے تحت ایک نیا لائحہ عمل تیار کرنے کا پروگرام بنایا۔ اس جلسے کے لئے قریباً بیس ہزار مسلمان عیدگاہ کے اندر جمع ہو گئے۔ پھر وہاں سے وہی لوگ ایک بڑے جلوس کی صورت میں ہاتھوں میں سیاہ پرچم لئے ہوئے مسمار شدہ مسجد کے قریب آ گئے اور انہوں نے اسی مسمار شدہ حصّے کو تعمیر کرنے کا کام شروع کر دیا۔ لیکن اس جلوس کو قابو میں رکھنے کے لئے حکومت نے پولیس کی ایک بھاری جمعیت مقرر کر رکھی تھی۔ اس کے ساتھ ہی مسلمانوں نے اپنے غم و غصّہ اور احتجاج کا اظہار کیا۔ اس صورت حال کو دیکھ کر ہندوؤں اور انتظامیہ پولیس میں بھی اشتعال پیدا ہو گیا۔ لہٰذا ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مسٹر ٹائلر نے مسلمانوں پر گولی چلانے کا حکم دے دیا۔ حکومتی پولیس کی اس کارروائی پر قریباً پندرہ منٹ تک عمل جاری رہا۔ چھ سو سے زائد راؤنڈ چلائے گئے۔ نہتے مسلمان دیوانہ وار گولیوں کا نشانہ بنتے اور مسجد کے تقدس کا اعلان کرتے رہے اور بہیمانہ کارروائی کے نتیجے

Marfat.com

میں بیسیوں مسلمان شہید اور سینکڑوں زخمی ہو گئے۔ بے شمار افراد موقع پر شہید ہو گئے تھے۔ بہر صورت حکومت نے اپنے ایک بیان میں شہید ہونے والوں کی تعداد سولہ اور زخمیوں کی تعداد تیس[۳۰] بتائی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ پولیس کی اس شدید کارروائی کے بجائے شمع رسالت کے پروانے وہاں سے جانے کے لئے تیار نہیں تھے۔ لیکن پولیس کے گھڑسوار دستوں نے لوگوں کو روند روند کر مار بھگایا تھا۔ گھڑسوار دستوں کے اس عمل سے کئی شہداء کی لاشیں بھی مسخ ہو گئی تھیں۔ انتظامیہ نے یہیں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس نے ایک سو سے زائد مسلمانوں کو گرفتار بھی کر لیا اور ان پر نقضِ امن کے تحت مقدمات کر دیئے گئے۔

حکومت کی اس ظالمانہ کارروائی اور مسلمانوں کی شہادت کی یہ خبر پورے ہندوستان میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ اس پر انہوں نے مزید احتجاج کرنا شروع کر دیا اس کے ساتھ ساتھ اس سانحہ میں شہید اور زخمی ہونے والے لوگوں کے خاندانوں کی مدد کرنے کے لئے مسلمانوں نے کافی رقم جمع کر لی اور لواحقین کی اس رقم سے امداد کی۔ گرفتار شدہ مسلمانوں کی رہائی کے لئے بھی کوششیں ہونے لگیں۔ جب اس سارے واقعے کی اطلاع مسلمانوں نے صوبے کے گورنر لیفٹیننٹ سر جیمز میسٹن کو دی گئی تو اس نے دو ٹوک الفاظ میں کہہ دیا کہ وہ گرفتار شدگان کی رہائی کے لئے کوئی بھی کارروائی کرنے کے حق میں نہیں ہے اس کے بعد گرفتار شدگان کی مدد کرنے کے لئے ملک بھر کے ماہر مسلمان وکیلوں نے کانپور پہنچنا شروع کر دیا۔ راجہ صاحب آف محمود آباد، مولانا عبدالباری، بیرسٹر محمد نعیم اور مظہر الحق اس ضمن میں سب سے آگے تھے۔ اسی دوران میں مسلمانوں کے ایک وفد نے راجہ صاحب آف محمود آباد کی سرکردگی میں اگست ۱۹۱۳ء میں گورنر سے ملاقات کی اور باضابطہ طور پر اس امر کی اجازت چاہی کہ مسلمانوں کو مسجد کا منہدم حصہ دوبارہ تعمیر کرنے

Marfat.com

دیا جائے۔ لیکن گورنر نے اس وقت کسی طرح کا مسکت جواب نہ دیا۔

لفٹیننٹ گورنر کی اس سرد مہری پر مسلم لیگ نے اپنا ایک وفد مولانا محمد علی اور سید وزیر حسن پر مشتمل انگلستان روانہ کیا یہ وفد ستمبر ۱۹۱۳ء میں لندن پہنچا۔ اس وفد نے سرکاری سطح پر کسی سے ملاقات کرنے کے بجائے لوگوں کی رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لئے کام اور برطانیہ کے عوام پر واضح کیا کہ برعظیم میں انگریزی حکومت کس طرح ناانصافیاں کر رہی ہے اور مسلمانوں کے مذہبی جذبات سے بھی وہ کس طرح کھیل رہی ہے یہی نہیں بلکہ حکومت ہندوؤں کی صریحاً جانبداری کر رہی ہے اس وفد نے برطانوی پریس پر بھی واشگاف الفاظ میں صورت حال کی وضاحت کی اور کئی مقامات پر پریس کانفرنسیں کر کے اپنے موقف کا اظہار کیا۔

مسلم لیگ کے اس وفد نے ایک جانب تو مسلمانوں کے مذہبی جذبات سے کھیلنے کے مذموم حادثہ مسجد کانپور کا ذکر کیا اور اس کے ساتھ نہتے اور مظلوم مسلمانوں کی شہادت کے واقعات کا بیان بھی کیا۔ اس وفد نے انگریزوں اور انگریزی حکومت کی مسلمانوں کے بارے میں کئی غلط فہمیوں کا ازالہ بھی کیا۔ مسلمانوں کے اس وفد کی کوششوں سے حکومت برطانیہ نے لندن سے وائسرائے ہند لارڈ ہارڈنگ کے لئے خصوصی ہدایات جاری کیں۔ جس کے نتیجے میں ۱۶ اکتوبر ۱۹۱۳ء کو لارڈ ہارڈنگ خود اور سید امام علی حکومتِ ہند کے رکن، کانپور پہنچے۔ انہوں نے مسجد کانپور کو دیکھا اور مسجد کی آرائش کے لئے اپنی جیب سے عطیہ دیا اور شہید ہونے والے مسلمانوں کے پسماندگان سے اظہار ہمدردی کیا۔

مسجد کے دیگر معاملات کے سلسلے میں وائسرائے ہند لارڈ ہارڈنگ نے میونسپل بورڈ کانپور کے افسروں اور مسلمانوں کے نمائندوں سے صلاح مشورہ کر کے یہ فیصلہ کیا کہ مسجد کے منہدم شدہ برآمدے کو زمین سے آٹھ فٹ بلند اسی زمین پر تعمیر کیا جائے۔ جو پہلے مسجد کے استعمال میں تھی۔ اس کے علاوہ وائسرائے نے اس مسجد کے معاملے میں گرفتار شدگان

Marfat.com

کی رہائی اور تمام مقدمات واپس لینے کا حکم بھی دیا۔ گو وقتی طور پر حکومت برطانیہ کی پوری مداخلت اور وائسرائے ہند لارڈ ہارڈنگ کی فوری کارروائی کے باعث مسجد کانپور کا واقعہ تو ٹھنڈا پڑ گیا۔ لیکن اس کے بعد مسلمانوں کی انگریزی حکومت کے خلاف عدم اعتماد کی خلیج بڑھتی گئی۔ اس خلیج کے بڑھنے کا ایک نقصان یہ بھی ہوا کہ مسلمانوں نے حکومتِ خود اختیاری کے لئے اب ایک طرح سے ہندوؤں کے ساتھ بھی تعاون کرنا شروع کر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ۲۷ر دسمبر ۱۹۱۳ء کو جب کانگرس کا اجلاس کراچی میں منعقد ہوا تو اس اجلاس میں اپنی صدارتی تقریر میں بھوپندر ناتھ باسو نے مسلم لیگ کی جانب سے ہندوستان میں حکومتِ خود مختیاری کے منشور کو خوب خوب سراہا بھی نہیں بلکہ انہوں نے مسلم لیگ کے اس اقدام پر ہندو مسلم ایکتا کا اعلان بھی کر دیا اور کہا کہ اگر ماضی میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں کچھ غلط فہمیاں رہی ہیں تو اب انہیں بہر طور بھول جانا چاہیئے۔

ہندو لیڈر بھوپندر ناتھ باسو کے اس اعلان کو مسلمانوں نے خوب سمجھا۔ کیونکہ برعظیم میں ہندو مسلم ایکتا تو بہر حال ہندو اور کانگرس کے لئے بے حد مفید تھی۔ اس لئے مسلمانوں میں شدید غلط فہمیوں کے ازالے کی خاطر ۳۰۔ دسمبر ۱۹۱۳ء کو مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ آگرہ میں سر فضل ابراہیم رحیمتہ اللہ نے واضح طور پر بتایا کہ ہندو مسلم ایکتا اور بھائی چارہ محض ہندوؤں کی یک طرفہ کارروائی اور کانگرس کی خوش فہمی ہے اس کے لئے کانگرس کا بھی مسلمانوں کی حیثیت کو جاننا ضروری ہے۔ اجلاس میں یہ بھی اظہار کیا گیا کہ غیر ملکی سیاسی استبداد ہندوستان جیسے ملک میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے برقرار نہیں رہ سکتا، بالآخر یہ ملک آزاد ہوگا۔

اسی طرح ۳۱ر دسمبر ۱۹۱۳ء کو مسلم لیگ کی ایک میٹنگ سر آغا خان کی صدارت میں نیکی پور بہار میں منعقد ہوئی۔ اس میٹنگ میں مسلم لیگ کے منشور کو محض ایک دستور کے تحت پیش کیا گیا کہ "ہندوستان میں خود مختار حکومت کا قیام ہی مسلم لیگ کا اولین مقصد ہے"۔

Marfat.com

پہلی جنگِ عظیم

اٹلی، فرانس، برطانیہ اور روس نے جنگ بلقان سے پیشتر ہی ترکی علاقوں پر قبضہ کرنے اور پھر آپس میں تقسیم کا خفیہ معاہدہ کر رکھا تھا۔ ترکی تنِ تنہا ان ممالک کی فوجی یا سیاسی ٹکر نہیں لے سکتا تھا۔ اس لئے ترکی نے مجبوراً جرمنی کا ساتھ دیا۔ اس طرح جنگ عظیم اوّل کا آغاز ہو گیا۔ مسلمانانِ ہند کی تمامتر ہمدردیاں اور وابستگیاں ترکی سے وابستہ تھیں۔ لوگوں نے اس سلسلے میں فتوے حاصل کر کے بھی ترکی کے مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ لیکن ہندوستان میں مسلمانوں کا یہ جوش وجذبہ دیکھ کر گرفتاریوں کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ کانگریس نے اس کے برعکس حکومت سے اپنی وفاداریوں کا یقین دلایا۔

جنگ میں ترکی کے جن علاقوں پر عیسائی فوجوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ ان کے بارے میں حکومت برطانیہ نے اعلان کیا کہ انہیں واپس نہیں کیا جانا چاہیئے۔ کیونکہ یہ علاقے فاتحین کی محنت اور ان کی کوششوں کا ثمر ہے۔ بلکہ یورپی عیسائیوں نے تو یہاں تک کہنا شروع کر دیا تھا کہ "سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں عیسائیوں کو جو شکست ہوئی تھی۔ یہ جنگ ترک مسلمانوں سے اس کا بدلہ لینے کے لئے لڑی جا رہی ہے"۔ برطانوی حکومت کا مسلمانوں کی شکست اور ان پر ظلم وستم کے حوالے سے ایسا رویہ سراسر جانبدارانہ اور یکطرفہ تھا۔ برعظیم پاک وہند کے مسلمانوں نے برطانوی حکومت کی اس روش کو بڑی شدت سے محسوس کیا۔

گو جنگِ عظیم اول کے آغاز میں مسلمانوں نے بڑی حد تک حکومت سے تعاون کی پالیسی ہی اختیار کئے رکھی تھی بلکہ اس سلسلے میں مولانا محمد علی نے "کامریڈ" میں ایک مضمون میں لندن ٹائمز میں دی گئی برطانوی دھمکی" کہ ترکوں کو جنگ میں جرمنی کا ساتھ نہیں دینا چاہیئے" کے جواب میں لکھا تھا کہ مسلمانانِ ہند کو اس موقع پر یہی مشورہ دیا جا سکتا

Marfat.com

ہے کہ وہ صبر سے کام لیں اور حدودِ قانون سے تجاوز نہ کریں۔ جو کچھ ہم چاہتے ہیں۔ جو کچھ ہماری شکایات ہیں۔ جن اصلاحات کا ہم مطالبہ کر رہے ہیں۔ ہر چیز مناسب وقت کے لئے ملتوی رہے۔ ہم گورنمنٹ سے بہ ادب کہیں گے کہ یہ وقت اس کا نہیں ہے مراعات صلح اور امن کے زمانے میں مانگی اور دی جاتی ہیں۔ ہم روسی پولینڈ کی رعایا نہیں ہیں۔ ہم رشوت نہیں چاہتے ہیں۔

مسلم رہنماؤں کی اس طرح کی اپیلوں پر واقعی قوم نے کان دھرے۔ اس طرح حکومت اور برٹش انڈین ایمپائر نے ہندوستان بھر سے فوجیوں کی لازمی اور جبری بھرتی کر کے دس لاکھ سے زیادہ ہندوستانی فوجیوں کو میدانِ جنگ میں جھونک دیا۔ بلا مبالغہ مسلمان فوجی ہر میدانِ جنگ میں نہایت بہادری اور جرأت سے لڑتے رہے مولانا محمد علی نے اپنے ایک مضمون میں صورت حال کے مطابق کہا کہ "اب جبکہ جنگ چھڑ ہی گئی ہے تو میں مکرر کہتا ہوں کہ وفاداری اب بھی قائم ہے۔ مسلمانانِ ہند ان وعدوں پر جو ان سے مقامات مقدسہ اور مذہب کے متعلق انگریز اور ان کے اتحادیوں نے کئے ہیں۔ پوری طرح اعتماد رکھتے ہیں اور ساتھ ہی حکومت پر اس امر کی بھی خوب تصریح کر دی تھی کہ جزیرۃ العرب پر حملہ نہ کیا جائے نہ مقامات مقدسہ کی اس حفاظت کو خطرہ میں ڈالا جائے جو کامل آزاد اسلامی طاقت کے ذریعے سے کی جاتی ہے۔

حالات و واقعات نے ثابت کر دیا کہ برطانیہ کی وعدوں کی کوئی اہمیت نہیں رہتی۔ کیونکہ یہ وعدے اسی وقت تک ہوتے ہیں کہ جب تک وہ حکومت برسر اقتدار رہتی ہے۔ وزارت کے تبدیلی کے ساتھ سارے ہی وعدے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ کیونکہ جنگ کے پہلے ہی دور میں برطانیہ نے شام فلسطین اور عراق عرب کو خلیفہ کے مقبوضات سے علیحدہ کر کے خود اپنے قبضہ میں کر لیا۔

حکومتِ برطانیہ کی اس روش اور رویے نے مسلمانانِ ہند کے اعتماد کو پوری

Marfat.com

طرح سے مجروح کر کے رکھ دیا تھا۔ اس لئے جلد ہی مسلمانوں نے اب جان لیا تھا کہ حکومت کی وفاداریوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اس کے بعد برعظیم کے سیاسی رہنماؤں نے انگریزی حکومت کی وعدہ خلافیوں کو دیکھ کر اپنا رویہ اور کردار بدل لیا تھا۔ اخبارات اور رسائل و جرائد نے بھی اس امر کا اظہار کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس پر حکومت نے ہندوستان کے مسلمان رہنماؤں پر کڑی نظر رکھی اور پھر انہوں نے سب سے پہلے ایک حق پرست اور حریت پسند مسلمان رہنما مولانا محمد علی کو قید کر کے ان کے دونوں رسالے "کامریڈ" اور "ہمدرد" بند کر دیئے۔ انہیں خود نظر بند کر کے مہرولی بھیج دیا گیا۔ ان کے ساتھ ہی ان کے بھائی مولانا شوکت علی کو گرفتار کر کے نظر بند کر دیا گیا تھا۔ جب اسمبلی میں ان دونوں کی گرفتاری کے بارے میں استفسارات ہوئے تو حکومتی نمائندے اس کا کوئی جواب نہ دے سکے صرف یہی تاثر دیا گیا کہ انہیں حکومت کے خلاف کھلم کھلا کارروائیوں کی پاداش میں گرفتار کر کے نظر بند کیا گیا ہے۔

حکومت برطانیہ کے خلاف احتجاج کے طور پر مولانا ظفر علی خاں کے اخبار "زمیندار" اور مولانا ابوالکلام آزاد کے اخبار "الہلال" نے بھی بھرپور حصہ لیا تھا۔ لہٰذا حکومت نے انہیں بھی گرفتار کر کے نظر بند کر لیا اور ان کے پرچوں پر پابندی عائد کر دی۔ ان لوگوں کے قلمی جہاد کے ساتھ ساتھ متعدد مسلمان رہنماؤں نے عملی جہاد میں بھی حصہ لیا۔ ان بزرگان میں مولانا محمود الحسن شیخ الہند، مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا عبید اللہ سندھی نے بھرپور حصہ لیا۔ اسی دوران میں چوہدری رحمت علی نے اپنی ایک تحریر میں مسلمانوں کی برعظیم میں ایک علیحدہ اسلامی سلطنت کا تصور پیش کر دیا اور بتایا کہ ہندوستان کا شمالی علاقہ مسلمان علاقہ ہے ہم اسے مسلمانوں ہی کا علاقہ برقرار رکھیں گے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ہم اسے مسلمان ریاست بنائیں گے۔ اس لئے ہم جتنی جلدی انڈین ازم سے علیحدہ ہو جائیں اتنا ہی اسلام اور مسلمانوں کے لئے بہتر ہے۔"

Marfat.com

گو مسلمان رہنماؤں کی گرفتاریوں سے مسلمانوں کو ایک بار پھر ادبار و آلام کا سامنا کرنا پڑا لیکن اس آڑے وقت میں ہندوؤں اور کانگرس نے مسلم لیگ کو اپنے اندر ضم کرنے کی کوششیں بھی شروع کر دی تھیں، ہندوؤں کی ان مکاریوں کے بارے میں گو مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ بمبئی میں واشگاف الفاظ میں واضح کر دیا گیا تھا کہ گو مسلم لیگ کا اجلاس بھی کانگرس ہی کی سٹیج پر ہو رہا ہے لیکن دونوں جماعتیں صرف اتحاد سے کام لے رہی ہیں دونوں جماعتیں متفقہ جدوجہد کرنے پر اتفاق کر رہی ہیں اور اسی مقصد کے لئے ایک مشترکہ کمیٹی بھی بنالی گئی ہے۔ لیکن مسلم لیگ کے اس عمل پر لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ شاید مسلم لیگ کانگرس میں ضم ہو گئی ہے۔

یکم جنوری ۱۹۱۶ء کو مسلم لیگ کا ایک تاریخی اجلاس بمبئی ہی میں اسی غلط فہمی کا ازالہ کرنے کے لئے منعقد ہوا جس میں واضح کیا گیا کہ مسلم لیگ کا کانگریس سے یہ اتحاد یا اشتراک محض ایک کانفرنس ہے۔ اب صورت حال کا تقاضا یہی ہے کہ ہندوستان کی تمام سیاسی جماعتیں برطانوی حکومت کے خلاف متحد ہو جائیں۔ سیاسی سطح پر ان کوششوں کے ساتھ ساتھ مولانا عبیداللہ سندھی نے اپنی گرفتاری سے پیشتر گورنمنٹ کالج لاہور کے مسلمان طالب علموں کے ہمراہ افغانستان میں جاکر کام کرنا شروع کر دیا تھا اور انہوں نے برطانیہ کے خلاف ترکی کی حمایت کے لئے حکومت افغانستان سے تعاون حاصل کرنے کی کوشش کر دی تھی۔ ان کے تعاقب میں ایک "انڈین ٹرکش۔ جرمن مشن" راجہ مہندر اپرتاپ کی سربراہی میں بھی افغانستان پہنچ چکا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس مشن کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ وہ افغانستان جاکر امیر افغان کو اس امر پر راغب کرے کہ وہ برطانوی ہندوستان پر حملہ دے تاکہ ہندوستان میں برطانیہ کی توجہ اس ملک کی سرحدوں پر لگی رہے اور اس طرح ترکی کی حفاظت ہو سکے۔ لیکن اب حال ہی میں اس حقیقت کا انکشاف ہوا ہے کہ راجہ مہندر اپرتاپ کا مقصد یہ نہیں تھا کہ وہ اس بہانے سے راجہ آف نیپال کی مدد سے ہندوستان میں

Marfat.com

ہندوراج کے قیام کے لئے کام کرنا چاہتا تھا۔

اسی طرح مسلمانوں کی ایک اور دینی جماعت مولانا محمود الحسن شیخ الہند، دارالعلماء دیوبند کی قیادت میں حجاز پہنچی۔ اس جماعت میں محمد میاں انصاری بھی شامل تھے اس جماعت کا مقصدِ وحید بھی یہی تھا کہ وہ ترک حکومت کے تحفظ کے لئے ہر سطح پر کام کرے۔ لہذا اس جماعت نے عرب میں اپنے قیام کے دوران میں جہاد کا فتویٰ حاصل کرلیا اور حجاز میں ترکی کے گورنر گلب پاشا سے ہر طرح کی مدد کی یقین دہانی حاصل کر لی۔

جن دنوں مولانا عبیداللہ سندھی جو علمائے دین کے اس انقلابی گروپ کے سب سے فعال رہنما تھے کابل میں مقیم تھے۔ انہوں نے اسی عہد میں مولانا محمود الحسن کو اپنی سرگرمیوں سے مطلع رکھنے کے لئے ایک ضروری پیغام "ریشمی رومال" پر لکھ کر بھیجا۔ اس خط کو شیخ عبدالحق خود شیخ عبدالرحیم کو دینے کے لئے لا رہے تھے۔ لیکن پیشتر اس کے یہ خط اپنی منزل مقصود پر پہنچتا اسے کچھ لوگوں کی جاسوسی پر راستے ہی میں پکڑ لیا گیا۔ اس طرح انگریزی حکومت کو مسلمانوں پر مزید سختی کرنے کا بہانہ ڈھونڈ لیا اور اس خط کو باقاعدہ ایک تحریک سمجھ کر اسے ریشمی رومال کی سازش کے نام سے معنون کیا۔

ادھر جنگ عظیم کے حوالے سے فرانس، برطانیہ اور روس نے ایک معاہدے کے تحت ترکی کے حصے بخرے کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس طرح روس کو قسطنطنیہ اور آبنائیں دے دی گئیں۔ آرمینیا کردستان کا حصہ اور شمالی اناطولیہ روس ہی کے تجویز کئے گئے۔ اسی طرح ایک آزاد عرب حکومت کے قیام کا فیصلہ بھی مان لیا گیا۔ شام اور بعض دوسرے علاقوں کو بھی روس ہی کے حلقہ اختیار و اثر میں دے دیا گیا۔ خلاصتاً یہ کہا جا سکتا ہے کہ انگریز بہر کیف ترکی کو پارہ پارہ کرنے اور مشرق وسطیٰ میں مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کا شیرازہ بکھیرنے میں کامیاب ہوئے۔

Marfat.com

اصلاحات کمیٹیاں

جنگِ عظیم اوّل کے خاتمے پر گو قائداعظم محمد علی جناح نے تازہ حالات کے پیشِ نظر وائسرائے ہند کو سیاسی صورت حال سے آگاہ کر کے یہ تجاویز بھی پیش کر دی تھیں کہ مسلم لیگ اور کانگرس کے لئے جداگانہ انتخابات کا طریقہ اپنایا جائے اور انہیں حکومتِ خود اختیاری دی جائے لیکن اس کے کچھ ہی عرصہ بعد اکتوبر ۱۹۱۶ء میں امپیریل لیجسلیٹو کونسل کے انیس ہندو اور مسلمان ممبروں نے اصلاحات نافذ کرنے کے لئے وائسرائے ہند کو ایک مشترکہ عرضداشت پیش کی۔ اس مشترکہ یادداشت میں درج ذیل اصلاحات تجویز کی گئیں۔

۱۔ امپیریل اور پراونشل ایگزیکٹو کونسلوں کے آدھے ممبر انتخابات کے معروف طریقے کے ذریعے سے ہندوستان کے لوگوں ہی میں چنے جائیں۔

۲۔ تمام لیجسلیٹو کونسلوں میں منتخب ممبروں کی حقیقی معنوں میں اکثریت ہونی چاہیئے۔

۳۔ تمام لیجسلیٹو کونسلوں کو مالی اختیارات کی بھی آزادی دی جائے اور انہیں ووٹنگ سپلائز کا بھی حق دیا جائے۔

۴۔ سیکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا کی کونسل کو یکسر ختم کر دیا جائے۔

۵۔ تمام صوبوں کو کامل خود اختیاری دے دی جائے۔

۶۔ امپیریل فیڈریشن کی کسی بھی سکیم کے تحت ہندوستان کو کسی بھی نوآبادی کی حکومت خود اختیاری کا حق دیا جائے۔

۷۔ تمام ہندوستانیوں کو یہ حق دیا جائے کہ وہ ہر طرح کا اسلحہ ملک کے کسی بھی حصے میں اپنے ساتھ لے جا سکیں۔ انہیں فوج میں یورپی لوگوں کی طرح کمشن حاصل کرنے کا موقع دیا جائے اور ان کی بھی فوج میں کمشن حاصل کرنے کے لئے یورپی لوگوں ہی کی طرح شرائط ہوں۔

Marfat.com

۸۔ بجٹ پر مکمل اختیار اراکین کونسل ہی کو حاصل ہو نہ کہ حکومت کا اس پر اختیار ہو۔

۹۔ وزارتِ امور ہند کے اختیارات کو کم از کم کر دیا جائے ۔اور

۱۰۔ ہندوستان کی سیاسی آزادی کے لئے پیش کئے جانے والے یہ مطالبات کم از کم ہیں اس لئے ان میں کسی طرح کی مزید کمی نہ کی جائے۔

برعظیم پاک و ہند کی دونوں بڑی سیاسی جماعتوں مسلم لیگ اور کانگرس کے مشترکہ دستخطوں سے یہ تجاویز تیار ہوئیں اور انہیں ہندوستان کے وائسرائے لارڈ چیمسفورڈ کے سامنے پیش کیا گیا یہ تجاویز کانگرس اور مسلم لیگ کی کمیٹیوں نے بڑے غور و فکر کے بعد ترتیب دی تھیں اور ان کا بھی بنیادی مقصد یہی تھا کہ ملک میں آئین سازی کے لئے سیاسی سطح پر کام لیا جائے۔

میثاقِ لکھنؤ

گو پہلی جنگ عظیم کے بعد ہی سے ہر دو طرف سے کانگرس اور مسلم لیگ کو ایک دوسری کے قریب لانے کی کوششوں کا آغاز ہو چکا تھا پھر ۱۹۱۵ء میں تو دونوں جماعتوں کے سالانہ اجلاس بھی ایک ہی تاریخوں اور ایک ہی پلیٹ فارم پر انعقاد پذیر ہوتے تھے۔ اور ان اجلاسوں میں دونوں جماعتوں نے اصلاحات کی ترتیب کے لئے کمیٹیاں بھی بنادی تھیں اور کمیٹیوں کے مزید مشترکہ اجلاسوں کا سلسلہ بھی جاری رہا تھا۔ اس صورتحال میں قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ کے اجلاس میں ایک تجویز پیش کی تھی کہ "ہندوستان کے آئین میں نئی تبدیلی ہونے والی ہے اس لئے ضروری ہے کہ ہندوستان کی دونوں سیاسی جماعتیں مسلم لیگ اور کانگرس کوئی ایسی سکیم تیار کریں کہ جس میں مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا ہو اور پھر یہ رپورٹ حکومت کو پیش کی جائے کہ یہی ہمارے مطالبات ہیں"۔

Marfat.com

اکتوبر ۱۹۱۶ء میں امپیریل لیجسلیٹو کونسل کے ممبران یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں نے جو مشترکہ یادداشت وائسرائے ہند لارڈ چیمسفورڈ کو پیش کی تھی اس کے بارے میں پریس اور وائسرائے خود خاموش رہے۔ اس میں پیش کئے گئے مطالبات پر سیکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا نے بھی کسی سردکار کا اظہار نہ کیا۔ لیکن ہندوستان کی سیاسی زندگی اور تاریخ میں بعض سیاسی حلقوں نے اس یادداشت کو بڑا اہم قرار دیا۔ کیونکہ ان تجاویز کو مسلم لیگ اور کانگرس کے بعد کے اجلاسوں میں منظور کر لیا گیا تھا۔ دونوں جماعتوں کی اسی منظوری کے بعد دونوں جماعتوں کے سالانہ اجلاس دسمبر ۱۹۱۴ء میں لکھنؤ میں مشترکہ طور پر منعقد ہوئے۔ مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت محمد علی جناح نے کی اور اسی طرح کانگرس کے اجلاس کی سربراہی امبیکا چرن مجمدار نے کی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ کے قیام کے اغراض و مقاصد کا حوالہ دیتے ہوئے اپنے صدارتی خطبے میں فرمایا کہ مسلم لیگ کی بنیاد کا مقصد ہی یہی تھا کہ یہ واضح کیا جائے کہ ہندوستان میں چاہے کوئی بھی رد و بدل ہو مسلمان بہرحال ایک جداگانہ حیثیت کے حامل ہیں۔ اس لئے وہ اپنی نشوونما کے خیال کو کسی بھی صورت دل سے نکال نہیں سکتے۔ اس لئے آل انڈیا مسلم لیگ کانگرس کے شانہ بشانہ چل کر ہر ایسی کوشش میں حصہ لینے کے لئے تیار ہے جو بحیثیت مجموعی ملک کی ترقی اور اس کے مفاد میں ہو۔

جداگانہ جلسوں کے بعد دونوں جماعتوں نے متعدد قراردادوں کے نتیجے میں ایک مشترکہ قرارداد بھی منظور کی۔ اس قرارداد کو ایک طرح سے دونوں جماعتوں کے معاہدے کے طور پر تسلیم کر لیا۔ چونکہ ہندو اور مسلمان ارادۃً اس وقت مشترکہ مقاصد کے لئے ایک طرح کا معاہدہ کر رہے تھے اس لئے اس اجلاس میں ہندو مسلم اتحاد پر بھی زور دیا گیا۔ کانگرس نے قدرے فراخ دلی کا ثبوت دیتے ہوئے مسلمانوں کے کئی ایک مطالبات کو تسلیم کر لیا۔ لیکن کانگرس کے اس لچکیلے رویے میں بھی کئی سیاسی مصلحتیں پوشیدہ تھیں۔

Marfat.com

بہر طور معاہدہ لکھنؤ کی جو مشترکہ قرارداد منظور ہوئی اس کا خلاصہ یہ ہے۔

ایرکزی قانون ساز ادارے میں ڈیڑھ سو ارکان ہوں اور ان میں ایک تہائی مسلمانوں کی تعداد مقرر کی جائے۔

۲۔ مسلمان نمائندوں کا انتخاب جداگانہ بنیادوں پر کیا جائے۔

۳۔ صوبائی قانون ساز اداروں کے لئے براہ راست انتخابات کا طریقہ اپنایا جائے۔

۴۔ مسلمانوں کی نئی صورت حال کے تحت ان کے تناسب تعین درج ذیل کیا جائے اور انہیں بعض صوبوں میں ان کی آبادی کے تناسب سے بھی زیادہ نمائندگی دے دی جائے۔

پنجاب	۵۰ فی صد	بنگال	۴۰ فی صد
یوپی	۳۰ فی صد	بہار	۲۵ فی صد
سی پی	۱۵ فی صد	مدراس	۱۵ فی صد
بمبئی	۳۳ فی صد		

۵۔ کوئی بھی مسودہ قانون تین چوتھائی اراکین کی تائید اور اجازت کے بغیر منظور نہ کیا جائے۔

۶۔ ہر قانون ساز ادارے کو یہ حق دیا جائے کہ وہ خود اپنا صدر چنے اور ایسے اداروں کے انتخاب کی مدت پانچ سال ہونی چاہیئے۔

۷۔ گورنر یا گورنر جنرل کی ویٹو پاور کو محدود اور کم کر دیا جائے۔

۸۔ کمشنڈ اور نان کمشنڈ عہدوں پر فوج میں ہندوستانیوں کو بھی بلا لحاظ مذہب و ملت متعین کر کے ان کا تقرر کیا جائے۔

۹۔ گورنر اپنی انتظامیہ میں قریباً نصف اراکین لازمی طور پر ہندوستانی ہی مقرر کرے۔

۱۰۔ عدلیہ اور انتظامیہ یکسر الگ الگ ہوں لیکن وہ دونوں صوبائی ہائی کورٹس کے

Marfat.com

ماتحت رہیں۔

۱۱۔ اگر کسی مسودہ قانون کو مرکزی یا صوبائی قانون ساز ادارہ منظور کر لے تو اسے گورنر جنرل یا گورنر کے ویٹو کے باوجود قانونی حیثیت دے دی جائے۔

۱۲۔ بڑے صوبوں میں اراکین کی تعداد کم از کم ایک سو پچیس اور چھوٹے صوبوں میں کم از کم تعداد پچاس سے زائد ہونی چاہیئے۔

۱۳۔ صوبائی قانون ساز اداروں میں نامزد اراکین کی تعداد زیادہ سے زیادہ پانچواں حصہ ہونی چاہیئے۔

۱۴۔ ہندوستانی صوبوں کو زیادہ سے زیادہ انتظامی اور اقتصادی اختیارات دیئے جائیں۔

۱۵۔ سنٹرل لیجسلیٹو کونسل گورنمنٹ آف انڈیا کے عسکری معاملات، بیرونی امور اور سیاسی تعلقات وغیرہ کے امور میں کم سے کم مداخلت کرے۔

۱۶۔ سیکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا کے گورنمنٹ آف انڈیا سے ایسے ہی تعلقات ہوں جیسے کہ گورنمنٹ اور اس کی استبدادی حکومت کے ہوتے ہیں۔

1916 کے اختتام پر میثاق لکھنو یہ پہلا معاہدہ تھا کہ جس پر برعظیم پاک و ہند کی دو بڑی جماعتوں مسلم لیگ اور کانگرس نے آئینی طور پر اتفاق کیا تھا۔ اس معاہدے میں گو مسلمانوں کے لیے جداگانہ نیابت کے اصول کو بھی تسلیم کر لیا گیا تھا۔ لیکن مرکزی کونسل میں مسلمانوں کی ایک تہائی اکثریت عملی طور پر کوئی مفید نہیں تھی۔ کیونکہ بالادستی تو ہندوؤں ہی کو حاصل تھی۔ بہر صورت اس کے باوجود وقتی طور پر ہندو مسلم اتحاد دکھائی دینے لگا۔

معاہدہ لکھنؤ کے تحت مسلم لیگ اور کانگرس نے جو مشترکہ سکیم پیش کی تھی۔ اس میں چند ایک بنیادی خامیاں بھی موجود تھیں کہ اس سکیم میں ایسے صوبے کہ جہاں مختلف العناصر آبادی ہے وہاں کے لئے کوئی کلیہ قاعدہ متعین نہیں کیا گیا تھا۔ اس سکیم نے بنیادی طور پر زیادہ سے زیادہ اختیار منتخب شدہ ممبران کے لئے تجویز

Marfat.com

کر دیئے تھے لیکن اس طور حکومت کے مقابلے میں بھی یہ کونسل زیادہ قوی ہوگئی تھی گو مسلمانوں نے اقلیتی صوبوں میں نمائندگی کے لحاظ سے بلحاظ آبادی زیادہ نشستوں کا حق حاصل کر لیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود بھی ان کی اقلیتی حیثیت کوئی معنی نہیں رکھتی تھی، لیکن برعکس اس کے مسلمانوں نے اپنے اکثریتی صوبوں بنگال اور پنجاب میں ہندوؤں کی اقلیت کو ایک محسوس نمائندگی دے دی تھی۔ ان تمام صورتوں کے باوجود وہ ہندو کہ جو مسلمانوں کی کسی طرح کی نمائندگی کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھا اس نے اس معاہدے کے تحت مسلم قومیت کے جداگانہ وجود کو تسلیم کر لیا۔ اور اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کے جس مطالبے یعنی جداگانہ نیابت کو حکومتِ برطانیہ سے چند برس پہلے منوا چکے تھے اب اس پر کانگرس اور ہندوؤں کو بھی رضامند کر لیا گیا تھا۔ اس معاہدے ہی کی بدولت قائداعظم محمد علی جناح کی دیرینہ خواہش ہندو مسلم اتحاد کو آزمانے کا موقع بھی مل گیا۔

بین الاقوامی اشتراکی کانفرنس

جنگ عظیم اوّل کے بعد حالات و واقعات کا جائزہ لینے اور صورت حال کی بہتری کے لئے سٹاک ہوم میں ایک بین الاقوامی اشتراکی کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں برطانوی استعماری حکومت کی پالیسیوں کے بارے میں بھی بھرپور تنقیدی بحث ہوئی اور برعظیم پاک و ہند کے مسائل بھی زیر بحث آئے۔ اس کانفرنس میں شریک خیری برادران نے مسلمانوں کے مطالبات کے حوالے سے ہندوستان کو تقسیم کرنے کی تجویز پیش کی اور برطانوی پالیسیوں پر نکتہ چینی کی۔

Marfat.com

ہوم رول لیگ

اسی دوران میں بمبئی میں مسلم لیگ اور کانگرس کی کمیٹیوں کے ایک مشترکہ اجلاس میں ہوم رُول کے بارے میں مفصل بات چیت کی گئی۔ اجلاس میں ہوم رول تحریک کے عملی پہلوؤں کا جائزہ بھی لیا گیا۔ ہوم رول تحریک کی سربراہ ایک عیسائی پادری کی بیوی مسز اینی بسنت تھیں، اس تحریک نے حکومت کے خلاف مظاہرے کرنے شروع کر دیئے تھے۔ لیکن اس تحریک کے جوش و جذبے کے پیش نظر حکومت نے بھی شدت اختیار کر لی تھی۔ حکومت نے جلد ہی اس تنظیم کے پُرجوش ارکان کو گرفتار کرنا شروع کر دیا تھا۔ سب سے پہلے مسز اینی بسنت کو گرفتار کیا گیا۔ لیکن ان کی گرفتاری کے بعد صورت حال میں مزید اشتعال پیدا ہو گیا اور ادھر محمد علی جناح نے اس ہوم رول تحریک کی قیادت سنبھال لی تھی۔

اس تازہ صورت حال کے تحت کانگرس اور مسلم لیگ نے مشترکہ طور پر یہ طے پایا تھا کہ انگلستان کی حکومت اور عوام کی آگاہی کے لئے برعظیم پاک و ہند کے سیاست دانوں کا ایک وفد انگلستان روانہ کیا جائے تاکہ وہ حکومت برطانیہ کو اس امر پر رضامند کر سکے کہ ہندوستان میں مسلم لیگ اور کانگرس کے حسب منشا سیاسی اصلاحات نافذ کی جا سکیں۔ اس وفد کے لئے سر تیج بہادر سپرو، قائداعظم محمد علی جناح سری نواس شاستری اور وزیر حسن کے نام تجویز کئے گئے۔ انہی دنوں میں بمبئی پریذیڈنسی ایسوسی ایشن کے ایک جلسے میں حکومت برطانیہ کی پالیسیوں کے خلاف شدید الفاظ میں احتجاج کیا۔ اب تک برعظیم پاک و ہند کے سیاسی حالات اس نہج پر پہنچ چکے تھے کہ دنیا کی دیگر متعدد قوموں نے بھی ہندوستان کی صورت حال میں دلچسپی بڑھا لی تھی۔ اس طرح بالواسطہ یا بلاواسطہ برطانیہ اب برعظیم پاک و ہند کے معاملات

Marfat.com

کے ضمن میں بیرونی دباؤ کو بھی محسوس کرنے لگا تھا۔ ادھر برعظیم میں تو پہلے ہی تمام سیاسی رہنماؤں نے حکومت کی پالیسیوں کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھنا شروع کر دیا تھا۔

۲۰۔ اگست ۱۹۱۷ کو برطانوی دارالعوام میں مسٹر ایڈون ایس مانٹیگو نے اعلان کیا کہ برطانوی حکومت یہ خواہش رکھتی ہے کہ ہندوستان کے نظم ونسق کے ہر شعبے میں اہل ہند کو زیادہ سے زیادہ شرکت کا موقع دیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ بتدریج ملک میں حکومت خود اختیاری قائم کی جائے تاکہ ہندوستان مکمل طور پر خود مختار ہو کر برطانوی سلطنت کا ایک حصہ بن سکے۔ چنانچہ ملک معظم کی رضامندی سے ان کی حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ مجھے وائسرائے ہند کی یہ دعوت قبول کر لینا چاہیئے کہ میں ہندوستان جاکر ان معاملات کے متعلق وائسرائے اور حکومت ہند سے بالمشافہ گفتگو کروں تاکہ ایک طرف اس ملک کے وائسرائے اور وہاں کی مقامی حکومتوں کے خیالات معلوم کیئے جاسکیں اور دوسری طرف ہندوستان کی نمائندہ جماعتوں کے مشورہ سے بھی مستفید ہو سکوں۔ یہاں پر میں اپنی طرف سے یہ اضافہ بھی کرنا چاہتا ہوں کہ حکومت برطانیہ کی اس پالیسی کے نفاذ میں پیش رفت مرحلہ وار اور بتدریج ہو سکے گی۔ حکومت برطانیہ اور حکومت ہند کہ جن پر ہندوستان کے عوام کی فلاح اور ترقی کی ذمے داری عاید ہوتی ہے انہیں اس پالیسی کے نفاذ میں ہر اقدام پر ایک منصف کے طور پر بھی کام کرنا ہے اور انہیں اس پالیسی کا نفاذ ان لوگوں کے تعاون اور اشتراک سے کرنا ہے کہ جنہیں مستقبل کی ذمے داریاں سونپی جا رہی ہیں۔ اس لئے ایک دوسرے پر اعتماد اور بھروسہ اور احساس ذمے داری ضروری ہے۔"

حسبِ وعدہ مسٹر مانٹیگو ۱۰۔ نومبر ۱۹۱۷ کو ایک مشن کے ساتھ ہندوستان پہنچے ان کے اس وفد میں وزیر ہند کے علاوہ لارڈ ڈونومور، سر ولیم ڈیوک، چارلس رابرٹس اور بھوپندر ناتھ باسو بھی شامل تھے۔ اس وفد نے نئی اصلاحات کے سلسلے میں عوام

Marfat.com

کی رائے اور ان کی تجاویز معلوم کرنے کی خاطر مختلف صوبوں کا دورہ کیا اور مختلف مکاتب فکر کے لوگوں اور رہنماؤں سے ملاقاتیں کیں۔ اس وفد نے دہلی میں مختلف وفود اور شخصیات کو مدعو کیا اور اس کے علاوہ کئی ایک کانفرنسوں کا اہتمام بھی کیا۔ اس برطانوی وفد سے قائداعظم محمد علی جناح، راجہ صاحب آف محمود آباد، سر محمد شفیع سر فضل حسین، سید حسن امام، جناب مظہر الحق، ڈاکٹر انصاری، مولوی فضل الحق، موہن داس کرم چند گاندھی، مسز اینی نسبت، پنڈت مدن موہن مالویہ اور بیگم صاحبہ بھوپال کے علاوہ متعدد سیاسی لیڈروں نے ملاقات کی۔ اس وفد سے مسلمانوں کے ایک خاص وفد نے نواب محمد اسحاق خاں اعزازی سیکرٹری علی گڑھ کالج کی سربراہی میں ان شرائط پر ملاقات کی خواہش کی۔ لیکن اس مسلمانوں کے وفد پر یہ پابندی عائد کی گئی کہ وہ مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی کی گرفتاری کا ذکر نہیں کرے گا۔ لیکن مسلمانوں کے اس وفد نے ملاقات کے نکات میں مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی کی گرفتاری کے مسئلے کو خارج کرنا پسند نہ کیا۔ اس طرح اس وفد کی مسٹر مانٹیگو اور اس کے مشن سے ملاقات نہ ہو سکی۔

بہر حال ایک جانب تو برطانوی وفد اس قدر احتیاط سے کام لے رہا تھا اور دوسری جانب وہ لوگوں سے مل کر ان کی رائے اور تجاویز حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے برطانوی وفد کے بارے میں بعض حلقوں کو ایک شک سا بھی گزرا کہ اس وفد کی کارروائی محض ایک معمول کی سرگرمی ہو کر رہ جائے گی۔

کہا جاتا ہے کہ مسٹر ایڈون ایس مانٹیگو، وزیر ہند بذات خود ایک زیرک سیاستدان تھا وہ ہم عصر سیاست کے پورے نشیب و فراز سے آگاہ تھا۔ اس نے اپنے ہندوستان کے دورے کے بارے میں لکھا کہ "میری آرزو ہے کہ میں بیونس کریسی کو جھنجھوڑ کر یہ باور کرا سکوں کہ ہم آگ کے دہانے پر بیٹھے ہوئے ہیں"۔

برطانوی حکومت کے اس وفد نے ایڈون مانٹیگو کی سرکردگی اور لارڈ چیمسفورڈ کی

Marfat.com

کی معیت میں برعظیم پاک و ہند کا ایک طویل دورہ کیا۔ حالانکہ اس سے پیشتر لارڈ چیمسفورڈ جو کہ ایک وقت میں ہندوستان کی فوج میں ایک میجر کے طور پر متعین تھا جب اسے ہندوستان کے وائسرائے بطور چارج دیا گیا تو اس کے ذہن میں بھی ہندوستان کے لوگوں کو رفتہ رفتہ بتدریج حکومتِ خود اختیاری تفویض کی جائے گی۔ اس لئے لارڈ چیمسفورڈ نے خود بطور وائسرائے بھی اس وفد کی پوری پوری رہنمائی کی تھی۔

جناح پیامبر اتحاد

ایڈون مانٹیگو کی سرکردگی میں جب یہ برطانوی وفد ابھی اپنی رپورٹ ہی مرتب کر رہا تھا۔ اس وقت ہندو اور مسلمان رہنما لوگوں کو "میثاق لکھنؤ" کے بارے میں معلومات فراہم کر رہے تھے۔ سب سے پہلے میثاق لکھنو کا ہندوستان بھر کی زبانوں میں ترجمہ کیا گیا اور قائداعظم محمد علی جناح اور گاندھی جی نے اس معاہدے کی توثیق کی خاطر لوگوں سے دستخط کرانے کی تحریک کا آغاز بھی کر دیا تھا۔ دستخط اور تائید حاصل کرنے کی اس تحریک میں چند ہی مہینوں میں دس لاکھ سے زیادہ افراد نے اپنے دستخط کر دیئے تھے۔

اسی اثناء میں کانگرس نے اپنے ایک اجلاس جس کی صدارت ڈاکٹر اینی بسنت نے کی تھی۔ حکومت برطانیہ سے مطالبہ کیا ہے کہ اصلاحات کے آغاز میں ابتدا کے طور پر کانگرس لیگ سکیم پر عمل کیا جائے اس امر کا حکومت برطانیہ اور مسٹر مانٹیگو کو بھی احساس ہو چکا تھا کہ ہندوستان کی دونوں جماعتیں مسلم لیگ اور کانگرس لکھنو پیکٹ پر پوری طرح سے متفق ہیں اور اس سے پیشتر ایڈون مانٹیگو نے خود ہندوستان کے لیڈروں سے مل کر کہا تھا "میں نے ہندوستان کے بڑے بڑے عالی مرتبت رہنماؤں سے ملاقاتیں کی ہیں"

میثاق لکھنؤ کے بعد ایک حد تک ہندو مسلم اتحاد کا چرچا ہونے لگا تھا۔ بلکہ ہوم رُول

Marfat.com

کی تحریک میں قائداعظم کی کوششوں اور مسٹر مانٹیگو سے مسلمان رہنماؤں کی ملاقاتوں کے بعد ہندوؤں نے بھی قائداعظم محمد علی جناح کی اسی ضمن میں خدمات کو بنظر استحسان دیکھا تھا۔ لیکن اس ہندو مسلم اتحاد کے باوجود ستمبر ۱۹۱۷ء میں بہار کے اضلاع آرہ اور شاہ آباد میں ہندوؤں نے مسلمانوں پر حملے کرنے شروع کر دیئے تھے اس طرح ہندو مسلم فسادات کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ ان فسادات کی صورت کو قائداعظم محمد علی جناح نے دیکھ کر انگریزی حکومت اور ہندوؤں کو ان الفاظ میں باور کرایا تھا کہ:۔

کیا آپ کے خیال میں حکومت کا دارومدار بیلٹ بکس پر ہے؟ صورت حال یہ نہیں ہے اس لئے مسلمانوں کو ہندوؤں سے کسی طرح کے خطرے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور یہ بھی امکان نہیں ہے کہ ہندو اپنی اکثریت کے بل بوتے پر کوئی قانون پاس کر کے اسے بس حتمی سمجھ لیں گے۔ کیا آپ کے خیال میں اگر سات کروڑ مسلمان بیلٹ بکس پر کوئی قانون پاس نہیں کر سکتے تو بھلا ایسے میں کوئی قانون اس ملک میں بنا کر نافذ کیا جا سکے گا!۔ اگر اس ملک پر ہندوؤں کی اکثریتی حکومت نہیں ہوگی تو مجھے برملا یہ کہنے دیجئے کہ یہاں پر ہندوؤں کی طرح مسلمانوں کی حکومت بھی نہیں ہوگی اور انگریزی حکومت بھی نہیں ہوگی۔ بلکہ اس ملک پر اس ملک کے لوگوں کی حکومت ہوگی۔ میں یہاں پر محض کسی ایک قوم کے لئے نہیں۔ بلکہ پورے ہندوستان کے لوگوں کے جذبات کی ترجمانی کر رہا ہوں اور مجھے اس امر کے اظہار میں ذرا بھی تامل نہیں کہ ہم ہندوستانی فوری طور پر حکومت خود اختیاری کا مطالبہ کرتے ہیں اور اصلاحات کی سکیم کی سفارش کرتے ہیں۔

۶۔ اکتوبر ۱۹۱۶ء کو مسلم لیگ کونسل اور کانگریس کمیٹی کا ایک اجلاس الہ آباد میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں مشترکہ طور پر ہوم رول کی تحریک کے بارے میں اظہار کیا گیا اور اس کے ساتھ ہی ہوم رول کے سرکردہ رہنما مولانا محمد علی کی رہائی کے بارے میں

Marfat.com

بھی قرارداد منظور کی گئی۔ اس اجلاس کے بعد کلکتہ میں کانگرس اور مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس ایک بار پھر ایک سٹیج پر منعقد ہوئے۔ مسلمانوں کی جانب سے یوپی کے اضلاع میں ہندو مسلم فسادات پر بھی بات چیت کی گئی اور بعض امور کی وضاحت طلب کی گئی تو کانگرس نے اس امر کی وضاحت میں خاموشی سے کام لیا۔

اپریل ۱۹۱۸ء میں وائسرائے ہند لارڈ چیمسفورڈ کے ایما پر ہندوستان کے تمام نمائندہ رہنماؤں کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں دیگر کئی مسائل کے ساتھ ساتھ ہندوستانیوں کی ملازمتوں کا مسئلہ بھی زیر بحث آیا۔ اس کانفرنس کے دو ہی دن بعد جب ۳۰ اپریل ۱۹۱۸ء کو دار کانفرنس کا اجلاس منعقد ہوا تو یہاں پر بھی قائداعظم محمد علی جناح نے ملک میں اصلاحات کے نفاذ کی ایک قرارداد پیش کی، لیکن ان کی اس قرارداد کو منظور نہ کیا جا سکا۔ بلکہ کانگرس کے لیڈروں نے مسلم لیگ اور مسلمانوں کے بارے میں درشت رویہ اختیار کیا۔

۸۔ اپریل ۱۹۱۸ء کو ہوم رول لیگ کے ایک جلسے میں قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے صدارتی خطاب میں ایک استفسار کے انداز میں کہا کہ کیا ہندوستان کے لوگوں کو اور ہندوستان کے نمائندوں کو اپنی رائے کے اظہار کی بھی اجازت نہیں ہے۔ اور وہ برطانوی عوام کے بارے میں بھی کوئی رائے دینے سے معذور ہیں! اور کیا ہندوستان کا معاملہ یکطرفہ طور پر حل ہو سکے گا۔ جس طرح جنگ سلطنت برطانیہ کے لئے زندگی یا موت کا مسئلہ ہے اسی طرح ہندوستان میں آئینی اصلاحات کے نفاذ کا مسئلہ ہے یہ مسئلہ ہندوستان اور ہندوستان کے لوگوں کی زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔" اس کے کچھ ہی عرصہ بعد ڈاکٹر اینی بسنت اور بال گنگا دھر تلک اور قائداعظم محمد علی جناح کے دستخطوں کے ساتھ ایک قرارداد وائسرائے ہند کی خدمت میں بھجوائی۔ اس قرارداد میں کہا گیا تھا کہ "ہم اپنے بہادر سپاہیوں کو ہرگز ان اصولوں پر برطانیہ کے

Marfat.com

لئے لڑنے کے لئے نہیں مجبور کر سکتے کہ جن اصولوں پر سے حکومتِ برطانیہ ملک میں کاربند نہیں ہے ایک محروم اور محکوم قوم خلوص دل اور جرات کے ساتھ کسی دوسری آزاد قوم کی طرح نہیں لڑ سکتی۔ اس لئے ضروری ہے ہندوستان میں ایک مکمل ذمہ دار حکومت قائم کر دی جائے اور جلد از جلد ایک مقررہ وقت کے اندر اندر کانگرس لیگ سکیم کے تحت حکومت قائم کی جائے۔ ہمارے ساتھ حقوق تفویض کرنے کے حوالے سے وفاداری کی جائے ہم آپ سے وفاداری کریں گے۔ اس کے برعکس ہمیں سب کچھ دینے کے بدلے میں کچھ بھی نہ دینے کی پالیسی ترک کی جائے۔ ہمیں اعتماد میں لئے بغیر ہمارا اعتماد حاصل کرنے سے گریز کیا جائے۔ اس لئے ہمیں صرف آزادی کے پرچم تلے اپنی ہی آزادی کے لئے کیوں نہ لڑنا چاہیئے! اس مطالبے سے کم ہم اپنے مردوں کو کیوں جنگ میں جھونکیں اور اس سے کم کس قربانی کے لئے اپنی عورتوں کی بھینٹ چڑھائیں۔

ہوم رول لیگ کے اس رویے پر لارڈ ولنگڈن نے بمبئی میں وار کانفرنس میں بڑا تنقیدی انداز اختیار کیا تھا اور بالخصوص قائداعظم محمد علی جناح کی جانب اشارہ کر کے کہا تھا کہ جناح جیسے انتہائی دائیں بازو کے لیڈر نے بھی حکومت کی مخالفت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔

لیکن لارڈ ولنگڈن کے نادرست رویے پر ہوم رول لیگ اور اس کے رہنماؤں نے شدید احتجاج کیا۔ ملکی سطح پر ہڑتال کی گئی۔ پھر ایک احتجاجی اجلاس منعقد ہوا اس اجلاس میں ایک قرارداد کے ذریعے یہ مطالبہ کیا گیا کہ لارڈ ولنگڈن ہوم رول لیگ کے ممبران کے بارے میں اپنے نادرست الفاظ واپس لے۔ اس اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح نے برطانوی حکومت کی پالیسی اور رویے کے حوالے سے بڑی پر زور اور مدلل تقریر کی اور خلاصتہً کہا کہ جب تک آپ اپنی پالیسی نہیں بدلیں گے۔ اس وقت تک

Marfat.com

آپ ہماری مکمل اور پُرزور حمایت سے محروم رہیں گے۔

ایک جانب تو ہندوستانیوں کی برطانوی حکومت کی پالیسیوں کے بارے میں یہ رائے تھی۔ لیکن اس کے برعکس برطانوی حکومت کے نمائندے اور ہی طرح کی مصروفیات میں مگن تھے۔ لارڈ ولنگڈن کے اشارے پر دی ٹائمز آف انڈیا کے ایڈیٹر نے مٹھی بھر لوگوں کو ساتھ لے کر لارڈ ولنگڈن کے کارناموں اور بمبئی پریذیڈنسی میں اس کی خدمات کے اعتراف کے طور پر بمبئی میں ایک استقبالیہ کا اہتمام کرنے کا پروگرام بنایا۔ لیکن اس سلسلے میں قائداعظم محمد علی جناح نے بڑے ہی تحکمانہ انداز میں کہا تھا کہ میں دیکھ لوں گا کہ اس استقبالیے میں کون لوگ شرکت کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی محمد علی جناح نے اپنے تیس دیگر ساتھیوں کے ساتھ شیرف آف بمبئی کو لکھا کہ وہ عین اس موقع پر ایک احتجاجی جلسہ منعقد کرنا چاہیں گے اور اس جلسے میں اس امر کا اظہار کریں گے کہ ان کا لارڈ ولنگڈن گورنر بمبئی کے دور پر کوئی بھروسہ نہیں اور وہ اس حکومت کو ناپسند کرتے ہیں۔

۱۱ر دسمبر ۱۹۱۸ء کو لارڈ ولنگڈن کے اعزاز میں استقبالیہ جلسے کا آغاز ہوا۔ لیکن اس جلسے کے انعقاد کے لئے پولیس کی بھاری جمعیت بھی متعین تھی۔ اس کے باوجود جلسے میں محمد علی جناح اور اس کے با اصول ساتھیوں نے اس جلسے کو یکسر ناکام بنا کر اس کے خلاف ایک احتجاجی جلسہ کسی دوسری جگہ پر منعقد کر لیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے ایک جلسے کی ناکامی میں اس قدر اہم اور جرات مندانہ کردار ادا کیا کہ بمبئی کے تمام شہریوں کی وہ آنکھوں کے تارے بن گئے۔ پھر اسی جمہوری فتح اور بیورو کریسی کی شکست پر بمبئی کے شہریوں نے قائداعظم محمد علی جناح کی یاد اور جرات کے حوالے سے ایک ہال تعمیر کیا۔

Marfat.com

رولٹ رپورٹ

برعظیم پاک وہند کے لوگوں کی خواہشات اور ان کے مطالبات کے مطابق حکومت اصلاحات نافذ کرنے سے بھی پس وپیش سے کام لے رہی تھی۔ اس طرح ہندوستان کی سیاسی حالت بد سے بدتر ہوتی جا رہی تھی۔ اسی اثناء میں سر سڈنی رولٹ کی سربراہی میں ایک رولٹ کمیٹی قائم کی گئی تھی۔ اس کمیٹی نے اپنی رپورٹ اپریل ۱۹۱۸ء میں حکومت کو پیش کر دی تھی۔ اس کمیٹی کے قیام اور رپورٹ کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ وہ ملک کے اندر ہونے والی سازشوں اور ان کی نوعیت کے بارے میں تحقیقات کرنے کے بعد ایسی تدابیر کی سفارش کرے جن کے ذریعے حالات پر قابو پایا جا سکے اور ان سازشوں کی روک تھام کی جا سکے۔ اس رپورٹ کی بنیاد پر ہندوستان کے لوگوں کی انفرادی سیاسی سرگرمیوں اور آزادیوں پر پابندیاں عائد کر دی گئی تھیں۔ محمد علی جناح نے اس رولٹ ایکٹ کے تحت شدید احتجاج کیا تھا اور کہا تھا کہ اس ایکٹ کو کوئی بھی مہذب حکومت تسلیم نہیں کر سکتی اور کسی بھی شائستہ انتظامیہ کا یہ وتیرہ نہیں کہ وہ اس طرح کی کسی قانونی سفارش کو منظور کرے۔"

ستیہ گرہ تحریک

رولٹ رپورٹ پر کانگرس نے شدید احتجاج کیا بلکہ گاندھی جی نے ستیہ گرہ تحریک کا آغاز کر دیا۔ اس تحریک میں ایک حلف نامہ تیار کیا کہ ستیہ گرہی یہ حلف نامہ اٹھاتا ہے کہ اگر رولٹ ایکٹ منظور کر لیا گیا اور اسے قانون کی حیثیت دے دی گئی تو وہ ان قوانین کی پابندی نہیں کرے گا تاوقتیکہ یہ قوانین واپس نہ لے لیے

Marfat.com

جائیں۔" گاندھی جی نے اس تحریک کے تحت حلف نامے پر زیادہ سے لوگوں کے دستخط کرانے کی مہم چلا دی تھی۔ اس حلف نامے پر گاندھی جی نے جلد ہی کانگرس کے سینکڑوں رہنماؤں کے دستخط کرا لئے تھے۔ جوں جوں ستیہ گرہ تحریک زور پکڑ رہی تھی، اس کے ساتھ ساتھ حکومت بھی سختی کرتی گئی تھی۔ ستیہ گرہ تحریک کے حامیوں نے ہڑتالوں اور جلسے جلوسوں کا آغاز بھی کر دیا تھا۔ لیکن گاندھی جی کی اس ستیہ گرہ تحریک کو بھی انگریزی حکومت نے کوئی وقعت نہ دی تھی۔ بلکہ رولٹ ایکٹ کو نافذ کرنے پر ضروری کارروائی مکمل کی۔ جلد ہی کونسل نے اس بل کی منظوری دیدی تھی۔

اس ایکٹ کی منظوری کے بعد کہ جس کے ذریعے کریمنل لا ایکٹ نافذ ہوا اور حکومت کو کسی بھی سیاسی اشتعال انگیز کارروائی کو دبانے یا ختم کرنے کے لئے غیر معمولی اختیارات مل گئے تھے اس ایکٹ کے خلاف محمد علی جناح نے امپریل کونسل میں ایک نہایت راست اور مبنی برحق تقریر کی اور کہا کہ "اس ایکٹ کے خلاف میری سب سے پہلی دلیل یہ ہے کہ یہ بنیادی اصولِ قانون کے خلاف ہے وہ اصول کہ جنہیں انصاف اور آزادی کے اصول کہا جاتا ہے بنیادی اصول یہ ہے کہ کسی بھی شخص کو اس کے حق آزادی سے کسی طرح کا مقدمہ چلائے بغیر محروم نہیں کیا جا سکتا (دوسری) دلیل یہ ہے کہ اس ایکٹ کے ذریعے سے انتظامیہ کو اختیارات مل جائیں گے کہ عدلیہ ایک طرح سے انتظامیہ کے ماتحت ہو کر رہ جائے گی اور ایسی صورتِ حال بذات خود ایک بدقسمتی اور قابلِ نفرین ہے۔ ہمارے سامنے میں ماضی کی کئی مثالیں موجود ہیں کہ جب ایسی صورت پیدا ہوئی تو وہ لعنت بن گئی (تیسری) دلیل یہ ہے کہ اس طرح کے قانون کی کسی بھی متمدن اور مہذب ملک میں مثال نہیں ملتی۔ کسی دوسرے ملک میں ایسا کوئی قانون موجود ہی نہیں ہے۔"

کونسل میں چونکہ حکومت کی جانب سے نامزد ممبران کی اکثریت تھی، اس لئے

Marfat.com

یہ ایکٹ بہرصورت منظور ہو کر رہا۔ لیکن اسمبلی میں بھی اس بل کی منظوری کے خلاف محمد علی جناح اور پٹیل نے کھل کر اظہار کیا۔ اس بل کے حوالے سے محمد علی جناح نے کچھ عرصہ بعد وائسرائے ہند کے نام ایک خط میں عوام کے رویے اور احتجاج سے باخبر کیا اور پرزور مطالبہ کیا کہ اس کالے قانون کو فوری طور پر منسوخ کیا جائے۔

Marfat.com

باب ۔ ۸

مونٹ فورڈ اصلاحات

۱۱ نومبر ۱۹۱۸ء کو جنگِ عظیم اوّل صحیح معنوں میں ختم ہو گئی تھی۔ وزیر اعظم ترکی کی پیش کش پر امریکہ اور ترکی کے مابین متارکہ جنگ کے معاہدے پر دستخط ہو گئے تھے۔ جرمنی کی فوجیں بھی ہر جگہ سے واپس جا چکی تھیں۔ اس صورتِ حال کے لامحالہ برعظیم پاک و ہند کی سیاست پر بھی خوشگوار اثرات مرتب ہونے کی توقع تھی۔

حکومت نے ۸ جولائی ۱۹۱۸ء کو ایڈون ایس مانٹیگو اور لارڈ چیمسفورڈ کی سکیم جو برعظیم میں اصلاحات کے لئے تیار کی گئی تھی۔ اسے شائع کر دیا گیا تھا۔ جب یہ رپورٹ چھپ کر سامنے آئی تو معلوم ہوا کہ اس میں مجوزہ اصلاحات اور میثاقِ لکھنؤ کی تجاویز میں خاصا تفاوت موجود ہے۔ اس "مونٹ فورڈ رپورٹ" کے خلاف قائداعظم محمد علی جناح پہلے سیاست دان تھے جنہوں نے اپنا برملا اظہار کیا اور کہا کہ "لکھنؤ پیکٹ ہندوستان کے عوام اور ہندوستانی قومی رائے کی ایک بلوریں صورت تھی۔" لیکن اس کے باوجود محمد علی جناح نے لوگوں کو ان تجاویز کو نامنظور کرنے یا ان سے لاتعلقی کے اظہار پر نہیں اکسایا بلکہ یہ وضاحت کی کہ اصلاحات میں یہ فرق پروسیجر کا ہے نہ کہ

Marfat.com

اصولی طور پر کوئی فرق موجود ہے۔

ستمبر ۱۹۱۸ء میں اس "مونٹ فورڈ رپورٹ" کونسل میں مباحث کے لئے پیش کی گئی تھی۔ اس پر طویل بحث مباحث ہوئی اور پھر سریندر ناتھ بینرجی نے تجویز پیش کی کہ غیر سرکاری افراد پر مشتمل ایک کمیٹی بنادی جو اس رپورٹ پر کسی بھی طرح غیر جانبداری سے حکومت کو آگاہ کرے۔ حالانکہ اس سے پیشتر اس رپورٹ کو بعض لوگوں نے ادب کا بھی "ایک شہ پارہ" قرار دیا تھا۔

اس وقت محمد علی جناح نے بطورِ احتجاج امپیریل کونسل کی ممبر شپ سے استعفیٰ دے دیا تھا اور دراصل احتجاج کا یہی طریقہ رولٹ ایکٹ کے خلاف آئینی حدود کے اندر تھا۔ لیکن رولٹ ایکٹ کی مخالفت اور ستیہ گرہ تحریک کے جوش میں گاندھی جی کی کارروائیوں میں بہت شدت آچکی تھی۔

جلیانوالہ باغ کا حادثہ

گاندھی نے لوگوں سے اپیل کی کہ ۶ اپریل ۱۹۱۹ء کو ملک بھر میں ہڑتال کی جائے اور احتجاجی جلسے منعقد کئے جائیں۔ اس سے پیشتر طے پایا گیا تھا کہ ہڑتال ۳۰ مارچ کو کی جائے۔ ہڑتال کی اس تاریخ کی تبدیلی کی دہلی میں بروقت اطلاع نہ پہنچ سکی۔ اس لئے دہلی کے لوگوں نے جزوی طور پر احتجاجاً ہڑتال کی اور جلسے منعقد کئے۔ اس پر انتظامیہ نے سختی کی اور پولیس نے انتظام کے لئے فوج کی بھی خدمات حاصل کیں۔ کئی بلوے ہوئے۔ پولیس اور فوج نے بلوائیوں پر گولی چلادی جس کے نتیجے میں کئی لوگ مارے گئے اور بیسیوں زخمی ہو گئے۔ گاندھی جی نے اس صورت حال میں لوگوں کو تشدد سے اجتناب کرنے اور اہمسا کی پاسداری کے لئے تلقین کی۔ ہڑتال اور احتجاج کے لئے دوسری مقررہ تاریخ ۶ اپریل ۱۹۱۹ء کو پورے ملک میں ہڑتال

Marfat.com

ہوتی۔ سیاسی رہنماؤں نے جلسے جلوسوں میں احتجاجی تقاریر کیں اور حکومت کی پالیسیوں اور رویے کو تنقید کا ہدف بنایا اور حالیہ گولی چلانے کے واقعات کی مذمت کی۔ اسی روز ایک مشترکہ قرارداد منظور کر کے وائسرائے ہند کو بھی بھیجی گئی۔ گاندھی اس ہڑتال کے روز بمبئی میں تھے۔ بمبئی سے دہلی آنے کے لئے گاندھی جی نے پنجاب کا راستہ اپنایا۔ لیکن حکومت پنجاب نے گاندھی جی کو ٹرین ہی کے اندر ایک نوٹس تھما دیا کہ وہ دوسرے صوبے میں داخل نہیں ہو سکتے۔ پھر پولیس کی معیت میں گاندھی جی کو واپس بمبئی پہنچا دیا گیا۔

گاندھی جی کے ساتھ پولیس اور حکومت کے اس رویے اور گرفتاری پر عوام میں بے چینی، اضطراب اور غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ لوگوں کے جذبات بے قابو ہو گئے، لہٰذا انہوں نے یورپی لوگوں پر قاتلانہ حملے کرنے شروع کر دیئے۔ انہوں نے مکانوں کو آگ لگانی شروع کر دی۔ انگریزوں کی کوٹھیوں پر پتھراؤ کرنا شروع کر دیا۔ سرکاری املاک کو بھی نقصان پہنچانا شروع کر دیا۔ اس طرح اربابِ نفاذ قانون اور عوام کے مابین ایک طرح کی جنگ چھڑ گئی۔ اس طرح لوگوں نے حکومت اور اس کی پالیسیوں کے خلاف کھل کر احتجاج کیا اور نہایت بُرا بھلا کہا۔ کئی مقامات پر آگ بھڑک اٹھی۔ عوام نے ایک انگریز سارجنٹ اور تین مزید انگریزوں کو مشتعل ہو کر قتل کر دیا اور لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ اس طرح صورتِ حال دن بہ دن بگڑتی چلی گئی، حتیٰ کہ شہری انتظامیہ کے قابو سے یہ صورت باہر ہو گئی۔ لہٰذا فوج کو مداخلت کے لئے بلایا گیا اور اس طرح ملک کے کئی ایک شہروں کہ جہاں صورتِ حال نازک ہو چکی تھی وہاں مارشل لا نافذ کر دیا گیا۔ اس کے بعد گرفتاریوں اور قید و بند کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

۱۰ اپریل ۱۹۱۹ء کو امرتسر کے ڈپٹی کمشنر نے ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور ڈاکٹر ستیہ پال کو عوام کی سربراہی اور مشتعل کرنے کے الزام میں گرفتار کر لیا۔ ان دونوں لیڈروں کی سرگرمیاں رولٹ ایکٹ کے خلاف بھی تھیں۔ ان کی گرفتاری پر تیس ہزار

Marfat.com

افراد نے ایک جلوس نکالا۔ پولیس نے جلوس کا راستہ روک کر اسے ناکام کرنے کی کارروائی کی۔ اس پر ہجوم نے پتھراؤ کرنا شروع کر دیا۔ اس پر پولیس نے گولی چلا دی۔ پولیس کی فائرنگ سے متعدد لوگ مارے گئے اور بے شمار شدید زخمی ہوئے۔ اس کے بعد ۱۱ر اپریل ۱۹۱۹ء کو امرتسر شہر کو پولیس نے فوج کے حوالے کر دیا۔

۱۱ر اپریل ۱۹۱۹ء کو امرتسر کے لوگوں نے گذشتہ کل کی پولیس کارروائی اور گرفتار شدہ لیڈروں کی رہائی کی خاطر ایک بہت بڑے جلوس کا انتظام کیا۔ لوگوں کے اس بہت بڑے گروہ نے پولیس سٹیشن امرتسر کے سامنے اشتعال انگیز مظاہرے کرنے شروع کر دیئے۔ لیکن پولیس نے بار بار اس ہجوم کو پیچھے دھکیلنے کی کوشش کی۔ اس پر ہجوم میں سے ایک مقام پر بہت سے لوگ بیٹھ گئے اور اس پر ان بیٹھے ہوئے لوگوں نے عجیب طرح سے چیخنا شروع کر دیا کہ جیسے کوئی آدمی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہو۔ یہ واضح نہیں ہو سکا کہ آیا یہ کارروائی کسی ایجنٹ کی تھی یا حقیقی صورتِ حال تھی۔ بہرصورت اس پر پولیس نے گولی چلانی شروع کر دی۔ نہتے ہجوم میں سے کئی لوگ گولیوں کا نشانہ بن کر موت سے ہمکنار ہو گئے۔ بے شمار لوگ زخمی اور گھائل ہو گئے۔ امرتسر کے پورے شہر کی گلیوں اور بازاروں میں انتقامی نعرہ بازی شروع ہو گئی۔ ایک بپھرے ہوئے ہجوم نے کئی سرکاری عمارتوں اور ریلوے سٹیشن کو آگ لگا دی۔ ہجوم کے اس مشتعل رویے پر پانچ انگریز موت کے گھاٹ اتر گئے۔ ایک انگریز خاتون مس شیروڈ کو ایک ہندوستانی نے اپنی جان پر کھیل کر بلوائیوں سے محفوظ کر لیا۔

۱۲۔ اپریل ۱۹۱۹ء کو دن کا آغاز اسی گھٹن بھری فضا میں ہوا۔ کچھ لوگوں نے اپنے معمولات زندگی کو اختیار کیا۔ بہرصورت شہر کی زندگی معمول کی جانب لوٹ ہی رہی تھی کہ بیوروکریسی کے عمل نے پھر اس خرمن میں ایک شعلے کا کام کیا۔ وہ یہ تھا کہ امرتسر کا انتظام و انصرام جنرل ڈائر کے سپرد کر دیا گیا۔ جنرل ڈائر نے جلد ہی پورے شہر

Marfat.com

کو اپنے نرغے میں لے لیا اور جا بجا پولیس اور فوج متعین کر دی، لیکن جنرل ڈائر کی آمد سے پیشتر ہی امرتسر کے شہریوں نے جلیانوالہ باغ میں ۱۳ر اپریل کو ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کرنے کا اعلان کر رکھا تھا۔ پورے شہر میں فوج اور پولیس گشت کر رہی تھی۔ اور جلسے جلوسوں پر سختی سے پابندی کرائی جا رہی تھی لیکن لوگوں نے اس کے باوجود جلسے کے انعقاد کے پورے پورے انتظامات کر لئے تھے۔ ۱۳ر اپریل کے اس احتجاجی جلسے کے لئے جلیانوالہ باغ کا مقام مقرر کیا گیا تھا۔

جلیانوالہ باغ کی صورتِ حال اور مقام ایسا ہے کہ وہ امرتسر کے قریباً وسط میں واقع ہے۔ اس کی مکانی اور جغرافیائی صورت ایسی ہے کہ وہ چاروں طرف سے مکانات میں گھرا ہوا ہے۔ باغ کو مکانات کی تعمیر نے اور دیواروں نے ایک طرح کی چار دیواری فراہم کر رکھی ہے۔ چونکہ پچھلے کئی دنوں سے مختلف وارداتوں میں لوگ شہید ہو چکے تھے، اس لئے لوگوں نے ان کا احتجاج کرنے اور گرفتار شدگان کی رہائی کے لئے اسی باغ میں جلسے کا اہتمام کیا تھا۔ اس باغ میں وسیع کھلی جگہ اور لان ہیں، بعض حصوں کی چار دیواری باقاعدہ محافظوں کی طرح بڑی بلند اور مضبوط ہے۔ اس باغ میں داخل ہونے اور خارج ہونے کے لئے صرف پانچ چھوٹے چھوٹے اور تنگ دروازے ہیں۔

۱۳ر اپریل ۱۹۱۹ء کو اس تاریخی باغ میں قریباً بیس ہزار افراد کا مجمع تھا۔ گو حکومت نے جلسے اور جلوسوں پر پابندی عائد کر رکھی تھی، لیکن شمع آزادی کے پروانوں نے ان حکومتی بندشوں اور پابندیوں کو بالائے طاق رکھ دیا تھا۔ شدید گرمی کا موسم تھا۔ اتوار کا دن تھا۔ جنرل ڈائر نے لوگوں کے اس اژدہام پر قابو پانے کے لئے اپنے فوجیوں اور سپاہیوں سے اس سارے باغ کو نرغے میں لے کر ایک طرح سے لوگوں کو مقید کر لیا تھا۔ اس جنرل ڈائر کے آرڈر پر سپاہیوں اور فوجیوں نے باغ کی

Marfat.com

ڈھلوانی دیواروں پر سے باغ میں داخل ہو کر بغیر کسی وارننگ اور تنبیہہ کے لوگوں پر گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ فوجیوں اور سپاہیوں کے پاس بندوقیں، رائفلیں مشین گنیں اور سنگینیں تھیں لیکن جلسے میں آئے ہوئے لوگ نہتے تھے۔ ایسی صورت میں ہزاروں نہتے افراد پر بندوقوں، رائفلوں مشین گنوں اور سنگینوں کے ذریعے قابو پانا نہایت آسان کام تھا۔ محض وارننگ یا انتباہ سے بھی کام چل سکتا تھا۔ لیکن انگریز سپاہی جنرل ڈائر نے چالیس مسلح فوجیوں اور سپاہیوں کو اس انبوہِ انسانی پر گولیاں برسانے کا آرڈر دے دیا تھا۔ فوجیوں اور سپاہیوں نے اپنے افسر کا حکم مانا۔ آنِ واحد میں سینکڑوں افراد لقمۂ اجل بن گئے۔ اس قدر شدید کارروائی اور گولیوں کی بوچھاڑ کی تاب نہ لا کر لوگوں نے بھاگنے کی کوشش کی۔ باغ کے دروازے تنگ تھے اور دُور دُور واقع تھے، اس لئے لوگوں کو بھاگنے کے لئے بھی جگہ نہ مل سکی۔ ایک عجیب طرح کی قیامت خیز صورت پیدا ہوئی۔ سینکڑوں لوگ ایک دوسرے کے نیچے آ کر کچلے گئے۔ متعدد لوگوں نے چار دیواری پر چڑھ کر بھاگنے کی کوشش کی لیکن فوجیوں اور سپاہیوں نے انہیں بھی گولی کا نشانہ بنایا۔ آہیں، شور، بھگدڑ، چیخیں اور گولیوں کا سنسنانا اور انسانوں کا اس وحشیانہ انداز میں قتل کر دینا ایک ایسا سماں تھا کہ اس کا بیان ممکن نہیں۔ ساری صورتِ حال اور کیفیت کو احاطۂ تصور میں لانا باعث کرب و اذیت ہے۔ چند ہی منٹوں میں جلیانوالہ باغ، اس کے لان اور گراؤنڈ لاشوں اور تڑپتے ہوئے جسموں سے اٹ گئے۔

جنرل ڈائر نے اسی پر اکتفا نہیں کیا کہ اس نے چالیس مسلح فوجیوں اور سپاہیوں کو گولیاں چلانے کا حکم بجا لاتے دیکھا بلکہ اس نے تڑپتے ہوئے جسموں، بلکتی ہوئی جانوں پیاس سے دم توڑتی جوانیوں اور زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا زخمیوں کو وہیں پر بے یار و مددگار چھوڑا۔ ان کے لئے کسی طرح کی ابتدائی طبی امداد تو کجا کسی طرح کا کلمہ ہمدردی بھی نہ کہا اور وہاں سے چل دیا۔ جنرل ڈائر نے جب سے امرتسر کی کمان سنبھالی

Marfat.com

تھی، اس نے کہا تھا کہ وہ ہندوستان کے لوگوں بلکہ "خبیث اور کم بخت ہندوستانیوں کو وہ سبق سکھائے گا کہ رہتی دنیا تک وہ یاد رکھیں گے"۔ جب سارا شہر ایک عذاب کدہ بنا ہوا تھا اور قریباً ہر گھر اور ہر گلی بازار میں چیخیں، آہیں اور بین تھے، اس رات جلیانوالہ باغ میں سینکڑوں لاشیں بے گور و کفن اور لواحقین سے جدا پڑی تھیں۔

چونکہ امرتسر شہر پر فوج کا سخت کنٹرول تھا، پولیس کی گاردیں مسلسل گلیوں اور بازاروں میں گشت کر رہی تھیں، اس لئے اس بڑے قتلِ عام، دہشت گردی اور خوف و ہراس کے بعد لوگوں میں کوئی بڑی شورش نہ ابھری۔ اس کے باوجود دو دن کے بعد پنجاب بھر میں مارشل لا کا نفاذ کر دیا گیا۔

جلیانوالہ باغ کے اس حادثہ میں سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ۳۷۹، افراد لقمۂ اجل بنے اور ہزاروں لوگ شدید زخمی ہوئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ چالیس فوجیوں اور سپاہیوں نے اس وقت تک گولی چلانا جاری رکھا، جب تک ان کا اسلحہ ختم نہ ہوا۔ اس طرح ایک اندازے کے مطابق ایک ہزار چھ سو پانچ راؤنڈ چلائے گئے۔ اس حادثہ میں مرنے والوں اور زخمی ہونے والوں کی تعداد غیر سرکاری طور پر بہت زیادہ بتائی جاتی ہے۔ جلیانوالہ باغ میں اس قتل عام کے بعد جب پنجاب بھر میں مارشل لا نافذ کر دیا گیا تو ہندوستانیوں کے مقدر میں تو ادبار و آلام تھے، لیکن اپنی بندوقوں، مشین گنوں، رائفلوں اور سنگینوں کے بل بوتے پر ظالم انگریز اپنی بہادری کے گن گاتے رہے۔ گاندھی جی نے اس واقعے پر یہی اظہار کیا کہ انہوں نے ستیہ گرہ کی تحریک ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔ لیکن اس کے باوجود انگریزی حکومت نے پورے پنجاب میں برعظیم پاک و ہند کی تاریخ کا شدید اور پہلا مارشل لا جاری رکھا۔ یہی نہیں بلکہ امرتسر میں کرفیو کا نفاذ اور مارشل لا کے تحت سزاؤں کا سلسلہ قائم رکھا۔ بہرصورت اس قدر سختیوں کے باوجود پورے برعظیم میں انگریزی حکومت

Marfat.com

کے اس بہیمانہ قتل عام اور وحشیانہ ارتکاب کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ پنجاب کے لوگوں میں تو حکومت کے خلاف شدید غیض و غضب موجود تھا۔ لیکن مارشل لا کے خصوصی اور ہنگامی قوانین کے تحت ہنگاموں پر قابو پا لیا جاتا اور ایسی کارروائیوں میں ملوث لوگوں کو فوراً عبرتناک سزائیں سنا دی جاتیں۔ لیکن اس کے باوجود اس حادثے کے خلاف لوگوں میں غم و غصہ برقرار رہا۔ لوگوں نے اس واقعے کے خلاف بطورِ احتجاج لاہور، گوجرانوالہ اور قصور میں مظاہرے کئے۔ گورنمنٹ کی املاک کو لوٹ لیا گیا اور کئی ایک جگہ پر آگ لگا دی گئی، اس کے ساتھ ساتھ چند ایک پولیس کے سپاہی بھی مظاہرین نے قتل کر دیئے۔ لیکن برطانوی حکومت مارشل لا کے سائے میں ان تمام مظاہروں پر قابو پاتی رہی۔

جلیانوالہ باغ کے حادثے کے بعد پنجاب کے لوگوں کے غیض و غضب کو دبانے کے لئے برطانوی مارشل لا نے جو جو سختیاں کیں اور جس جس طرح سے لوگوں پر مظالم ڈھائے، اس کی کچھ جھلک برطانوی پارلیمنٹ کی جانب سے شائع کردہ وائٹ پیپر میں بھی دکھائی دیتی ہے اور "ہنٹر کمیٹی" کی رپورٹ سے بھی ملتی ہے۔ مثال کے طور پر کرفیو کے دوران میں کسی نہایت ضروری اور ناگزیر کام کے لئے باہر نکلنے والے مردوں اور عورتوں کو سزا کے طور پر اپنے پیٹ کے بل رینگ کر واپس گھر کے اندر جانے کے لئے کہا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اکثر لوگوں کو موقع پر ہی کوڑے مارنے کی سزا دی جاتی تھی۔ ایسے علاقے جہاں پر لوگ زیادہ مشتعل ہوتے، وہاں پر ہوائی جہازوں سے بم برسائے جاتے تھے۔ قصور، گوجرانوالہ لاہور، مریدکے، کامونکے، نروار وغیرہ میں بم برسانے کے واقعات کا بھی وائٹ پیپر میں اقرار کیا گیا۔ امرتسر میں تو لوگوں پر دائرہ زیست تنگ کرنے کی خاطر انتظامیہ پانی اور بجلی بھی بند کر دیتی تھی۔ اس طرح مارشل لا اپنی بھیانک صورت میں نافذ

Marfat.com

تھا اور مسلمان اس مارشل لا میں سب سے زیادہ مشکلات برداشت کرتے رہے۔

برعظیم پاک و ہند میں لوگوں میں انتشار اور بے چینی عروج پر تھی لیکن اسی دوران میں برطانوی پارلیمنٹ نے مانٹیگو چیمسفورڈ رپورٹ کا جائزہ لے کر ان اصلاحات کو نافذ کرنے کی منظوری دے دی۔ اس کے ساتھ ہی ہندوستان بھر میں انگریزوں نے "جشن متارکہ جنگ" منانے کی تیاریاں کر لی تھیں۔ لیکن اب ہندوستان کے عوام نے حکومت کی کارروائیوں میں شرکت سے اپنے آپ کو الگ تھلگ رکھ لیا تھا۔ لہٰذا مسلمانوں اور ہندوؤں میں "جشنِ متارکہ جنگ" کا بائیکاٹ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات

ایڈون مانٹیگو اور لارڈ چیمسفورڈ نے حکومت کو جو رپورٹ پیش کی تھی وہ مسلم لیگ اور کانگرس کی سکیم سے مختلف تھی۔ مانٹیگو چیمسفورڈ رپورٹ درج ذیل امور پر مشتمل تھی:۔

۱۔ حکومت ہندوستان میں نمائندگان کو انتظامیہ پر کوئی کنٹرول حاصل نہیں ہے۔

۲۔ حکومت جو بھی اقدام اٹھانا چاہتی ہے، اس کے لئے صرف کونسل کے گورنر جنرل سے ایک سرٹیفکیٹ کے ذریعے منظوری حاصل کی جاتی ہے۔

۳۔ گورنمنٹ کی اقتصادی پالیسیوں کو بالکل چھوا نہیں جا سکتا۔ جہاں تک حکومت کی اقتصادی پالیسی کے دیگر امور کا تعلق ہے ان پر پارلیمنٹ کا اختیار و تسلط ہے۔ یہ امر ہمارے علم میں ہے کہ ہندوستان ایوان میں ایک سے زیادہ بار اس ضمن میں ناکام ہو چکا ہے، کیونکہ حکومتِ برطانیہ چاہے وہ لبرل پارٹی کی ہو یا کنزرویٹو پارٹی کی ہو، اسے ہندوستان کے ساتھ بہر صورت ویسی دلچسپی اور مفاد یا واسطہ نہیں ہو سکتا جیسا واسطہ مانچسٹر یا لنکاشائر سے ہو سکتا ہے۔

Marfat.com

۴۔ بجٹ میں بلحاظِ مجموعی یا اس کی کسی الاٹمنٹ میں مقننہ کوئی تبدیلی کرنے کی مجاز نہیں ہے۔

خلاصتہً برعظیم پاک و ہند پر برطانیہ کا تمام امور میں اتنا ہی اختیار اور تسلّط موجود تھا جو ۱۸۹۲ء سے قائم تھا، چونکہ ماہرین نے اس مونٹ فورڈ رپورٹ کو ایک ادبی شہ پارہ بھی قرار دیا تھا، اس لئے یہ بھی کہا جاتا تھا کہ رپورٹ تحریر کرنے میں لارڈ میسٹن اور سر ڈبلیو ایم میرس نے اہم خدمات انجام دیں اور مسٹر لائیونل کرٹس نے معاونت کی تھی۔ اس رپورٹ پر جب اسمبلی میں بحث مباحث ہوئی تو اس کے بعد رپورٹ کو سفارشات کی ایک صورت دے دی گئی۔ ان سفارشات کو جب برطانوی پارلیمنٹ نے منظور کر لیا تو یہی سفارشات ۱۹۱۹ء کی اصلاحات کے طور پر نافذ کر دی گئیں۔ ان سفارشات کو عرفِ عام میں مونٹ فورڈ اصلاحات ۱۹۱۹ء کا نام بھی دیا جاتا ہے اور ۱۹۱۹ء کا انڈیا ایکٹ بھی کہا جاتا ہے۔

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۱۹ء

گو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ اصل میں مانٹیگو چیمسفورڈ رپورٹ کی بنیاد پر ترتیب دیا گیا تھا لیکن پھر بھی اس کی کئی شقیں بدلی ہوئی تھیں اور ان میں ترمیم و اضافہ بھی کیا ہوا تھا۔ یہ ایکٹ دسمبر ۱۹۱۹ء میں نافذ کر دیا گیا تھا۔ اس ایکٹ کی خاص خاص دفعات درج ذیل تھیں:۔

۱۔ گورنر جنرل کی انتظامیہ کونسل میں ہندوستانی اراکین کی تعداد بڑھا کر تین گنا کر دی گئی۔

۲۔ دو ایوانی مرکزی مقننہ قائم کر دی گئی۔ ایوانِ بالا کونسل آف سٹیٹ اور ایوانِ زیریں۔ قانون ساز اسمبلی اور کونسل آف سٹیٹ کے ممبران کی تعداد ساٹھ مقرر کی گئی۔ ان میں سے ستائیس ارکان گورنر جنرل نامزد کر سکتا تھا اور باقی تینتیس ارکان منتخب شدہ قرار پائے۔

Marfat.com

۳ ۔ قانون ساز اسمبلی کے ارکان کی کل تعداد ایک سو پینتالیس کر دی گئی۔ ایک سو تین منتخب اور بیالیس ارکان کی نامزدگی گورنر جنرل کی صوابدید پر تھی۔

۴ ۔ مرکزی اسمبلی کی مدت پانچ سال اور قانون ساز اسمبلی کی میعاد تین سال مقرر کر دی گئی۔

۵ ۔ دونوں ایوانوں کے اجلاس گورنر جنرل جب چاہے طلب کر سکتا تھا اور برخاست بھی کر سکتا تھا۔

۶ ۔ مرکز اور صوبوں کے اختیارات کی تقسیم کر دی گئی۔

۷ ۔ صوبائی قانون ساز کونسلوں میں بھی توسیع کر دی گئی۔ ان میں ستر فی صد نمائندے بذریعہ انتخاب اور تیس فی صد ارکان بذریعہ نامزدگی شامل کرنا طے پایا گیا۔

۸ ۔ صوبائی حکومت کے اختیارات کو دو حصوں (۱) منتقلہ اور غیر منتقلہ میں تقسیم کر دیا گیا۔ پہلے حصے میں تعلیم، زراعت، آب پاشی، تعمیر اور امداد باہمی وغیرہ وزارتیں بنا دی گئیں۔ وزرا کا انتخاب اور تقرری گورنر کے سپرد کر دی گئی۔ دوسرے حصے میں عدلیہ، پولیس، جیل خانے، جنگلات اور مال کے محکمے شامل کر دیئے گئے۔ ان کا انتظام گورنر کے ممبران کے سپرد کر دیا گیا۔ یہ اراکین اسمبلی کے سامنے جواب دہ نہیں تھے، جب کہ پہلے حصے کے وزرا اسمبلی کے سامنے جواب دہ تھے۔ صوبائی سطح کے اس دوہرے طریق کار کو دو عملی نظام کا نام بھی دیا گیا۔

۹ ۔ وزیر ہند کے اخراجات کا بوجھ انگلستان کے خزانے پر ڈال دیا گیا۔

۱۰ ۔ ہائی کمشنر برائے ہند کا ایک نیا عہدہ قائم کیا گیا۔ انگلستان میں اس کے سپرد تجارتی امور کر دیئے گئے۔

۱۱ ۔ مسلمانوں کے لئے جداگانہ انتخاب کا اصول برقرار رکھا گیا۔

۱۲ ۔ دس سال کے بعد ایک نئے کمیشن کے قیام اور آئینی اصلاحات کا وعدہ بھی

Marfat.com

کیا گیا۔

تحریکِ خلافت

گو پہلی جنگِ عظیم میں اتحادیوں کو فتح نصیب ہوئی۔ لیکن برعظیم کے مسلمانوں کی خواہش تھی کہ جزیرۃ العرب، عراق، شام اور فلسطین جو اسلامی ممالک ہیں وہ بہرصورت خلیفہ ہی کے ماتحت رہیں۔ اس لئے خلافت کے قیام اور اسے برقرار رکھنے کے لئے ہندوستان کے مسلمانوں نے ۲۷ر اکتوبر ۱۹۱۹ء کو "یومِ خلافت" منایا اور اس کے ساتھ ہی تحریک خلافت کانفرنس قائم کر دی گئی۔ اس تحریک میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہندوؤں نے بھی پورا پورا ساتھ دیا۔ نومبر ۱۹۱۹ء میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے رہنماؤں کے مشترکہ اجلاس میں تحریک خلافت کے حق میں قرار دادیں منظور کی گئیں۔ اس کے ساتھ ہی تحریکِ خلافت نے مسلمانوں کے مطالبات کے لئے بھی کام کیا اور ترکِ موالات اور ولائتی مال کے بائیکاٹ کی دھمکی بھی دی۔ اس تحریک خلافت کے لئے مولانا محمد علی جوہر سب سے اہم کردار ادا کر رہے تھے۔ وہ ۲۱ر مارچ ۱۹۲۰ء کو یورپی دنیا کے سامنے اظہار کے لئے پہلے پیرس اور پھر لندن گئے۔ بالآخر اسی تحریکِ خلافت کی کوششوں سے اکتوبر ۱۹۲۰ء میں ایک معاہدے کے ذریعے ایشیائے صغیر میں سلطنتِ عثمانیہ کو تسلیم کر لیا گیا تھا۔ اس معاہدہ کے باوجود خلافت کانفرنس منعقدہ کلکتہ میں انگریزی حکومت سے عدم تعاون کا اعلان کر دیا گیا۔ اسی طرح کانگرس نے درج ذیل امور کا اپنے اجلاس میں اعلان کیا :۔

۱۔ حکومت کی جانب سے دیئے گئے تمام القاب اور اعزازات واپس کر دیئے جائیں۔

۲۔ حکومت کے کاموں کی بجاآوری ترک کر دی جائے۔

Marfat.com

۳ ۔ سکولوں اور کالجوں سے طلبہ کو اٹھا لیا جائے ۔
۴ ۔ وکلاً اور قانونی مشیر برطانوی عدالتوں کا بائیکاٹ کر دیں۔
۵ ۔ عراق کے لئے فوجی بھرتی میں برطانوی فوج کے لئے کوئی ہندوستانی نہ جائے ۔
۶ ۔ آمدہ انتخابات میں حصّہ نہ لیا جائے۔

قائداعظم محمد علی جناح چونکہ ایک آئینی قسم کے آدمی تھے، اس لئے انہوں نے کانگرس کے اس تازہ رویے پر کانگرس کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ دیا کیونکہ وہ کانگرس کی ان پالیسیوں کا ساتھ نہیں دے سکتے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح کی اس علیحدگی اور لاتعلقی پر انہیں بہت مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن انہوں نے تمام مخالفتوں کا مقابلہ کیا اور مسٹر گاندھی سے برملا کہا کہ "آپ کی راہ غلط راہ ہے ۔ میں راہِ راست پر ہوں اور آئینی طریقہ ہی درست طریقہ ہے"۔ لیکن اس وقت قائداعظم محمد علی جناح کی اس صدائے حق کو لوگوں نے خوش دلی سے نہ سنا اس لئے گاندھی اور علی برادران نے کھل کر اپنا کردار ادا کیا۔ اس موقع پر گاندھی جی نے بھی مسلمانوں کے حق میں بیان بازی کی اور کہا کہ "ہمارے نزدیک خلافت اور سوراج یکساں اہمیت کے حامل ہیں۔ خلافت ایک مرکزی حیثیت کی حامل ہے، جہاں تک مولانا محمد علی کے حوالے سے خلافت کا تعلق ہے، یہ تو ان کا مذہب ہے، لیکن میرے نزدیک یہ زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ میں گائے کی حفاظت کا داعی ہوں اور یہ میرا مذہب ہے کہ گائے مسلمانوں کی چھری سے محفوظ رہے۔ ممکن ہے میرے ان خیالات کو کمتر سمجھا جائے، لیکن ان میں کسی قسم کا حجاب موجود نہیں ہے"۔ خلافت کی تحریک میں برعظیم پاک و ہند کے مسلمانوں اور ہندوؤں نے بھرپور حصّہ لیا۔ اس تحریک کو برعظیم ہی نہیں بلکہ دُنیا کی سب سے بڑی تحریک کا نام بھی دیا جاتا ہے۔

تحریکِ خلافت کو برعظیم پاک و ہند کی سیاست میں نہایت وقیع اہمیت حاصل

Marfat.com

ہے، وہ اس لئے کہ اس کا تعلق ترکی کے مستقبل اور قسمت سے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ترکی کے مسئلے پر ہندوستانی مسلمان بہت جلد جذباتی اور متاثر ہو جاتے تھے بلکہ ہندوستان کے مسلمانوں نے تو بیسویں صدی کے آغاز ہی سے تمام اسلامی دنیا کے دکھ درد کو محسوس کرنا شروع کر دیا تھا۔ لیکن جب ۱۹۱۴ء میں جرمنی نے اعلانِ جنگ کر دیا تو مسلمانوں کی یہ وابستگیاں اور بھی بڑھ گئی تھیں۔ اپنے اپنے حواریوں کے حوالے سے جنگ میں ترکی اور برطانیہ ایک دوسرے کے بالمقابل تھے اس لئے ہندوستان میں ایک عجیب کیفیت پیدا ہو گئی تھی کیونکہ برعظیم کے مسلمان کہ جو ابھی وفادارِ حکومت تھے۔ وہ بھی اس صورتِ حال سے چشم پوشی نہیں کر سکتے تھے، اس لئے مولانا محمد علی جوہر جو برعظیم میں برطانوی حکومت کے بارے میں بڑے آزادانہ اور کشادہ خیالات نہیں رکھتے تھے۔ اب ۱۹۱۳ء سے انہوں نے بھی اپنے خیالات و نظریات میں واضح تبدیلی پیدا کر لی تھی۔ اس کے بعد انہوں نے بار بار حکومت کی پالیسیوں کو تنقید کا ہدف بنانا شروع کر دیا تھا جس کی پاداش میں انہیں بار بار قید و بند سے واسطہ رہا۔

۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۹ء تک مسلمانوں میں یہ نعرہ رہا کہ "ترکی بچاؤ" اور "خلافتِ بچاؤ"۔ یہ نعرہ رفتہ رفتہ شدت اختیار کرتا گیا۔ لہٰذا ۱۹۱۹ء ہی میں مسلم لیگ سے الگ ایک تنظیم "تحریکِ خلافت" کے نام سے قائم ہو گئی تھی۔ اس کے بعد جب آل انڈیا خلافت کمیٹی بنی تو اس وقت مسلم لیگ ایک حد تک گہنا کر رہ گئی تھی لیکن مسلم لیگ کے اعزازی سیکرٹری سید ظہور احمد نے مسلم لیگ کو بھی تحریک خلافت کے ساتھ ساتھ متحرک رکھا۔ اسی عہد میں خلافت بچاؤ کے حوالے سے ہندوؤں اور مسلمانوں کا اتحاد یہاں تک بڑھ گیا کہ ایک ہندو لیڈر سوامی شردھانند نے دہلی مسجد میں مسلمانوں کے ایک اجتماع سے خطاب کیا لیکن اس کے باوجود اس اتحاد کا کوئی فائدہ نہ ہو سکا۔ وگرنہ کہا جاتا ہے کہ "تحریک خلافت" کی روز افزوں احتجاجی سرگرمیاں اس قدر شدید

Marfat.com

تھیں کہ حکومت برطانیہ اس کی تاب نہیں لاسکتی تھی۔ لیکن برعظیم پاک و ہند کے ہندوؤں اور مسلمانوں میں قیادت کا فقدان تھا اور دونوں قومیں دل سے کسی بھی اشتراک پر آمادہ نہیں ہوسکتی تھیں۔

"تحریکِ خلافت کے تحت احتجاجی جلسے جلوسوں میں دسمبر ۱۹۲۱ء سے جنوری ۱۹۲۲ء یعنی دو ہی مہینوں کے اندر قریباً تیس ہزار ہندو اور مسلمان جیلوں میں جاچکے تھے۔ گو ایک ہی مقصد کی خاطر یہ لوگ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے تھے، لیکن اس کے باوجود قید کے دوران بھی جیلوں کے اندر ہندو مسلم تفاوت برقرار رہا۔

فروری ۱۹۲۲ء میں چوری چورا کے واقعے کے بعد گاندھی جی نے اپنی عدم تعاون کی تحریک کا خاتمہ کر دیا تھا۔ چوری چورا کے مقام پر عدم تعاون کے تحت ایک بپھرے ہوئے جلوس نے ایک تھانے کو آگ لگا کر بائیس پولیس والوں کو زندہ جلا دیا تھا۔ اسی دوران میں مالابار کے ساحل پر کچھ عربی النسل قبیلے جنہیں موپلا کا نام دیا گیا تھا۔ انہوں نے تحریکِ خلافت میں نہایت گرمجوشی سے حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ حکومتِ ہند انہیں کچلنے کے اقدامات کر رہی تھی۔ اس طرح انہوں نے پوری طرح سے مسلح ہو کر حکومت سے مقابلہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ لیکن ہندوؤں نے حکومتِ ہند سے تعاون کر کے موپلوں کی بغاوت کو کچلنے میں انگریز کا ساتھ دیا اور موپلا مسلمانوں کو بھاری جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا۔ یہی نہیں بلکہ اسی دوران میں برعظیم پاک و ہند کو لوگوں نے ایک غیر محفوظ اور دارالحرب سمجھ کر ہمسایہ ملک افغانستان ہجرت کرنی شروع کر دی تھی، لیکن جب حالات ذرا معمول پر آنے لگے تو واپسی ہوتی گئی۔ اس ہجرت اور واپسی کے دوران میں بھی مسلمانوں کا بے حساب جانی و مالی نقصان ہوا۔

۲۴ر جولائی ۱۹۲۳ء کو ایک معاہدے کے تحت ترکی کے مردِ حُر مصطفےٰ کمال پاشا نے ترکی کو ساحلِ مراد سے ہم کنار کر دیا۔ خلافت کا بھی خاتمہ ہو گیا اور شہنشاہیت

Marfat.com

بھی ختم ہو گئی۔ اس کے بعد تو برعظیم پاک و ہند میں بھی اس تحریکِ خلافت کا کوئی جواز موجود نہ رہا۔ اس معاہدے اور خلافت کے خاتمے پر بھی برعظیم کے مسلمانوں کی رائے عامہ میں کئی طرح کے شکوک و شبہات پیدا ہو گئے۔ ان حالات میں لوگ کسی حد تک مقامی مسائل کے معاملے میں بھی مایوسی سی محسوس کرنے لگے۔ لیکن اس صورتِ حال سے مسٹر گاندھی اور ہندو کانگرس نے خوب فائدہ اٹھایا۔

خلاصتہً اس تحریکِ خلافت میں چونکہ گاندھی جی سب سے اگلی صف میں تھے، اس لئے انہوں نے ایک حد تک مسلمانوں کی ہمدردیاں بھی حاصل کر لی تھیں حالانکہ گاندھی جی اصل میں تو مسلمانوں کی جداگانہ حیثیت اور الگ وجود کو ختم کرنے کے درپے تھے کیونکہ گاندھی جی کو میثاقِ لکھنؤ کہ جس میں مسلمانوں کی جداگانہ حیثیت تسلیم کی گئی تھی ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔

یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ "ہندو کیسا ہی فلسفی، سائنس دان، ماہر تعلیم وغیرہ کیوں نہ بن جائے، لیکن اس کے دل سے گائے کی دیوتائی اور مسلمانوں کی نفرت نہیں نکل سکے گی"۔ اس گائے کی دیوتائی کا تو گاندھی جی نے کئی بار برملا اظہار کیا تھا لیکن مسلمان دشمنی کو وہ ہمیشہ اخفا میں رکھتے تھے۔ براہِ راست اس کے اظہار سے کتراتے تھے۔ تحریکِ خلافت بھی مسلمانوں کے نزدیک تو سراسر ایک مذہبی مسئلہ تھا لیکن ہندو کا تو یہ مذہبی مسئلہ نہیں تھا۔ اس نے اس تحریک میں سیاسی فوائد کے لئے حصہ لیا تھا۔ گاندھی جی چونکہ خالص اور متعصب ہندو تھے، اس لئے انہوں نے اس تحریک میں بھی ہندوؤں کا ساتھ دیا اور مسلمانوں کو تعصب کے منافقانہ سایوں میں رکھا۔

اس خلافت تحریک کے کئی ایک مثبت اثرات بھی مسلمانانِ ہند پر مرتب ہوئے۔ وہ اس طرح کہ مسلمانوں نے اس بھرپور تحریک کے دوران سیاسی شعور و

Marfat.com

بالیدگی حاصل کی۔ ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے کے سبق کا اعادہ کیا اور خارجی اسلامی دُنیا کے بارے میں ان کے علم و آگہی میں بھی اضافہ ہوا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ہندوؤں کی دوستی اور چالوں سے انہیں اگاہی ہوگی۔ اس کے جلد ہی بعد مسلمانانِ ہند کو یہ احساس بڑی شدت کے ساتھ ہوگیا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مسائل کہ جو میثاقِ لکھنو اور خلافت تحریک کے دوران میں ایک عارضی جذبے کے تحت دب گئے تھے وہ پھر پیدا ہو گئے تھے۔

Marfat.com

باب۔ ۹

ہندو مسلم فسادات

برعظیم پاک و ہند میں ہندو مسلم فسادات کا آغاز بھی اسی ہی دور سے ہو گیا تھا کہ جب اس برعظیم کے کسی بھی شخص نے دینِ اسلام کو قبول کر کے ایک نئی ملت یعنی امتِ مسلمہ سے رابطہ قائم کر لیا تھا۔ اس باب میں محض مذکورہ دور ہی کے ہندو مسلم فسادات کے حوالے سے بات کی جائے گی۔

ہندوؤں اور کانگرس نے بلکہ گاندھی جی نے گو تحریکِ خلافت کے دوران مسلمانوں کو بہت متاثر کر رکھا تھا۔ یہی نہیں بلکہ مولانا محمد علی کے ساتھ کے باعث گاندھی جی مسلمانوں کے معاملات میں بھی ٹانگ اڑانے لگے تھے اس کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کو جہاں بھی موقع ملتا تھا وہاں وہ مسلمانوں کے مفادات کو پسِ پشت ڈال دیتے تھے۔ جلیانوالہ باغ کے سانحہ میں سب سے کم نقصان ہندو کا ہوا تھا۔ بلکہ ہندوؤں سے زیادہ سکھوں کو نقصان پہنچا۔ اور مسلمانوں کو ناقابلِ تلافی نقصان اٹھانا پڑا۔ اسی طرح جب موپلا مسلمانوں نے علمِ حریت بلند کیا تو انہیں شکست دینے کے لئے ہندو ساہوکاروں نے حکومت کا ساتھ دیا۔ اور قریباً چار سو موپلوں کو

Marfat.com

شہید کروا دیا۔ رولٹ ایکٹ کے خلاف تو تنِ تنہا مسلمان محمد علی جناح ہی کو لڑنا پڑا۔ کسی دوسری ہندوستانی قوم نے مسلمانوں کا ہرگز ساتھ نہ دیا۔ اسلامی ممالک کے جنگِ عظیم اوّل کے نقصان پر بھی مسلمانوں ہی نے سب سے زیادہ تکالیف اٹھائیں۔ اسی طرح خلافتِ تحریک میں بھی مسلمان ہی نقصان اٹھاتے رہے۔ اس پر مستزاد جب تحریک ہجرت شروع ہوتی تو برادر ملک افغانستان تک ہجرت کرنے اور وہاں سے واپس آنے میں سراسر مسلمانوں نے جانی و مالی نقصان اور سفر و حضر کی صعوبتیں برداشت کیں۔

ہوم رول لیگ کے لئے برعظیم کے مسلمانوں نے نہایت وقیع خدمات انجام دیں۔ لیکن جب اس لیگ کا نام بدل کر "راجیہ سبھا" رکھ دیا گیا تو مسلمانوں کو اس سے شدید نقصان اٹھانا پڑا۔ قائد اعظم محمد علی جناح اس تحریک کے اجلاس میں سے احتجاجاً واک آؤٹ کر آتے تھے۔

تحریکِ خلافت میں چونکہ گاندھی اور ہندوؤں نے ایک مصلحت کے تحت حصہ لیا تھا۔ اس لئے جب تحریک اختتام کو پہنچی تو ایک بار پھر ہندوؤں اور مسلمانوں میں تفریق و امتیاز واضح ہونے لگا۔ یہی نہیں بلکہ ہندوؤں نے موپلوں کی بغاوت کو ایک نئے رنگ میں پیش کر کے حکومت کو مسلمانوں کے خلاف متنفر کرنے کی بھی کوشش کی۔ اس دوران میں چونکہ مسلم لیگ قدرے سست رفتار ہو چکی تھی، اس لئے ہندوؤں نے زیادتیاں کرنی شروع کر دیں۔ ہندوؤں نے تو باقاعدہ مسلمانوں کے خلاف مسلح تیاریاں شروع کر رکھی تھیں۔ اس طرح فسادات کی آگ لامحالہ بھڑک اٹھی۔

ستمبر ۱۹۱۸ء میں ہردوار کے قریب کٹارپور میں ہندوؤں نے ایک بلوہ کر کے متعدد مسلمانوں کو زندہ جلا دیا تھا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے بھی اپنے حفاظتی اقدامات پر توجہ مبذول کرنی شروع کر دی تھی۔ پھر اس کے چند سال بعد جب

Marfat.com

وہی ہندو رہنما کہ جو ایک بار دہلی کی مسجد میں آکر مسلمانوں کو خطاب کر رہا تھا۔ وہ سوامی شردھانند جب جیل سے رہا ہو کر آیا تو اس نے شدھی تحریک کا از سرِ نو آغاز کر دیا۔ اس کے تحت تو ہندو جاتیاں مسلمانوں کے خون کی پیاسی ہو گئی تھیں۔ اس کے علاوہ لالہ لاجپت رائے نے ہندو سنگھٹن تحریک بھی شروع کر دی تھی۔ یہ دونوں تحاریک انتہا پسند ہندوانہ تحریکیں تھیں۔ انہوں نے فرقہ وارانہ تعصبات اور مذہبی تعصبات کو خوب ہوا دی اور یہی تحریکیں بعد میں فسادات کا موجب بھی بنتی رہیں۔ جس طرح ایک زمانے میں آریہ سماج اور ہندو ازم کی تحریکوں نے انیسویں صدی میں تعصبات کو برسرِ بام لانے کا کام کیا تھا۔ اب یہ دونوں نئی تحریکیں وہی فرض بڑی شدت سے نبھانے لگی تھیں۔ پورا برعظیم فسادات کی لپیٹ میں انہی تحریکوں کی بدولت آگیا تھا۔

شدھی۔ سنگھٹن

چوری چورا کے واقعے کے بعد کہ جس میں ایک جلوس نے یو پی کے ایک تھانے کو آگ لگا کر پولیس کے بائیس افراد زندہ جلا دیئے تھے۔ آریہ سماج کے ایک لیڈر شردھانند نے شدھی کی تحریک شروع کر دی تھی۔ اس تحریک کا بنیادی مقصد ہی یہی تھا کہ مسلمانوں کو کسی بھی طریقے سے ہندو بنا لیا جائے۔ اس کے لئے چاہے اسلام اور ہندومت میں کوئی اشتراک ڈھونڈا جائے یا گیتا اور قرآن کو منطبق کیا جائے۔ اس تحریک کے لئے گاندھی جی نے عملی اور نظری طور پر بہت کام کیا۔ شدھی تحریک کے ذریعے سے ہندوستان کے ہندوؤں نے ایسے علاقوں کے مسلمانوں کو ورغلانا شروع کر دیا تھا کہ جن علاقوں میں مسلمان بہت تھوڑی تعداد میں تھے اور ان پر ہندووانہ رسم و رواج کا غلبہ تھا۔ بہرحال شدھی تحریک نے مسلمانوں کے ایمانِ کامل کو تو کوئی نقصان نہ پہنچایا البتہ اس سے ہندوؤں کا تعصب

Marfat.com

اور منافقت کھل کر سامنے آنے لگی۔ شدھی کے مقابلے میں مسلمانوں کے علماتے دین نے وہ قابلِ قدر خدمات انجام دیں کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔

سنگھٹن تحریک اصل میں ہندوؤں کے آپس کے گٹھ جوڑ کی تحریک تھی۔ اس کے تحت ہندوؤں کا مطلب اور مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو اس برعظیم ہند سے بھگا دیا جاتے اور انہیں بھگا کر" حجاز میں اوم کا جھنڈا گاڑا جاتے "۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ان ہندو سنگھٹیوں نے اپنے مذموم ارادوں کے ساتھ مسلمانوں کا شکار کرنا شروع کر دیا تھا۔

اس تحریک کے اثر سے کوہاٹ میں بہت زبردست ہندو مسلم فسادات ہوئے۔ مسلمانوں کا جانی و مالی نقصان ہوا۔ ان فسادات پر مولانا شوکت علی نے مسلمانوں کی بھرپور وکالت کی اور گاندھی اور ہندوؤں سے شدید احتجاج کیا۔ کوہاٹ کے بعد ملتان میں ہندو مسلم فسادات جاری ہوتے۔ ان فسادات میں بھی خاصا نقصان ہوا۔ لیکن ان فسادات میں ہندو اور کانگرسی رہنما مسلمانوں ہی کو موردِ الزام ٹھہراتے اور حکومت سے بھی مسلمانوں کے خلاف تادیبی کارروائی کی یقین دہانی حاصل کرتے تھے۔

لالہ ہردیال نے تو ہندوستان کے مسلمانوں کو یہاں تک کہنا شروع کر دیا تھا کہ "مسلمانوں کو ہندوستان میں صرف اسی صورت میں رہنے کی اجازت دی جا سکتی ہے کہ وہ ہندووانی نام اختیار کریں۔ ہندوؤں کی مذہبی تقاریب میں شرکت کریں۔ ہندوؤں کے بزرگوں کے ترانے گائیں، ہندوؤں جیسا لباس پہنیں۔ ان کی رسومات کو اپنائیں اور خود کو مسلمان کہلانا چھوڑیں۔ البتہ اگر اس کے بعد بھی وہ اپنے مذہبی عقائد پر قائم رہنا چاہیں تو انہیں اپنے طریق پر عبادت کرنے کی اجازت دی جا سکتی ہے لیکن انہیں "محمدی ہندو" کہلانا ہوگا۔"

اسی نظریے کا پرچار گاندھی جی نے بھی کئی حوالوں سے کیا اور ہندوستان بھر

Marfat.com

کے لوگوں کو اس ہتھکنڈے سے آزمایا کہ "مسلمان اور ہندو ایک ہی خون سے پیدا ہوتے ہیں۔ وہ ایک ہی ماں "دھرتی ماتا" کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح گیتا اور قرآن کا خدا ایک ہی ہے۔ بھگوان اور خدا بھی ایک ہی ہے ..."

فسادات

ہندوؤں کی ان اشتعال انگیز شرارتوں اور مذہبی حملوں کے جواب میں لامحالہ مسلمانوں نے بھی وعظ و تبلیغ اور ہندوؤں کی اس منطق کی نفی کے لئے کام کیا۔ ہندوؤں نے تو یہاں تک مسلمانوں کے مذہبی جذبات سے کھیلنا شروع کر دیا تھا کہ وہ یہ گوارا ہی نہیں کر سکتے کہ مسلمان گائے کی قربانی بھی کریں۔ ان امور کے بارے میں اور ہندو مسلم فسادات کے حوالے سے جب کبھی گاندھی جی کا ذکر کیا جاتا تو وہ فرماتے کہ "ہم نے تو ہندو مسلم تنازعات اور مناقشات کو چکانے کا کام ہی بند کر دیا ہے اور اس کو کلیتہً خدا ہی پر چھوڑ دیا ہے"۔ بہرصورت پورا ہندوستان اور بالخصوص پنجاب فسادات کی لپیٹ میں آگیا اور ہندو مسلم کشیدگی بڑھتی ہی گئی۔ امرتسر اور ملتان کے علاوہ کئی اور شہروں میں بھی فسادات کی آگ بھڑک اٹھی۔

صوبہ سرحد کے شہر کوہاٹ میں شدید قسم کے ہندو مسلم فسادات ہوئے۔ ان میں تقریباً ایک سو پچپن افراد ہلاک اور زخمی ہوئے اور قریباً دس لاکھ روپے کی املاک تباہ ہوگئی۔ فسادات کی یہ آندھی جلد ہی سندھ کے متعدد علاقوں، صوبہ سرحد، لکھنؤ گلبرگہ، شاہجہانپور وغیرہ تک پھیل گئی۔ ایک جانب یہ فسادات ہو رہے تھے اور ہندوؤں اور مسلمانوں کا تفاوت اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ اجاگر ہو رہا تھا۔ لیکن اسی دور میں دوسری جانب لالہ ہردیال نے آزادیِ ہند کے بارے میں ایک بیان دیا کہ "اگر ہندوستان کو کبھی آزادی ملی تو یہاں ہندو راج قائم ہوگا۔

Marfat.com

نہ صرف ہندو راج ہی قائم ہوگا بلکہ مسلمانوں کی شدھی، افغانستان کی فتح وغیرہ اور باقی آدرش بھی پورے ہو جائیں گے"۔

لالہ جی کے اس بیان سے ان کے عزائم اور ہندوؤں کے تیوروں کا آزادیٔ ہند کے حوالے سے پتہ چلتا ہے، لیکن مسلمان رہنما بھی اس صورتِ حال سے بخوبی باخبر اور آگاہ تھے، اسی حوالے سے مولانا محمد علی نے ایک جلسۂ عام میں اپنی تقریر کے دوران کہا کہ" اگر ہندو مسلم مسئلہ حل نہ ہوا تو ہندوستان" ہندو انڈیا" اور" مسلم انڈیا" میں تقسیم ہو جائے گا"۔

مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ علی گڑھ میں اپنے صدارتی خطاب میں سر عبدالرحیم نے بھی ایسے ہی جذبات کی ترجمانی کی تھی کہ" ہندو اور مسلمان عیسائیوں کے دو فرقوں پروٹسٹنٹ اور کیتھولک کی طرح نہیں بلکہ وہ دو مختلف قوموں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان دونوں کی قدیم روایات، ان کی سماجی زندگی، ان کا تہذیب و تمدن، ان کی تاریخ اور مذہب اور اخلاقی اقدار بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ان کے درمیان اتنا فاصلہ ہے کہ وہ ایک ہزار سال سے ایک جگہ رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے ماحول کو نہیں اپنا سکے۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور اس مقصد کے لئے ان پر سیاسی اقتدار قائم کرنے کی کوشش کی"۔

دسمبر ۱۹۲۳ء میں سر فضل حسین نے یونینسٹ پارٹی قائم کر لی۔ اس پارٹی کے قیام کا بنیادی مقصد صوبائی سطح پر آئینی سرگرمیوں کو ترقی دینا تھا۔ اس پارٹی کی ممبر شپ ہندوستان کا کوئی بھی باشندہ اور کسی بھی مذہب و ملت کا شخص حاصل کر سکتا تھا۔ لیکن مجموعی طور پر اس پارٹی میں مسلمانوں ہی کی اکثریت تھی۔ اس پارٹی نے یہ بھی اپنے منشور میں شامل کیا کہ ایسے علاقے کہ جہاں پر مسلمانوں میں تعلیمی

Marfat.com

سہولتوں کا فقدان ہے۔ ان علاقوں کے لئے بھی کام کیا جائے گا۔

ہندو مسلم اتحاد کی کوشش

گو ہندو مسلم فسادات کے باعث پورا ملک ایک طرح سے خانہ جنگی کا شکار ہو چکا تھا لیکن اس عہد میں بھی مسلم لیگ اپنے تئیں ہندو مسلم اتحاد کے لئے کوششیں کرتی رہی۔ ۱۹۲۴ء اور ۱۹۲۵ء کے اجلاس میں اسی ہندو مسلم اتحاد کا اعادہ کیا گیا۔ ۱۹۲۴ء میں قائداعظم محمد علی جناح کی صدارت میں ایک اجلاس ہوا تو انہوں نے ملک میں چند ایک ایسی آئینی سفارشات پیش کیں کہ جنہیں جلد اور بدیر نافذ کر دینے کا مطالبہ بھی کیا گیا۔ ان میں سے پہلی چار سفارشات کا تعلق اقلیتوں خصوصاً مسلمانوں کے حقوق و مفادات کا تحفظ اور جداگانہ انتخابات کا تذکرہ تھا جب کہ دو سفارشات نئی تھیں اور ان کا تعلق فیڈرل پالیسی اور مسلمانوں کے آئینی حقوق سے تھا کہ آئندہ اگر کسی طرح کی علاقائی یا صوبائی انتظامی ردوبدل ہوتی ہے تو اس ردوبدل میں مسلم اکثریت کے صوبوں پنجاب بنگال اور صوبہ سرحد میں کوئی مداخلت نہیں ہونی چاہیئے کہ جس کے باعث ان کے آئینی حقوق متاثر ہوں۔

اسی دوران میں مولانا عبیداللہ سندھی نے "مہا بھارت سوراجیہ پارٹی" قائم کی اس میں بھی ایک طرح سے ہندو مسلم اتحاد ہی کا جذبہ کارفرما تھا۔ اس کے منشور میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ "آزادی ہند کی جدوجہد کو تیز کر کے ملک کو آزاد کرانا اور حکومت خود اختیاری میں تمام مذاہب کو پوری پوری آزادی دینا اہم مقاصد ہیں۔ اس کے علاوہ آل پارٹیز کانفرنس کے ذریعے سے بھی اسی ہندو مسلم اتحاد کی خاطر کوششیں کی جاتی رہیں۔ ان اجلاسوں میں ایسے اقدامات اپنانے کی سفارش کی جاتی رہی کہ جن کی بدولت ہندو مسلم اتحاد قائم ہو سکے۔ بعض اجلاسوں میں مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ پر بھی زور دیا گیا تھا۔

Marfat.com

اسی طرح انڈین نیشنل پارٹی کمیٹی نے بھی اقلیتوں کے مسائل حل کرنے اور ہندو مسلم اتحاد کے لئے کام کرنے کے لئے کوششیں کیں۔ ان ہندو مسلم اتحاد کی کوششوں کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ مسلمانوں میں زبردست قربانی اور اتحاد کا جذبہ پیدا ہوا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے مسلمانوں کے جداگانہ انتخابات کے لئے بھی ایک طرح سے خاصی لچک پیدا کر دی، بشرطیکہ مسلمانوں کی دوسری شرائط تسلیم کر لی جائیں۔ انہوں نے یہاں تک فرما دیا کہ ہم جداگانہ انتخاب کو چھوڑنے پر تیار ہیں بشرطیکہ دیگر شرائط کو مان لیا جائے اس کے بعد مسلم لیگ نے سالانہ اجلاس ۱۹۲۶ء منعقدہ دہلی میں کانگرس سے مفاہمت کے لئے ایک کمیٹی بھی قائم کر دی تھی اور قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا تھا کہ "ہمیں امید کرنی چاہیئے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے سمجھدار طبقے یہ بات محسوس کریں گے کہ ہندوستان کا مسئلہ دوستی، اتحاد اور تعاون کے ذریعے ہی حل ہو سکتا ہے"۔ بہرصورت ہندو مسلم فسادات کو ختم کرانے اور ان دونوں قوموں میں اتحاد پیدا کرنے کے لئے دادا بھائی نوروجی، گوکھلے، محسن الملک اور قائداعظم محمد علی جناح نے قابلِ ذکر خدمات انجام دیں۔ اگر ان رہنماؤں کی کوششیں بارور نہ ہوتیں اور یہ رہنما بروقت میدان میں نہ آتے تو دہلی، کلکتہ، لکھنؤ، الہ آباد، حیدر آباد دکن، لاہور، ملتان، بہار، ناگ پور، بریلی اور دیگر متعدد شہروں کے ہندو مسلم فسادات اور قتل و غارت کے واقعات اور بھی شدت اختیار کر جاتے۔

تجاویز دہلی

ملک بھر کے ہندو مسلم فسادات، شدھی اور سنگھٹن تحریکوں اور دیگر عصری حالات نے مسلمانوں پر ہندوؤں کے عزائم کی قلعی کھول دی تھی اور یہ بھی واضح کر دیا تھا کہ ہندو مسلم اتحاد کی کوششوں کے باوجود یہ اتحاد کسی طرح بھی مستحکم اور دیرپا ثابت نہیں ہو

Marfat.com

سکے گا۔ حتیٰ کہ بقول سروجنی نائیڈو قائداعظم محمد علی جو ہندو مسلم اتحاد کے داعی اور بہت بڑے حامی تھے۔ اب تو وہ بھی یہ کہنے پر مجبور ہو چکے تھے کہ ہم اس حقیقت سے فرار اختیار نہیں کر سکتے ملک میں فرقہ واریت بہر طور موجود ہے۔ اس فرقہ واریت پر محض جذبات اور تقریروں کی بدولت قابو نہیں پایا جا سکتا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ مخلوط انتخابات کی بدولت ایک قومیت کا جذبہ پیدا نہیں کیا جا سکتا۔

ان فرقہ وارانہ فسادات اور فرقہ واریت کے خاتمے کی خاطر کانگرس نے ایک مصالحاتی سکیم بنا کر پیش کی تھی۔ لیکن اس مذکورہ سکیم کو کمیٹی نے کوئی اہم سکیم نہیں سمجھا تھا۔ اس کے بعد سی آر داس نے بھی اسی طرح کی ایک سکیم بنائی تھی۔ یہ سکیم بھی قابلِ قبول نہ ہو سکی۔

قائداعظم محمد علی جناح نے اسی عہد میں مسلمانوں سے درخواست کی تھی کہ وہ اپنے آپ کو سیاسی طور پر مضبوط اور مستحکم کریں اور کسی بھی طرح کی نئی مصالحاتی کوشش کے لئے اپنے آپ کو تیار کریں۔ نومبر ۱۹۲۵ء میں آل پارٹیز کانفرنس منعقدہ بمبئی میں بھی اسی امر کا اظہار کیا گیا تھا کہ جلد از جلد سوراج حاصل کیا جائے اور ہندو مسلم مسائل طے کئے جائیں۔ اسی دوران میں دسمبر ۱۹۲۵ء میں لارڈ برکن ہیڈ نے ہاؤس آف لارڈز میں اعلان کیا کہ ہندوستان میں اصلاحات کے لئے رائل کمیشن ۱۹۲۸ء میں اپنی رپورٹ پیش کرے گا کیونکہ ۱۹۱۹ء میں ایسے کمیشن کے قیام کا بھی وعدہ کیا گیا تھا۔ اسی دوران میں مسلم لیگ کا اٹھارہواں سالانہ اجلاس دہلی میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں علامہ اقبال نے بھی شرکت فرمائی۔ انہوں نے ملک میں مسلمانوں کی تعمیر و ترقی اور فلاح و بہبود کی خاطر کچھ آئینی تجاویز پیش کیں اور ایک قرارداد میں مطالبہ کیا کہ قانونِ ہند ۱۹۱۹ء میں ضروری ترامیم کی جائیں۔

۲۰ مارچ ۱۹۲۷ء کو ہندوستان بھر کے تیس سربرآوردہ رہنماؤں کا ایک خصوصی

Marfat.com

اجلاس دہلی کے ویسٹرن ہوٹل میں منعقد ہوا۔ اس خصوصی اجلاس کی صدارت قائداعظم محمد علی جناح نے فرمائی۔ اس اجلاس میں ہر طبقہ خیال کے مسلمان رہنماؤں کی رائے حاصل کی گئی اور پھر متفقہ رائے سے اس اجلاس میں ایک قرارداد تیار کی گئی۔ اس قرارداد میں اس امر کا اظہار کیا گیا کہ مسلمان مندرجہ ذیل اصولوں پر مسائل کا حل قبول کر سکتے ہیں :۔

۱ ۔ سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کر دیا جائے اور اسے ایک علیحدہ صوبے کی حیثیت دے دی جائے۔

۲ ۔ بلوچستان اور شمال مغربی سرحدی صوبہ میں بھی اسی طرح اصلاحات نافذ کی جائیں جس طرح دوسرے صوبوں میں کی گئی ہیں۔

۳ ۔ مرکزی قانون ساز ادارے میں مسلمان نمائندوں کی تعداد کل تعداد کا تیسرا حصہ ہونی چاہیئے۔

۴ ۔ پنجاب اور بنگال کے قانون ساز اداروں یعنی کونسلوں میں مسلمانوں کو ان کی آبادی کے تناسب سے نمائندگی دی جائے۔

۵ ۔ ایسے صوبے کہ جہاں مسلمانوں کی اقلیت ہے وہاں پر بھی مسلمانوں کو مناسب نمائندگی دی جائے۔ ایسی ہی مناسب نمائندگی صوبہ سندھ کے ہندوؤں کو بھی دی جائے۔

۶ ۔ مرکزی قانون ساز ادارے میں مسلمانوں کی ۳۳ فی صد نمائندگی مخلوط انتخابات کے ذریعے سے دی جائے۔

مسلمانوں کی دہلی کانفرنس کی ان تجاویز کو "تجاویز دہلی" کا نام دیا گیا۔ دہلی کی اس کانفرنس کے انعقاد کے لئے قائداعظم محمد علی جناح نے سب سے زیادہ سعی و کوشش کی۔ یہ انہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں نے متفقہ طور پر مستقبل کے لئے

Marfat.com

تجاویز طے پائیں۔

یہ قرارداد دہلی یا تجاویز دہلی زیادہ مؤثر اسی صورت میں ہوسکتی تھیں کہ اگر مسلم لیگ، کانگرس اور دوسری جماعتوں کی انہیں تائید وحمایت حاصل ہوتی۔ جب یہ تجاویز کانگرس کی ورکنگ کمیٹی کو بھجوائی گئیں۔ اس نے بڑی خوش دلی سے انہیں آل انڈیا سنٹرل کمیٹی کو پیش کر دیا۔ یہ تجاویز گاندھی جی کو اس رپورٹ کے ساتھ بھجوائی گئی تھیں۔ کہ انہیں یا تو کلی طور پر منظور کیا جائے یا کلی طور پر مسترد کیا جائے اور کانگرس کے سامنے یہ تجاویز پیش کرنے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ وہ مسلمانوں کے آئینی حقوق سے آگاہ ہوسکیں اور کانگرس کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ مسلمان بحیثیت قوم یہ آئینی حقوق حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

ان تجاویز پر غور وخوض کرنے اور فیصلہ کرنے کی خاطر آل انڈیا سنٹرل کمیٹی کا ایک اجلاس سری نواس کی صدارت میں منعقد ہوا اور اس اجلاس میں مسلمانوں کی ان تجاویز کو بحث ومباحث کے بعد منظور کر لیا گیا۔ مسلمانوں کی ان تجاویز اور کانگرس کی تائید پر کئی ہندو لیڈروں اور ہندو اخبارات نے واویلا کیا۔ اس سلسلے میں وضاحتی طور پر قائداعظم محمد علی جناح کو ایک اخباری بیان دینا پڑا۔ ۳۰ر مئی ۱۹۲۷ء کے اس بیان میں انہوں نے کہا کہ "یہ غلط فہمیاں اس لئے پیدا کی جارہی ہیں کہ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالی جائے۔" مخلوط انتخابات کے حوالے سے انہوں نے غلط فہمی کا ازالہ کیا کہ مسلمان مخلوط انتخابات کو قبول کریں گے، لیکن اس کے ساتھ کہ مسلمانوں کے لئے کچھ نشستیں مخصوص کر دی جائیں گی۔ اگر کانگرس سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کر کے جداگانہ صوبہ بنانے، سرحد اور بلوچستان میں اصلاحات نافذ کرنے اور مسلمانوں کو مطلوبہ نمائندگی دینے کے لئے تیار ہے" تو مسلمان مخلوط انتخابات کے لئے تیار ہیں۔ پنجاب اور بنگال میں یہ نمائندگی آبادی کے تناسب سے ہو۔

Marfat.com

اور مرکز میں مسلمانوں کے لئے ۳۳ فیصد نشستیں ہوں۔ اس لئے ضروری ہے کہ وہ ہماری ان تجاویز کو اس وضاحت اور پس منظر میں رد یا منظور کیا جائے۔

تجاویز دہلی ترتیب دینے کے لئے اجلاس میں تیس مسلمان رہنماؤں نے شرکت کی تھی۔ ان میں راجہ صاحب آف محمود آباد، سر محمد شفیع، سردار عبدالقیوم، مولانا محمد علی، ڈاکٹر ایم اے انصاری، سر محمد یعقوب، مولوی شفیع داؤدی، نواب محمد اسماعیل خاں میاں شاہنواز، سر عبدالرحیم، سردار محمد نواز خاں، عبدالمتین چودھری، سید عبدالعزیز نواب سر ذوالفقار علی خاں اور جامع مسجد دہلی کے امام صاحب نے شرکت کی۔ اس اجلاس کی صدارت کے فرائض قائداعظم محمد علی جناح نے ادا کئے تھے۔ یہ تجاویز اس قدر سوچ بچار کے بعد ترتیب دی گئی تھیں کہ جب کانگرس کمیٹی نے ان تجاویز پر غور و خوض کیا اور کہا کہ یہ تجاویز ہندو مسلم اتحاد کے لئے بہتر اور مناسب تجاویز ہیں اور حکومت خود مختاری کے لئے بھی یہ اہم تجاویز ہیں۔ ان تجاویز کو کانگرس اور ہندوؤں کے کئی دیگر رہنماؤں نے بھی سراہا اور پسند کیا تھا۔

گو ان تجاویز کو آغاز میں تو کانگرس اور ہندو لیڈروں نے بڑے کھلے دل سے قبول کر لیا تھا لیکن چند ہی مہینوں کے بعد وہ اس سے منحرف ہونے لگے۔ اس طرح مسلمانوں اور ہندوؤں میں پھر اختلافات کی خلیج بڑھنے لگی۔ اس تفاوت کے باعث بلوے اور فسادات نے ایک بار پھر جنم لے لیا۔ اس طرح ہندوؤں کے عزائم ایک بار پھر بے نقاب ہو گئے۔ بعض مسلمان رہنماؤں نے بھی بعد میں محسوس کیا کہ مخلوط انتخابات بالآخر مسلمانوں کے لئے زیادہ مفید نہیں ہوں گے۔ اس لئے کئی ایک مسلمان رہنما جنہوں نے تجاویز دہلی کانفرنس میں شرکت کی تھی، وہ بھی ان کی مخالفت کرنے لگے تھے۔ اس کے بعد تو ہندو رہنماؤں نے بھی کھل کر ان تجاویز دہلی کی مخالفت کرنی شروع کر دی تھی بلکہ یہ بھی منطق پیش کر دی تھی کہ اگر

Marfat.com

مسلمان جداگانہ انتخابات کے حق سے دستبردار ہو جائیں تو دونوں قوموں میں اتحاد ممکن ہو سکتا ہے۔

سائمن کمیشن

نومبر ۱۹۲۷ء میں حکومت برطانیہ نے اعلان کیا کہ عنقریب ایک کمیشن ہندوستان کے لئے بھیجا جائے اور یہ کمیشن قانونِ ہند ۱۹۱۹ء کی کارکردگی کا جائزہ لینے کا کام کرے گا۔ اس مقصد کی خاطر وفد ہندوستان کے مختلف سیاسی رہنماؤں سے ملاقات اور بات چیت کر کے حکومت کو سفارشات پیش کرے گا۔ اس کمیشن کے تمام ممبران برطانوی پارلیمنٹ کے انگریز ممبر ہی تھے۔ اس کمیشن کی سربراہی سر جان سائمن کر رہے تھے۔

جب اس وفد کی تشکیل اور اس کے کام کا اعلان کیا گیا تو ہندوستان کے لوگوں نے اس اعلان کو ایک احتجاج کے ساتھ سنا۔ سیاست دانوں نے اس کی ترکیب پر رائے زنی کی اور اس طرح کی منفی رائے کا اظہار کیا۔ اس مجوزہ کمیشن کی قائداعظم محمد علی جناح نے بھی مخالفت کی لیکن ان کی یہ مخالفت برنگِ دگر تھی۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے آئینی طور پر تائید اور حمایت کرنے کی خاطر سیاسی جماعتوں اور سیاسی رہنماؤں سے صلاح مشورہ کیا۔ اس ضمن میں وہ سر علی امام، سر عبدالرحیم، سر سیوا سوامی آئیر، سر تیج بہادر سپرو، سر پرشوتم داس ٹھاکر داس، سر ایچ پی موڈی اور سر چمن لال سٹیلواد سے ملاقاتیں کیں۔ انہیں اپنا ہم نوا بنانے کی کوشش کی۔ پھر اس کے بعد ۱۹ نومبر ۱۹۲۷ء کو بمبئی میں ایک میٹنگ کا اہتمام کیا۔ اس میٹنگ کی صدارت سر ڈنشا پٹیٹ نے کی۔ اس میٹنگ میں قائداعظم نے درج ذیل قرارداد برائے منظوری پیش کی:-

Marfat.com

"بمبئی کے شہریوں کا یہ اجلاس پُرزور طور پر اس امر کا اعلان کہ جو قانونی کمیشن بنانے کا ارادہ ظاہر کیا گیا ہے اور جس کا اعلان کیا جا چکا ہے۔ وہ ہندوستان کے لوگوں کے لئے قابلِ قبول نہیں ہے کیونکہ اس میں سنگین طور پر ایک بار پھر ہندوستان کے لوگوں کے حقوق کو پسِ پشت ڈالا گیا ہے اور ان کے اس حق سے چشم پوشی کی گئی ہے۔ کہ ان کے لئے مستقبل کے بنائے جانے والے آئین میں، انہیں کوئی نمائندگی نہیں دی گئی۔ اس اجلاس میں مزید یہ بھی اعلان کیا جاتا ہے کہ مذکورہ تصریح اور حالات کے تحت ہندوستان کے لوگوں کو اس کمیشن سے کسی بھی طور کوئی سروکار نہیں ہے"۔

اپنے اس بیان اور قرار کی وضاحت میں قائداعظم نے ۳ر دسمبر ۱۹۲۷ء کو ایک اور بیان دیا اور کہا کہ "ہمارے اس بیان سے جو لوگ کوئی غلط مطلب اخذ کرنا چاہتے ہیں تو میں انہیں تنبیہہ کرتا ہوں کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ اس طرح کا غلط رویہ روا نہ رکھیں اور اگر انہوں نے یہ روش جاری رکھی تو یقیناً انہیں مایوسی ہو گی جیسے کہ انہیں اس امر کا ماضی میں بھی تجربہ ہو چکا ہے، میں ہندوؤں سے یہ بھی درخواست کرتا ہوں کہ وہ مسلمانوں کے بارے میں کسی طرح کا فیصلہ یا بیان دینے میں احتیاط کیا کریں"۔

اس صورتِ حال کے باوجود انگریزی حکومت سائمن کمیشن کی قبولیت کے بارے میں ہندوستانی جماعتوں اور رہنماؤں کو سبوتاژ کر رہے تھے۔ اس سلسلے میں انہوں نے پنجاب اور بنگال کے کچھ مسلمان رہنماؤں کو اپنا ہم نوا بنا بھی لیا تھا لیکن قائداعظم محمد علی جناح نے اس موقع پر بھی فرمایا تھا کہ "آپ لوگ کسی قوم کسی بھی سطح اور معیار پر اہمیت دیں، اس کے لئے کوئی بھی تنگ نظر یا کشادہ ظرف پیمانہ بنائیں

Marfat.com

اور اسے کوئی بھی معیار دیں، اس میں مسلمان کسی بھی طور اس موجودہ کمیشن کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔"

ادھر پنجاب کے لیڈر سر محمد شفیع کی قیادت میں ایک جلسہ دسمبر ۱۹۲۷ء میں منعقد ہوا۔ اس جلسے میں انہوں نے سائمن کمیشن کے ساتھ تعاون کرنے کا اعلان کر دیا۔ اور اس کا جواز یہ پیش کیا کہ اس کمیشن کے ساتھ تعاون کر کے آئینی تشکیل و تعمیر میں مسلمانوں کے قومی حقوق اور مفادات کی حفاظت کے لئے بہتر کوشش کی جا سکے گی۔ اور برطانوی حکومت کو بھی مسلمانوں کے حقوق سے بخوبی آگاہ کیا جا سکے گا۔ لیکن جب ۳۰ دسمبر ۱۹۲۷ء سے یکم جنوری ۱۹۲۸ء تک آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس کلکتہ میں منعقد ہوا تو اس اجلاس میں سائمن کمیشن کو رد کر دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ اسی اجلاس میں سر علی امام نے ایک قدرے دوسری صورت کے طور پر کہا کہ مسلمان اس میں صرف مساوی بنیادوں پر شمولیت کر سکتے ہیں۔

۱۹۲۸ء کے آغاز میں آل انڈیا مسلم کانفرنس کا پہلا اجلاس سر آغا خاں کی صدارت میں ہوا۔ اس اجلاس میں مسلمانوں کے ہر طبقۂ خیال کے لوگوں نے شرکت کی۔ مندوبین نے مسلمانوں کے تعلیمی، لسانی، مذہبی، ذاتی قوانین اور رفاہ عامہ کے امور پر بحث کی۔ بعض مسائل کے حل کے لئے کئی طرح کی سفارشات کی گئیں۔ اسی طرح جب فروری ۱۹۲۸ء میں کلکتہ میں آل پارٹیز کانفرنس منعقد ہوئی، اس میں بھی ہندوستان کی تمام قومیتوں کے مسائل زیر بحث آئے۔ اس کانفرنس میں متحدہ جدوجہد جاری رکھنے کا عزم کیا۔

سائمن وفد کی آمد

سر جان سائمن کی سربراہی میں سائمن کمیشن ۳۔ فروری ۱۹۲۸ء کو بمبئی پہنچا۔ ہندوستان

Marfat.com

کے لوگوں نے اس وفد کا سیاہ جھنڈیوں سے استقبال کیا۔ استقبال کے موقع پر لوگوں نے سائمن کمیشن واپس جاؤ کے نعرے بھی لگاتے۔ بمبئی کے لوگوں نے "سائمن کمیشن واپس جاؤ" گلیوں اور بازاروں میں بھی نعرے لگاتے۔

بمبئی میں پہنچنے کے ساتھ ہی اس کمیشن نے ایک بیان دیا کہ "یہ کمیشن کسی بھی طرح سے حکومت ہند یا حکومت برطانیہ کا بھیجا ہوا وفد نہیں ہے، بلکہ ملک معظم شاہِ برطانیہ نے بھیجا ہے۔ یہ کمیشن بغیر کسی مزاحمت اور حدود کی قیود سے بالاتر ہو کر آزادروی سے کام کرے گا۔ یہ کمیشن پارلیمنٹ کے ممبران پر مشتمل ہے اور یہ ممبران ہندوستان کے ارکانِ مقننہ سے بڑے دوستانہ اور ساتھیوں کے ماحول میں ملیں گے۔"

کراچی سے کلکتہ تک سائمن کمیشن کی آمد پر "سائمن واپس جاؤ" "سائمن گو بیک" کے بلند بانگ نعروں نے اس وفد پر یہ حقیقت واضح کر دی کہ اس وفد کو بہر صورت غیر جانبداری سے اپنا فرض ادا کرنا ہوگا۔ اس وفد کا گو قائداعظم محمد علی جناح اور مسلم لیگ نے بائیکاٹ کر دیا تھا، لیکن اس وفد کی آمد پر ۲۰ر فروری ۱۹۲۸ء کو قائداعظم نے ایک بیان میں کہا کہ وہ سر جان سائمن اور وائسرائے ہند کے اس اعلان کو پڑھ کر متاثر اور مطمئن ہوتے ہیں کہ اس وفد سے ملاقات کرنے والے ممبران میں کوئی تفاوت نہیں رکھا جائے گا اس لئے ضروری ہے کہ سنٹرل کمیٹی کے ممبران کو یہ اجازت دی جائے کہ وہ مذاکرات بھی سن سکیں اور اسی طرح انڈین سنٹرل کمیٹی کی رپورٹ کو بھی ثانوی حیثیت ضرور دی جائے اور اس کمیٹی سے بھی جا بجا تعاون کیا جائے۔ اس لئے ہم ہندوستان کے تمام عوام اور تمام پارٹیوں کے ارکان سے درخواست کرتے ہیں کہ آپس میں اتحاد کا مظاہرہ کریں تاکہ:۔

(۱)۔ تمام طبقوں اور فرقوں کے امور اور مسائل سامنے آسکیں، جن کے بارے میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ ان امور کو تمام سیاسی پارٹیوں کی تسلی اور تشفی

Marfat.com

کی سطح پر حل کیا جائے۔

(۲) زیادہ سے زیادہ مفاہمی معاہدوں کی بنیاد پر ایک ڈرافٹ آئین تیار کیا جا سکے اور اسے ایک کنونشن میں اپنایا جائے۔

(۳) اور اس آئین کے نفاذ کے لئے کام کیا جا سکے۔

اس صورتِ حال میں سائمن کمیشن جہاں بھی گیا اس کا استقبال سیاہ جھنڈیوں اور جھنڈوں ہی سے کیا گیا اور بڑے مخاصمانہ نعرے لگائے گئے۔ اس سے کمیشن پر یہ حقیقت تو روزِ روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ یہ ایک ایسا وفد ہے کہ جسے ناپسند کیا گیا ہے اور یہ لوگوں کا ایک نامقبول وفد ہے۔ اس لئے لوگوں کا اس وفد پر کبھی اعتماد نہیں ہو سکتا۔ لیکن وفد کو اپنا کام سرانجام دینے کا حکم دیا گیا تھا کہ لوگوں کی رائے چاہے کیسی ہی کیوں نہ ہو وہ اپنا کام جاری رکھے۔

سائمن کمیشن کا جن نعروں اور سیاہ جھنڈیوں سے استقبال کیا گیا۔ مدراس میں اس کمیشن کے خلاف اس سے بھی زیادہ نفرت اور حقارت دکھائی گئی۔ مدراس میں تو مشتعل نعرہ بازوں اور احتجاج کرنے والوں پر ہائی کورٹ بلڈنگ کے سامنے پولیس نے گولی بھی چلا دی تھی۔ پولیس کی اس کارروائی سے چند لوگ مارے گئے اور متعدد زخمی ہوئے، اس طرح کمیشن جب کلکتہ پہنچا تو وہاں پر تو احتجاج اس قدر شدید تھا کہ طلبہ اور پولیس کے درمیان کئی جھڑپیں ہوئیں۔ طلبہ پر کئی بار لاٹھی چارج کیا گیا۔ دہلی میں سائمن کمیشن سرکاری طور پر گیا۔ یہاں پر بھی کمیشن نے وہی نعرے سنے۔ لاہور میں لالہ لاجپت رائے کی سرکردگی میں ایک احتجاجی مظاہرہ ہوا لیکن گھڑسوار پولیس کے سپاہیوں نے اس پُرامن احتجاجی مظاہرے میں کئی لوگوں کو شدید زخمی کر دیا۔ لکھنؤ میں تو اس کمیشن کے خلاف مسلسل چار دن تک احتجاجی مظاہرے ہوتے رہے اور پولیس کے گھڑسوار سپاہی گھوڑوں کی ٹاپوں تلے حملہ آوروں

Marfat.com

کو کچلتے رہے۔ پٹنہ میں قریباً پچاس ہزار مظاہرین نے پٹنہ ریلوے سٹیشن پر بھی احتجاجی سیاہ جھنڈا لہرا دیا۔ مظاہرین نے احتجاجی نعروں والے جھنڈے بھی اٹھا رکھے تھے۔

۶ فروری ۱۹۲۸ء کو سر جان سائمن نے وائسرائے ہند کو ایک خط میں لکھا تھا کہ برطانوی پارلیمنٹ کے یہ سات ارکان سنٹرل اسمبلی کے سات ارکان بھی منتخب کرنے کے لئے تیار ہیں تاکہ یہ چودہ ممبران لوگوں کی رائے اور خیالات اپنی موجودگی میں سن سکیں۔ لیکن ہندوستان کے لوگوں نے اس خط کو بھی کوئی اہمیت نہ دی۔ جب اسمبلی میں اس کمیشن کے بارے میں رائے طلب کی گئی تو اڑسٹھ کے مقابلے میں باسٹھ ارکان نے اس کی مخالفت کی اور اس طرح یہ طے پایا گیا کہ یہ وفد اسمبلی کے لئے کسی بھی طور قابل قبول نہیں ہے۔ اسمبلی میں اس وفد کے بارے میں اس قدر رائے نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ ہندوستان کے لوگ اس وفد کو کلی طور پر رد کر چکے ہیں۔

فروری اور مارچ ۱۹۲۸ء میں دہلی میں آل پارٹیز کانفرنس منعقد ہوئی تو اس کانفرنس میں بھی سائمن کمیشن کو زیر بحث لایا گیا۔ آل پارٹیز کانفرنس میں مسلمانوں اور ہندوستان کی دوسری اقوام کی انجمنوں نے شرکت کی تھی۔ اس کانفرنس نے دو تین مہینوں ہی کے دوران میں قریباً پچیس اجلاس منعقد کر لئے تھے۔

بالآخر ۳۱ مارچ ۱۹۲۸ء کو سائمن کمیشن ہندوستان سے برطانیہ کے لئے روانہ ہو گیا۔ گو اکثر سیاسی جماعتوں اور سیاسی رہنماؤں نے اس کمیشن کا بائیکاٹ کیا تھا لیکن اس کے باوجود کمیشن نے دعویٰ کیا کہ اس نے ہندوستان کے سیاسی رہنماؤں اور سیاسی جماعتوں کے نمائندوں سے ملاقاتیں کر کے اور سماج کے مختلف طبقوں کے لوگوں سے مل کر حقائق کے بارے میں معلومات حاصل کی ہیں۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ سائمن کمیشن برعظیم پاک و ہند میں بے استقبال آیا اور

Marfat.com

بے مقصد واپس چلا گیا۔"

ہندوستان سے سائمن کمیشن کی واپسی کے قریباً ڈھائی سال بعد اگست ستمبر ۱۹۳۰ء میں سائمن رپورٹ دو جلدوں میں شائع ہوئی۔ پہلی جلد میں ہندوستان کے سیاسی، معاشرتی اور معاشی حالات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا تھا۔ دوسری جلد میں کمیشن نے اپنی سفارشات پیش کی تھیں۔ ان سفارشات میں صوبوں کی انتظامیہ کو دو حصوں میں تقسیم کرنا، تمام محکمے وزرا کے سپرد کرنا، حق رائے دہی کا دائرہ وسیع کرنا وغیرہ تھا۔ ان کے علاوہ صوبہ سرحد میں آئینی اصلاحات کے نفاذ اور مرکز میں وفاقی نظام رائج کرنے اور دو ایوانی مقننہ قائم کرنا شامل تھا۔ ماہرین نے بتایا کہ سائمن کمیشن رپورٹ ہندوستان کی سیاسی، سماجی اور معاشی زندگی سے متعلق معلومات کا ایک بڑا ذخیرہ تھی اور ہندوستان کے دستوری ارتقاء میں اس رپورٹ سے بھی استفادہ کیا گیا تھا۔

نہرو رپورٹ

مدراس میں کانگرس کے ایک اجلاس میں موتی لال نہرو کمیٹی کا قیام عمل میں آیا اور اس کمیٹی کے لئے یہ لائحہ عمل بنایا گیا کہ وہ مسلمانوں کی تجاویز دہلی کی روشنی میں اپنی جانب سے ایک رپورٹ پیش کرے گی۔ اس نہرو کمیٹی میں ایک اور اہم ہندو رہنما ڈاکٹر مونجے بھی شامل تھا۔

کچھ عرصے کے بعد جب نہرو رپورٹ تیار ہوئی تو اس میں لکھا تھا کہ وہ "سندھ کو صوبہ بمبئی سے فرقہ واریت کی بنا پر نہیں بلکہ دیگر عام بنیادوں پر علیحدہ کیا جائے اور اسی طرح فرقہ واریت یا تنازعات بہت زیادہ اہمیت کے حامل نہیں ہیں۔ ان کے باعث حالات میں کشیدگی ہر طرح سیاسی سرگرمیوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔

Marfat.com

جہاں تک اس امر کا تعلق ہے مسلمان، ہندو اکثریت کے علاقوں میں ہمیشہ ہراساں رہیں گے۔ یہ ایک دلچسپ اور مضحکہ خیز تجویز ہے کیونکہ ہندو گو پورے ہندوستان میں چاہے اکثریت میں ہیں لیکن بنگال، سندھ، پنجاب اور صوبہ سرحد میں تو مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ اس کے باوجود بھی اگر کوئی خطرہ ہے تو وہ محض محافظوں کا خطرہ ہے۔ وہ خطرہ مطالبات کی مخالفت کا نہیں ہے۔ جہاں تک مرکز میں مسلمانوں کی ایک تہائی نمائندگی کا تعلق ہے، اس سے ہم اتفاق نہیں کر سکتے لیکن مسلمانوں کو ان کی آبادی کے لحاظ سے نمائندگی ہم بخوشی دے سکتے ہیں کیونکہ مسلمانوں کی تعداد کل آبادی کے ایک چوتھائی سے بھی کم ہے۔ اس لئے انہیں انتظامیہ اور مقننہ میں اس سے زیادہ نمائندگی نہیں دی جا سکتی۔"

گو اس نہرو رپورٹ کی ترتیب و تیاری کا کام وزیر ہند لارڈ برکن نے موتی لال نہرو کی سربراہی میں ایک کمیٹی کو سپرد کیا تھا۔ لیکن اس کمیٹی میں سید علی امام، ایم ایس اینے، سردار منگل سنگھ، جی آر پردھان، ایم آر جیکار، اور این اے جوشی کے دستخط موجود ہیں۔ لیکن مسٹر شعیب قریشی نے کمیٹی کا ممبر ہونے کے باوجود اس پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ شاید مسٹر این اے جوشی اور مسٹر ایم آر جیکار نے بھی اس رپورٹ کو ماننے پر اتفاق نہیں کیا تھا۔

نہرو رپورٹ کے درج ذیل پہلو اہم تھے :۔

(۱) برعظیم پاک و ہند کو ایک مکمل نوآبادیاتی سلطنت کا درجہ دیا جائے اور اس کی مرکزی اور صوبائی ذمے دار حکومتیں قائم کی جائیں۔

(۲) مسلمانوں کے جداگانہ انتخاب کو تسلیم کرنا قومی جذبے کو فروغ دینے میں رکاوٹ ثابت ہوگا۔ اس لئے جداگانہ انتخابات قومی روح اور اس کی نشوونما کے منافی ہوں گے۔

Marfat.com

(۳) پنجاب اور بنگال کے قانون ساز اداروں میں مسلمانوں کے لئے نشستیں مخصوص کرنے کا مطالبہ منظور نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس طور ذمے دار اور نمائندہ حکومت کے قیام میں مزاحمتیں پیدا ہوتی ہیں۔

(۴) مسلمانوں کو کسی طرح کی ترجیحی بنیادوں پر نشستیں نہیں دی جاسکتیں بلکہ صرف ہندو اکثریت کے صوبوں میں مسلمانوں کی اقلیتی آبادی کے باعث مخلوط انتخابات کی بنیاد پر نشستیں تخصیص کی جائیں گی۔

(۵) مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات کے تحت مسلمانوں کو جو بلحاظِ آبادی توازن دیا گیا ہے اسے بحال نہیں رکھا جائے گا۔

(۶) مرکزی قانون ساز ادارے میں مسلمانوں کی ایک تہائی نمائندگی کے مقابلے میں انہیں صرف پچیس فی صد نشستوں کی رعایت دی جائے اور مزید نشستوں کے لئے مقابلے کا حق دیا جائے۔

(۷) دفاع، معاملاتِ خارجہ اور فوج کو وائسرائے اور پارلیمنٹ کے زیرِ اثر رکھا جائے۔

(۸) اگر سندھ اپنے اخراجات کا متحمل ہوسکے تو اسے الگ صوبہ بنا دیا جائے اور اگر اس طرح صوبہ سندھ الگ کر دیا جاتا ہے تو اس میں آئین کے تحت دوسرے صوبوں کی طرح غیر مسلم اقلیت کو صوبائی اور مرکزی اسمبلیوں میں نمائندگی دی جائے۔

(۹) بلوچستان اور صوبہ سرحد میں بھی وہی اصلاحات نافذ کی جائیں جو ملک کے دوسرے حصوں میں نافذ ہیں۔

(۱۰) انتخابات کے لئے حق بالغ رائے دہی کا نظام رائج کیا جائے۔

(۱۱) ملک میں وفاقی طرزِ حکومت قائم کیا جائے اور اضافی اختیارات بھی مرکزی حکومت کے پاس ہی ہوں۔

Marfat.com

۱۹ر مئی ۱۹۲۸ء کو نہرو رپورٹ منظرِ عام پر آئی تو اس کے بعد اس کے مختلف پہلوؤں پر یونیٹی کانفرنسوں میں بحث مباحث جاری رہی۔ اس طرح آل پارٹیز کانفرنس نے بھی نہرو رپورٹ کی سفارشات پر غور و خوض کیا۔

مسلم لیگ کے صدر قائداعظم محمد علی جناح جب یورپ سے ملک واپس آئے تو انہوں نے ۲۶ر اکتوبر ۱۹۲۸ء کو ایک پریس انٹرویو میں نہرو رپورٹ کے بارے میں بتایا کہ "ابھی میں نہرو رپورٹ کو اچھی طرح سمجھ اور ہضم نہیں کر سکا، ابھی میں اس سلسلے میں کچھ کہنے سے معذور ہوں۔ آمدہ دسمبر میں مسلم لیگ کے اجلاس میں یقیناً اس نازک سیاسی صورت حال کو زیر بحث لایا جائے گا۔ اس وقت بالخصوص میں مسلمانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ زیادہ متفکر نہ ہوں۔ انہیں چاہیئے کہ وہ اتحاد و استحکام برقرار رکھیں۔" اس کے علاوہ انہوں نے ہندوستان کی مکمل آزادی کا مطالبہ بھی کیا اور اسی مطالبے کو انہوں نے سب سے اہم اور ضروری مطالبہ قرار دیا۔ اگست ۱۹۲۸ء میں جب آل پارٹیز کانفرنس لکھنؤ میں منعقد ہوئی تو بھی اراکین نے ہندوستان کی مکمل آزادی کے مطالبے کو دہرایا۔

۱۰ر ستمبر ۱۹۲۸ء کو مرکزی اور صوبائی مجالس قانون ساز کے بعض مسلمان اراکین نے آل انڈیا مسلم کانفرنس کے قیام کا اعلان کیا اور ایک مینی فیسٹو بھی جاری کیا۔ انہوں نے مشترکہ طور پر کہا کہ :۔

> "ہم مرکزی اور پراونشل اسمبلیوں کے مسلمان ارکان یہ اعلان کرتے ہیں کہ نہرو رپورٹ ترتیب دینے میں جو محنت کی گئی ہے وہ قابلِ ستائش ہے، لیکن ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ لارڈ برکن ہیڈ کے چیلنج کے باعث اس رپورٹ کے مرتب نے ہندوستان کی اقلیتوں کے مسائل کو سمجھنے میں کوتاہی سے کام لیا ہے اور اس

Marfat.com

رپورٹ میں اقلیتوں کو کوئی تحفظ فراہم نہیں کیا گیا۔ اقلیتوں کے ایسے تحفظات مہذب دنیا میں ضرور فراہم کئے جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں ہم یہ امر واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے لئے کوئی ایسا آئین قابلِ قبول نہیں ہوگا کہ جس سے مسلمانوں کو ان کے حسب حال مناسب اور موزوں اور مؤثر تحفظات فراہم نہیں کئے گئے ہوں گے۔"

اس مینی فیسٹو پر دستخط کرنے والوں میں درج ذیل ارکان شامل تھے۔ نواب سر ذوالفقار علی خاں، سر عبدالقادر، میاں شاہنواز، سردار محمد نواز خاں، میاں عبدالحیٔ سیّد راجن بخش، عبداللہ سہروردی، اے ایچ غزنوی، محمد رفیق، حاجی چودھری اسماعیل خاں انوار العظیم، عبدالمتین چودھری، محمود سہروردی، مولانا محمد شفیع داؤدی، نوابزادہ اشرف الدین بدیع الزماں، سر ابراہیم ہارون جعفر، فضل ابراہیم رحمتہ اللہ، سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون، محمد پناہ دکن، ڈبلیو آئی بھٹو، مولوی محمد یعقوب، نواب محمد اسماعیل خاں، یامین خان، سیّد مرتضےٰ، عبداللطیف فرخی، سر عبدالقیوم، عبدالقدیر صدیقی، سر عمر حیات خاں ٹوانہ، میجر محمد اکبر خاں، علی بخش محمود حسین، نواب مہر شاہ، آنریبل پادشاہ اور غلام مصطفےٰ چودھری۔

ایک جانب مسلمان اس نہرو رپورٹ کو یکسر نامنظور کر رہے تھے لیکن دوسری جانب ہندوؤں نے کانگرس کی ایک قرارداد کے ذریعے وائسرائے ہند سے مطالبہ کیا تھا کہ اگر دسمبر ۱۹۲۹ء تک نہرو رپورٹ کو منظور نہ کیا گیا تو ملک میں سول نافرمانی کی تحریک شروع کر دی جائے گی اور حکومت کا نظام معطل کر کے رکھ دیا جائے گا۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ کانگرس مسلمانوں کے حقوق اور مطالبات کو نظر انداز کر کے نہرو رپورٹ کے مطابق ملک میں دستور بنانے کی خواہاں تھی۔

Marfat.com

قائدِ اعظم کی ترامیم

دسمبر ۱۹۲۸ء میں جب کلکتہ میں آل پارٹیز کنونشن منعقد ہوا تو اس میں قائدِ اعظم محمد علی جناح نے مسلمانوں کے کچھ مطالبات منوانے کی کوشش بھی کی۔ اس کنونشن میں جو ایک کمیٹی مقرر کی گئی تھی، اس کمیٹی سے قائد اعظم محمد علی جناح اور ایک نیشنلسٹ مسلمان تصدق احمد خاں شیروانی نے چند ایک تجاویز پیش کیں کہ ان کے حوالے سے مسلمانوں کے کچھ مطالبات کو ماننے کی خاطر درج ذیل ترامیم نہرو رپورٹ میں کر لی جائیں :-

(۱) مرکزی حکومت کے دونوں ایوانوں میں مسلمانوں کے منتخب نمائندوں کی تعداد ایک تہائی ہونی چاہیئے۔

(۲) پنجاب اور بنگال میں جب تک بالغ حق رائے دہندگی قائم نہیں کیا جاتا، اس وقت تک مسلمانوں کی آبادی کی بنیاد پر ان کے لئے نشستیں مختص کی جائیں، اور یہ صورتِ حال دس سال تک اسی طرح برقرار رکھی جائے۔ پھر اس صورت حال کا جائزہ لیا جائے۔ لیکن اس دوران میں مسلمانوں کو محض انہی نشستوں پر تکیہ کئے رکھنے کے لئے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

(۳) غیر متذکرہ اضافی اختیارات مرکز کے بجائے صوبوں کو تفویض کئے جائیں۔

گو ان ترامیم کو قائد اعظم محمد علی جناح کی سربراہی میں مسلمانوں کے وفد نے ترتیب دیا تھا۔ لیکن کنونشن نے انہیں تسلیم کرنے سے انکار کر دیا بلکہ نہرو رپورٹ کی منظوری دے دی۔

مسلمانوں کا ردِّ عمل

مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ۲۶ - ۳۱ دسمبر ۱۹۲۸ء کو منعقد ہوا۔ اس اجلاس

Marfat.com

میں نہرو رپورٹ کے حوالے سے مفصل بات چیت ہوتی اور ترامیم کا ایک بار پھر مطالبہ کیا گیا۔ اس اجلاس میں مسلم لیگ کے ۲۳ ارکان پر مشتمل ایک وفد کا اعلان کیا گیا، اور اس وفد کو یہ کام سونپا گیا کہ وہ کانگرس اور کانگرسی مسلمانوں کا جائزہ لیتا رہے گا۔

نہرو رپورٹ کے بارے میں ہر طبقۂ خیال کے مسلمان رائے زنی کرتے رہے تھے۔ اس عہد سے کچھ مدت پیشتر مسلم لیگ گو دو دھڑوں میں بٹ چکی تھی لیکن ۱۹۲۷ء کے بعد یہ دونوں دھڑے رفتہ رفتہ حالات کے تحت قریب ہوتے چلے گئے تھے۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۲۸ء سے یکم جنوری ۱۹۲۹ء تک دہلی میں آل انڈیا مسلم کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ اس کانفرنس میں ہر طبقہ خیال کے مسلمان نمائندوں نے شرکت کی۔ اس کانفرنس کی صدارت سر آغا خاں نے کی تھی۔ کانفرنس میں مسلمانوں نے درج ذیل مطالبات پیش کئے:۔

(۱) ہندوستان کے حالات کے مطابق یہاں پر صرف فیڈرل نظام حکومت ہی کامیاب ہو سکتا ہے۔ اس فیڈرل نظام حکومت کے تحت دیگر غیر متذکرہ اور اضافی اختیارات بھی صوبائی حکومتوں کو ان کی خود مختاری کے ساتھ سونپے جائیں۔

(۲) جداگانہ انتخابات کا طریقہ کار بحال و برقرار رکھا جائے۔

(۳) ہندو اکثریت کے صوبوں میں مسلمانوں کے توازن اور تناسب کو برقرار رکھا جائے۔

(۴) مسلمانوں کو مرکزی اور صوبائی وزارتوں میں ان کا جائزہ حق دیا جائے۔

(۵) آئینی گورنمنٹ کے اداروں اور پبلک سروسز میں مسلمانوں کو ان کے تناسب کے لحاظ سے جائز حق دیا جائے اور انہیں سیٹیں دی جائیں۔

(۶) مسلمانوں کو ان کے مذہب، ذاتی قوانین، مسلمانوں کے اداروں، زبان،

Marfat.com

اور ان کی تعلیم و ترقی کو مناسب اور مؤثر تحفظ فراہم کیا جائے۔

(۷) مسلمانانِ ہند کے لئے ایسا کوئی آئین قابلِ قبول نہیں ہوگا کہ جس میں مذکورہ امور کا ذکر نہیں ہوگا اور اصولی طور پر جس میں ان کی ضمانت فراہم نہیں کی گئی ہوگی۔

مسلم قائدین کی اس کانفرنس میں مسلم لیگ خلافت کمیٹی، جمیتہ العلماء ہند اور مسلم لیگ کے سر شفیع گروپ نے بھی شرکت کی۔

Marfat.com

باب - ۱۰

جناح کے چودہ نکات

نہرو رپورٹ کے برسرِ عام آنے کے بعد مسلمانوں پر یہ واضح ہو گیا تھا کہ کانگرس اور ہندوؤں کے قرآن اور عزائم مسلمانوں کے حق میں آئینی طور پر تباہ کن ہیں۔ مسلمان جس سطح اور جس درجہ پر اپنے حقوق کا مطالبہ کر رہے تھے۔ ہندو کانگرس اس سے اتفاق کرنے کے لئے تیار نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کو ان کے جائز حق سے بھی کم حقوق و مفادات دینے کے درپے ہے۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح تن تنہا مسلمانوں کی رہنمائی کرنے پر مامور تھے، لیکن سر تیج بہادر سپرو اور مسٹر ایم آر جیکر ان کی پوری مخالفت کر رہے تھے بلکہ مسٹر جیکر تو قائدِ اعظم محمد علی جناح کو ہندوستان کے تمام مسلمانوں کا نمائندہ ہی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھا بلکہ وہ تو مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر انصاری، سر علی امام، ڈاکٹر کچلو اور سر محمد شفیع ہی کو مسلمانوں کے صحیح نمائندہ مانتا تھا کیونکہ انہوں نے تو نہرو رپورٹ کی تائید بھی کر دی تھی۔ لیکن اس صورتِ حال کو بھی قائدِ اعظم محمد علی جناح نے نہایت بصیرت اور زیرک نظری سے سنبھالا دیا۔

Marfat.com

مارچ ۱۹۲۹ء میں جب نہرو رپورٹ اور نہرو کمیٹی پر مرکزی اسمبلی میں بحث ہوئی تو اس موقع پر بھی قائداعظم محمد علی جناح نے کہا کہ "اس رپورٹ پر مسلمانوں اور ہندوؤں کا اختلاف ہر حالت میں برقرار رہے گا اور اسی طرح ہندوستان کے لئے ایسا کوئی آئین کہ جو ہندوستان کے مسلمانوں اور ہندوؤں کیلئے قابلِ قبول ہو مفقود رہے گا"۔ قائداعظم کی اس منطق پر اسمبلی میں لوگوں نے ان کی شدید مخالفت کی۔ اور کہا کہ جناح ہی مسلمانوں کے کوئی واحد نمائندہ ممبر نہیں ہیں بلکہ اور بھی مسلمان ہیں۔ جناح جو منطق پیش کر رہے ہیں، وہ سب کے لئے قابلِ قبول نہیں ہے۔ یہی نہیں بلکہ جناح کا رویہ قومیت کی روح کے خلاف ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔

گو اس وقت مسلمان رہنما ایک حد تک اتحاد و یگانگت سے دور ہو کر بکھر چکے تھے۔ سر محمد شفیع نے نو مسلم لیگ سے اس وقت سے علیحدگی اختیار کر لی تھی، جب مسلم لیگ نے سائمن کمیشن کا بائیکاٹ کیا تھا ایک اور گروپ سر آغا خاں کی قیادت میں مسلم کانفرنس کے ناتے سے جمع ہو چکا تھا۔ اسی طرح مولانا ابوالکلام آزاد نے آل انڈیا نیشنلسٹ مسلم پارٹی بنالی تھی اور اس نیشنلسٹ پارٹی کو نہرو کی اشیرواد تھی۔ اس نے نہرو رپورٹ کو بھی تحفظ دے رکھا تھا لیکن اس انتہائی مشاجرت کے وقت پر بھی قائداعظم محمد علی جناح تن تنہا مسلمانوں کے سچے نصب العین کی خاطر کام کر رہے تھے اور جو سرکاری مسلم لیگ تھی ابھی تک اس کے روحِ رواں بنے ہوتے تھے۔

مارچ ۱۹۲۹ء سے پیشتر قائداعظم محمد علی جناح نے حکیم محمد اجمل خاں کی وساطت سے سر محمد شفیع گروپ سے مصالحت کر لی تھی اور پھر اس کے بعد مارچ ہی کے مہینے میں مسلم لیگ کا ایک تاریخی اجلاس دہلی میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس کی صدارت قائداعظم محمد علی جناح ہی نے فرمائی۔ مسلمانوں کا

Marfat.com

اتحاد چونکہ اس سے پیشتر پارہ پارہ ہو چکا تھا اس لئے پریس بھی اب مسلمانوں کے درپے تھا۔ بہرصورت قائداعظم محمد علی جناح نے صورتِ حال کو سنبھالنے کے لئے جنوری ۱۹۲۹ء ہی میں نہرو رپورٹ کے توڑ کے لئے کچھ کام کر رکھا تھا لہٰذا اس اجلاس کے لئے انہوں نے ایک مصالحاتی ڈرافٹ بھی تیار کر رکھا تھا اور پھر انہوں نے ایک ایسی قرارداد بھی تیار کر لی کہ جسے منظور کرانا مقصود تھا۔

بہرصورت قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی صدارتی تقریر میں ابتدائیے کے طور پر نہرو کمیٹی اور آل پارٹیز کنونشن کا تذکرہ بھی کیا اور فرمایا کہ کنونشن میں آل انڈیا مسلم لیگ کی جانب سے کئی اہم اور مفید تجاویز بھی پیش کی گئی تھیں اور نہرو رپورٹ کے لئے تین ترامیم بھی پیش کی گئی تھیں، لیکن انہیں تسلیم نہیں کیا گیا لہٰذا جب مسلم لیگ کے ان مطالبات کو تسلیم نہیں کیا جاتا ہم نہرو رپورٹ کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

اس ابتدائیے کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے وہ قرارداد برائے منظوری پیش کی کہ جسے قائداعظم کے چودہ نکات کا نام دیا جاتا ہے۔ ذیل میں قائداعظم کے چودہ نکات بالاختصار درج ذیل ہیں :-

(۱) مستقبل کا آئین وفاقی نوعیت کا ہونا چاہیئے اور باقی ماندہ اختیارات صوبوں کو تفویض کرنے چاہئیں۔

(۲) تمام صوبوں کو یکساں نوعیت کی خود مختاری عطا کی جائے۔

(۳) ملک کی تمام قانون ساز مجالس اور دوسرے منتخب اداروں کی تشکیل ہر صوبہ میں اقلیتوں کو مناسب اور مؤثر نمائندگی دینے کے اصول پر کی جائے۔ لیکن کسی بھی صوبے میں اکثریت کو اقلیت یا برابری میں تبدیل نہ کیا جائے۔

Marfat.com

(۴) مرکزی مجلسِ قانون ساز میں مسلمانوں کی نمائندگی ایک تہائی سے کم نہ ہو۔

(۵) فرقہ وارانہ گروپوں کے لئے نمائندگی جداگانہ انتخاب کی بناء پر جاری رہے، تاہم ہر فرقہ کو اس امر کا اختیار ہو کہ آگے چل کر کسی بھی وقت وہ مشترکہ انتخابات کے حق میں اپنی علیحدہ نیابت سے دستبردار ہو جائے۔

(۶) اگر کسی وقت علاقائی تقسیم نو کی ضرورت محسوس کی گئی کہ وہ کسی صورت پنجاب بنگال اور شمال مغربی سرحدی صوبہ کی مسلم اکثریت پر اثر انداز نہیں ہوگی

(۷) تمام فرقوں کو پوری مذہبی آزادی، یعنی عقیدہ و عبادت اور ان کی تعمیل، تبلیغ، اجتماع اور تعلیم کی آزادی کی ضمانت حاصل ہو۔

(۸) کسی قانون ساز مجالس یا کسی منتخب ادارہ میں کوئی ایسا مسودۂ قانون یا قرارداد منظور نہ کی جائے۔ اگر اس ادارہ کے کسی بھی فرقہ کے تین چوتھائی ارکان اس بنیاد پر اس کی مخالفت کریں کہ وہ مسودہ یا قرارداد ان کے فرقہ کے مفادات کے لئے مضر ہے یا بصورت دیگر کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے، جو ایسے معاملات سے عہدہ برا ہونے کے لئے قابلِ عمل اور مفید معلوم ہو۔

(۹) سندھ کو بمبئی پریذیڈنسی سے علیحدہ کر دیا جائے۔

(۱۰) شمال مغربی سرحدی صوبہ اور بلوچستان میں بھی دوسرے صوبوں کی طرح اصلاحات کی جائیں۔

(۱۱) آئین میں یہ دفعہ ہونی چاہیئے کہ اہلیت کے تقاضے ملحوظ رکھتے ہوئے تمام سرکاری اور خود مختار اداروں میں مسلمانوں کو اپنے دوسرے ہموطنوں کے ساتھ مناسب حصّہ دیا جائے۔

(۱۲) مسلم ثقافت کے تحفظ اور مسلم تعلیم، زبان، مذہب اور شخصی قوانین کے تحفظ

Marfat.com

اور فروغ کے لئے آئین میں مناسب اہتمام کیا جائے۔ مسلم خیراتی اداروں کے تحفظ کے ساتھ ہی ساتھ حکومت اور خود مختار اداروں کی طرف سے ان کے لئے کما حقہٗ امدادی عطیات کا بھی اہتمام کیا جائے۔

(۱۳) مرکز یا صوبوں میں کم از کم ایک تہائی مسلم وزیروں کے بغیر کوئی کابینہ نہ بنائی جائے۔

(۱۴) مرکزی مجلس قانون ساز وفاقِ ہند کی تاسیس کنندہ ریاستوں کی تائید کے بغیر آئین میں کوئی ترمیم کرنے کی مجاز نہ ہو۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے یہ چودہ اہم اصول ایک قرارداد کی صورت میں پیش کئے تھے۔ ان پر لمبی مدت تک بحث مباحث ہوتی رہی بالآخر یہ قرارداد ایک کمیٹی کو مزید جائزہ کے لئے پیش کر دی گئی۔ اس کمیٹی کے ارکان میں قائداعظم محمد علی جناح مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی، ملک برکت علی، نواب اسماعیل خاں، ڈاکٹر شفاعت احمد خاں اور ڈاکٹر کچلو شامل تھے۔ بہرصورت قائداعظم کی اس قرارداد کو شدید تنقیدی مباحث کے بعد منظور کر لیا گیا اور بعد میں یہ قرارداد "جناح کے چودہ نکات" کے نام سے موسوم ہوئی۔ یاد رہے اس سے گیارہ سال پیشتر جنگ اوّل کے خاتمے پر امریکی صدر ولسن نے بھی نکاتِ صلح کی بنیاد اپنے پیش کردہ چودہ نکات پر ہی رکھی تھی۔

اسی اثنا میں مئی ۱۹۲۹ء برطانیہ میں عام انتخابات منعقد ہوئے اور لیبر پارٹی کے مسٹر ریمزے میکڈانلڈ برطانیہ کے وزیر اعظم مقرر ہوئے۔ مسٹر ریمزے میکڈانلڈ کی آمد کے بعد برطانوی سیاست میں ایک خاص تبدیلی پیدا ہوئی۔ اس تبدیلی کو محسوس کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں ایک خط لکھا اور واضح کیا کہ ہندوستان کے لوگوں نے سائمن کمیشن سے عدم تعاون کیا ہے، اس لئے

Marfat.com

ضروری ہے کہ ہندوستان کے مسائل کے آئینی حل کے لئے ہندوستان کی سیاسی جماعتوں اور ہندوستان کے رہنماؤں کا کوئی مشترکہ اجلاس منعقد کیا جائے۔ ہندوستان کے لوگوں کی اس بے اطمینانی کو محسوس کر کے وائسرائے ہند لارڈ اردن نے برطانوی حکومت سے صلاح مشورہ کر کے اعلان کیا کہ برطانوی حکومت عنقریب لندن میں ایک کانفرنس کا انعقاد کرے گی اور اس کانفرنس میں ہندوستان اور ریاستوں کے نمائندوں سے گفت وشنید کے بعد متفقہ رائے سے تجاویز اور سفارشات مرتب کی جائیں گی اور پھر اس کانفرنس کی رپورٹ کی روشنی میں ہندوستان کے لئے آئین مرتب کیا جائے گا۔

اسی دوران میں کانگرس میں نہرو رپورٹ پر مزید بحث مباحث ہوئی تو گاندھی جی نے اس رپورٹ کی بھرپور تائید وحمایت کی۔ کانگرس نے اس وقت یہ اعلان بھی کر دیا کہ اگر نہرو رپورٹ کو مان کر اس پر عمل درآمد نہ کیا گیا تو ملک بھر میں حکومت کے خلاف عدم تشدد اور عدم تعاون کی تحریک کا آغاز کر دیا جائے گا۔ کیونکہ "نہرو رپورٹ ہی اصل میں قوم کی آواز ہے"۔

گاندھی کی سول نافرمانی

برعظیم پاک وہند کی سیاست میں ۱۹۲۹ء کا سال بڑی کش مکش اور رسہ کشی کا دور تھا۔ ہندو اور کانگرس "نہرو رپورٹ کو منوانے کے لئے زور دے رہے تھے اور مسلم لیگ اور مسلمانوں کی اکثریت" جناح کے چودہ "نکات" کی حامی تھی۔ لیکن اس کے باوجود بھی بعض لوگ قائداعظم کے چودہ نکات کی مخالفت کر رہے تھے اور نہرو رپورٹ کے مرکزی خیال کو تسلیم نہ کیا جائے تو اس کی روح ہی کو تسلیم نہیں کیا جاتا۔ اس نہرو رپورٹ کا اصل مرکزی خیال ہی یہی تھا کہ ہندو اور مسلمان اپنے

Marfat.com

اتحاد سے مل کر ملک کے لئے آزادی حاصل کریں۔ سندھ، بلوچستان اور شمال مغربی سرحدی صوبوں کے ہندو رہنماؤں نے قائد اعظم محمد علی جناح کے چودہ نکات کے خلاف محاذ قائم کرنا شروع کر دیا تھا اور انہوں نے صوبہ سندھ کی بمبئی سے علیحدگی کی تجویز کو رد کرنے پر زور دینے کے لئے صوبہ سرحد اور بلوچستان میں اصلاحات نافذ کرنے کے خلاف شورشی کارروائیوں کا آغاز کر دیا تھا۔

۱۹۳۰ء کے اوائل ہی سے کانگرس نے سول نافرمانی تحریک کی دھمکیاں دینی شروع کر دی تھیں اور یوم سیاہ منانے کا آغاز بھی کر دیا تھا۔ سول نافرمانی کی اس تحریک میں گاندھی جی نے خود بھی عملی حصہ لے کر کھلم کھلا سرکاری احکام کی خلاف ورزی کا ارتکاب کرنا شروع کر دیا تھا۔

حکومتِ برطانیہ نے اس تازہ صورتِ حال سے نمٹنے کی خاطر ایک جانب تو اپنی انتظامی کارروائی کی اور اس کے ساتھ ہی مئی ۱۹۳۰ء میں سائمن کمیشن کی رپورٹ شائع کر دی۔ سائمن کمیشن کی رپورٹ کی اشاعت اور سول نافرمانی کے باعث ہندوؤں میں خلاف ورزیوں کی جب انتہا ہونے لگی تو مقامی انتظامیہ نے گاندھی اور جواہر لال نہرو کو گرفتار کر لیا۔ گاندھی جی کی اس عدم تعاون اور سول نافرمانی کی تحریک سے مسلمانوں نے لاتعلقی اختیار کی بلکہ مسلمانوں نے بمبئی میں آل انڈیا مسلم کانفرنس منعقدہ اپریل ۱۹۳۰ء میں گاندھی کی اس تحریک سے شدید اختلاف کا اظہار کیا۔ بلکہ مسلمانوں نے برملا اس امر کا اظہار کیا کہ ہم گاندھی کی اس تحریک سے اس لئے لاتعلق رہیں گے کہ اس تحریک کا مقصد ہندوستان کی مکمل آزادی نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستان تو آزاد ہو لیکن سات کروڑ مسلمان ہندو مہاسبھا کے دست نگر ہو جائیں۔

اس اثنا میں جو سائمن کمیشن رپورٹ دو حصوں میں شائع ہوتی تھی، ابھی تو

Marfat.com

اس کی حیثیت محض تجاویز ہی کی مجموعے کی تھی، اس لئے مسلمانوں نے اب اس پر فوری طور پر کسی ردِ عمل کے اظہار کی بجائے درگزر سے کام لیا کیونکہ ابھی تو اس رپورٹ کو کوئی حتمی صورت دینے کے لئے اور اس کی سفارشات پر عمل درآمد سے پیشتر لندن میں مجوزہ کانفرنس میں بحث مباحث متوقع تھی، اس لئے قبل از وقت واویلا بے کار تھا۔ مسلمانوں کو یہ بھی معلوم تھا کہ انہوں نے اس رپورٹ کے مرتب ہونے سے پیشتر ہی یہ واضح کر دیا تھا کہ مسلمان اور کانگرس اس وفد سے تعاون کرنے کے لئے تیار نہیں ہے، اس لئے اس کمیشن کی کسی رپورٹ یا مرتب کردہ سفارش یا تجویز کو بھی تسلیم نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس کمیشن میں ہندوستان کے کسی بھی مقامی رہنما کو نمائندگی نہیں دی گئی۔ اس رپورٹ کی اشاعت سے پیشتر بھی قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے خط کے ذریعے برطانوی وزیراعظم مسٹر ریمزے میگڈانلڈ کو مسلمانانِ ہند کی بے اطمینانی اور اس کمیشن پر اپنی عدم اعتمادی کے بارے میں بخوبی واضح کر دیا تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح چونکہ متعدد بار انگلستان جا چکے تھے اس لئے وہ مسٹر ریمزے میگڈانلڈ کو سیاسی حوالوں سے ذاتی طور پر بھی جانتے تھے بلکہ اس سے پیشتر وہ آپس میں کئی ملاقاتیں بھی کر چکے تھے۔

برطانوی وزیراعظم کے صلاح مشورے کے بعد جب برطانوی وائسرائے ہند لارڈ اروِن نے لندن میں ہندوستان کے رہنماؤں کی کسی کانفرنس یا گول میز کے انعقاد کا اعلان کیا تھا تو اس کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے یک گونہ اطمینان محسوس کیا تھا کہ اب اہلِ ہندوستان کو اپنی آزادی کے لئے بہتر طور پر اپنے جذبات کے اظہار کا موقع ملے گا۔ یہی وجہ ہے کہ وائسرائے ہند کے اس اعلان کے جواب میں ہندوستان بھر کے سیاسی رہنماؤں کی ایک میٹنگ سر چمن لال سیتلواد کے چیمبرز میں منعقد ہوئی اور اس میٹنگ میں ایک بیان جاری کیا گیا

Marfat.com

کہ" وائسرائے ہند نے جو اعلان جاری کیا ہے، اسی کی عملی تفسیر کی خاطر اور برعظیم میں آئینی ترقی کی خاطر اگر برطانوی حکومت لندن میں کسی طرح کی کانفرنس کا انعقاد کرے گی تو ہم زیر دستخطی اس میں بخوشی شرکت کرنے کے لئے تیار ہیں اور ہم یہ بھی توقع رکھتے ہیں کہ اس مجوزہ کانفرنس کے لئے ہندوستان سے جو رہنما مدعو کئے جائیں گے، وہ ہندوستان کے لوگوں کے اعتماد کے حامل ہوں گے اور ان کی نمائندگی کرتے ہوں گے" اس بیان پر قائداعظم محمد علی جناح، ایم سی چھاگلہ، مسز سروجنی نائیڈو، ایم آر جیکار اور سر چمن لال ستیلواد کے دستخط بھی موجود تھے۔

لیکن جب دہلی میں کانگرس کا اجلاس منعقد ہوا تو کانگرس نے یہ اعلان کیا کہ" کانگرس صرف اسی صورت میں راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں شرکت کرے گی اگر یہ مان لیا جائے کہ ہندوستان کو ایک سلطنت کا درجہ دیا جائے گا اور اس کے ساتھ ہی اس کانفرنس میں اکثریت کانگرس ہی کے رہنماؤں کی ہوگی اور اسی طرح سیاسی قیدیوں کی رہائی بھی عمل میں لائی جائے" کانگرس کے یہ مطالبات ایسے تھے کہ ان کے بارے میں قبل از وقت کوئی وعدہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ دوسرے کانگرس اس نمائندگی میں بھی مسلمانوں کو پس پشت ڈال رہی تھی۔

اسی اثنا میں کانگرس کی سول نافرمانی سرگرمیاں شدید ہوگئیں اور کچھ لوگوں نے وائسرائے ہند اور لارڈ ارون کی ٹرین پر بم سے ایک قاتلانہ حملہ بھی کر دیا۔ یہی نہیں بلکہ کانگرس نے لوگوں کو اس امر پر بھی اکسانا شروع کر دیا کہ وہ حکومتی ٹیکسوں کی ادائیگی روک دیں۔ دریں حالات قائداعظم محمد علی جناح نے ولبھ بھائی پٹیل سے رابطہ قائم کر کے گاندھی جی کو اور ان کی ان حکم عدولیوں سے باز رہنے اور کانگرس کی راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں شرکت کے لئے مائل کرنے کی خاطر ملاقات کی کوشش کی لیکن گاندھی جی کی ہٹ دھرمی اور ضد کے باعث

Marfat.com

کوئی صورت پیدا نہ ہو سکی تھی۔

گول میز کانفرنس

ان حالات و واقعات کے اژدہام میں وائسرائے ہند نے برطانوی وزیر اعظم کے مشورے سے ہندوستانی سیاسی رہنماؤں کو دعوت نامے جاری کر دیئے اور لندن میں گول میز کانفرنس کے انعقاد کی تاریخوں کا اعلان کر دیا۔ وائسرائے ہند نے یہ بھی وضاحت کر دی کہ گول میز کانفرنس میں ہندوستان کے سیاسی نمائندوں کی کیا حیثیت ہو گی اور کانفرنس میں بحث مباحث کا دائرہ کار کیا ہو گا۔ اس گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے جن رہنماؤں کو دعوت دی گئی ان میں سولہ مسلمان رہنما تھے۔ ہندوستان کی دیگر ریاستوں سے ستاون سیاسی نمائندوں کو دعوت دی گئی تھی۔ مسلمان رہنماؤں میں قائداعظم محمد علی جناح، سر آغا خاں، مولانا محمد علی فضل الحق اور بیگم شاہنواز بھی شامل تھے۔ گول میز کانفرنس میں کانگرس کے علاوہ ہندوستان کی باقی تمام سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں نے شرکت کی۔ اس کے ساتھ ساتھ حکومت برطانیہ کے اپنے نامزد ارکان بھی اس گول میز کانفرنس میں شریک ہوئے۔ برطانوی وزیر اعظم مسٹر ریمزے میگڈانلڈ کو اس کانفرنس کا چیئرمین مقرر کیا گیا تھا۔

گول میز کانفرنس کا پہلا اجلاس ۱۲ر نومبر ۱۹۳۰ء کو ہاؤس آف لارڈز کی رائل گیلری لندن میں منعقد ہوا۔ اس کے بعد یہ کانفرنس وقفوں وقفوں کے بعد ۱۹ر جنوری ۱۹۳۱ء تک جاری رہی۔ اس کانفرنس کے طویل اجلاسوں، بحث مباحث اور غور و خوض کے بعد اس امر پر اتفاق کیا گیا کہ ہندوستان کے لئے سب سے زیادہ اور موثر نظام حکومت صوبوں اور ریاستوں پر مشتمل وفاقی نظام

Marfat.com

ہوگا۔ صوبوں میں موجودہ دوعملی نظام ختم کر دیا جائے گا اور اسی طرح سندھ کو ایک الگ جداگانہ صوبہ بنا دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ دیگر متعدد امور کے لئے کئی کمیٹیاں بنا دی گئیں۔ ان میں کچھ کمیٹیاں اقلیتوں کے مسائل کے لئے تھیں اور کچھ جداگانہ انتخاب کے مسئلے پر بھی بنائی گئیں۔ بہرصورت اس کانفرنس کے اختتام پر برطانوی حکومت نے یہ بھی اشارہ کیا کہ "حکومت یہ خیال کر رہی ہے کہ برطانوی حکومت مرکز پر اپنا تسلط قائم رکھے اور زیادہ سے زیادہ اختیارات ہندوستانیوں ہی کو سونپ دیئے جائیں"۔

کانفرنس میں قائم کردہ نو سب کمیٹیوں نے یہ بھی فیصلہ دیا کہ "اس کانفرنس میں جو مواد تیار کیا گیا ہے وہ ہندوستان میں آئینی ترقی کے لئے خاصا اہم ہے اور اور کسی بھی طرح کی سکیم تیار کرنے کے کام آسکتا ہے اور کانفرنس یہ محسوس کرتی ہے کہ یہاں پر جو کام ہوا ہے اسے آئینی اہمیت دینے کی کوشش کی جائے۔ اس طرح جو بھی آئین معرضِ وجود میں آئے اس میں مسلمانوں کے محروم اور افسردہ طبقوں سکھوں اور دوسری اہم اقلیتوں کو مناسب تحفظات فراہم کئے جائیں"۔

مسلم کانفرنس

لکھنؤ میں ۱۶ر نومبر ۱۹۳۰ء کو دوسری مسلم کانفرنس نواب اسماعیل خاں کی زیرِ صدارت منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں یہ قرار پایا گیا کہ :۔

شرکا کی رائے میں یہ ضروری اور اہم ہے کہ گول میز کانفرنس میں شرکت اور اس میں دیگر مسائل پر گفت و شنید کرنے سے پیشتر مسلمان شرکا کو چاہیئے کہ وہ درج ذیل امور کو بنیادی اہمیت دیں :۔

(۱) کہ آئین وفاقی طرز پر مرکز گریز قسم کا ہوگا۔

(۲) تمام صوبوں کو مکمل خود مختاری حاصل ہوگی، اور

Marfat.com

(۳) آئین میں مسلمانوں کے تحفظ کا مسئلہ آئین کا ایک حصّہ ہوگا اور اسے کسی طرح کسی دستور یا دستاویز کے حوالے سے ملتوی نہیں رکھا جائے گا۔

اس لئے یہ کانفرنس ایمان رکھتی ہے کہ جب تک ان مذکورہ امور کو پیشِ نظر نہیں رکھا جاتا اس وقت تک کسی طرح کی کوئی قبل از وقت یا ابتدائی گفتگو نہیں کی جاسکتی۔"

۲۳ر نومبر ۱۹۳۰ء کو علامہ ڈاکٹر محمد اقبال نے ایک اجلاس میں شمالی ہندوستان کے علاقوں سرحد، بلوچستان، پنجاب اور سندھ کے مسلمانوں کو اتحاد اور استحکام پیدا کرنے کی ضرورت پر زور دیا اور فرمایا کہ مسلمانوں کے لئے اسلامی حقوق حاصل کرنے کی خاطر جدوجہد کرنی چاہیئے۔

علامہ اقبال کا خطبۂ الہ آباد

دسمبر ۱۹۳۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی صدارت کے لئے علامہ اقبال کا نام تجویز کیا گیا۔ مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ۳۰ر دسمبر کو الہ آباد میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں علامہ اقبال نے ایک فصیح اور بلیغ خطبہ دیا۔ علامہ اقبال مسلم لیگ کے قیام کے فوراً بعد ہی لندن برانچ سے وابستہ ہو گئے تھے۔ اب جب کہ مسلمانانِ ہند اپنی جدوجہد آزادی کے اعتبار سے نامعلوم منزل کی طرف گامزن تھے اور دوسری طرف عین اسی وقت لندن میں گول میز کانفرنس جاری تھی، اس وقت علامہ اقبال نے مسلم لیگ کے الہ آباد اجلاس میں مسلمانوں کے لئے ایک واضح منزل کی نشاندہی کر دی۔

اپنے خطبۂ صدارت میں سب سے پہلے علامہ اقبال نے مدعوئین کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا:۔

Marfat.com

"میں آپ لوگوں کا بے حد ممنون ہوں کہ آپ نے ایک ایسے وقت میں مجھے آل انڈیا مسلم لیگ کی صدارت کا اعزاز بخشا ہے جب کہ مسلمانانِ ہندوستان کی سیاسی زندگی نے ایک نہایت ہی نازک صورت اختیار کر لی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس عظیم الشان اجتماع میں ان حضرات کی کمی نہیں جن کا تجربہ مجھ سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ لہٰذا یہ بڑی جسارت ہوگی اگر میں ان مسائل میں جن کے فیصلے کے لئے آج یہ حضرات یہاں جمع ہوتے ہیں۔ ان کی رہنمائی کا میں دعویٰ کروں ۔"

علامہ اقبال نے اپنے پُرمغز صدارتی خطاب میں حالات و واقعات کا بھرپور انداز میں جائزہ لیا اور پھر مسلمانوں کے افکار و خیالات کا اظہار کرنے کے بعد مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کا ذکر کیا اور آخر میں مسلمانانِ برعظیم کے حالات کے بارے میں فرمایا:۔

"میں نے اپنی زندگی کا زائد حصہ اسلام اور اسلامی فقہ و سیاست تہذیب و تمدن اور ادبیات کے مطالعے میں صرف کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس مسلسل اور متواتر تعلق کی بدولت، جو مجھے تعلیمات اسلامی کی روح سے رہا ہے۔ میں نے اس امر کے متعلق ایک خاص بصیرت پیدا کر لی ہے کہ ایک عالمگیر حقیقت کے اعتبار سے اسلام کی حیثیت کیا ہے۔ اسلام اب بھی ایک زندہ قوت ہے جو ذہن انسانی کو نسل و وطن کی قیود سے آزاد کر سکتی ہے۔ یہ امر کس قدر افسوسناک ہے کہ اب تک ہم نے باہمی اشتراک و تعاون کی جس قدر کوششیں کی ہیں، سب ناکام ثابت ہوئی ہیں۔ دلوں میں

Marfat.com

ذات پات کی تنگی اور فرقہ آرائی کی ہوس بدستور کام کر رہی ہے۔ ہندوستان کے مختلف مذاہب اور متعدد جاتیوں میں اس قسم کا کوئی رجحان موجود نہیں ہے کہ وہ اپنی انفرادی حیثیت کو ترک کر کے ایک وسیع جماعت کی صورت اختیار کر لیں۔ لہٰذا ہندوستان میں ایک متوازن اور ہم آہنگ قومی نشو و نما کی طرح مختلف ملتوں کا وجود ناگزیر ہے کیونکہ ہندوستان مختلف اقوام کا وطن ہے، جن کی نسل، زبان، مذہب سب ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ مغربی ممالک کی طرح ہندوستان کی یہ حالت نہیں ہے کہ اس میں ایک قوم آباد ہو، وہ ایک ہی نسل سے تعلق رکھتی ہو اور اس کی زبان بھی ایک ہی ہو — مسلمانوں کا مدعا صرف اس قدر ہے کہ وہ اپنی ترقی کی راہ میں آزادی کے ساتھ قدم بڑھائیں لیکن یہ اس مرکزی حکومت کے ماتحت ممکن نہ ہوگا، جسے قوم پسند ہندو ارباب سیاست محض اس لئے قائم کرنا چاہتے ہیں کہ ان کو دوسری ملتوں پر ہمیشہ کے لئے غلبہ ہو جائے۔ غور سے دیکھا جائے تو ہندوستان میں کوئی واحد الجنس قوم نہیں ہے۔ پس یہ امر کسی طرح بھی نامناسب نہیں کہ مختلف ملتوں کے وجود کا خیال کئے بغیر ہندوستان کے اندر ایک اسلامی ہندوستان قائم کریں"۔ اسی لئے "میں مسلمانانِ ہندوستان کو کبھی یہ رائے نہیں دوں گا کہ وہ ایسے نظامِ حکومت سے خواہ وہ برطانوی ہو یا ہندی، اظہار اتفاق کریں، جو حقیقی فیڈریشن کے اصول پر مبنی ہو، یا جس میں ان کے جداگانہ سیاسی وجود کو تسلیم نہ کیا جائے"۔

علامہ اقبال نے اس پورے پس منظر اور تناظر کے حوالے سے اپنے تاریخ ساز

Marfat.com

خطبے میں مسلمانوں کے لئے ایک الگ وطن کا مطالبہ کیا، وہ اس مطالبے کے لیے کسی وقتی جذبے یا جذباتی رو کا شکار نہیں ہوتے بلکہ انہوں نے بتایا کہ حالات کا منطقی تقاضا ہی یہی ہے کہ جس کی جانب مسلمان بڑھ رہے ہیں۔ علامہ اقبال نے فرمایا کہ :-

میں نے اس امر کی وضاحت کر دی ہے کہ ہندوستان کے دو آئینی مسئلوں کے متعلق ہم مسلمانوں کو کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے۔ ہمارا سب سے بڑا مطالبہ یہ ہے کہ فرقہ وارانہ مسائل کے تصفیے کے لئے برطانوی ہندوستان میں صوبوں کی تقسیم از سرِ نو ہو جائے۔ لیکن اگر مسلمانوں کا مطالبہ مسترد کر دیا جائے تو پھر میں نہایت شدّ و مد کے ساتھ ان مطالبات کی تائید کروں گا جن کا اعلان مسلم کانفرنس اور مسلم لیگ میں بار بار کیا گیا ہے۔ مسلمانانِ ہندوستان کی ایسی آئینی تبدیلی کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوں گے جس کے ماتحت وہ بنگال اور پنجاب میں انہیں تینتیس فی صد نشستیں نہ مل جائیں۔ مسلمانانِ ہندوستان کو کسی ایسی تجویز سے اتفاق نہیں ہوگا جس کے تحت سندھ کو ایک علیحدہ صوبہ نہ کر دیا جائے یا شمال مغربی سرحدی صوبے کا سیاسی درجہ وہی نہ ہو جائے، جو ہندوستان کے دوسرے صوبوں کا ہے۔ سندھ اور بلوچستان کو ملا کر ایک نیا صوبہ قائم کر دینا چاہیے۔"

اس کے بعد علامہ اقبال نے برعظیم میں مسلمانوں کے لئے ان کی ایک علیحدہ اسلامی سلطنت کے قیام کے بارے میں فرمایا کہ :-

"میری خواہش ہے کہ پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ایک ہی ریاست میں ملا دیا جائے، خواہ یہ ریاست سلطنتِ

Marfat.com

برطانیہ کے اندر ہی حکومتِ خود اختیاری حاصل کرے، خواہ اس کے باہر۔ مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ اور نہیں تو شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کو بالآخر ایک منظم اسلامی ریاست قائم کرنا پڑے گی۔"

علامہ اقبال نے اپنے اس موقف کی مزید تشریح کرتے ہوئے بتایا کہ مسلمان چونکہ مستقل اور مثبت طور پر ایک علیحدہ قوم ہیں اور اپنے اندر قومی وجود اور اپنی مخصوص ثقافتی روایات کو برقرار رکھنے کا شدید جذبہ رکھتے ہیں، وہ اپنے آپ کو وسیع تر قومی اتحاد میں ضم یا گم کرنے پر راضی نہیں ہو سکتے۔ اس لئے :-

"میں صرف ہندوستان اور اسلام کی فلاح و بہبود کے خیال سے ایک منظم اسلامی ریاست کے قیام کا مطالبہ کر رہا ہوں۔ ہندوستان چونکہ دنیا بھر میں سب سے بڑا اسلامی ملک ہے۔ اس ملک میں اسلام بحیثیت ایک تمدنی قوت کے اسی صورت میں زندہ رہ سکتا ہے کہ اسے ایک مخصوص علاقہ میں مرکوز کر دیا جائے۔ اگر یوں ایک مرکزیت قائم کر دی جائے تو آخر الآخر نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام ایشیا کی گتھیاں سلجھا دے گا۔"

علامہ اقبال کا یہ تاریخی اور عہد ساز خطبہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک نئی آواز تھی اور ایک واضح نصب العین کا غماز تھا۔ مسلم لیگ اور مسلمانانِ ہند کے سامنے علامہ اقبال نے ایک دو ٹوک اور نہایت واضح دو قومی نظریہ بیان کیا اور اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کے علاقوں کی نشاندہی بھی کر دی۔

۵ اپریل ۱۹۳۱ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کا ایک خصوصی اجلاس مولانا شوکت علی کی صدارت میں دہلی میں منعقد ہوا، تو اس اجلاس میں بھی مسلمانوں نے ایک طرح سے اپنے مطالبات کو دہرایا اور اعلان کیا گیا کہ فیڈرل حکومت میں مسلمانوں

Marfat.com

کو ایک تہائی نمائندگی دی جائے اور ایسے علاقے کہ جہاں پر مسلمانوں کی اقلیت ہے ان علاقوں میں ان کا توازن برقرار رکھا جائے۔ ایسا ہی سیاسی توازن شمال مغربی سرحدی صوبہ اور سندھ میں بھی دیا جائے۔ پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کی چھوٹی اکثریت کو قانون ساز اداروں میں نمائندگی کے حوالے سے کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ڈالنی چاہیئے۔

گاندھی ارون معاہدہ

پہلی گول میز کانفرنس کے اختتام سے چند ہی ہفتے بعد وائسرائے ہند لارڈ ارون اور موہن داس کرم چند گاندھی کی آپس میں خط و کتابت شروع ہوئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کے موقف کو سمجھنے کی کوشش کی۔ اس کے بعد گاندھی جی کی چار دن تک لارڈ ارون سے ملاقات ہوتی رہی۔ اس کے نتیجے میں ۵ مارچ ۱۹۳۱ء کو وائسرائے ہند اور گاندھی جی کے مابین ایک معاہدہ طے ہوا۔ اس معاہدے کا خلاصہ یوں ہے:۔

(۱) کانگرس سول نافرمانی کی تحریک کو فی الفور ختم کر دے گی۔
(۲) کانگرس آمدہ گول میز کانفرنس میں شرکت کرے گی۔
(۳) کانگرس ہندوستانی لوگوں کو پُرامن طور پر ہندوستان ہی کی بنی ہوئی اشیاء خریدنے کی ترغیب و تحریص جاری رکھے گی۔
(۴) حکومت نے کانگرس پر جو پابندی عائد کی ہے، وہ ختم کر دی جائے گی۔
(۵) مختلف انجمنوں اور ایسوسی ایشنوں کی پابندی کے لئے جو قوانین جاری کئے گئے ہیں، وہ حکومت واپس لے لے گی۔
(۶) حکومت نے لوگوں کے تشدد آمیز واقعات پر جو استغاثے درج کئے ہیں

Marfat.com

وہ واپس لئے جائیں گے۔

(۷) حکومت عدم تعاون کے دوران گرفتار شدگان، سزا یافتگان اور دوسری سرگرمیوں میں ملوث افراد کو رہا کر دے گی۔

(۸) اسی طرح حکومت کئی دوسری رعایتیں مثلاً جرمانے کی معافی وغیرہ کا اعلان کرے گی۔

دوسری گول میز کانفرنس

۷ ستمبر ۱۹۳۱ء کو لندن میں ہندوستانی رہنماؤں کی دوسری گول میز کانفرنس کا آغاز ہوا۔ یہ کانفرنس یکم دسمبر ۱۹۳۱ء تک جاری رہی۔ اس کانفرنس میں گاندھی اروِن معاہدے کے مطابق کانگرس نے بھی شرکت کی اور گاندھی بھی کانفرنس میں شریک ہوئے۔ مسلمانوں کے وفد میں کوئی خاص تبدیلی نہیں کی گئی تھی، صرف علامہ اقبال بھی اب اس کانفرنس میں شریک ہوتے تھے۔ اس گول میز کانفرنس میں دو کمیٹیاں مقرر کی گئی تھیں۔ ایک کمیٹی اقلیتوں کے مسائل سے متعلق تھی جبکہ دوسری وفاقی ہیئت کے بارے میں غور کرنے کے لئے بنائی گئی تھی۔ اب کی بار مسلم وفد کے سربراہ سر آغا خاں تھے، علامہ اقبال ان کی بھرپور مدد اور رہنمائی کرتے رہے تھے۔

دوسری گول میز کانفرنس میں ہندو مسلم تعلقات پر خوب بحث ہوئی۔ گاندھی جی کا اصرار تھا کہ کانگرس ہی ہندوستان کی واحد نمائندہ جماعت ہے اور اسی ہی کو تسلیم کر کے وزن دیا جائے، لیکن مسلمانوں کے نزدیک یہ منطق بالکل بے معنی تھی۔ اس کانفرنس میں کچھ ہندوستانی اقلیتوں نے یورپی کمرشل کمیونٹی سے ایک سمجھوتہ کر لیا۔ لیکن بڑی سیاسی جماعتوں نے اسے رد کر دیا۔ اس طرح مجموعی طور پر دوسری

Marfat.com

گول میز کانفرنس ناکام رہی اور یکم دسمبر ۱۹۳۱ء کو ختم ہوگئی لیکن اس کے اختتامی اجلاس میں برطانوی وزیراعظم ریمزے نے ہندوستانی رہنماؤں سے اپیل کی کہ وہ اپنے فرقہ وارانہ مسائل کے حل کی خاطر کسی سمجھوتے پر ضرور اتفاق کریں اور ایسا نہ کر سکے تو بہر صورت برطانوی حکومت کچھ وقت کے بعد ایک متبادل کے طور پر پراونشل سکیم کا نفاذ کر دے گی۔

تیسری مسلم کانفرنس

۲۱ مارچ ۱۹۳۲ء کو لاہور میں تیسری آل انڈیا مسلم کانفرنس علامہ اقبال کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ یہاں پر علامہ اقبال نے اپنے صدارتی خطاب میں فرمایا کہ اگر حکومت آمدہ جون تک کسی طرح کا کوئی فیصلہ نہیں کر پاتے گی تو پھر مسلمان ڈائرکٹ ایکشن تحریک کا آغاز کر دیں گے۔ اس اجلاس میں علامہ اقبال نے مسلمان اور اسلام کے مابین اٹوٹ رشتے اور تعلقات پر بھی روشنی ڈالی۔

اسی طرح ۲۵ جولائی ۱۹۳۲ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کا ایک اجلاس بھی لاہور میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں بھی علامہ اقبال نے خطاب فرمایا اور بتایا کہ "مسلمانوں کو یقین ہے کہ حکومتِ برطانیہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے فرقہ وارانہ تنفادت کے حل کا کوئی راہِ عمل تلاش کرے گی۔ ہم اس حل کا انتظار کریں گے" انہوں نے فرمایا کہ "مجھے خوشی ہے کہ مسلمانوں میں اب حالات کو جانچنے اور پرکھنے کا شعور پیدا ہو رہا ہے اور مسلمان بھی آج کی پہلودار سیاست کو بخوبی سمجھنے لگے ہیں۔

کمیونل ایوارڈ

برطانوی وزیراعظم ریمزے میکڈانلڈ نے ۴ اگست ۱۹۳۲ء کو ہندوستان کی

Marfat.com

اقلیتوں کے مسائل کو حل کرنے کے لئے ایک اعلان شائع کروایا۔ یہ اعلان کمیونل ایوارڈ کے نام سے مشہور ہے۔ اس ایوارڈ میں اقلیتوں کو جداگانہ انتخابات کی رعایت دے دی گئی تھی۔ مرکزی اسمبلی میں مسلمانوں کی ایک تہائی نمائندگی مقرر کر دی گئی تھی۔ اقلیتی صوبوں میں آبادی کے تناسب سے زیادہ نمائندگی دینے کو بھی تسلیم کر لیا گیا۔ اس طرح مسلمانوں کو بنگال، پنجاب، سندھ اور سرحد میں اکثریتی نمائندگی حاصل ہو گئی تھی۔ سندھ کو علیحدہ صوبہ بنانے کی تجویز کو بھی مان لیا گیا تھا۔ ملازمتوں میں بھی مسلمانوں کے لئے ایک چوتھائی حصہ مقرر کر دیا گیا تھا۔ سکھوں عیسائیوں، اینگلو انڈین اور شودروں کیلئے بھی سیٹیں مقرر کر دی گئی تھیں۔ مسلمانوں کے لئے مختلف صوبوں میں درج ذیل نشستیں مقرر کر دی گئیں۔

مدراس	-	کل نشستیں	۲۱۰	مسلمان کے لئے ۲۹
بمبئی مع سندھ	-	"	۲۵۰	" ۱۶۳
بنگال	-	"	۲۵۰	" ۱۱۹
متحدہ صوبجات	-	"	۲۲۸	" ۶۶
پنجاب	-	"	۱۷۵	" ۶۶
بہار اور اڑیسہ		"	۱۰۸	" ۳۴
مرکزی صوبجات	-	"	۱۱۲	" ۱۴
سندھ	-	"	۶۰	" ۳۴
بمبئی	-	"	۱۷۵	" ۳۰
سرحدی صوبہ		"	۵۰	" ۳۶

مسلمانوں نے اس کمیونل ایوارڈ کو تسلیم کر لیا تھا لیکن کانگرس نے اسے رد کر دیا تھا۔ گاندھی جی نے تو اس کمیونل ایوارڈ کے خلاف مرن بھرت رکھ لیا تھا۔

Marfat.com

کانگرس اور گاندھی اس کمیونل ایوارڈ سے اس لئے نالاں تھے کہ اس میں مسلمانوں کے کئی ایک مطالبات کو کُلی یا جزوی طور پر تسلیم کر لیا گیا تھا۔ گو کہ مسلمانوں کے تمام مطالبات پر اس ایوارڈ میں توجہ نہیں دی گئی تھی۔ اس کے باوجود مسلمان اس پیش رفت کو خوش آئند سمجھ رہے تھے لیکن گاندھی جی کو یہ صورت حال قابلِ قبول نہیں تھی۔

تیسری گول میز کانفرنس

تیسری گول میز کانفرنس ۱۷ر نومبر ۱۹۳۲ سے ۲۴ ردسمبر ۱۹۳۲ء تک لندن میں منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں زیادہ تر بلکہ تمام تر مباحثے کل ہند وفاق پر اور اس کے متعلقہ امور پر ہوتے رہے۔ اس تیسری کانفرنس میں کانگرس نے شرکت نہیں کی تھی بلکہ اس کانفرنس سے اکثر مسلمان رہنما بھی شاکی ہوئے تھے۔ گو اس تیسری گول میز کانفرنس میں علامہ اقبال نے بھی شرکت کی تھی، لیکن وہ بھی اس میں محض ایک خاموش تماشائی کی طرح موجود رہے"۔

اس تیسری گول میز کانفرنس میں علامہ اقبال نے لوگوں سے اور شرکا سے "نجی صحبتوں میں اسلامی ہند کی تجویز کے متعلق برطانیہ کے بعض اربابِ حل وعقد کو متوجہ کیا اور اس امر کی کوشش کی کہ اس کی معقولیت ان لوگوں کے ذہن نشین کر دیں۔" انہیں جب اپنے اظہار کا موقع ملا تو انہوں نے کہا کہ" ہندستان میں سرے سے کوئی مرکزی حکومت (خواہ وہ وفاقی ہی کیوں نہ ہو) قائم نہ کی جائے بلکہ ہر صوبہ کو خود مختار اور آزاد ریاست بنا دیا جائے اور اس کا تعلق بجائے ہندوستان کی کسی مرکزی حکومت کے براہِ راست لندن میں وزیر ہند سے ہو"۔

Marfat.com

لندن میں منعقدہ اس تیسری گول میز کانفرنس میں ہندوستان کے نئے آئین کے بارے میں بھی بھرپور بحث مباحث ہوئی اور اس مباحث میں یہ بھی مان لیا گیا تھا کہ آئین میں ہندوستان کی اقلیتوں اور جاتیوں کو بھی آئینی تحفظات فراہم کئے جائیں گے۔ اس سے پیشتر تو پہلی اور دوسری گول میز کانفرنسیں ایک حد تک ناکامی سے ہمکنار ہو چکی تھیں، لیکن تیسری گول میز کانفرنس سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ یہ کسی حد تک نتیجہ خیز ہو گی۔ اس کانفرنس کے اختتام پہ علامہ اقبال نے ملک واپس آکر اس گول میز کانفرنس کے بعض فیصلوں کی وضاحت فرمائی۔ اور پھر ۲۷ فروری ۱۹۳۳ء کو انہوں نے مسلم نیوز سروس کے نمائندے کو تفصیلات بتلاتے ہوئے فرمایا:۔

"میں امید کرتا ہوں کہ ہندوستان کی تمام سیاسی پارٹیاں اس آئین کو جو گول میز کانفرنس میں وضع کیا گیا ہے، کامیاب بنانے کی کوشش کریں گی۔ ہندوستانیوں کے لئے یہی بہترین راستہ ہے، جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے، ان کا فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو انتخابات کے لئے منظم کریں اور اپنی جماعت میں تفرقہ پیدا نہ ہونے دیں۔"

پاکستان کا نام

چودھری رحمت علی جو انگلستان میں ایک طالب علم کے طور پر رہ رہے تھے۔ انہوں نے اپنے زمانہ طالب علمی ہی کے دوران میں برعظیم کی سیاست میں پورا پورا حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ انہوں نے ۱۹۳۲ء ہی میں برعظیم پاک ہند کے اندر مسلمانوں کی علیحدہ مملکت جسے علامہ اقبال نے اپنے خطبۂ الہ آباد میں "اسلامی ہند" کہہ کر نشاندہی کی تھی، اس کے لئے ایک نام "پاکستان" تجویز کیا۔

Marfat.com

اس نام میں برعظیم میں موجود مسلم اکثریتی صوبوں کے ناموں کے بعض حروف کو شامل کر کے ایک نام "پاکستان" بنایا گیا تھا۔ یہ ایک اصطلاحی نام تھا، جلد ہی لوگوں میں یہ مقبولیت حاصل کر گیا اور پھر رفتہ رفتہ لوگوں نے اسے مجسم ہوتے ہوتے دیکھا۔ چودھری رحمت علی نے پاکستان کے اسی تصور کو عام کرنے کیلئے اور اس کے حصول کے لئے کوشاں رہنے کی خاطر لندن میں "پاکستان نیشنل موومنٹ" بھی قائم کر لی تھی۔ اس جماعت کے تحت لندن میں جابجا جلسے جلوس منعقد ہوتے۔ اس سے پیشتر بھی ایک گول میز کانفرنس میں چودھری رحمت نے ایک جاندار مقالہ "اب یا پھر کبھی نہیں" میں تو باقاعدہ طور پر پاکستان کے مطالبہ کو نقشوں کے ذریعے بھی پیش کر دیا تھا۔ انہوں نے وفاقی ہند کی سکیم کی بھی کھل کر مخالفت کی تھی۔

حکومت برطانیہ کی جانب سے منعقد کردہ تینوں گول میز کانفرنسوں میں چونکہ دوبار کانگرس کی غیر حاضری اور ہندوؤں کی ضد کے باعث کوئی مشترکہ فارمولا طے نہیں ہو سکا تھا۔ اس لئے کانفرنسوں کی مختلف کمیٹیوں کی رپورٹوں، سفارشوں اور تجویزوں کی بنیاد پر حکومت برطانیہ نے ایک وضاحتی قرطاس ابیض شائع کیا۔ اس قرطاس ابیض میں ہندوستان میں دستور سازی کے لئے بھی تجاویز پیش کی گئی تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ حکومتِ برطانیہ لوگوں سے صلاح مشورے بھی کرتی رہی تھی۔ بعض سیاسی رہنما انگلستان میں رہ کر بھی مسلمانوں کے حقوق و مفادات کے تحفظ اور ملک میں آئینی ترقی کے لئے کام کر رہے تھے۔ اس مقصد کے لئے حکومت نے آئینی اصلاحات کی خاطر ایک مشترکہ کمیٹی بھی قائم کر رکھی تھی۔ یہ کمیٹی لوگوں کے بیانات اور ان کے خیالات قلم بند کرتی تھی۔ مسلمانوں کے نمائندوں کے ایک وفد نے اس کمیٹی کے سامنے پاکستان سکیم کے بارے

Marfat.com

میں متعدد استفسارات کے جوابات دیئے۔ اس طرح کمیٹی کو بخوبی معلوم ہوگیا کہ اب اس برعظیم کے مسلمان سیاسی طور پر اپنے حقوق و مفادات سے کس قدر آگاہ ہیں، اور وہ آئینی طور پر ان کے حصول کے لئے کس قدر پُرجوش ہیں۔

اسی عہد میں مسلم لیگ کچھ عرصے کے لئے دو گروپوں حافظ ہدایت گروپ اور میاں عبدالعزیز گروپ میں تقسیم ہونے کے بعد ایک بار پھر اتحاد و اشتراک کی متلاشی تھی۔ لہٰذا جب قائداعظم محمد علی جناح کو متحدہ مسلم لیگ کا صدر چن لیا گیا تو دوبارہ اتحاد و استحکام پیدا ہونے لگا۔ بہرصورت مسلمانوں کی بیداری کا اب انگریزی حکومت اور کانگرس کو بھی احساس ہو چکا تھا اور مسلمان تو جداگانہ جدوجہد میں بھی بہت فعال ہو چکے تھے۔

Marfat.com

باب - ۱۱

نیا دستور ۱۹۳۵ء

مارچ ۱۹۳۳ء میں حکومت کی جانب سے شائع کردہ قرطاسِ ابیض میں مختلف کمیٹیوں نے جو سفارشات، تجاویز اور رپورٹیں پیش کی تھیں۔ وہ برطانوی پارلیمنٹ میں پیش کی گئیں، چونکہ ان سفارشات کو مرتب ہی اسی لئے کیا گیا تھا کہ ان کی روشنی میں ہندوستان کے لئے ایک نیا دستور ترتیب دیا جاسکے۔ اس لئے سفارشات پر برطانوی پارلیمنٹ میں غور وخوض کیا گیا۔ کمیونل ایوارڈ کی بدولت چونکہ اقلیتوں اور اچھوتوں کو بھی جداگانہ انتخابات کا حق دے کر ان کے لئے بھی کئی ایک نشستیں مقرر کر دی گئی تھیں، اس لئے گاندھی کو یہ صورت حال ناپسند تھی، لہٰذا گاندھی جی نے ایک بار پھر مرن برت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ بہرصورت قرطاس ابیض شائع ہونے سے پیشتر گاندھی جی نے ڈاکٹر امبیدکر سے مل کر پونا کے مقام پر ایک معاہدہ کر لیا تھا۔ اس پونا پیکٹ کے تحت گاندھی جی نے اچھوتوں کو اس امر پر راضی کر لیا تھا کہ وہ جداگانہ حقِ انتخاب سے دستبردار ہو جائیں گے۔ انہیں صرف اتنی رعایت دی گئی تھی کہ ان کے لئے چند نشستیں مخلوط انتخابات

Marfat.com

کے ذریعے مختص کردی جائیں گی۔ اسی طرح لوکل باڈیز میں بھی اچھوتوں کی ایک مختصر سی نمائندگی کو تسلیم کر لیا گیا تھا۔ گاندھی جی نے اس معاہدے کی جلد ہی حکومت ہند کو اطلاع بھجوائی اور اس معاہدے کو دوسری بڑی اقلیتوں کے خلاف بھی استعمال کرنے کی کوشش کی۔

برطانوی پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے مشترکہ ممبروں کی جو ایک مشترکہ کمیٹی ہندوستانی رہنماؤں سے انٹرویوز اور ان سے گفتگو و تنقید کے لئے بنائی اس نے قریباً انیس مہینوں تک حالات و واقعات کا جائزہ لیا اور تجاویز اور سفارشات پر غور و فکر کیا اور بالآخر ایک جامع رپورٹ پارلیمنٹ کو پیش کر دی تھی۔ پارلیمنٹ میں بھی اس رپورٹ پر خوب بحث و تنقید ہوئی۔ کئی طرح کی نکتہ چینیوں کے بعد اس رپورٹ کو پارلیمنٹ نے منظور کر لیا۔ پارلیمنٹ کی اس منظوری کے بعد شاہِ برطانیہ نے بھی اس کی منظوری دے کر اپنی مہر تصدیق ثبت کر دی۔ اس کے جلد ہی بعد یہ رپورٹ ۲۴ر جولائی ۱۹۳۵ء کو ایک قانون کے طور پر نافذ کر دی گئی۔ اس قانون کو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کا نام دیا گیا۔

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ مجریہ ۱۹۳۵ء کے چودہ حصے اور دس شیڈیول تھے۔ پورے کا پورا انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء صحیح معنوں میں یکم ر اپریل ۱۹۳۷ء کو نافذ ہوا تھا۔ تاہم اس ایکٹ کے حصہ II کہ جو آل انڈیا فیڈریشن کی سکیم پر مبنی تھا، اس پر عمل نہ ہو سکا۔ یہ صورتِ حال دوسری جنگِ عظیم کے آغاز تک برقرار رہی۔ اس ایکٹ کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی۔ اس میں پہلی بار صوبوں کو آئینی جداگانہ حیثیت اور اہمیت

Marfat.com

دی گئی تھی۔ اس ایکٹ میں امور کی تین لسٹیں (فیڈرل لسٹ، پراونشل لسٹ اور متوازی لسٹ بنائی گئیں۔ مالی حصول کے تمام ذرائع کو صوبوں کی تقسیم اور مالی تقسیم کے اعتبار سے ازسرنو تخصیص و تقسیم کیا گیا تاکہ صوبوں میں زیادہ سے زیادہ خود مختاری آسکے۔ سندھ کو بمبئی کے صوبہ سے الگ کر کے ایک جداگانہ صوبہ بنا دیا گیا۔ اسی طرح شمال مغربی سرحدی صوبہ پہلی بار دوسرے صوبوں کی طرح صوبائی اختیارات سے متصف ہوا۔ صوبائی سطح پر حق رائے دہی اور بالغ حق رائے دہی کو ترویج و فروغ دینے کے لئے کئی طرح سے مالی اور ملکیتی شرائط کو نرم کیا گیا۔

ہر صوبے کو اپنی ایک کونسل آف منسٹرز قائم کرنے کا اختیار دے دیا گیا۔ اس کونسل کے مشورے اور تجاویز گورنر کے لئے لازمی طور پر تسلیم کرنی ضروری تھیں، تاہم گورنر اپنی ذاتی رائے اور تنہا رائے کے اظہار کا حق رکھتا تھا اور اس سلسلے میں اس کے کچھ ذاتی اختیارات بھی موجود تھے، لیکن پھر بھی وہ اس سلسلے میں براہِ راست گورنر جنرل کے ماتحت اور تابع تھا۔ دو ایوانی اور دو عملی نظام کو یکسر قلم زد کر دیا گیا۔ ایک کابینہ جو برطانوی کابینہ کی مثال اور نمونے پر بنائی جائے بنانے کے لئے کہا گیا اور گورنر کو اس کابینہ کے تابع بنا دیا گیا تھا۔

سیکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا کی کونسل کو ختم کر کے اس کے بجائے ایک مشاورتی باڈی بنا دی گئی لیکن اس باڈی کے لئے کم از کم تین اور زیادہ سے زیادہ چھ ممبران کی تعداد کا تعین کر دیا گیا۔ لیکن اس باڈی کے ہر فیصلے کو ماننا سیکرٹری آف سٹیٹ کے لئے کوئی ضروری نہیں تھا۔ اسی طرح انڈیا آفس کے اخراجات کا بوجھ برطانوی مالیات سے خارج کر دیا گیا۔

اس ایکٹ پر عملاً ۱۹۳۶ء میں کام شروع ہوا۔ اس ایکٹ کی خاص خاص باتیں

Marfat.com

یہ تھیں :-

(۱) انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت دو نئے صوبے سندھ اور اڑیسہ قائم کر دیئے۔ ان صوبوں کے قیام کے بعد گورنری صوبوں کی تعداد گیارہ ہو گئی تھی۔

(۲) ایکٹ کی اہم ترین بات صوبائی خود مختاری تھی۔ دو عملی نظام اور اضافی اختیارات کی تقسیم ختم کر دی گئی۔ تمام صوبائی وزرا کو جملہ حقوق منتقل کر دیئے گئے اور وزرا کو مقننہ کے سامنے جواب دہ قرار دیا گیا۔

(۳) آئین میں برطانوی ہندوستانی صوبوں اور ہندوستانی ریاستوں پر مشتمل ایک آل انڈیا فیڈریشن کے قیام کی تجویز پیش کی گئی۔ اس وفاق میں گیارہ آئینی وحدتیں گورنری صوبوں، چھ چیف کمشنر کے صوبوں کی صورت میں اور وفاق میں شمولیت پر رضامند ریاستوں پر مشتمل تھیں۔ ہر ریاست کو وفاق میں شمولیت یا عدم شمولیت کا حق دیا گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی ہر وحدت کو اپنے اندرونی معاملات میں خود مختاری حاصل تھی۔

(۴) وفاق اور صوبائی خود مختاری کی تجاویز کے باعث مرکز اور صوبوں کے درمیان محکموں کی تقسیم لازمی کر دی گئی اور ایکٹ کے تحت تین فہرستیں وفاقی صوبائی اور مشترکہ متوازی بنا دی گئیں۔

(۵) وفاقی امور کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ گورنر جنرل کو دفاع، مذہبی امور، امور خارجہ اور قبائلی علاقوں کے انتظامی امور دے دیئے گئے۔ گورنر جنرل کی مدد کے لئے ایگزیکٹو کونسلر بنا دیئے گئے۔ وزرا کی مجلس بھی گورنر جنرل کی مدد اور معاونت کے لئے وقف کر دی گئی تھی۔ لیکن گورنر جنرل وزرا کے خلاف بھی اپنی رائے یا فیصلہ دے سکتا تھا۔

(۶) تمام اقلیتوں کو تحفظ فراہم کر دیا گیا۔ اقلیتوں کے معاملات میں بھی گورنروں

Marfat.com

اور وزرا کو قانون ساز اداروں پر غالب کر دیا گیا۔

(۷) مقننہ میں توسیع کے تحت ایوانِ بالا میں ۲۶۰ اور ایوانِ زیریں میں ۳۷۵ ارکان منتخب کرنے کی تجویز پیش کی گئی۔ گیارہ صوبوں میں سے صرف چھ صوبوں میں دو ایوانی نظام ترتیب دے دیا گیا۔

(۸) وفاقی عدالت قائم کر دی گئی۔ عدالت کے قیام کا مقصد ریاستوں کے باہمی تنازعات اور آئین کی وضاحت کا فیصلہ کرنا تھا۔

(۹) سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہندوستان کو ختم کر کے مشیر مقرر کر دیئے گئے۔

(۱۰) ہندوستان کے عیسائیوں اور اینگلو انڈین لوگوں کو علیحدہ انتخابات کا حق دے دیا گیا۔

(۱۱) ہندوستان کی کوئی وفاقی یا صوبائی مقننہ آئین میں کسی طرح کی تبدیلی یا تنسیخ کرنے سے بالاقرار دے دی گئی۔ یہ حق صرف برطانوی پارلیمنٹ کے لئے مختص کر دیا گیا۔

(۱۲) اس ایکٹ کے تحت برما کو اپریل ۱۹۳۷ء میں الگ کر دیا گیا اور اسی طرح عدن کو بھی حکومتِ ہند کے کنٹرول سے الگ کر کے نوآبادیاتی دفتر کے سپرد کر دیا گیا۔ اس طرح عدن بھی تاج برطانیہ کے تحت ایک نوآبادی کا درجہ حاصل کر گیا۔

ایکٹ کا صوبائی حصہ

(۱) سندھ اور اڑیسہ دو نئے صوبے بنا دیئے گئے۔

(۲) مدراس، بمبئی، بنگال، متحدہ صوبجات اور آسام میں دو ایوانی اور پنجاب، مرکزی صوبجات، بہار، اڑیسہ، سندھ اور صوبہ سرحد میں یک ایوانی نظام

Marfat.com

متعارف کرا دیا گیا۔

(۳) یک ایوانی نظام کے ممبران کی مدت پانچ سال اور دو ایوانی نظام کے ممبران کی مدت تین سال مقرر کر دی گئی۔

(۴) مقننہ میں نمائندگی پونا پیکٹ کے تحت نظر ثانی شدہ کمیونل ایوارڈ کے حوالے سے ضروری قرار دے دی گئی۔

(۵) وزیروں کا انتخاب منتخب ممبران میں سے ہونے لگا اور صوبائی حکومتیں خود مختار ہو گئیں۔

(۶) گورنروں کو قوانین کے نفاذ کے کچھ ضروری اختیارات دے دیئے گئے۔

(۷) مقننہ میں عورتوں کے لئے نشستیں بھی مخصوص کر دی گئیں اور رائے دہندگان کی تعداد میں بھی اضافہ کر دیا گیا۔

ایکٹ کا وفاقی حصّہ

(۱) ہندوستان کے لئے وفاقی طرزِ حکومت تجویز کیا گیا۔ اس طرح کل ہند وفاقی برطانوی ہندوستان اور ہندوستانی ریاستوں پر مشتمل ہو گیا۔

(۲) کونسل آف سٹیٹ یا ایوان بالا کے لئے کل ۲۶۰ ارکان تجویز کئے گئے اور اس ادارے کو ایک مستقل ادارے کی حیثیت دے دی گئی اور اس کے ارکان کی مدت نو سال کے لئے مقرر کر دی گئی۔

(۳) وفاقی اسمبلی کے کل ارکان ۳۱۵ تجویز کئے گئے۔

(۴) وفاق میں قانون سازی کے اختیارات کو تین حصّوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

(۵) گورنر جنرل کے لئے خصوصی اختیارات اور ذمے داریاں تجویز کر دی گئیں۔ جن کے تحت وہ اپنی مرضی سے اپنے اختیارات استعمال کر سکتا تھا۔

Marfat.com

قانون ہند ۱۹۳۵ء پر ردعمل

مجموعی طور پر قانونِ ہند ۱۹۳۵ء کو ہندوستان کے لوگوں نے پسند نہیں کیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود بعض لوگوں نے اس کے چند پہلوؤں پر دوررس نتائج کے اعتبار سے تبصرہ کرتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

مسٹر آر جی کیسی گورنر بنگال نے کہا کہ "گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء خود اختیاری کی طرف ایک بڑا قدم ہے۔ یہ قانون سائمن کمیشن سے ایک قدم آگے ہے۔"

بعض رہنماؤں نے اس ایکٹ کے بارے میں کہا کہ یہ برطانوی حکومت سے ہندوستانی ہاتھوں میں اقتدار کی منتقلی کی تمہید ثابت ہوگا۔ بہرصورت ہندوستانی رہنما مجموعی طور پر اس سے مطمئن نہیں ہوتے تھے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے تو اس آئین کی ترتیب کے دوران ہی میں فرمادیا تھا کہ "نئے دستور میں مسلمانوں کے حقوق کی معقول ضمانت مہیا نہ کی گئی تو نیا دستور ہرگز کامیاب نہ ہو سکے گا۔ جمہوری حکومت کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ سات کروڑ مسلمانوں کو بے دست و پا کر کے ہندوستان کے ایک طبقہ یعنی ہندوؤں کو ان پر مسلط کر دیا جائے۔ اگر حکومت برطانیہ نے ہندوؤں کو ایسا دستور دے دیا جو ان کی مرضی کے مطابق ہے تو قدرتی طور پر مسلمان اس کے مخالف ہوں گے۔ اور وہ اس دستورِ اساسی کو تباہ کرنے کے لئے لازمی طور پر اپنی تمام قوت صرف کر دیں گے۔"

کانگرسی لیڈر راج گوپال اچاریہ نے اس ایکٹ کے بارے میں کہا کہ "یہ آئین دوعملی نظام سے بھی زیادہ خراب ہے۔"

Marfat.com

پنڈت جواہر لال نہرو نے یوں اظہار کیا تھا کہ" انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء غلامی کا ایک نیا باب ہے۔ یہ اس مشین کی طرح ہے جس کے بریک نہایت مضبوط ہوں۔ مگر انجن غائب ہو" اس کے بعد کانگرس نے اس انڈیا ایکٹ کو بالکل مسترد کر دیا اور اس کے دونوں حصّوں پر کئی اعتراضات کئے اور کہا کہ" کوئی بھی آئین جو ہندوستان کے عوام کے اختیاراتِ اعلیٰ کو سلب کرتا ہو اور انہیں اپنے اقتصادی اور سیاسی مستقبل کو طے کرنے کے اختیارات نہ دیتا ہو اسے کسی طور قبول نہیں کیا جا سکتا"

۱۹۳۵ء کے اس انڈیا ایکٹ کو ہندوستانی ریاستوں کے فرماں رواؤں نے بھی ناپسند کیا اور اس پر متعدد اعتراضات کئے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے ۲۴ر اکتوبر ۱۹۳۵ء کو ایک اخباری بیان میں انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے بارے میں اپنے تاثرات کا یوں اظہار فرمایا کہ" گورنمنٹ آف انڈیا بل جسے اب ایک ایکٹ کی حیثیت دے دی گئی ہے اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ اب یہی ہم پر نافذ کیا جا رہا ہے۔ اس لئے میں مختلف رہنماؤں سے درخواست کرتا ہوں کہ آیئے ہم یکجا جمع ہو کر اس کے بارے میں سوچ بچار کریں اور اس آئین کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ کریں"

دسمبر ۱۹۳۵ء اور جنوری ۱۹۳۶ء میں مسلم سٹوڈنٹس کانفرنس کے کلکتہ اور لکھنؤ کے اجلاسوں میں مسلمانوں نے انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کی ایک ایک شق اور مد کا جائزہ لیا اور پھر بعد میں لکھنؤ اجلاس میں مزید کئی اہم فیصلے کئے گئے۔ اسی دوران میں اپریل ۱۹۳۶ء سے لارڈ ولنگڈن کے بجائے مارکیوس لنلیتھگو وائسرائے ہند منتخب ہو کر ہندوستان پہنچے۔ اس سے پیشتر جنوری ۱۹۳۶ء کے اواخر میں پرنس آف ویلز شہزادہ ولی عہد، جارج پنجم کی وفات پر برطانیہ کا بادشاہ بنا اور

Marfat.com

وہ ایڈورڈ ہشتم کے لقب کے ساتھ تخت نشین ہوا۔

۱۱-۱۲ اپریل ۱۹۳۶ء کو مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس بمبئی میں منعقد ہوا۔ اجلاس کی صدارتی تقریر میں سید وزیر حسین نے کہا کہ "برطانوی پارلیمنٹ کی طرف سے ہم پر جو دستور مسلط کیا جا رہا ہے اسے ہندوستان کے کسی بھی شخص کی تائید حاصل نہیں ہے۔ سال ہا سال تک کمیشنوں، کانفرنسوں، رپورٹوں اور کمیٹیوں کی شکل میں غور و فکر کرنے کے بعد حکومت نے ایک غیر انسانی بلکہ انسانیت سوز شے تیار کی ہے جسے اب دستور کا نام دے کر ہندوستانیوں کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے لیکن یہ بالکل غیر جمہوری ہے اور اس کے نفاذ سے حکومت، جمہوریت اور آزادی کے لئے جد و جہد کرنے والے لوگوں کے پاؤں میں زنجیر ڈالنا چاہتی ہے۔"

سید وزیر حسین کے اس خطاب کے بعد اور مسلمانوں کے جذبات و خیالات کی عکاسی کے سلسلے میں قائداعظم محمد علی جناح نے ایک قرارداد پیش کی جس میں ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کو جبراً نافذ کئے جانے والے دستور کے بارے میں سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور اس کے ساتھ ہی اس امر کی سفارش بھی کی گئی کہ ملک کے سیاسی حالات کے پیش نظر اس دستور میں پیش کردہ سوبائی حصے کی سہولیات سے فائدہ اٹھایا جائے اور کوشش کی جائے کہ ان سے جس قدر ممکن ہو سکے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جا سکے۔

اس مقصد کے لئے مسلم لیگ مرکزی پارلیمنٹری بورڈ قائم کرنے کا فیصلہ بھی کیا گیا۔ اس بورڈ کے سربراہ قائداعظم محمد علی جناح کو مقرر کیا گیا۔ انہیں یہ بھی اختیار دے دیا گیا کہ وہ بورڈ کے لئے دیگر اراکین کا انتخاب کریں۔ اور مختلف صوبوں میں اس کی شاخیں کھول کر انہیں فعال کرنے کے لئے کام کریں۔ اس کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے ملک بھر کے دورے کرنے

Marfat.com

کا سلسلہ شروع کر دیا۔

مسجد شہید گنج کا سانحہ

"بیسویں صدی کی تیسری دہائی کے دوران میں قادیانیوں نے مذہبی قیادت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی سیاسی قیادت کے لئے بھی پر پُرزے نکالنے شروع کر دیئے تھے۔ لیکن مسلمانانِ ہند میں ان کے مقابلے کے لئے جماعت احرار میدان میں آ چکی تھی۔" اگرچہ کانگرس، انگریز اور کانگرسی رہنماؤں مثلاً پنڈت جواہر لال نہرو نے پر زور حمایت کر کے قادیانیوں کو بہت خوش رکھا۔ لیکن پھر بھی یہ جماعت کبھی اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہو سکی۔ ۱۹۳۶ء کے آغاز میں جماعت احمدیہ کی لاہور میں سرگرمیاں بہت زیادہ بڑھ چکی تھیں۔ انہوں نے تحریک آزادی کے بجائے اپنی مذہبی تبلیغ پر زیادہ توجہ مرتکز رکھی۔ اسی دوران میں لاہور ہی میں مسلمانوں اور سکھوں کی آویزشوں کا آغاز ہو چکا تھا۔ یہی نہیں بلکہ انہوں نے لاہور کی ایک مسجد پر قبضہ کرنے کی خاطر مسجد کے قریب ہی ایک گوردوارہ تعمیر کر لیا تھا۔ یہ مسجد قریباً ایک سو سال پُرانی تھی۔ گوردوارہ کی وسعت کرنے کے لئے سکھوں نے اس قدیم اور پُرانی مسجد کو شہید کرنے کا ایک منصوبہ بنا لیا تھا۔ اس سلسلے میں مسلمانوں نے ڈپٹی کمشنر اور حکام سے ملاقات کر کے یہ ضمانت حاصل کر لی کہ سکھ مسجد کی عمارت کو گرانے کی کوشش نہیں کریں گے۔ مسلمانوں نے مسجد کو آثارِ قدیمہ کے سپرد کر دینے کا مطالبہ بھی کیا۔

اس یقین دہانی اور مسلمانوں کی تشویش کے باوجود ۴ر جولائی ۱۹۳۶ء کو سکھوں نے اچانک رات کے وقت پولیس کی معیت کی موجودگی میں مسجد شہید گنج کو گرانا شروع کر دیا۔ مسلمانوں نے اس سلسلے میں جب مزاحمت کی تو پولیس

Marfat.com

نے انہیں آگے جانے سے روک دیا۔ صبح تک مسجد کو بالکل منہدم کر دیا گیا تھا۔ جب مسلمانوں کا جوش و جذبہ شدید ہوا تو شہر میں کرفیو لگا کر اخبارات پر بھی سنسر لگا دیا گیا۔ مسلمان تین دن تک تو خاموش رہے، لیکن لوگوں کے گھروں میں چھپ کر اجلاس کرتے رہے۔ اسی دوران میں حکومت نے مسلمانوں کے غصے کو ماند کرنے کی غرض سے انہیں شاہ چراغ کی عمارت، جو مال روڈ پر واقع ہے دینے کا اعلان کر دیا۔ اس کے چند ہی دن بعد ۱۴ر جولائی ۱۹۳۶ء کو مسلمانوں نے ایک جلسے کا اہتمام کیا۔ اس جلسے میں مسلمانوں نے نہایت شدید الفاظ میں حکومت اور سکھوں کی مذمت کی، لیکن حکومت نے فوری کارروائی کر کے مولانا ظفر علی خاں، ملک لال دین، میاں فیروز الدین اور سید حبیب کو گرفتار کر لیا۔ مسلمانوں نے کرفیو کی پروا کئے بغیر ۱۵ر جولائی کو جلوس نکالا۔ اس جلوس پر پولیس نے لاٹھی چارج کیا۔ ۱۹ر جولائی کو پھر مسلمانوں نے ایک بہت بڑے جلوس کا اہتمام کیا۔ پولیس نے اس جلوس پر کئی بار لاٹھی چارج کیا اور گولیاں بھی برسائیں۔ اس کے بعد پولیس نے ہزاروں نوجوانوں کو گرفتار کر لیا۔ لاتعداد لوگ پولیس کی کارروائیوں میں زخمی ہوئے۔ اس واقعے کے چند مہینے بعد سکھوں اور مسلمانوں کی مفاہمت ہو گئی۔

انتخابی منشور

۱۳ر اگست ۱۹۳۶ء کو لاہور میں پارلیمنٹری بورڈ کی ایک میٹنگ ہوئی۔ اس میٹنگ میں ملک زمان مہدی خاں کو ڈپٹی پریذیڈنٹ کے طور پر چن لیا گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی ایک سب کمیٹی بھی بنا دی گئی۔ اس سب کمیٹی کے ارکان میں علامہ ڈاکٹر محمد اقبال، ملک زمان مہدی خاں، غلام رسول، چودھری عبدالحق

Marfat.com

مولوی اظہر، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، میاں عبدالمجید، ملک برکت علی اور عاشق حسین بٹالوی شامل تھے۔ اس کے بعد بورڈ کے ممبران میں روز بہ روز اضافہ ہوتا چلا گیا۔

آل انڈیا مسلم لیگ کے پارلیمنٹری بورڈ نے حکومت کی جانب سے ۱۹۳۵ء کے آئین کے تحت آمدہ انتخابات کے لئے ممبران سے درخواستیں طلب کر لیں۔ اس سے پیشتر بورڈ نے باضابطہ اعلان کر دیا تھا کہ مسلم لیگ آمدہ انتخابات میں حصّہ لے گی۔ اسی طرح انتخابات میں حصّہ لینے کے لئے پوری طور پر کانگرس بھی تیار تھی، بلکہ کانگرس کو تو بڑے ساہوکاروں اور سیٹھوں کی سرپرستی اور تعاون بھی حاصل تھا۔

پارلیمنٹری بورڈ کی اس دعوت پر مسلم لیگ کے ٹکٹ پر آٹھ افراد نے انتخابات میں حصّہ لینے کے لئے اپنے نام پیش کئے۔ وہ آٹھ مسلمان ملک برکت علی، خلیفہ شجاع الدین، ملک زمان مہدی خاں، راجہ غضنفر علی خاں۔ سردار کریم بخش، میاں عبدالمجید، مظفر علی خاں قزلباش اور مشتاق علی خاں تھے، لیکن بعد میں مظفر علی خاں قزلباش نے اپنی درخواست واپس لے لی تھی۔

ان انتخابات میں حصّہ لینے کے لئے اپنے اپنے طور پر مسلم لیگ اور کانگرس نے اپنے انتخابی منشور بھی جاری کئے۔ مسلم لیگ نے اپنے انتخابی منشور میں کہا کہ مسلم لیگ آزادیٔ وطن کی جدوجہد جاری رکھے گی۔ اس کے ساتھ ساتھ ہندوستان کی صنعتی، اقتصادی، تعلیمی، معاشرتی اور فوجی ترقی اور فروغ کا اعادہ بھی کیا گیا۔ ٹیکسوں کے بوجھ کو کم کرنا، حکومتی اخراجات میں تخفیف کرنا، ابتدائی لازم تعلیم کا اہتمام اور مفت تعلیم دینے کے انتظامات کرنا شامل تھا۔

مسلم لیگ نے اپنے انتخابی لائحہ عمل میں مسلمانوں کے مذہبی حقوق کا تحفظ کرنا

Marfat.com

ظالمانہ اور جابرانہ قوانین کو منسوخ کرنا، معاشی استحصال کو ختم کرنا، فوج کو قومی فوج بنانا، گھریلو دستکاریوں اور صنعتوں کو ترقی دینا۔ دیہی آبادیوں کی تعلیمی ترقی کیلئے کوشش کرنا اور مسلمانوں کی حالت بہتر بنانے کے ساتھ ساتھ اردو رسم الخط اور اردو زبان کے فروغ اور تحفظ کے لئے کام کرنا بھی شامل تھا۔

انتخابات ۱۹۳۷ء

دستورِ ہند ۱۹۳۵ء کے تحت ہندوستان کے تمام صوبوں میں عام انتخابات ہوئے۔ انتخابات میں کانگرس ایک متحد اور زیادہ مستحکم جماعت تھی، لیکن اس وقت مسلمان کئی چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں بٹے ہوئے تھے۔ سب سے پہلے تو مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کانگرس کے ہاتھوں کھلونا بنی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ہندو پریس نے مسلمانوں اور مسلم لیگ کے خلاف اپنی معاندانہ روش کے دھارے کھول رکھے تھے۔ اسی طرح پنجاب میں سر فضل حسین نے یونینسٹ پارٹی کے حوالے سے ہندوؤں سے گٹھ جوڑ کر رکھا تھا۔ سندھ میں سر عبداللہ ہارون نے سندھ یونائیٹڈ پارٹی کا ڈول ڈال رکھا تھا۔ بنگال کے مسلمانوں نے اپنی ہمدردیاں کرشک پرا جا پارٹی سے وابستہ کر لی تھیں۔ کرشک پرا جا پارٹی کا ہندوؤں کے ساتھ بھی تعلق تھا۔ صوبہ سرحد میں ڈاکٹر خان صاحب اور خان عبدالغفار نے لیگ اور قائداعظم محمد علی جناح کے خلاف کھلم کھلا محاذ کھول رکھا تھا۔ مسلم لیگ کو محض مسلم اقلیت کے صوبوں میں کچھ حمایت حاصل تھی۔

بہرصورت اس ساری کیفیت کے باوجود قائداعظم محمد علی جناح نے ملک بھر کا دورہ جاری رکھا اور ۳ جنوری ۱۹۳۷ء کو کلکتہ میں ایک بیان میں انہوں نے ہندوؤں کو متنبہ کیا کہ وہ مسلمانوں کے معاملات میں ٹانگ نہ اڑائیں۔ ۱۷ جنوری

Marfat.com

۱۹۳۷ء کو بنگال لیجسلیٹو اسمبلی کے انتخابات ہوئے، ۱۱ر جنوری کو پنجاب میں انتخابات شروع ہوئے۔ اسی طرح تھوڑی ہی مدت کے دوران تمام ملک میں پہلی بار ۱۹۳۵ء کے دستور کے مطابق انتخابات مکمل ہو گئے۔

کانگرس نے صوبائی اسمبلیوں کی ۱۵۸۵ نشستوں میں سے ۷۱۴ نشستیں جیت لیں۔ مسلمانوں کی ۴۸۴ نشستوں میں سے ۲۶ نشستیں کانگرس نے جیت لی تھیں۔ گو برعظیم کے مسلمانوں کی دوسری تنظیموں نے قریباً پانچ سو نشستیں جیت لی تھیں۔ لیکن ان میں مسلم لیگ نے قریباً ایک سو دس نشستیں حاصل کی تھیں۔ کانگرس نے چونکہ انتخابات میں قریباً پچاس فی صد نمائندگی حاصل کر لی تھی اس لئے کانگرس کی کامیابی زیادہ واضح اور اکثریتی تھی۔ مسلمانوں کی دیگر جماعتوں یونینسٹ، کرشک پرا جا پارٹی اور سرخ پوش وغیرہ نے بھی قابل ذکر کامیابی حاصل کی تھی۔ لیکن اصولی طور پر کانگرس ہی کو اکثریت حاصل ہوتی تھی۔ کانگرس اور مسلمانوں نے جو نشستیں حاصل کیں ان کا گوشوارہ درج ذیل ہے:۔

	نشستوں کی کل تعداد	مسلمانوں نے حاصل کیں	کانگرس نے حاصل کیں
مدراس	۲۱۵	۲۸	۱۵۹
بمبئی	۱۷۵	۲۹	۸۶
بنگال	۲۵۰	۱۱۷	۵۴
صوبجاتِ متحدہ	۲۲۸	۶۴	۱۳۴
پنجاب	۱۷۵	۸۴	۱۸
بہار	۱۵۲	۳۹	۹۸
صوبجاتِ مرکزی	۱۱۲	۱۴	۷۰
صوبہ سرحد	۵۰	۳۶	۱۹

Marfat.com

آسام	۱۰۸	۳۴	۳۳
اڑیسہ	۶۰	۴	۳۶
سندھ	۶۰	۳۵	۷
میزان	۱۵۸۵	۴۸۴	۷۱۴

کانگرس وزارتیں

۱۹۳۷ء کے ان انتخابات میں کانگرس چونکہ ایک اکثریتی پارٹی کے طور پر قریباً پچاس فیصد نشستیں حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی تھی، اس لئے اصولی طور پر کانگرس ہی کو وزارتیں قائم کرنے کی دعوت دی گئی۔ کانگرس نے تو انتخابات جیتنے کے ساتھ ہی مسلم کش پالیسی اختیار کر لی تھی بلکہ اس کامیابی کے بعد پنڈت جواہر لال نہرو نے یہاں تک کہنا شروع کر دیا تھا کہ ہندوستان میں صرف دو ہی جماعتیں ہیں۔ ان میں ایک کانگرس اور دوسری برسرِ اقتدار حکمران جماعت یعنی برطانوی حکومت ہے، اس لئے اگر کوئی کسی طرح کا سیاسی سمجھوتہ ہوا تو وہ ان دونوں جماعتوں ہی میں ہونا چاہیئے۔ اس کے ساتھ ہی کانگرس نے اپنے کامیاب ممبران کا ایک کنونشن دہلی میں طلب کیا اور تمام صوبوں کی اسمبلی پارٹیوں کو حکم دیا کہ وہ مرکز کی اجازت کے بغیر کسی بھی پارٹی سے کوئی معاہدہ نہ کریں۔ کانگرس نے یہ بھی اعلان کیا کہ جہاں کانگرس کی اکثریت ہے وہاں وہ خود ہی وزارت بنائے گی۔ اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہوگا کہ اگر گورنر اپنے اختیارات استعمال نہ کرنے کی ضمانت فراہم کر دے۔ یہی نہیں بلکہ کانگرس اپنے اکثریتی صوبوں میں کسی بھی مسلمان نمائندے کو کوئی نمائندگی دینے سے صریحاً انکار کر دیا تھا۔

Marfat.com

پنڈت جواہر لال نہرو نے جب ہندو اکثریت کی بنا پر یہ اعلان کیا تھا کہ ہندوستان میں صرف دو ہی جماعتیں کانگرس اور حکمران پارٹی یعنی برطانوی حکومت ہی ہے تو اس کے جواب میں قائداعظم محمد علی جناح نے اسٹریچی ہال میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:۔

"میں کانگرس اور اپنے ہندو دوستوں کو متنبہ کرتا ہوں کہ وہ مسلمانوں کو تنہا چھوڑ دیں، ہم کسی بھی جماعت کے حاشیہ بردار نہیں بننا چاہتے۔ پنڈت نہرو نے کلکتہ میں یہ کہا ہے کہ ہندوستان میں صرف دو ہی جماعتیں ہیں، ایک کانگرس اور دوسری برطانوی حکومت۔ ان کے علاوہ کوئی تیسری جماعت موجود نہیں ہے۔ میں نہرو کی اس بات کو تسلیم کرنے سے صاف انکار کرتا ہوں۔ جواہر لال نہرو کو اپنی قوم کی عددی اکثریت کا بہت زیادہ زعم ہو گیا ہے، اور اس زعم میں وہ آسمان پر چڑھ کر باتیں کرنے لگے ہیں۔ انہیں اپنی سرزمین کے ٹھوس حقائق بھی نظر نہیں آتے۔ میں اپنے کمزور ہاتھوں سے اسے نیچے گھسیٹ لوں گا اور یہ دیکھنے پر مجبور کردوں گا کہ ہندوستان میں ایک تیسری جماعت بھی ہے جسے مسلم لیگ کہتے ہیں اور جو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے، اس لئے کوئی جماعت یا کوئی اکثریت ہمیں حکم دینے یا حکم پہ چلانے کی کوشش نہ کرے۔"

اپریل ۱۹۳۷ء میں یونینسٹ وزارت نے پنجاب میں اپنے عہدوں کا حلف اٹھالیا۔ اسی دوران میں کانگرس نے یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ کہیں بھی مخلوط وزارتیں قائم نہیں کریں گے، لہٰذا کانگرس نے یوپی، بہار، اڑیسہ، سی پی،

Marfat.com

بمبئی اور مدراس میں اپنی وزارتیں بنا لیں۔ اسی طرح اپریل ۱۹۳۷ء ہی میں پنجاب، بنگال، سندھ اور آسام میں مسلمانوں نے صوبائی وزارتیں قائم کر لیں۔ یو پی میں وزارت بنانے کے لئے متعدد مسلمان ممبر چونکہ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے تھے۔ اصل وجہ یہ تھی کہ یہاں پر کانگرس کے ووٹ پر صرف ایک مسلمان ممبر کامیاب ہوا تھا، اس لئے کانگرس نے مسلم لیگ کی وزارت میں شمولیت کی خاطر کئی طرح کی شرائط اور پابندیاں عائد کر دی تھیں۔ مسلم لیگ نے ان شرائط اور پابندیوں کو ہتک آمیز ذلت آمیز قرار دے کر قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا کیونکہ اگر مسلم لیگ کے ممبران اس وزارت میں اپنا وجود کھو کر شامل ہو جاتے تو کانگرس کھل کھیلتی۔ اس اشتراک سے بچنے کے لئے مسلم لیگ نے کانگرس کو کھلی چھٹی دے دی تو یو پی میں کانگرس ہی برسرِ اقتدار آ گئی۔ اسی طرح اپنی اکثریت کے باعث مدراس، سی پی اور صوبہ سرحد میں بھی بشمول مسلمانوں کے کانگرس ہی برسرِ اقتدار آ گئی۔

بنگال اسمبلی میں چونکہ کسی سیاسی جماعت کو واضح اکثریت حاصل نہیں ہوئی تھی، کانگرس نے چون نشستیں مسلم لیگ نے چالیس اور دیگر مسلمان جماعتوں نے ستر نشستیں حاصل کی تھیں، اس لئے وہاں پر بھی مسلم لیگ، پرا جا کرشک پارٹی اور دوسرے چھوٹے گروپوں نے مل کر مخلوط وزارت بنا لی اور فضل الحق وزیر اعلیٰ مقرر ہوئے۔ اس وزارت میں ہندو اور مسلمان وزراء کی تعداد برابر تھی لیکن کانگرس اس وزارت کو ختم کرنے کے درپے رہی۔

جن صوبوں میں کانگرس کی بلا شرکتِ غیرے یا اقلیتی مسلمان نمائندوں کے اشتراک سے وزارتیں قائم ہوئیں وہاں پر کانگرس نے مسلمانوں کے لئے طرح طرح کے مصائب پیدا کرنے شروع کر دیئے۔ کانگرس نے ہندو راج کا نفاذ عام کر دیا۔ مسلمانوں

Marfat.com

کے مذہب میں بھی ہندوؤں نے بے جا مداخلت کرنی شروع کر دی تھی۔ چند ایک مقام پر ہندوؤں نے اپنی مکارانہ سازشوں کے باعث شیعہ سُنی فسادات بھی برپا کرنے کی کوشش کی۔

کانگرس تو پہلے ہی مسلمانوں کے وجود کو ماننے کے لئے تیار نہیں تھی، اور پھر جب نہرو نے مسلمانوں اور مسلم لیگ کے وجود سے انکار کر دیا تھا تو اقتدار کے نشے میں ہندوؤں نے ہندوستان کی تمام سرکاری عمارتوں پر ترنگا لہرا دیا تھا۔ مسلمانوں کو مذہبی اور تعلیمی طور پر ہندو راج کے تابع بنانے کی خاطر انہوں نے بندے ماترم کا ترانہ تمام سکولوں میں لازمی قرار دے دیا تھا۔ سرکاری طور پر بعض علاقوں میں مسلمانوں کو گائے کے ذبح کرنے پر پابندی عائد کر دی تھی۔ تعلیمی اداروں اور دیگر دفاتر میں گاندھی کی تصاویر اور گاندھی کے اقوال آویزاں کئے جانے لگے تھے۔ یہی نہیں بلکہ پنڈت نہرو اور گاندھی جی نے کانگرس کے ذریعے مسلم لیگ اور اس کی سرگرمیوں کو دبانے کے منصوبے بھی بنا لئے تھے، لیکن ان حالات میں آل انڈیا مسلم فیڈریشن کے طالب علموں نے نہایت قابل قدر اور تاریخ ساز کردار ادا کیا۔

مسلمانوں کی سرگرمیاں

۱۸۔ اکتوبر ۱۹۳۷ء کو مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ایبٹ آباد میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں مسلمانوں نے مسجد شہید گنج کے واقعے پر ایک قرارداد مذمت منظور کی اور اس امر کا بھی اعادہ کیا کہ مسلم لیگ کے اغراض و مقاصد کو ہندوستان میں مزید پھیلایا اور فروغ دیا جائے گا۔ اسی اجلاس میں ایک بار پھر یہ مطالبہ کیا گیا کہ ہندوستان کو ایک فیڈریشن کی صورت میں مکمل حکومتی آزادی دی جائے،

Marfat.com

جس میں مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کے حقوق و مفادات کو پیش رکھا جائے۔

ایبٹ آباد میں منعقدہ مسلم لیگ کے اس اجلاس میں گاندھی کی مجوزہ "واردھا تعلیمی سکیم" سے بچاؤ کے لئے کہ جس میں مسلمانوں کے تمدن، تہذیب، معاشرت، زبان اور روایات کو تباہ کر کے ہندووانہ رسوم اور مذہبی روایات پھیلانا مقصود تھا۔ اس کے خلاف ہندوستان بھر کے اردو بولنے والے مسلمانوں اور دوسرے لوگوں کی توجہ اس امر کی جانب مبذول کرائی گئی کہ وہ صوبائی یا مرکزی سطح پر جہاں بھی ممکن ہو اردو کی حفاظت اور اردو زبان کی ترقی کے لئے کوشاں رہیں اور وہ علاقے کہ جہاں پر اردو زبان کو فوقیت حاصل ہے، ان علاقوں میں اردو زبان کی ترقی کے لئے مناسب اور موزوں تدریس و تعلیم کا کام کیا جاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اردو زبان کا استعمال سرکاری دفاتر، عدالتوں، قانونی اداروں، ریلوے اور محکمہ ڈاک میں جہاں بھی ممکن ہو بڑھایا جائے۔

مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن

آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا پہلا اجلاس کلکتہ میں ۲۷ - ۲۸ دسمبر ۱۹۳۷ء کو منعقد ہوا۔ اس اجلاس کی صدارت کے فرائض قائداعظم محمد علی جناح نے ادا کئے اور اپنے صدارتی خطاب میں انہوں نے فرمایا کہ "آج کی صورتحال ایسی ہے کہ اس میں دونوں بڑی قومیتوں کے لئے باہم مل جل کر کام کرنا ایک کٹھن اور مشکل مسئلہ ہے۔ یہ دونوں موجودہ حالات میں دیگر امور میں ہم آہنگ نہیں ہو سکتیں۔ اس لئے یہ عہد فرقہ واریت کا زمانہ ہے۔ اگر اس فرقہ واریت کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان بھی فرقہ واریت کے تحت حکومتی امور اور حکومت اپنا جائز حق حاصل کریں، تو اس اعتبار سے واقعی ہم بھی فرقہ واریت کا

Marfat.com

دم بھرتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ہم پر وقار اور باعزت طور پر ملکی مفاد میں تعاون کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن مساوی بنیادوں اور شرائط پر۔ اس اشتراک و تعاون کی خاطر ہم کسی کے دستِ نگر یا حاشیہ بردار نہیں ہونا چاہتے۔"

آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن ایک ایسا فورم تھا کہ جو قائدِ اعظم محمد علی جناح کو پنجاب کے سیاسی حالات سے پوری طرح باخبر رکھتا تھا اور دیگر سیاسی مسائل میں باقاعدہ ان سے رہنمائی حاصل کرتا تھا۔

یکم جنوری ۱۹۳۸ء کو نیشنل پریشن فیڈریشن آف انڈیا نے اپنے ایک اجلاس منعقدہ کلکتہ میں برعظیم کے لئے فیڈریشن کی سکیم کی حمایت کی، پھر اسی طرح ہندو مہاسبھا نے بھی فیڈریشن سکیم نافذ کرنے کی تائید کی۔ ۵۔ جنوری ۱۹۳۸ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے الہ آباد میں اپنی ایک تقریر میں فرمایا کہ حکومت کو چاہیئے کہ ہندوستان کی اقلیتوں کے مسائل کو جلد از جلد حل کرے اور جتنی جلدی ممکن ہو سکے مسلمانوں کو ان کے حقوق و مفادات کا آئینی تحفظ فراہم کیا جائے۔

۵۔ فروری ۱۹۳۸ء کو پنڈت نہرو اور گاندھی نے قائداعظم محمد علی جناح کو ایک خط لکھا اور دریافت کیا کہ مسلم لیگ کے مطالبات کیا ہیں؟ اسی روز قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سٹوڈنٹس یونین کے ایک اجلاس میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

"بیوروکریسی سمجھتی ہے کہ مسلمانوں پر بالادستی ان کا پیدائشی حق ہے۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ مسلمان ان کی بے جا بالادستی کو تسلیم نہیں کرتے۔ برطانوی حکومت نے اب حکومتی بالادستی ہندوؤں کے سپرد کر دی ہے۔ لیکن مسلمانوں نے اپنے آپ کو برطانوی حکومت کے ہتھکنڈوں سے آزاد کرا لیا ہے۔ کانگرس اور ہندو وزارتوں نے مسلمانوں اور مسلم لیگ

Marfat.com

کے خلاف زہرافشانی کرنی شروع کر رکھی ہے۔ لیکن مسلم لیگ نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ صوبائی سکیم سے ضرور فائدہ اٹھائے گی۔ اس کے برعکس کانگرس آئین کی دھجیاں اڑانے پر تلی ہوتی ہے۔ کانگرس نوجوان نسل کے ذہن کو بھی مسموم کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ کانگرس نے اپنی ان کارروائیوں کو اس لئے جاری رکھا کہ وہ کچھ معاملات میں حکومت برطانیہ کی یقین دہانی چاہتی تھی، لیکن کانگرس اپنے مقصد میں ناکام رہی ہے۔"

قائداعظم نے دُنیا بھر کے نظامہائے سیاست کا ذکر کرتے ہوئے جرمنی، سپین اور برطانیہ کی مثالیں پیش کیں اور پھر سوشلزم اور کمیونزم کا ذکر بھی کیا۔ انہوں نے بتایا کہ برعظیم میں برطانوی طرز کی جمہوریت ناقابل عمل ہے کیونکہ وہاں پر تو کبھی حکومت لبرل پارٹی کی ہوتی ہے تو کبھی لیبر پارٹی کی لیکن اسی طرز کی ہندوستان میں جمہوریت ہوگی تو اس کے تحت ہندو اکثریت ہمیشہ مسلمانوں پر فائق رہے گی اور مسلمان ہمیشہ ایک اقلیت بنے رہیں گے۔ اس لئے ضروری ہے کہ مسلمان اپنے اندر قوت اور طاقت پیدا کریں، اتحاد و استحکام سے حالات کا مقابلہ کریں، اس کے ساتھ ہی انہوں نے مسلمانانِ ہند سے ایک بار پھر اپیل کی کہ آیئے مسلم لیگ کے جھنڈے تلے اتحاد پیدا کریں۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر مسلمان متحد ہو جائیں گے تو جلد یا بدیر ان کے مسائل حل ضرور ہوں گے۔ اس لئے ضروری ہے کہ مسلم لیگ کی حمایت کیجئے اور یک زبان ہو کر اپنے حقوق و مفادات کا مطالبہ کیجئے۔"

قائداعظم محمد علی جناح کی سربراہی اور مسلمانوں کے اتحاد نے کانگرس کو مجبور کر دیا تھا کہ انڈین سٹیٹس قائم نہ کر سکے بلکہ اس سلسلے میں کانگرس نے بھی انڈین

Marfat.com

سٹیٹس قائم نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ۱۵ر فروری ۱۹۳۸ء کو بہار اور صوبجات کی کانگرس وزارتوں نے سیاسی قیدیوں کی عدم رہائی کے باعث استعفیٰ دے دیا تھا۔ ۲۱۔ مارچ ۱۹۳۸ء کو سندھ کی وزارت نے بھی استعفیٰ دے دیا۔ ادھر آسام میں سر سعد اللہ نے کانگرسی وزارت قائم کر لی۔ اسی دوران میں کہ جب ملک میں ایک طرح سے آئینی بحران پیدا ہوا تو سبھاش چندر بوس نے مسلمانوں اور دوسری چھوٹی اقلیتوں سے ملاقاتیں کر کے مسلمانوں سے درخواست کی کہ وہ کانگرس میں شریک ہو جائیں۔ اس پر قائداعظم محمد علی جناح نے کانگرس کی ناکامی اور مسلم لیگ کی سیاسی جیت پر مسلمانوں کو کامیابی کی نوید سنائی۔ اس موقع پر قائداعظم نے ہندوؤں اور مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ انسانی ہمدردی سے رہیں اور بے جا کسی طرح کی شورش اور غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ دونوں قوموں کو ایک دوسرے کی پاسداری کرنی چاہیئے۔

قائداعظم

اسی دوران میں مسلم لیگ نے کانگرس وزارتوں کی زیادتیوں اور اس عہد کی ناانصافیوں کا جائزہ لینے کے لئے ایک جائزہ کمیٹی راجہ سر محمد مہدی آف پیر پور کی سربراہی میں قائم کی۔ اس ساری صورتِ حال کے دوران میں کانگرسی وزارتوں نے مسلم لیگ کو پسِ پردہ پہنچانے کی خاطر حکومتی سرمائے سے چند ایک مسلمانوں کی ایسی انجمنیں بھی بنا دی تھیں کہ جن کا مقصد ہی یہی تھا کہ ان کی موجودگی میں یہ دعویٰ کیا جا سکے کہ مسلم لیگ ہی مسلمانانِ ہند کی واحد نمائندہ جماعت نہیں ہے اس سے پیشتر ایسی ہی کئی جماعتیں کرشک پراجا پارٹی، سرخ پوش، احرار،

Marfat.com

یونینسٹ، جمعیت العلماء مومنین جمعیت وغیرہ معرضِ وجود میں آچکی تھیں۔

۲۶ - ۲۹ دسمبر ۱۹۳۸ء کو پٹنہ میں آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں محمد علی جناح کی مسلمانانِ ہند کی رہنمائی کو خراج تحسین پیش کرتے ہوتے میاں فیروز الدین احمد میونسپل کونسلر لاہور نے ان کے لئے ایک القاب "قائداعظم" تجویز کیا۔ اس القاب کو لوگوں نے بے حد پسند کیا اور یہ القاب جلد ہی مقبول ہوکر معمول بن گیا۔ مسلم لیگ کے اسی اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی صدارتی تقریر میں فرمایا کہ :-

"آج میں اس امر کا اظہار خوشی کرنے کے قابل ہوں کہ مسلم لیگ نے بیوروکریسی کی نظروں یا کسی اور جماعت کی نظروں میں ایک باوقار مقام حاصل کرلیا ہے۔ کانگرس نے مسلمانوں اور نوجوانوں کو ہر طرح سے گمراہ کرنے اور انہیں نقصان پہنچانے کی کوششیں کی ہیں - کانگرس دعویٰ کرتی رہی ہے کہ وہ آزادیِ وطن کے لئے کوشاں ہے۔ لیکن اصل مسئلہ یہ نہیں تھا، کانگرس کا اصل مسئلہ "دال بھات" یعنی معاشی مسئلہ تھا۔ کانگرس نے مسلمانوں کو اپنا حاشیہ بردار بناکر انہیں غیر مشروط طور پر ہندو راج کے تابع کرنے کی کوششیں کی ہیں۔ اس طرح اب تو کانگرس نے ہندو مسلم اتحاد کی تمام امکانی صورتیں بھی ختم کردی ہیں بلکہ اب تو کانگرس خود ہی ہندو مسلم مسائل کا حل نہیں چاہتی۔ کانگرس یوں تو دعویٰ کرتی ہے کہ ہندو راج میں مسلمانوں کی ہر طرح کی تلافیاں کردے گی لیکن مسلمان اب آج کے حالات میں کانگرس سے کسی قسم کا تحفہ نہیں مانگتے بلکہ مسلمان اب اپنا حق مانگنے کا پختہ ارادہ کرچکے ہیں۔"

Marfat.com

اس تفصیلی صورتِ حال کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا کہ "آج ملک میں چار طاقتیں اور جماعتیں ہیں۔ ایک برطانوی حکومت ہے دوسری ہندوستانی حکمران اور ریاستی سربراہ، تیسری ہندو اور چوتھی مسلمان ہیں۔" انہوں نے فرمایا کہ "میں یہ ہرگز ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں کہ کانگرس صرف اور صرف ہندوؤں ہی کی جماعت نہیں ہے۔ بتایئے! بھلا کانگرس کو مسلمانوں سے بھی کوئی سروکار ہے؟ اسی طرح کانگرس عیسائیوں سے بھی کوئی واسطہ نہیں رکھتی، بلکہ میں یہ حقیقت بلاتردید بتاتا ہوں کہ کانگرس کو چھوٹی جاتیوں سے بھی کوئی ہمدردی نہیں ہے۔" اپنے اس بیان کو منطقی انداز میں پھیلاتے ہوئے قائداعظم نے مزید فرمایا کہ "کانگرس تو غیر براہمنوں کی بھی نمائندگی نہیں کرتی۔ کانگرس پورے ہندوؤں کی بھی جماعت نہیں ہے کیونکہ اگر کانگرس ہندوؤں ہی کی پوری طرح سے نمائندگی کرتی ہے تو پھر ہندو مہاسبھا کیا ہے؟ لبرل فیڈریشن کیا ہے؟ بس اس کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ کانگرس ملک کی واحد سب سے بڑی جماعت ہے۔ اس کے سوا یہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔ بس یہ محض ایک ہندو ادارہ ہے، ایک ہندووانہ جماعت ہے۔ کانگرس کے کرتا دھرتا افراد نے کانگرس کے بارے میں یہی سوچ رکھا ہے کہ کانگرس ملک میں ہندو راج نافذ کرے۔ کانگرس والے سوراج کی بھی باتیں کرتے ہیں، اس سے بھی ان کی مراد ہندو راج ہی کا قیام ہے۔"

مسلم لیگ کے پٹنہ اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح نے کانگرس کے ارادوں اور کانگرسی وزارتوں کی کارروائیوں، کانگرس کی بندے ماترم، کانگرسی ترنگے، ہندی ہندوستانی اور واردھا تعلیمی سکیم وغیرہ کا بھی ذکر کیا۔ اسی طرح انہوں نے گاندھی جی کی واردھا سکیم کی بھی قلعی کھولی۔ انہوں نے پیر پور رپورٹ کے حوالے سے کانگرسی وزارتوں کی کارکردگیوں اور مسلم کش سرگرمیوں کا ذکر بھی کیا۔ ان تمام

Marfat.com

تفصیلات اور کانگرسی معاندانہ کارروائیوں اور مسلم کش سرگرمیوں کے تذکرے کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا کہ :۔

"ملک کی موجودہ صورتِ حال میں مسلم لیگ انڈین سٹیٹس کے معاملات میں ہرگز مداخلت نہیں کرنا چاہتی۔ لیکن میں یہ امر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اگر کانگرس نے کسی مسلمان ریاست مثلاً حیدرآباد وغیرہ کے معاملات میں مداخلت کی تو پھر مسلم لیگ اس کارروائی کو ایک تازہ مداخلت سمجھ کر ہندو ریاستوں میں بھی مداخلت کرے گی۔ ہم اپنے مسلمان بھائیوں کو کسی بھی طور ہندوؤں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتے اور انہیں کانگرس کے ہاتھوں کسی بھی وقت کھلونا نہیں بننے دیں گے۔"

مسلم لیگ کے اس پٹنہ اجلاس میں مسلم لیگ نے ڈائرکٹ ایکشن لینے کے بارے میں ایک قرارداد منظور کی اور قرارداد میں کہا کہ "بہار، صوبجات متحدہ اور مرکزی صوبجات میں کانگرسی حکومتوں کے دوران میں مسلمانوں پر جو ظلم و ستم روا رکھے گئے ہیں اور مسلمانوں کے حقوق و مفادات کی جس طرح صوبائی حکومتوں نے پامالی کی ہے، ان کی تلافی اور ان کے زخموں پر مرہم رکھنے سے بھی صوبائی کانگرسی حکومتیں ناکام رہی ہیں، اور ان حکومتوں نے کسی بھی طرح کا آئینی رویہ بھی اختیار نہیں کیا۔ اس لئے مسلم لیگ کے اس اجلاس میں آل انڈیا مسلم لیگ، ورکنگ کمیٹی آف دی آل انڈیا مسلم لیگ کو یہ اختیار دیتی ہے کہ جہاں ضروری ہو ڈائرکٹ ایکشن سے کام لیا جائے۔"

اسی طرح اس اجلاس میں بہار، صوبجات متحدہ اور مرکزی صوبجات میں سول نافرمانی کی تحاریک چلانے کی قرارداد بھی منظور کی گئی۔ اس کے علاوہ

Marfat.com

کانگرس کے مسلمانوں پر مظالم کے حوالے سے ایک انکوائری کمیٹی بھی قائم کی گئی۔
اسی دوران میں ناگپور میں ہندو مہاسبھا کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں ہندو مہاسبھا نے فیڈریشن سکیم کو تسلیم کرنے کے بارے میں ایک قرارداد منظور کی۔ ایک جانب ہندو مہاسبھا نے یہ فیصلہ کیا لیکن اس کے برعکس نیشنل لبرل فیڈریشن نے کانگرس کی ان پالیسیوں پر شدید نکتہ چینی کی اور کہا کہ کانگرسی حکام نے صوبائی وزارتوں کے انتظامات میں کیوں بے جا مداخلت کی ہے۔

۲۲ مارچ ۱۹۳۹ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے لیجسلیٹو اسمبلی میں فنانس بل پر اپنی تقریر میں اسمبلی میں مسلم لیگ کی اہمیت اور اس کی رائے کی اہمیت پر بات چیت کی اور کہا کہ مسلم لیگ کی ایوان میں ایسی حیثیت ہے کہ اس سے صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے ایوان میں جو چیز یا بات لوگوں کے لئے بہتر اور مفید ہے ہم اس کی حمایت کرتے ہیں۔ اس جماعت کے دم قدم سے ایوان میں توازن ہے "لیکن اگر حکومتِ برطانیہ یا ہندو کانگرس یہ سمجھے کہ مسلمانان ہند لوگوں کی عددی برتری یا زیادتی سے دب جاتے ہیں تو یہ ان کا خیالِ خام ہے۔ اس لئے اس فنانس بل کے بارے میں اب ہم کسی طرح کی کوئی تبدیلی یا ترمیم کا مطالبہ نہیں کرتے، لہٰذا آپ اس فنانس بل کو جو چاہے کیجئے، ہمیں اس سے کوئی سروکار ہی نہیں ہے، اس طرح ہماری اس روش سے کانگرس کو فتح حاصل ہوگی اور حکومت شکست خوردہ ہو کر رہ جائے گی۔ لیکن یاد رکھیں میں اپنے ہندو دوستوں کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ کانگرس کی عددی برتری کے بل بوتے پر یہ فتح محض ایک لابی کی فتح ہے، اس لئے ہم حکومتِ برطانیہ کی حمایت کرنے کے لئے بھی تیار نہیں ہیں کیونکہ اس نے بھی مسلمانوں کو ان کے بنیادی لازمی حقوق سے بھی محروم رکھا ہوا ہے، جہاں تک فنانس بل کا تعلق ہے اس کا واسطہ حکومت

Marfat.com

سے ہے یا کانگرس سے ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہے، اس لئے اسے حکومت جانے یا کانگرس ہمیں کوئی پرواہ نہیں"۔

قائداعظم محمد علی جناح کی اس دوٹوک فیصلہ کن تقریر کے بعد گاندھی جی نے ہندو مسلم اتحاد کی کوششیں کیں۔ اس کے بعد مسلمان اور مسلم لیگ گاندھی کی ایسی کسی چال میں نہیں آئے بلکہ مسلم لیگ نے اپنے اجلاس منعقدہ ۸ راپریل ۱۹۳۹ء میں کسی بھی طرح کی وفاقی سکیم کو نامنظور کرنے کا اعادہ کیا۔ اسی دور میں نواب ممدوٹ اور سر شاہنواز خاں نے کنفیڈریسی آف انڈیا سکیم شائع کی اور اس کے ذریعے سے بھی مسلمانوں کو ایک بار پھر بہلانے کی کوشش کی۔ اسی دوران میں جب جنگِ عظیم دوم کا آغاز ہوا تو مسلمانانِ ہندوستان نے برطانوی حکومت کا ساتھ اس لئے دینے کا وعدہ کر لیا کہ جنگ کے خاتمے پر ہندوستان کو خود مختاری دے دی جائے گی اور اس وقت تک کانگرسی صوبوں میں مسلمانوں کو ضروری تحفظات فراہم کئے جائیں گے۔ اس کے جلد ہی بعد وائسرائے ہند نے اعلان کر دیا کہ ہندوستان میں قانونِ ہند ۱۹۳۵ء کے تحت کوئی وفاقی سکیم نہیں بنائی جائے گی اور ایسی کسی سکیم پر ہرگز عمل درآمد نہیں ہوگا۔

وائسرائے کے اس بیان پر کانگرس بے حد برہم ہوگئی اور اس نے اپنے ایک بیان میں برطانیہ کی مدد نہ کرنے کا فیصلہ کیا اور کہا کہ اگر حکومت نے اس سلسلے میں دباؤ ڈالا تو کانگرسی وزارتیں مستعفی ہو جائیں گی۔ لیکن وائسرائے ہند نے جب ہندوستان میں وار کونسل قائم کی تو صوبہ مدراس کی کانگرسی وزارت احتجاجاً مستعفی ہوگئی۔ کانگرس کے اس اقدام پر وائسرائے نے مفاہمت کی کوشش کی لیکن کانگرس ہٹ دھرمی پر تلی رہی اور نومبر ۱۹۳۹ء تک یو پی، سی پی، بمبئی، بہار، اڑیسہ، آسام اور سرحد کی کانگرسی وزارتوں نے بھی استعفے دے دیئے۔

Marfat.com

حکومت نے اس کے فوراً بعد قانونِ ہند ۱۹۳۵ء کے تحت گورنر راج قائم کر دیا۔ آسام میں سر محمد سعد اللہ نے وزارت بنالی لیکن بنگال اور پنجاب کے ساتھ ساتھ سندھ میں بدستور وزارتیں قائم رہیں۔ اکتوبر اور نومبر ۱۹۳۹ء کے دوران میں جب ہندوستان میں برطانوی حکومت کے خلاف احتجاجاً تمام کانگرسی وزارتیں ختم ہو گئیں، قائداعظم محمد علی جناح نے مطالبہ کیا کہ حکومت برطانیہ ایک رائل کمیشن قائم کرے کہ جس کے ممبران میں جج اور پریوی کونسل آف دی لارڈز کا ایک چیئرمین ہو۔ تاکہ یہ رائل کمیشن کانگرس حکومتوں کے خلاف الزامات پر ایک رپورٹ تیار کر سکے۔

مسلمانوں کا یومِ نجات

یہی نہیں بلکہ اسی اثنا میں قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ کے اثر و نفوذ کا اظہار کرنے کے لئے ۲۲ر دسمبر ۱۹۳۹ء کے دن کو یوم نجات کے طور پر منانے کا اعلان کیا۔ اس یوم نجات کا مقصد یہ تھا کہ خدا کے حضور شکر ادا کیا جائے کہ اس نے کانگرس کی ظالم حکومتوں سے نجات دلائی۔ گذشتہ قریباً دو ڈھائی سال سے مسلمانوں نے کانگرسی حکومت کے ہاتھوں جو مصائب برداشت کئے جو جو تکلیفیں اٹھائیں، مسلمانوں کے جذبات کو جس جس طرح سے مجروح کیا گیا اور انہیں ان کے بنیادی اور انسانی حقوق سے محروم رکھا گیا اور دیگر ادبار و آلام سے نجات حاصل کرنے پر مسلمانوں کا حق تھا کہ وہ ضرور 'یوم نجات' مناتے۔ لہٰذا مسلمانانِ ہند نے ۲۲ر دسمبر ۱۹۳۹ء کو ہندوستان کے تمام چھوٹے اور بڑے شہروں میں یوم نجات اور یومِ تشکر منایا۔ مسلمانوں کے اس یوم نجات میں بعض غیر مسلم اقلیتوں نے بھی حصہ لیا۔ مسلمانوں نے پُرامن جلسے جلوسوں کا اہتمام کیا۔ کئی اہم اور ضروری قراردادیں منظور کیں۔ ایسی قراردادیں بھی منظور کی گئیں کہ جن میں حکومت سے

Marfat.com

مطالبہ کیا گیا کہ کانگرس کی وزارتوں نے اپنے دورِ حکومت میں مسلمانوں کے ساتھ جو ناانصافیاں کی ہیں اور جو ظلم ڈھاتے ہیں ان کی جلد از جلد تحقیقات کر کے ان کی حق رسی اور داد خواہی کی جائے۔

اس صورتِ حال کے تحت قائداعظم محمد علی جناح نے مسلمانانِ ہند کو، جو سیاسی نظریات بخشے اس میں انہوں نے مسلمانوں کو دو نعرے بھی دیئے۔ ایک یہ کہ "کانگرس حکومتیں مسلمانوں پر ظلم وستم اور بیداد پن کے باعث مجرم اور قصوروار ہیں"۔ دوسرا یہ کہ "مسلمان کوئی اقلیت نہیں ہیں بلکہ وہ ایک قوم ہیں"۔ اس کے ساتھ ساتھ قائداعظم نے لوگوں پر مزید واضح کیا کہ:۔

(۱) ہندوستان میں پارلیمنٹری حکومت ناقابلِ عمل ہے۔

(۲) ہندوستان کے مسلمان اپنا سیاسی، سماجی، ثقافتی اور معاشرتی نظام قائم کرنا اور اسے فروغ دینا چاہتے ہیں اور وہ نظام ایسا ہوگا کہ جس کی بنیادیں ان کے اپنے ہی نظام میں ہوں گی۔

(۳) مسلم لیگ جو مسلمانانِ ہند کی واحد نمائندہ اور مصدقہ جماعت ہے۔ اس لئے ملک میں کوئی بھی آئین مسلم لیگ کی مرضی اور اجازت کے بغیر نافذ نہیں کیا جا سکے گا۔

(۴) ہندو اور مسلمان دو جداگانہ اور الگ الگ قومیں ہیں۔ اس لئے اکثریتی جماعت کے اصول وضوابط کو مسلمانوں پر نافذ نہیں کیا جا سکتا۔

Marfat.com

باب ۔ ۱۲

قراردادِ پاکستان

۱۹۴۰ء کا سال مسلمانانِ برعظیم کے لیے خوشیوں اور ان کے نصب العین کی نشاندہی اور نصب العین کے حصول کے لیے سب سے زیادہ تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ ۷ رجنوری ۱۹۴۰ء کو مسلم لیگ کی جانب سے جناح نہرو خط و کتابت شائع کر دی گئی تھی، اس کے ساتھ ہی مسلم لیگ نے اپنے اس دعوے کو ایک بار پھر بڑے واشگاف الفاظ میں دُہرایا تھا کہ برعظیم کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ ہی ہے۔ اس امر کی ضرورت اس لیے بھی پیش آئی کہ پنڈت نہرو تو برعظیم میں برطانوی حکمران جماعت اور کانگریس کے علاوہ کسی تیسری جماعت یا طاقت کو ماننے کے لیے تیار نہیں تھے۔

کونسل آف مسلم لیگ

۲۵ رفروری ۱۹۴۰ء کو کونسل آف مسلم لیگ کا ایک اجلاس نئی دہلی میں منعقد ہوا۔

Marfat.com

اس اجلاس میں ورکنگ کمیٹی نے جو سفارشات ترتیب دی تھیں ان پر روشنی ڈالی گئی۔ اوران کے بارے میں قائداعظم محمد علی جناح نے ان نکات کا ذکر کیا جن پر اُنھوں نے وائسرائے ہند سے بات چیت کی تھی۔ اس سے پیشتر گو مسلم لیگ قائداعظم محمد علی جناح کو وائسرائے سے ملاقات کرنے اور مسائل بیان کرنے کے مکمل اختیار دے چکے تھے لیکن قائداعظم نے اس کے باوجود ورکنگ کمیٹی کی قرارداد کے حوالے سے وضاحت کی۔

کونسل آف مسلم لیگ کے اسی اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح نے مسلمانوں کے پانچ مطالبات کا ذکر کیا اور فرمایا کہ :

۱۔ ہندوستانی افواج کو اپنے ملک کے تحفظ کے لیے بلا تمیز رنگ ونسل استعمال کیا جانا چاہیئے، کیونکہ اس ضمن میں مخالفین نے یہ غلط فہمی پیدا کر دی ہے کہ مسلمانانِ ہند ملک کی حفاظت سے گریزاں رہیں گے۔ اصل مسئلہ یہ نہیں ہے، اصل مسئلہ یہ ہے مسلمان ہندوستان سے باہر کسی مسلمان طاقت کے خلاف ہتھیار نہیں اٹھائیں گے۔

۲۔ مسلم لیگ کا مطالبہ ہے کہ انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء قطعی طور پر کالعدم قرار دے دیا جائے۔ نئی آئینی سکیم اور اصلاحات کا نفاذ نئے حالات اور تقاضوں کے تحت کیا جائے۔ اس ضمن میں وائسرائے ہند نے یقین دلا دیا ہے کہ انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ ختم کر کے نئی آئینی سکیم بنائی جائے گی۔

۳۔ مسلم لیگ کی منظوری کے بغیر کوئی آئین نہ بنایا جائے۔ اس مطالبے پر بھی وائسرائے نے مسلم لیگ کو یقین دہانی کرا دی ہے کہ اس کی قبل از وقت منظوری کے بغیر کوئی آئین بنایا اور نافذ نہیں کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ مسلمان اپنی آزادی اور منزل کا تعین خود ہی کریں گے، ان کی حیثیت کسی رابطہ کار کی سی نہیں ہے۔

۴۔ عربوں کے مسائل منصفانہ اور باعزت طور پر حل کیے جائیں۔ اس سلسلے میں

Marfat.com

برطانوی حکومت کا کوئی بھی فیصلہ عربوں کے لیے اطمینان بخش ہونا چاہیئے۔

۵۔ ایسے علاقے کہ جہاں پر کانگریسی وزارتیں قائم تھیں، وہاں پر کانگرس نے جو ظلم ڈھائے ہیں ان کے بارے میں با اختیار اور انصاف پسند ٹربیونل مقرر کیا جائے تاکہ وہ کسی طرح کی جانب داری کا ثبوت نہ دے سکے۔

منزلِ مقصود

ہندوستان میں انگریزی حکومت نے جب ملک کو آزاد کر دینے کے بارے میں اور خود مختاری کے حوالے سے وعدے وعید کرنے شروع کیے تھے۔ کانگرس اور ہندوؤں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ "آخر انگریزوں نے ہندوستان چھوڑنا ہے اور ہندوؤں کی اکثریت کی بنا پر ہندوؤں ہی کی حکومت ہونی چاہیئے۔ ان حالات میں یقیناً مسلمان مزاحمت کریں گے۔ اس سے ہندو قوم کے دلوں سے بزدلی نکالی جائے۔ اس لیے ہندو لیڈروں نے اپنی قوم سے بزدلی دُور کرنے کے لیے راشٹریہ سیوک سنگھ اور جن سنگھ وغیرہ عسکری تنظیمیں قائم کر لی تھیں۔ ان عسکری تنظیموں کا نصب العین یہ تھا کہ مسلمانوں کو ہندو بنا کر ہندو قوم میں جذب کیا جائے یا بزورِ طاقت ان کو ہندوستان سے نکال دیا جائے۔ ان تنظیموں میں مسلمانوں کو مارنے کے طریقے سکھائے جاتے تھے"۔

ہندوؤں کی انہی تنظیموں نے کانگرسی حکومتوں کے دوران میں لاتعداد جور و ستم ڈھائے۔ لیکن جب کانگرسی حکومتیں ناکام ہوئیں اور لوگوں نے یومِ نجات منایا تو اس یومِ نجات میں بعض دیگر غیر مسلم اقلیتوں نے بھی حصہ لیا اور یہ ثابت کر دیا کہ کانگرس حکومتوں کے مظالم غیر انسانی اور وحشیانہ تھے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے کونسل آف مسلم لیگ کے اسی اجلاس میں فرمایا تھا کہ

Marfat.com

"لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ ہماری منزلِ مقصود کون سی ہے؟ تو میں کہتا ہوں کہ اگر آپ لوگ اب بھی منزلِ مقصود کو نہیں سمجھ سکے تو آپ کبھی نہیں سمجھ سکیں گے کہ ہماری منزل کیا ہے!۔ اس سوال کا جواب نہایت واضح ہے کہ برطانیہ ہندوستان پر حکومت کرنا چاہتا ہے، اسی طرح گاندھی اور کانگرس بھی ہندوستان پر حکومت کرنا چاہتی ہے ـــ لیکن ہم کہتے ہیں کہ ہم نہ برطانیہ کو اور نہ گاندھی کو مسلمانوں پر حکومت کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ ہم خود آزادی چاہتے ہیں۔ آیئے ہم اپنے اندر اتحاد اور استقامت پیدا کریں۔ تنظیم پیدا کریں اور میرا یہ پیغام تمام مسلمانوں تک پہنچا دیں اور اس امر کی وضاحت بھی کر دیں کہ مسلم لیگ کیا کچھ مانگتی اور چاہتی ہے۔"

اسی دوران میں کانگرس ورکنگ کمیٹی نے یہ فیصلہ دیا کہ موجودہ حالات کے تحت کانگرس جب بھی مناسب سمجھے گی سول نافرمانی کی تحریک شروع کر دے گی۔ کانگرس اس سے پیشتر مولانا ابوالکلام آزاد کو کانگرس کا صدر بھی منتخب کر چکی تھی۔

آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاسِ لاہور

آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی نے ۲ جولائی ۱۹۳۹ء کو اپنے اجلاس منعقدہ بمبئی میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ مسلم لیگ کا آئندہ سالانہ اجلاس لاہور میں منعقد ہوگا۔ اس دور میں پنجاب میں سر سکندر حیات خاں اور نواب شاہنواز خاں ممدوٹ کا بڑا اثر و رسوخ تھا۔ لہٰذا انہی حضرات نے لاہور میں جلسہ کے انعقاد کے لیے ایک مجلس استقبالیہ قائم کر دی اور اس کے بعد لاہور میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ۲۲، ۲۳ اور ۲۴ مارچ ۱۹۴۰ء کو منعقد ہونا قرار پایا۔ اور یہ بھی فیصلہ ہوا کہ یہ اجلاس بادشاہی مسجد کے پہلو میں موجود وسیع و عریض منٹو پارک میں منعقد ہوگا اور چار دیواری کے بجائے قناتیں لگائی جائیں گی۔

Marfat.com

لاہور میں سیاسی سرگرمیاں

دوسری جنگ عظیم اپنے معمول کے مطابق جاری تھی۔ حکومتِ برطانیہ نے پنجاب میں کسی بھی طرح کی عسکری تنظیم پر پابندی لگا رکھی تھی اس پابندی کی زد براہِ راست خاکسار تحریک پر پڑتی تھی لیکن خاکسار تحریک نے حکومت کی اس پابندی کو درخورِ اعتنا ہی نہ سمجھا بلکہ اپنی قلمی اور علمی سرگرمیوں کو اور بھی تیز کر دیا۔ دوسری جانب مسلمانوں کا جوش و جذبہ مائل بہ عروج تھا اور مخالفین بھی اس اجلاس کی ناکامی کے لیے طرح طرح کی حیلے سازیاں کر رہے تھے۔ عین مارچ کے وسط میں حکومت نے خاکسار تنظیم پر پابندی عاید کر کے صورت حالات کو نازک بنا دیا تھا۔ اس کے باوجود خاکسار تنظیم نے اپنی کارروائیاں جاری رکھیں۔

"۱۹ مارچ ۱۹۴۰ء کی صبح کو یکایک خاکساروں کے جتھے قواعد (چپ راست کی پریڈ) کرتے ہوئے بھاٹی دروازہ کے اندر نمودار ہوئے۔ پولیس نے روکنا چاہا لیکن خاکساروں نے اپنے صیقل شدہ بیلچوں سے پولیس کے سپاہیوں اور افسروں پر حملہ کر دیا۔" اس حملے کے جواب میں پولیس نے گولی چلا دی۔ کئی خاکسار گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ پھر بپھرے ہوئے خاکساروں نے اس سپرنٹنڈنٹ پولیس کا سر قلم کر دیا جس نے خاکساروں پر گولی چلانے کا حکم دیا تھا۔ پولیس سپرنٹنڈنٹ مسٹر بیٹی کے قتل کے بعد مسلح پولیس کی کئی لاریاں وہاں آگئیں اور پھر انھوں نے خاکساروں کا بڑی بے دردی کے ساتھ قتل عام شروع کر دیا۔ اس کارروائی کے ساتھ ہی لاہور میں دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ کر دیا گیا اور لاہور کی فضائیں ایک بار پھر رنج و اشتعال سے بھر گئیں۔ اس ساری نازک صورت حال نزاعی فضاؤں کے باوجود قائداعظم محمد علی جناح اپنے پروگرام کے مطابق مسلم لیگ کے اس اجلاس کے انعقاد کے لیے ۲۰ مارچ

Marfat.com

۱۹۴۰ء کو لاہور پہنچ گئے۔

قائدِ اعظم محمد علی جناح نے سب سے پہلے لاہور میں پہنچ کر زخمی اور مضروب خاکساروں کی ہسپتال میں جاکر تیمارداری کی۔ اگلے دن انھوں نے ایک وفد کے ہمراہ منٹو پارک میں جاکر مسلم لیگ کا جھنڈا لہرایا۔

۲۱ مارچ ۱۹۴۰ء کی شام کو آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں سیکرٹری نے ایک رسمی رپورٹ پیش کی جس کے بعد سبجیکٹ کمیٹی کے چند ارکان نامزد کر دیئے گئے۔ ۲۱ مارچ ۱۹۴۰ء ہی کو اس اجلاس کی قرارداد کا ایک مسودہ نواب صاحب آف ممدوٹ کی کوٹھی میں بیٹھ کر تیار کیا گیا۔

قراردادِ لاہور

۲۲ مارچ ۱۹۴۰ء کو مسلم لیگ کا ستائیسواں سالانہ اجلاس پورے جوش و خروش کے ساتھ منٹو پارک لاہور میں منعقد ہوا۔ ابتدائی رسمی کارروائیوں کے بعد اس اجلاس کے صدر قائداعظم محمد علی جناح کو اس اجلاس کے صدارتی خطاب کے لیے دعوت دی گئی۔ لہٰذا قائداعظم محمد علی جناح نے کسی لکھی ہوئی تقریر کے بجائے فی البدیہہ زبانی تقریر کی۔ اپنی تقریر کے آغاز میں انھوں نے مسلم لیگ کی گذشتہ چند مہینوں کی کامیابیوں اور کوششوں کا ذکر کیا اور فرمایا کہ:

"آج ہم پورے پندرہ مہینوں کے بعد اپنے اس اجلاس میں شریک ہو رہے ہیں۔ اس دوران میں بہت سے واقعات رُونما ہو چکے ہیں۔ اس وقت صرف اتنا بتا دینا ہی کافی ہے کہ مسلم لیگ روز افزوں ترقی کر رہی ہے۔"

اس کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے خواتین کی بیداری پر اظہارِ خیال کیا اور اُنھیں بھی دعوت دی کہ وہ بھی ہمارے ساتھ زندگی اور موت کی کشمکش میں حصہ لیں۔ پھر

Marfat.com

پھر انھوں نے سیاسی صورتحال کا جائزہ لیتے ہوئے فرمایا کہ :

" اب تک ہم نے کئی سبق سیکھ لیے ہیں ۔ کانگرسی وزارتوں نے ہم پر بہت کچھ واضح کر دیا ہے ۔ اس لیے اب ہم کسی دوسرے پر ہرگز اعتماد نہیں کر سکتے ۔ اس لیے اب ہم دو ٹوک الفاظ میں کہتے ہیں کہ ہندوستان کے مستقبل کے آئین کے لیے کوئی اعلان ہز میجسٹی گورنمنٹ مسلمانوں کی پیشگی منظوری اور رضامندی کے بغیر نہیں کرے گی ۔ کسی بھی پارٹی سے ہماری عدم موجودگی میں کوئی سودے بازی یا سیاسی تصفیہ نہیں کیا جائے گا ، اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہو گا جب ہماری منظوری اور رضامندی حاصل کر لی جائے گی "۔

انھوں نے مزید وضاحت کے لیے فرمایا کہ :

" میں اس پلیٹ فارم سے ایک بار پھر صاف لفظوں میں اعلان کرتا ہوں کہ اگر کوئی مسودۂ قانون ، اعلان یا کوئی عبوری سیاسی معاہدہ یا تصفیہ ہماری منظوری اور رضامندی کے بغیر عمل میں لایا گیا تو ہندوستان کے مسلمان اس کے خلاف مزاحمت کریں گے ۔ اس وجہ سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہونی چاہیئے "۔

اس کے بعد قائدِ اعظم محمد علی جناح نے گاندھی کی سیاست اور سیاسی چالوں کا تجزیہ کیا اور اس کے ساتھ ہی اُنھوں نے گاندھی کی اسلام پسندیوں کا بھی ذکر کیا ۔ اُنھوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین سیاسی مسائل کے حل کے بارے میں بھی اپنے خیالات بیان کیے اور اندر پرکاش کی ایک کتاب میں سے لالہ لاجپت رائے کا مسٹر سی آر داس کے نام لکھا ہوا خط بھی سنایا اور ساتھ ہی ساتھ اپنے خاص انداز میں اس کا تجزیہ بھی پیش کیا اور فرمایا کہ :

" اس امر کی وضاحت کرنا کہ ہمارے ہندو دوست اسلام اور ہندوازم کی حقیقی صورتحال اور حقیقت کو سمجھنے سے کیوں قاصر ہیں یہ ایک بڑا مشکل امر ہے میرے

Marfat.com

خیال میں یہ دونوں کسی اعتبار سے اور لغوی اعتبار سے مذہب نہیں ہیں، لیکن درحقیقت یہ سماجی اور معاشرتی ضوابط ہیں اور یہ محض ایک خواب ہے کہ ہندو اور مسلمان کوئی ایک قومیت بنا سکیں گے اور یہ غلط فہمی تو اب قصۂ پارینہ ہو چکی ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس غلط فہمی نے تو ہندوؤں اور کانگرس کے لیے کئی طرح کی مشکلات پیدا کر دی ہیں اور یاد رکھیں یہی غلط فہمی ہندوستان کو تباہی کے دہانے تک پہنچا دے گی"۔

" ہندو اور مسلمان دو جداگانہ مذہبی فلسفوں، سماجی رسم و رواج اور علمی ادبی ورثے سے تعلق رکھتے ہیں۔ نہ تو وہ آپس میں شادی کر سکتے ہیں اور نہ مل کر کھا سکتے ہیں۔ درحقیقت وہ دونوں مختلف تہذیبوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان تہذیب کے افکار و نظریات بھی ایک دوسری سے متضاد اور متخالف ہیں۔ زندگی اور زندہ رہنے کے بارے میں دونوں کے نظریات اور دیگر پہلو ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ ہندو اور مسلمان تاریخ کے مختلف منابع اور ذرائع سے اکتساب کرتے ہیں۔ دونوں کی رزمیہ تاریخ مختلف ہے۔ دونوں کے ہیرو مختلف ہیں۔ دونوں کے حالات و واقعات بھی مختلف ہیں، بلکہ یہاں تک کہ ایک قوم کا دشمن دوسری قوم کا ہیرو ہوتا ہے۔ دونوں میں ایک کی شکست دوسری کی فتح اور ایک کی فتح دوسری قوم کی شکست ہوتی ہے۔ ایسی دو قوموں کو کسی ایک نئی سلطنت میں اکٹھے کر دینا کہ جن میں ایک تو عددی اقلیت میں ہو اور دوسری واضح اکثریت میں ہو۔ اس کا نتیجہ لامحالہ بے سکونی، ابتری اور تباہی کے سوا کچھ نہیں نکل سکتا۔ ان دونوں کے لیے کسی بھی وضع کی حکومت بنا دی جائے اس کا نتیجہ یہی برآمد ہوگا"۔

اسی یادگار اجلاس لاہور میں قائدِ اعظم محمد علی جناح نے لفظ اقلیت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ مسلمانوں کے لیے لفظ 'اقلیت' استعمال کیا جاتا ہے حالانکہ

Marfat.com

مسلمان اقلیت میں نہیں ہیں۔ مسلمان تو ہر اعتبار سے ایک مکمل قوم ہیں۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ "یقیناً" مسلمان اقلیت نہیں ہیں۔ ہندوستان کے نقشے پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ اس ملک کے وسیع علاقے مسلمانوں کے قبضے میں ہیں۔ مثلاً بنگال، پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کے علاقے ایسے ہیں کہ یہاں پر مسلمانوں کو برتری حاصل ہے۔

اس کے بعد انھوں نے "قومیت" کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ "قومیت کی تعریف چاہے جس طرح بھی کی جائے، مسلمان اس تعریف کی رُو سے ایک الگ قوم کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس کے لیے وہ اس بات کے مستحق ہیں کہ ملک میں ان کی اپنی الگ مملکت ہو، اور اپنی جُداگانہ خود مختار ریاست ہو۔ ہم مسلمان چاہتے ہیں کہ ہندوستان کے اندر ہم ایک آزاد قوم بن کر اپنے ہمسایوں کے ساتھ ہم آہنگی اور امن کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ ہماری تمنا ہے کہ ہماری قوم اپنی روحانی، اخلاقی، تمدنی، اقتصادی، معاشرتی اور سیاسی زندگی کو کامل ترین نشوونما بخشے اور اس کام کے لیے وہ طریق عمل اختیار کرے جو اس کے نزدیک بہترین ہو اور ہمارے عطیاتِ قدرتی ہمارے نصب العین سے ہم آہنگ ہوں"۔

اس وضاحت کے بعد قائدِ اعظم محمد علی جناح نے اپنی صدارتی تقریر میں فرمایا کہ:

"ہمارا ایماندارانہ مطالبہ اور ہمارے کروڑوں لوگوں کے مفاد میں یہی ہے کہ ہم کوئی باعزت اور پُرامن حل تلاش کریں۔ ایسا حل تلاش کرنا ہمارا مقدس فریضہ ہے کہ جو ہمارے لیے ہر طرح سے مناسب ہو۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہم دوسروں کی دھمکیوں اور ڈرانے سے اپنے مقاصد کے حصول سے ایک بال برابر بھی پیچھے نہیں ہٹ سکتے۔ اس لیے ہمیں ہر طرح کی مشکل سے مشکل صورتِ حال کے مقابلے کے لیے ہمہ وقت تیار رہنا چاہیئے۔ اور اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لیے ہر طرح کی قربانیوں سے دریغ نہیں کرنا چاہیئے"۔

Marfat.com

انھوں نے اپنی تقریر کو ان الفاظ پر ختم کیا کہ" اسلام کے خادم بن کر میدان میں آیئے۔ لوگوں کو معاشی، معاشرتی، تعلیمی اور سیاسی طور پر منظم کیجئے اور میں یقین دلاتا ہوں کہ اس وقت آپ وہ طاقت بن جائیں گے جس کو ہر ایک قبول اور تسلیم کرے گا"۔

اس اجلاس کے آخر میں مسلم لیگ نے درج ذیل قرارداد پیش کی، اور اس قرارداد کو منظور کر لیا گیا :۔

"آل انڈیا مسلم لیگ کا یہ اجلاس خاکساروں اور پولیس کے دردناک واقعے پر شدید غم و غصے کا اظہار کرتا ہے اور اس واقعے کے نتیجے میں ۱۹ر مارچ ۱۹۴۰ء کو جو بھاری جانی نقصان ہوا ہے، جس میں کئی جانیں ضائع ہوئی ہیں۔ متعدد لوگ زخمی اور مجروح ہوئے ہیں، مسلم لیگ یہ اجلاس ان لوگوں کے خاندانوں اور لواحقین کے ساتھ پُرخلوص ہمدردیوں کا اظہار کرتا ہے۔

یہ اجلاس مزید یہ مطالبہ کرتا ہے کہ اس سانحہ کی تحقیق و تفتیش کے لیے حکومت ایک غیر جانب دار اور خود مختار کمیٹی قائم کرے جس کے ممبران پورے اعتماد کے ساتھ ایک رپورٹ تیار کریں اور مکمل تحقیقاتی رپورٹ جلد از جلد مرتب کریں۔ جب یہ رپورٹ چھپ کر تیار ہو جائے تو پھر اس سلسلے میں یہ اجلاس ورکنگ کمیٹی کو اختیارات دیتا ہے کہ وہ فوری طور پر جو بھی مناسب سمجھے فیصلہ کرے۔ اجلاس میں یہ بھی فیصلہ کیا گیا ہے کہ خاکسار تحریک کو غیر قانونی قرار دینے کا فیصلہ واپس لیا جائے اور اس تنظیم پر سے جلد پابندی اٹھالی جائے"۔

۲۳ر مارچ ۱۹۴۰ء کو مسلم لیگ کا ایک عظیم الشان کھلا اجلاس بھی منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں حاضرین کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ بیان کی جاتی ہے۔ اس عظیم الشان اجلاس کی صدارت بھی قائدِ اعظم محمد علی جناح نے فرمائی۔ اسی اجلاس میں بنگال کے وزیر اعلیٰ شیر بنگال مولوی فضل الحق نے درج ذیل تاریخی قرارداد منظوری

Marfat.com

کے لیے پیش کی۔

"کونسل اور مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی نے جو لائحہ عمل ۲۷ اگست، ۱۷ اور ۱۸ ستمبر اور ۲۲ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو قراردادیں منظور کر کے آئینی امور کے بارے میں پیش کی ہیں۔ مسلم لیگ کا یہ اجلاس اسے منظور اور پیش کرتے ہوئے ان کی تصدیق و تائید کے بعد پُر زور الفاظ میں واضح کرتا ہے کہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت جو فیڈریشن سکیم پیش کی گئی ہے، وہ موجودہ صورتِ حال میں ناقابلِ عمل ہونے کے باعث مسلمانانِ ہند کے لیے قطعی طور پر ناقابل قبول ہے۔

اس اجلاس میں یہ بھی اعلان کیا جاتا ہے کہ وہ اعلان جو وائسرائے ہند نے ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو ملک معظم کی حکومت کی جانب سے جاری کیا ہے، اس کے تحت ہندوستان کی مختلف جماعتوں کے مفادات اور فرقوں سے مشورے کے بعد جائزہ لیا جائے۔ اسلامی ہندوستان اس مد میں اس وقت تک مطمئن نہیں ہو سکتا کہ جب تک پوری آئینی سکیم کو از سرِ نو ترتیب نہ دیا جائے اور یہ بھی کہ کوئی ترمیم یا نظر ثانی شدہ دستوری خاکہ اس وقت تک قابل قبول نہیں ہوگا جب تک اس کے لیے مسلمانوں کی رضامندی اور منظوری حاصل نہیں کی گئی ہوگی۔

قرار پایا جاتا ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ کے اس اجلاس کی یہ رائے ہے کہ ہندوستان کے مسلمان صرف اس دستوری ڈھانچے کو اس ملک کے لیے قابل عمل سمجھیں گے کہ جس میں مرتب کرتے وقت ذیل کے اصولوں اور امور کو پیش نظر رکھا ہوگا! جغرافیائی طور پر متصلہ وحدتوں کی پاسداری اور جہاں ممکن ہو ضروری ردّ و بدل سے ان وحدتوں کو باہم ملا کر ہندوستان کے اندر خود مختار آزاد مملکتیں بنائی جائیں۔ اور پھر ان خود مختار وحدتوں کو مناسب مؤثر اور انتدابی تحفظات فراہم کیے جائیں۔ اور ایسے خطے کہ جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں وہاں مناسب، مؤثر اور انتدابی تحفظات کا بھی پورا پورا خیال رکھا جائے، تاکہ ان کے

Marfat.com

مذہبی، ثقافتی، معاشی، سیاسی، انتظامی اور دوسرے حقوق کی حفاظت کی جا سکے"۔

اس قرارداد کی تائید و حمایت چودھری خلیق الزماں، مولانا ظفر علی خاں، سردار اورنگ زیب خاں، حاجی سر عبداللہ ہارون، نواب اسماعیل خاں، قاضی محمد عیسیٰ اور آئی آئی چندریگر نے کی۔ ان کے بعد دیگر مندوبین اور وفود نے اس قرارداد کی بھرپور تائید اور حمایت کا اعلان کیا۔

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کی اس قرارداد نے برعظیم پاک و ہند کی سیاسی تاریخ میں ایک انقلاب آفریں باب کا آغاز کر دیا۔ مسلمانانِ ہند نے اس قراردادِ لاہور کی بھرپور انداز میں نہایت واشگاف الفاظ میں تائید کی اور یہ ثابت کر دیا کہ اب مسلمانانِ ہند کی منزلِ مقصود جو واضح ہو چکی ہے۔ اس تک پہنچنے سے انھیں دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ اور اسی طرح اب مسلم لیگ کو کہ جو مسلمانانِ ہند کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ اسے اس کے نصب العین کے حصول سے ایک لمحہ بھی غافل نہیں رکھا جا سکتا۔

مسلم لیگ کا لاہور میں منعقدہ یہ ستائیسواں سالانہ اجلاس اپنی اہمیت کے اعتبار سے ایک انقلاب آفریں باب کا آغاز کرتا ہے"۔ مسلمانانِ ہند گذشتہ نصف صدی سے سیاسی گمراہی میں مبتلا تھے، لیکن لاہور کے اس اجلاس نے انھیں ایک صحیح تصورِ حیات دیا۔ یہ نظریہ مسلمانانِ ہند کے سامنے ۱۹۳۰ء سے موجود تھا۔ حکیم الامت حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمتہ نے اپنے خطبہ صدارت (الہ آباد) میں شمالی ہند میں ایک اسلامی حکومت کے قیام کی تجویز پیش کی تھی ــــ اُنھوں نے فرمایا تھا کہ "مسلمانانِ ہندوستان میں اسلام ہندوستان میں تمدنی قوت کی حیثیت سے صرف اس وقت زندہ رہ سکتا ہے اور اسلام کی ثقافتی قوت کی بقا اسی میں ہے کہ ملک کے ایک حصے میں اس کی مرکزیت قائم ہو جائے"۔ لہٰذا قراردادِ لاہور جسے بعد میں قراردادِ پاکستان، کا نام دے دیا گیا، کے بعد تو مسلمانوں کی منزل ان کے بالکل سامنے تھی۔ انھیں اپنی اکثریت کے

Marfat.com

صوبوں میں ان کا اپنا راج اور ملک دکھائی دینے لگا تھا بلکہ ہندوستان کے حکمران طبقہ یعنی برطانیہ کو بھی اب یہ معلوم ہو چکا تھا کہ "مسلمان اپنے جداگانہ تشخص اور ثقافت کے احساس سے بخوبی آگاہ ہو چکے ہیں، اس لیے اب وہ کسی طرح کے تشدد کو بطور پالیسی بھی اختیار کرنے کو نہ بُرا سمجھتے ہیں اور نہ اس کنارہ کش ہی ہونے کے لیے تیار ہیں"۔

قراردادِ پاکستان کی مخالفتیں

ایک جانب قائدِ اعظم محمد علی جناح کی ہدایت پر پورے ہندوستان میں قراردادِ پاکستان کی حمایت و تائید کے لیے مسلم لیگ کے جلسوں کا انعقاد تواتر سے ہونے لگا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی دوسری جانب کانگرس اور ہندو پریس اس قرارداد کی شدید مخالفت کرنے لگے تھے۔ یہی نہیں بلکہ کانگرسی مسلمانوں نے بھی اس قرارداد کی مخالفت میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔

آزاد مسلم کانفرنس کہ جو جمعیت العلمائے ہند، مجلسِ احرار اور شیعہ پولٹیکل کانفرنس کے اشتراک و تعاون سے معرضِ وجود میں آئی تھی، اس نے مسلمانانِ ہند کے لیے ایک علیحدہ ملک کی ضرورت اور مطالبے کی شدید مخالفت کی اور یہاں تک کہا کہ مسلم لیگ تو ہندوستان کے پورے اور سارے مسلمانوں کی نمائندہ جماعت نہیں ہے۔ اسی طرح گاندھی نے بھی مسلمانوں کے دو قومی نظریے کو اپنے تئیں باطل قرار دیا اور یہ بھی فرمادیا کہ "ہندوستان کے مسلمانوں کی اکثریت یا تو خود دوسرے مذاہب چھوڑ کر مسلمان ہوئی ہے یا ان کے آبا و اجداد مسلمان ہوتے تھے۔ اس لیے محض مسلمان ہو جانے سے وہ ایک جداگانہ قوم نہیں بن سکتے"۔ گاندھی نے اسی حوالے سے مزید ایک بیان میں قراردادِ پاکستان کی یوں مخالفت کی کہ "ہندوستان میں جمہوری طور پر منتخب صرف ایک ہی سیاسی جماعت ہے اور وہ ہے کانگرس۔ باقی سب جماعتیں یا تو خود ساختہ ہیں یا فرقہ وارانہ اصولوں پر

Marfat.com

بنے ہوئے مختصر گروہ ہیں۔ اور مسلم لیگ بلاشبہ کانگرس کی طرح ایک منتخب جماعت ضرور ہے لیکن اس کا نصب العین فرقہ وارانہ اور بھارت کو دو حصّوں میں تقسیم کر دینا ہے۔ میری تو روح بھی تقسیم کے اس تصوّر سے کانپ جاتی ہے"۔

قراردادِ پاکستان کا مرکزی اور بنیادی خیال ہی یہی تھا کہ ہندوستان کے دو ایسے آزاد حصّے قائم کر دیئے جائیں کہ جہاں ہندو اور مسلمان اپنے اپنے ملک پر خود حکومت کریں اور مسلمان اپنے حصّے اور مملکت میں اسلام کا نظام نافذ کریں۔ مسلمانوں کو اب تک بخوبی یہ احساس ہو گیا تھا کہ وہ ایک الگ اور جُداگانہ قوم ہیں، اور حکومتی امور اور ہندوستان کے آئین میں بھی ان کی اہمیت ہے۔ اس لیے اب انھیں ایک جُداگانہ مملکت کی بھی ضرورت ہے، اور وہ مملکت جو بنگال، پنجاب، سندھ، صوبہ سرحد اور بلوچستان پر مشتمل ہوگی، اس کی واضح نشاندہی ہو چکی ہے، اور وہی مسلمانوں کا وطن پاکستان ہے۔

نیشنلسٹ علماء نے تو مسلمانوں کی اس قراردادِ پاکستان کو ایک خاص نقطہ نظر سے دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ مسلمانوں کا یہ مطالبہ سراسر اسلام کے خلاف ہے۔ بعض مسلمانوں نے یہ بھی کہنا شروع کر دیا تھا کہ مسلمانوں کو اب ہجرت کر کے اکثریت والے چند ایک صُوبوں میں مرتکز ہونا پڑے گا۔ یہ بھی کہا گیا کہ مسلمانوں کی اس قرارداد کو عملی صورت میں ہرگز نہیں لایا جا سکتا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے ہندوؤں اور دیگر طبقوں کی مخالفتوں کی پرواہ کیے بغیر فرمایا کہ " اس تمام صورت حال کے باوجود بھی مجھے امید ہے کہ اچھے ذہنوں کے مالک ہندو بھی ہماری ان تجاویز کو سنجیدگی سے محسوس کریں گے کیونکہ ہماری ان تجاویز میں پورے ہندوستان کی آزادی کا راز مضمر ہے۔ ان تجاویز کو اپنا کر ہم جلد اور مختصر وقت میں ہندوستان کو آزادی کی نعمت سے ہمکنار کر سکتے ہیں۔ اور پھر یہ آزادی ہم بڑی امن پسندی کے ساتھ اندرونی اور بیرونی طور پر برقرار رکھ سکیں گے"۔

Marfat.com

اسی قراردادِ لاہور کے بارے میں گاندھی اور راج گوپال اچاریہ نے ایک عجیب منطق پیش کی اور کہا کہ "مسلمانوں کی قراردادِ لاہور ہندوستان کی ایک زندہ جان کو چیر پھاڑ دینے کے برابر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان ایک جسم کو دو حصّوں میں کاٹ دینا چاہتے ہیں"۔ اس منطق کے جواب میں بھی قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا کہ "ہندوستان تو قدرتی طور پر پہلے ہی سے تقسیم شدہ ہے۔ کہاں ہے وہ ملک جسے ہم دو ٹکڑے کر رہے ہیں؟ کہاں ہے وہ قوم جسے ہم پارہ پارہ کر رہے ہیں؟ — میں کہتا ہوں کوئی ہندوستانی قوم یا مرکزی حکومت موجود ہی نہیں ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ لوگ اس قدرتی اور جغرافیائی تقسیم کے باوجود واویلا کر رہے ہیں۔ ہندوستانی کوئی ایک قوم نہیں ہیں بلکہ یہ مختلف ذاتوں کا ایک گڑھ ہے۔ ہندوستان پر جب انگریزوں نے حکومت کا آغاز کیا تو انھوں نے صرف اپنی آسانی کے لیے متحدہ ہندوستان کا تاثر دینے کی خاطر ہندوستانیوں کو ایک ہندوستانی قوم کہہ کر لکھنا اور پکارنا شروع کر دیا تھا۔ یہ تو محض ہندوؤں کے ایک اعلیٰ اور با اختیار طبقے کی خوش فہمی ہے کہ ہندوستان میں رہنے والے تمام لوگ ایک قوم ہیں۔ اربابِ کانگرس کی یہ صرف تمنّا ہے۔ ایک قوم کا تصوّر محض فلسفیانہ سا خیال ہے۔ یہ ایک ایسی اختراع ہے کہ جس کے طلسم میں بڑے بڑے ہندو گرفتار ہیں۔ یہ مشترکہ قومیت کوئی معمولی مسئلہ نہیں ہے۔ نو کروڑ مسلمانوں کی قسمت اور منزلِ مقصود کا مدار اسی پر ہے"۔ اس کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے مسلمانانِ ہند کے اتحاد و لگن کے حوالے سے فرمایا کہ "لیکن اب مجھے یقین ہے کہ اِس مسئلے کی خاطر مسلمان اندریں حالات ہر طرح کی اندرونی اور بیرونی صورت حال اور مشکل کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری طرح سے تیار ہیں۔ اس سے ہمارا منشا و مدعا کسی دوسری قوم کو نقصان پہنچانا نہیں ہے بلکہ ہم تو صرف اپنا تحفظ چاہتے ہیں۔ ہم اس ملک میں وقار اور عزت کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں، ہم اپنی زندگی ایک آزاد قوم

Marfat.com

کی طرح بسر کرنے کے متمنی ہیں۔ اس لیے ہمارے سامنے اسلام کی آزادی اور ہندوستان کی آزادی ہی مقدم ہے۔"

مسلمانوں کی اس قرار دادِ لاہور کو کانگرس نے اپنے اجلاس منعقدہ ۲۱ر جنوری ۱۹۴۰ء میں بھی تنقید کا ہدف بنایا، اور کانگرس کمیٹی نے تو یہاں تک اعلان کر دیا کہ مسلمانوں کے اس روّیے کے باعث کانگرس گاندھی جی کی عدم تشدد کی تحریک سے اتفاق نہیں کر سکتی۔

آزمائشی تجاویز

کانگریس کے اس متعصبانہ روّیے پر قائدِ اعظم محمد علی جناح نے ۲۷ رجون ۱۹۴۰ء کو وائسرائے ہند سے ملاقات کی اور پھر یکم جولائی ۱۹۴۰ کو شملہ سے چند ایک آزمائشی تجاویز کا اعلان کیا۔ تجاویز درج ذیل تھیں۔

"ہز میجسٹی گورنمنٹ ایسا کوئی اعلان نہیں کرے گی کہ جس کی رُو سے لاہور میں منظور کردہ قرارداد کے بنیادی مقاصد پر کوئی زد پڑتی ہو۔ اور وہ بنیادی مقصد یہ ہے کہ ہندوستان کی تقسیم کر کے شمال مغرب اور مشرقی زونز میں اسلامی مملکتیں قائم کر دی جائیں۔ اور یہ نظریہ اب مسلمانانِ ہندوستان کا ایک عام اور لازمی تصور بن چکا ہے۔ اسی طرح ہز میجسٹی گورنمنٹ کوئی آئین یا آئینی سکیم مسلمانوں کی پیشگی اجازت اور منظوری کے بغیر نافذ نہیں کرے گی۔ برطانوی حکومت ہندوستان کے مسلمان رہنماؤں کے ساتھ اشتراک و تعاون کرے تو ہندوستان کی سرحدوں کے دفاع کی ضمانت دی جا سکتی ہے اور ہندوستان کو نازک صورتِ حال سے بھی بچایا جا سکتا ہے۔ حکومت کو چاہیئے کہ وہ مسلمانوں کو مرکزی اور صوبائی حکومتوں میں حصہ دار بنائے۔ اور مسلمانوں کے اختیارات کو بھی تسلیم کیا جائے۔ اسی طرح وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل میں توسیع کی جائے۔ اگر موجودہ ڈھانچے کے اندر

Marfat.com

کانگرس بھی شریک ہو تو مسلمانوں کو بھی برابر کی نمائندگی دی جائے"۔

ان تجاویز میں قائداعظم محمد علی جناح نے مزید فرمایا کہ :

"ملک کے ایسے صوبے کہ جہاں قانون کی شق نمبر ۹۳ کے تحت انتظامیہ قائم کی گئی ہے وہاں غیر سرکاری نمائندوں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔ غیر سرکاری مشیر مقرر کیے جائیں۔ یہ مشیر مسلمانوں میں سے بھی لیے جائیں اور جہاں جماعتوں کی مشترکہ حکومت قائم ہے وہاں پر ایسے مشیروں کا چناؤ متعلقہ جماعتوں کے مشورے سے کیا جائے"۔

جنگ عظیم دوم کے حوالے سے یورپ کی نازک صورت حال اور ہندوستانی سرحدوں کی حفاظت کے حوالے سے قائدِاعظم محمد علی جناح نے ایک وار کونسل کے قیام کے بارے میں فرمایا کہ اس کونسل میں کل پندرہ ممبر ہوں اور کونسل کا صدر وائسرائے ہند خود ہو۔ اور یہ وار کونسل گاہے گاہے حالات کی نزاکت کا جائزہ لیتی رہے خصوصاً جنگی امور کو خالصتہً دفاعی نقطہ نظر سے جانچے اور دیکھے، اور دفاع کو یقینی اور بہتر بنانے کی خاطر مالی اور صنعتی امور پر بھی نظر رکھی جائے اور ان سے فائدہ اٹھایا جائے۔ وار کونسل کی وسعت کے حوالے سے قائدِاعظم نے فرمایا کہ :

"یہ وار کونسل ہندوستانی شہزادوں اور والیان ریاست سے بھی تعاون حاصل کرنے ان سے اشتراک کر کے انھیں ساتھ ملائے، کیونکہ میرا خیال ہے کہ ان شہزادوں اور ریاستوں کے والیان کا اشتراک و تعاون کسی رکاوٹ کے بغیر حاصل کیا جا سکتا ہے۔ یہاں پر ایک بار پھر میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ وار کونسل میں ہندوستان کے مسلمانوں کو بھی مساویانہ نمائندگی دی جائے۔ ورنہ ہندو ہی اکثریت میں رہیں گے۔ خلاصتہً یوں کہا جاتا ہے کہ مجوزہ وار کونسل میں مسلمان نمائندوں اور گورنر جنرل کی ایگزیکٹو کونسل میں بھی مسلمان نمائندوں کو برابر کی نمائندگی دی جائے اور اگر اضافی ممبران کی ضرورت ہو تو وہ غیر سرکاری ممبر بھی مسلمانوں ہی سے منتخب کیے جائیں"۔

Marfat.com

قائدِاعظم محمد علی جناح کی ان آزمائشی تجاویز کو وائسرائے ہند نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ اپنی مستقبل کی پالیسیوں میں پیش نظر رکھا۔ اور اگست ۱۹۴۰ء میں وائسرائے ہند نے قائداعظم محمد علی جناح کو یہ اطلاع بھجوائی کہ ایگزیکٹو کونسل میں وسعت کے پیش نظر مسلم لیگ کے بھی دو نمائندے شامل کیے جا رہے ہیں۔ اسی طرح سیکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا اور ہندوستان میں برطانوی حکومت نے یہ یقین دہانی کرائی کہ حکومتِ برطانیہ ہندوستان میں آئین سازی کے سلسلے میں پوری پوری دلچسپی لے رہی ہے اور اس آئین سازی میں اقلیتوں کو بھی پوری اہمیت دی جائے گی۔

اسی دوران میں برطانوی لارڈ ایمری نے ہندوستان کی تازہ سیاسی صورت حال کے پیش نظر ایک بیان میں کہا کہ گو کانگرس ہندوستان کی بہت بڑی جماعت ہے لیکن اس جماعت کا فیصلہ ہندوستان کی دوسری اہم جماعتوں کے لیے قابل قبول نہیں ہے کیونکہ ہندوستان میں تو ایک پیچیدہ اور مخلوط سماجی زندگی موجود ہے۔ ہندوستان کی دیگر جماعتوں میں سے مسلمانوں کی اکثریت ہے، وہ پورے ہندوستان میں ایک اقلیت کے طور پر پھیلے ہوئے ہیں اور شمال مغرب اور شمال مشرق میں وہ زیادہ مرتکز ہیں۔ ان کے حقوق کا تحفظ ان کی تعداد کے اعتبار سے نہیں بلکہ ان کی اہمیت کو آئین کے حوالے سے تحفظ دینا چاہیئے۔ وہ اپنے مذہبی سیاسی، سماجی اور معاشرتی طور پر دوسرے ہندوستانیوں سے مختلف ہیں۔ ان کی یہ جُداگانہ حیثیت یورپ میں مسلمانوں کی حیثیت سے بھی زیادہ واضح اور قوی ہے۔

لارڈ ایمری نے یہ بھی کہا کہ، اب مسلمانوں نے اپنے علیحدہ تشخص اور جُداگانہ حیثیت کو پوری طرح سے محسوس کر لیا ہے۔ وہ ایک علیحدہ قوم کے طور پر اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں، اس لیے اب وہ ایک ایسے آئین کا مطالبہ کرتے ہیں کہ جس میں ان کے جُداگانہ وجود کو تسلیم کیا گیا ہو اور اُنھیں مفادات اور حقوق کے حوالے سے پورا تحفظ دیا گیا ہو۔

Marfat.com

لارڈ ایمری کا یہ بیان محض مسلمانوں کو کسی طرح سے خوش کرنے کے لیے نہیں تھا بلکہ سچ مچ اب حالات کا دھارا اپنا رُخ بدل چکا تھا اور اس کا احساس برطانوی حکمرانوں کو بڑی شدت کے ساتھ ہونے لگا تھا۔ ایسی صورت میں کانگرس جو اپنی ہٹ دھرمی پر ڈٹی ہوئی تھی اب اس کے لیے صرف دو ہی راستے تھے کہ یا تو وہ برطانوی حکومت کی مخالفت کرے اور یا وہ صوبوں میں آئین سازی کے لیے مسلم لیگ اور مسلمانوں کو اشتراک و تعاون کے لیے تیار کرے۔ لیکن کانگرس نے مسلمانوں کے حقوق کو تسلیم کرنے سے ایک بار پھر انکار کر دیا اور انفرادی اور اجتماعی سطح پر سول نافرمانی کا رویہ اختیار کر لیا۔ اس صورتحال میں انگریزی حکومت بہر صورت مسلمانوں کا تعاون حاصل کرنے کے لیے کوشاں تھی۔ چند ایک مسلمان رہنماؤں نے کونسل میں شرکت کے لیے اپنے نام بھجوا بھی دیئے تھے۔ لیکن قائدِ اعظم محمد علی جناح ابھی اس صورتِ حالات سے مطمئن نہیں تھے لہٰذا انھوں نے کانگرس اور برطانوی حکومت کو انتباہ کیا کہ:

"میں کسی بھی صورت میں یہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں کہ ہندو اور کانگرس ملک میں لوگوں کی آزادی یا خود مختاری کے لیے لڑ رہی ہے۔ ہم بخوبی جانتے ہیں کہ انھوں نے سول نافرمانی کی تحریک کیوں شروع کر دی ہے، اور برطانوی حکومت بھی اس تحریک کے پس پردہ مقاصد سے بخوبی واقف ہے۔ اپنے اس ہتھکنڈے سے کانگرس برطانوی حکومت پر دباؤ ڈالنا چاہتی ہے اور کہتی ہے کہ آیئے! ہمارے ساتھ کوئی سودے بازی کیجیے۔ ہمارے ساتھ معاملات طے کیجیے۔ مسلمانوں اور دیگر اقوام کی پرواہ نہ کریں، ہم سب ہی ہندوستان کے عوام کی اکثریت کی جماعت ہیں"۔

اسی موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے مسلمانوں کو نصیحت کی کہ وہ ہندوؤں کی اس عدم تعاون کی تحریک اور سول نافرمانی کی تحریک میں ہرگز حصہ نہ لیں کیونکہ مسلمانوں کے اس اقدام سے کانگرس ہی کو تقویت پہنچے گی۔

Marfat.com

ہندوؤں کی گرفتاریاں

کانگرس اور ہندوؤں کی جانب سے سول نافرمانی اور عدم تعاون کی تحریک پر حکومت نے انتظامی کارروائی کرکے یکم جولائی ۱۹۴۰ء کو سبھاش چندر بوس کو گرفتار کرلیا۔ ۳۔جولائی کو گاندھی نے برطانوی حلیف فوجوں کو عدم تشدد کے حوالے سے جنگ سے دست کش ہونے کے لیے کہا اور گرفتار ہوگئے۔ہندوؤں کی گرفتاریاں اور تحریک عدم تعاون جاری رہی۔ ۳۱ اکتوبر ۱۹۴۰ کو پنڈت نہرو اور نومبر میں سردار پٹیل کو بھی گرفتار کرلیا گیا تھا۔ دسمبر تک ہندوؤں اور کانگرس کی سول نافرمانی کی تحریک مدھم ہونے لگی تھی۔ اس کے ساتھ ہی حکومت برطانیہ نے لندن سے ایک بیان جاری کیا کہ ہندوستان کے لوگوں سے درخواست ہے کہ وہ ملک کے سیاسی حالات کا جائزہ لیں اور مسائل کے حل کی خاطر تازہ آئینی تجاویز پیش کریں۔ برطانوی حکومت نے اس بیان کے تھوڑے ہی عرصہ بعد سبھاش چندر بوس کو رہا کردیا تھا اور ایک حد تک ہندوؤں سے نرم رویہ اختیار کرلیا تھا۔ لیکن اسی دوران میں ہندوؤں نے ستیاگرہ تحریک کا آغاز بھی کردیا تھا۔ وہ اسی تحریک کے ذریعے آزادی حاصل کرنا چاہتے تھے۔برطانوی حکومت کے اس لچکیلے رویے سے یہ مترشح ہونے لگا تھا کہ اب وہ کانگرس اور ہندوؤں کو خوش کرنے کے لیے ان کے مفاد کو اولیت دے گی۔

اس صورتحال کا تجزیہ قائداعظم محمد علی جناح نے ۱۵ دسمبر ۱۹۴۰ء کو کراچی میں اپنی ایک تقریر کے دوران میں یوں کیا کہ "ہندوستان کی موجودہ صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے برطانوی حکومت کی پالیسی متذبذب، غیر فیصلہ کن اور کمزور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندو اس پالیسی سے شہہ پا رہے ہیں۔ ہندوؤں کی مہاسبھا، گاندھی اور کانگرس فوری طور پر بنیادی آئینی تبدیلیوں کے متمنی نہیں ہیں بلکہ وہ اس التوا ہی

Marfat.com

کی حالت میں ہر طرح کی بالادستی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اپنی بالادستی مسلمانوں پر بھی اور تمام صوبوں میں دکھانا چاہتے ہیں۔ اس لیے اب اگر برطانوی حکومت نے اس وقت مسلمانوں کے مطالبات کو پیشِ نظر نہ رکھا تو مسلمان اور ہندوستان کی دیگر اقلیتیں ہندوؤں کے زیر تسلط آجائیں گی۔ گاندھی اور ہندو ستیاگرہ کے ذریعے آزادی کے طالب ہیں لیکن مسلم لیگ مسلمانوں کے ایما پر کسی بھی طور ایک اقلیت کی حیثیت میں رہنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ مسلمانوں کو ہندوستان میں مسلم ہند کے قیام کے لیے پوری مدد اور تعاون فراہم کرنا برطانوی حکومت کا فرض ہے"۔

کانگرس اور ہندوؤں نے مرکزی حکومت کی سکیم پر زور دینا شروع کر دیا تھا کیونکہ انھیں اس حقیقت کا بخوبی علم تھا کہ ہندو اکثریت ہی میں ہیں اور مرکز میں ان کی اکثریتی بالادستی رہے گی۔ لیکن اس حوالے سے اور کانگرس کی اس خوش فہمی کو ختم کرنے کے لیے ۲۸ دسمبر ۱۹۴۰ء کو احمد آباد میں مسلم سٹوڈنٹس یونین کے ایک اجتماع میں خطاب کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا کہ:

"آج کل ہندوستان میں مرکزی حکومت کے قیام کی سکیم پر بڑی توجہ دی جا رہی ہے لیکن مسئلے کا حل یہ نہیں ہے۔ اصل حل تو یہ ہے کہ ہندوستان کو تقسیم کر دیا جائے تاکہ ہندو اور مسلمان علیحدہ علیحدہ اپنے عقائد اور ضروریات کے مطابق اچھے ہمسایوں کی طرح زندگی بسر کریں۔ ان حصوں میں وہ جداگانہ طور پر ترقی کرتے رہیں اور اچھے دوستوں کی طرح رہ سکیں"۔

پاکستان سکیم

قراردادِ لاہور منظور ہونے سے کئی برس پیشتر ہی چودھری رحمت علی نے مسلمانوں کے صوبوں کے حوالے سے برعظیم میں نمودار ہوتے ہوئے مسلمانوں کے اپنے وطن کے لیے

Marfat.com

ایک نام "پاکستان" تجویز کر دیا تھا بلکہ چودھری رحمت علی نے تو "پاکستان" نام کا ایک پرچہ بھی جاری کر لیا تھا۔ بہر صورت پاکستان کا نام اب برعظیم کے مسلمانوں کے لیے ایک اہمیت حاصل کر چکا تھا۔ مسلمانوں کے متعدد اخبارات اور جرائد و رسائل اس نام کو مسلمانوں کی مجسم ہوتی ہوئی سلطنت کے لیے استعمال کرنے لگے تھے۔ 'قرارداد لاہور' کو ہندو پریس اور کانگرسی اخبارات نے خود بخود ہی "قراردادِ پاکستان" کہنا شروع کر دیا تھا۔ اس لیے مسلمانوں نے بھی قرارداد لاہور' کے بجائے اب 'قراردادِ پاکستان' ہی اپنا لیا تھا۔ ہندوؤں نے بھی جوش مخالفت میں پاکستان کے نام کو لوگوں کے دلوں میں راسخ کر دیا تھا۔

۲۴ دسمبر ۱۹۴۰ء کو مسلم لیگ کا ایک اجلاس کراچی میں منعقد ہوا تو اس اجلاس میں مسلمانوں کے مطالبۂ پاکستان کا ایک بار پھر اعادہ کیا گیا اور قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت پر اعتماد اور یقین کا اظہار کیا گیا۔ اس سے پیشتر قائداعظم محمد علی جناح نے حکومت پر واضح کر دیا تھا کہ "ہم نے قطعی طور پر اور ہمیشہ کے لیے پاکستان کو اپنی منزل مقصود بنا لیا ہے اور ہم اس کے لیے بڑے سے بڑے خطرے کو بھی قبول کریں گے۔ ہم لڑنے مرنے کے لیے بھی تیار ہیں۔ ہم تعداد میں کم ہو سکتے ہیں۔ کم ہیں۔ مگر میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ مسلمان اگر چاہیں اور ارادہ کر لیں تو کانگرس سے سوگنا زیادہ تکلیف دے سکتے ہیں۔ میں نے یہ بات دھمکی کے لیے نہیں بلکہ برطانوی حکومت کی آگاہی کے لیے کہی ہے"۔

مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کا ایک اجلاس ۲۳۔ فروری ۱۹۴۱ء کو خان لیاقت علی خاں کی رہائش گاہ پر منعقد ہوا تو اس کی صدارت کے فرائض قائداعظم محمد علی جناح نے ادا کیے۔ اجلاس میں یہ مطالبہ کیا گیا کہ مسلم لیگ ہندوستان کے مسئلے کا سیاسی حل چاہتی ہے۔ اسی اجلاس میں پاکستان سکیم کی وضاحت کی گئی۔ اور بتایا گیا کہ بعض اخبارات

Marfat.com

میں پاکستان سکیم کو سراسر غلط رنگ میں پیش کیا جا رہا ہے حالانکہ مسلمانوں کا یہ مطالبہ مبنی برحق ہے کہ ان کا اپنا علیحدہ وطن قائم کیا جائے۔

یکم مارچ ۱۹۴۱ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے لاہور اجلاس میں پاکستان کے بارے میں ایک بڑا جاندار، روشن اور مجسم بیان دیا کہ:

"پاکستان ایک ایسی منزل ہے کہ جس تک پہنچنے کے لیے مسلمانوں کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ ہندوستان کے برعظیم میں پاکستان کے علاوہ اور کوئی دستور کامیاب نہیں ہو سکتا۔ پاکستان بن کر رہے گا۔ میں تو یہ کہوں گا کہ پاکستان بن چکا ہے"۔

انھوں نے مسلمانوں کو اتحاد و تنظیم پیدا کرنے کے لیے فرمایا کہ:

"ہمارے سامنے کوئی معمولی کام نہیں ہے مغل سلطنت کے زوال کے بعد ہم نے یہ سب سے بڑا عزم کیا ہے، اور ایک بہت بڑے کام کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ہمیں سب کچھ قربان کرنا پڑے گا۔ وہ لوگ جو ابھی تک متذبذب ہیں اور جن کی روش متزلزل ہے، انھیں فوراً دو ٹوک فیصلہ کرنا چاہیئے۔ پاکستان کا مطلب ہر عقلمند خوب سمجھتا ہے، اس لیے اگر کوئی شخص شیطنیت یا شرارت کا مظاہرہ کرے تو اسے خدا ہی سمجھے گا"۔

اس وضاحت کے چند ہی دن بعد انھوں نے لاہور ہی میں منعقدہ پنجاب سٹوڈنٹس فیڈریشن کے ایک اجلاس میں فرمایا کہ" اچھی طرح سمجھ لیجیئے کہ منزل تک پہنچنے کے لیے تمام وسائل کو بروئے کار لانا پڑے گا۔ ہر ممکن طریقے سے تیاری کرنی پڑے گی۔ میں آپ لوگوں کو جذبات کے دھارے میں نہیں بہانا چاہتا اور آپ کو نعروں کی زد میں آنے سے بچنے کے لیے کہتا ہوں کہ آپ سب کو معلوم ہے کہ ہماری منزل کون سی ہے"۔

Marfat.com

باب — ۱۳

ظہورِ پاکستان

۲۳ر مارچ ۱۹۴۰ء کو قراردادِ لاہور منظور ہونے کے بعد مسلمانوں کو ان کی اپنی منزل دن بہ دن قریب تر دکھائی دینے لگی تھی۔ اس قرارداد کو جب پورا ایک سال بیت گیا تو اس دوران میں دوستوں کی ہمدردیوں اور دشمنوں کی مخالفتوں کا بھی بخوبی علم ہو گیا تھا بلکہ دشمنوں نے اس قرارداد کے بارے میں ہر طرح کی ہرزہ سرائی کی۔ ۲۳ر مارچ ۱۹۴۱ء کو مسلمانانِ ہند نے ملک بھر میں "یومِ پاکستان" منایا۔ اس موقع پر مسلم لیگ نے اپنے مختلف جلسوں میں اس امر کی وضاحت کی کہ مسلم لیگ ہندوستان میں کسی مشترکہ حکومت میں شرکت کے لیے تیار نہیں ہے۔ ہندو اور مسلمان اکٹھے کسی حکومت میں نہیں رہ سکتے، دونوں کے راستے اور منزلیں جُدا جُدا ہیں۔

کانپور کانفرنس

۳۰ر مارچ ۱۹۴۱ء کو مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی جانب سے کانپور میں ایک کانفرنس

Marfat.com

کا اہتمام کیا گیا۔ اس کانفرنس میں خطاب کرتے ہوئے قائدِ اعظم محمد علی جناح نے فرمایا کہ پچھلے تیس برسوں سے ہندو مسلم اتحاد کی کوشش کی گئی ہے لیکن وہ کوششیں مختلف مفادات کے باعث کسی طرح بھی نتیجہ خیز نہ ہو سکیں۔ ہندوؤں کا ایسی کوششوں میں ہمیشہ یہ موقف رہا کہ مسلمان ایک اقلیت ہیں اور اس اقلیت کو تحفظ فراہم کیا جانا چاہیئے لیکن مسلمانوں کا مؤقف اس سے مختلف تھا کہ مسلمان ایک جُداگانہ اکائی ہیں۔ کانگرس نے جب اپنی وزارتیں بنائیں تو ہندوؤں کے ان دعوؤں کی قلعی کھل گئی کہ وہ مسلمان "اقلیت" کا کسی بھی طرح سے تحفظ نہ کر سکے بلکہ انھوں نے مسلمانوں کو محض ایک اقلیت ہی کا درجہ دیئے رکھا۔ لہٰذا اس صورت کے بعد مسلمانوں نے اپنی ایک منزلِ مقصود اور نصب العین ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو متعین کیا اور پاکستان کے بارے میں ایک قرارداد منظور کی۔ کانگرس ہندوستان کے نوجوان طبقے کو گمراہ کرتی رہی ہے کہ وہ ایک قومی جماعت ہے اور ملک کی آزادی کے لیے کوشاں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ کانگرس قومی جماعت نہیں ہے بلکہ یہ ایک "فاشسٹ گرینڈ کونسل" ہے جس کے کرتا دھرتا اس انجمن کے چار آنے کے ملازم ہیں۔ کانگرس سراسر ایک فراڈ ہے اور اسے اب مسلم لیگ نے بے نقاب کر دیا ہے۔ یہ محض ایک ہندو جماعت ہے لیکن گاندھی جی ابھی تک ضدی پن اور ہٹ دھرمی سے اسے ایک قومی جماعت کہنے پر مصر ہیں۔ میں تو یہاں تک بھی کہتا ہوں کہ کانگرس صرف ہندو جماعت ہے لیکن یہ مکمل طور پر تمام ہندوؤں کی بھی نمائندہ جماعت نہیں ہے"۔

" راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں یہ واضح ہو گیا تھا کہ گاندھی جی تو مسلمانوں کی اکثریت کے علاقوں میں بھی مسلمانوں کو ۵۱ فیصد نمائندگی دینے کے لیے تیار نہیں تھے۔ گاندھی کے اسی رویے اور روش سے ہم نے پاکستان تجویز پیش کی ہے"۔ اس کے بعد قائدِ اعظم محمد علی جناح نے ایسے صُوبوں سے مسلمانوں کے حقوق کا ذکر کیا کہ جہاں مسلمانوں کی اکثریت

Marfat.com

نہیں ہے۔" ایسے علاقے کہ جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں انھیں آزاد کرانے کے لیے ہمیں قربانی دینے سے بھی دریغ نہیں کرنا چاہیئے۔ اس ڈرامے کے آخری سین کے لیے اگر ہمیں دو کروڑ انسانوں کی قربانی بھی دینی پڑے تو ہم اس کے لیے بھی تیار ہیں"۔

سیاسی بحران

کانگرس چونکہ اپنی ستیہ گرہ کی تحریک پر لگی ہوئی تھی اس لیے قائداعظم محمد علی جناح نے سٹی لیگ کانفرنس میں ایک تقریر کے دوران اظہارِ خیال کیا کہ کانگرس نے جو پالیسی اختیار کر رکھی ہے وہ ہندوستان اور ہندوؤں کے لیے خطرناک اور تباہ کن بھی ثابت ہوسکتی ہے۔ اس لیے ہندوؤں کو چاہیئے کہ وہ مسلمانوں کے بارے میں اپنی پالیسی پر نظرثانی کریں اور اس کا جائزہ لیں۔ اس کے بعد قائداعظم نے فرمایا کہ" اس وقت ہندوستان میں جو سیاسی بحران ہے اس کی ساری ذمے داری برطانوی حکومت پر عاید ہوتی ہے۔ کانگرسی رہنما دیوانگی کی حدود پھلانگ چکے ہیں۔ اس طرح برعظیم میں سیاستدانوں کا ایک بحران پیدا ہو چکا ہے"۔

۱۲-۱۸ اپریل ۱۹۴۱ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس مدراس میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس کے ابتدائی اجلاس میں گو قائداعظمؒ نے کوئی تقریر نہ کی لیکن دوسرے دن انھوں نے اپنی زندگی کی ایک شاندار تقریر کی اور انھوں نے فرمایا کہ:

"مسلم لیگ اب اپنی منزل مقصود اور نصب العین کے بارے میں ہر طرح کے شکوک وشبہات سے بالاتر ہو چکی ہے۔ اب ہمارے سامنے نظریہ بڑا واضح ہے اور مسلم لیگ کی پالیسیوں میں بھی کوئی خامی نہیں ہے"۔

اس کے بعد قائداعظم نے مسلم لیگ کے گذشتہ پانچ سال کے کردار پر روشنی ڈالی اور مسلم لیگ کے آمدہ کردار کی بھی وضاحت کی۔ الہ آباد کے اس سالانہ اجلاس میں

Marfat.com

شرکاء کی تعداد قریباً ایک لاکھ تھی۔ قائدِاعظم نے یہاں پر ایک نہایت پرمغز، دقیع اور سنجیدہ تقریر کی۔ قائدِاعظم ایک زیرک نظر اور انتہا درجے کے باخبر سیاستدان تھے۔ وہ ہندوؤں اور ہندو لیڈروں کی سیاسی چالوں سے بخوبی آگاہ تھے۔ اور انھیں مسلم لیگ کے حامیوں کے بارے میں بھی پورا پورا علم تھا۔ لہٰذا انھوں نے اپنی اس یادگار تقریر میں وہی کہا کہ جو اُن کا مطلب تھا اور جو اُن کا مطلب تھا اسی کی انھوں نے بات کی:

"مجھے اجازت دیجیے کہ میں جو محسوس کرتا ہوں اسے واضح الفاظ میں بیان کر دوں کہ مسلم لیگ کیا چاہتی ہے۔ مسلم لیگ صرف یہی چاہتی ہے کہ — ہم شمال مغربی اور مشرقی زونوں میں خود مختار ریاستوں کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ان کے پاس دفاع، امورِ خارجہ، مواصلات، کسٹمز، کرنسی اور ایکسچینج وغیرہ کے جملہ تمام اختیارات ہوں ہمیں کوئی ایسا آئین قبول نہیں ہوگا کہ جس میں آل انڈیا بنیادوں پر کسی مرکزی حکومت کے قیام کی سکیم پیش کی گئی ہو۔ ایسی کسی سکیم سے ہم اتفاق نہیں کر سکتے۔ ہم نے اگر ایسی کسی سکیم کو ایک بار قبول کر کے تسلیم کر لیا تو میں بلا جھجک یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کا وجود ہی ختم ہو کر رہ جائے گا۔ ہم حکومت میں کسی بھی طاقت کے باجگزار بن کر نہیں رہ سکتے۔ اس صورت کو ہم کم از کم شمال مغربی اور مشرقی زونوں میں قبول کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہیں۔"

نوٹ آف وارننگ

مدراس اجلاس میں اپنی تقریر کے اختتام پر قائداعظم محمد علی جناح نے نوٹ آف وارننگ کے طور پر نہایت متین اور شائستہ انداز میں یوں انتباہ کیا:

"مجھے اس امر کا اعتراف ہے کہ میں نے اپنی تقریر میں آپ کا بہت زیادہ وقت لے لیا ہے، لیکن میں اپنی تقریر کے آخر میں ایک نوٹ کے طور پر یوں بیان کرتا

Marfat.com

ہوں اور نوٹ آف وارننگ حکومت برطانیہ کے لیے ہے۔ کیونکہ اس وقت برعظیم پر اس کی حکومت ہے اور وہی اس خطۂ ارض پر قابض ہے۔ میری آرزو ہے کہ آپ براہِ کرم تسلی اور تشفی کی پالیسی ترک کردیں۔ اس پالیسی کو جنگ کی کوششوں کی تردید کرنے والوں کے لیے بند کردیں۔ کیا آپ ایسے نازک موقعے پر انھیں کوئی اہم حیثیت اور مقام دینا چاہتے ہیں یا جنگ کے بعد اُنھیں کوئی مقام بخش دیں گے! اس ملک میں برطانوی پالیسی کی بنیادوں میں تبدیلی پیدا کیجیے۔ آپ لوگ ان لوگوں کے ساتھ وفادار نہیں ہیں۔ جو آپ کا ساتھ دینا چاہتے ہیں اور خلوص دل سے آپ کی حمایت کرتے ہیں۔ لیکن آپ محض ان لوگوں کو اپنی پناہ میں رکھتے ہیں کہ جن کے سیاسی عزائم مذموم ہیں اور ان کی اقتصادی پالیسیاں بھی بے عمل ہیں۔ اس لیے اپنی اس پالیسی کو ترک کردیجیے۔ اس لیے کہ آپ ان لوگوں کے لیے یہ کام کررہے ہیں کہ جنھیں آپ کے اس کام سے کوئی سروکار ہی نہیں ہے۔ اگر آپ واقعی خلوصِ دل سے حمایت اور مسلمانانِ ہند کا تعاون چاہتے ہیں تو اپنے پتنے پھینک کر کوئی ایکشن لیجیے"۔

قائدِاعظم محمد علی جناح کی اس تقریر کے لیے سر تیج بہادر سپرو اور قائدِ اعظم کے دَوران کئی اختلافات کے حوالے سے خط و کتابت ہوئی۔ اسی طرح سپرو اور گاندھی کی بھی آپس میں خط و کتابت ہوئی۔ اسی دَوران میں وائسرائے ہند لارڈ لینلتھگو نے ایگزیکٹو کونسل میں توسیع کی تجویز سے انکار کردیا اور کانگرس نے اپنی تحریک کو مزید شدت بخش دی۔ اس ضمن میں وزیر ہند لارڈ ایمری نے بھی ہندوؤں کی اس سول نافرمانی کی تحریک کو ہدف بنایا۔ اس اثنا میں بعض اخبارات نے جناح سپرو خط و کتابت کے حوالے سے کئی غلط فہمیاں پیدا کرنی شروع کردی تھیں لیکن اس ضمن میں قائداعظم محمد علی جناح نے سپرو کی تجاویز کو محض وقت کا ضیاع قرار دیا اور بتایا کہ سپرو نے جو ایک کانفرنس کے انعقاد کی تجویز پیش کی ہے، وہ سراسر مسلمانوں کے خلاف ہے۔ یکم جولائی

Marfat.com

۱۹۴۱ء کو میٹروپول ہندوستان کے کمانڈرانِ چیف مقرر ہوتے۔ اس کے بعد ۲ر جولائی ۱۹۴۱ء کو گورنر جنرل کی کونسل کو از سرِ نو ترتیب دیا گیا اور نیشنل ڈیفنس کونسل کے ممبران کی تعداد ۳۰ کر دی گئی۔ اس طرح ڈیفنس کونسل کے ممبران میں دونوں جماعتوں کے ممبران شامل کرنے کے لیے اعلان کیا گیا لیکن اس پیش کش کو قائداعظم اور گاندھی نے ٹھکرا دیا۔ اس اعلان کے بعد حکومت نے ہندوستانی ممبران کی نامزدگی کا اعلان کر دیا لیکن مسلم لیگ نے ایسے لوگوں کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی دھمکی دی۔ سر سکندر حیات محمد سعداللہ اور فضل الحق نے مسلم لیگ کے اس فیصلے کے خلاف نئی توجیہہ پیش کی کہ وہ اس کونسل میں مسلم لیگ کے ممبران کے حوالے سے شریک نہیں ہوتے۔

۲۴ر اگست ۱۹۴۱ء کو مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں جنگی کونسل میں شریک مسلمان اراکین کے معاملے میں بات چیت ہوئی۔ قائداعظم نے اس موقع پر وضاحت کی کہ وائسرائے نے مسلمانوں کی نمائندگی حاصل کرنے کی خاطر دوہری چال چلی ہے، اس لیے فیصلہ کیا گیا کہ مسلم لیگ کے یہ نمائندے جنگی کونسل سے مستعفی ہو جائیں۔ چنانچہ سر سکندر حیات خاں، سر محمد سعداللہ اور فضل الحق جلد ہی مستعفی ہو گئے۔ بیگم شاہنواز اور سر سلطان احمد نے مسلم لیگ کے اس فیصلے کی پیروی نہ کی۔ اس طرح انھیں مسلم لیگ کی رکنیت سے خارج کر دیا گیا۔ پھر جب ستمبر ۱۹۴۱ء کو مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کا ایک اور اجلاس وائسرائے کی ڈیفنس کونسل کے حوالے سے منعقد ہوا تو ان مسلم نمائندوں کے بارے میں کہ جو کونسل میں شامل رہے، کسی مزید کارروائی سے اجتناب کیا گیا۔

مسلم لیگ کی اس شدید کارروائی سے برطانوی حکومت اور ہندو پریس ششدر رہ گئے۔ قائداعظم اور مسلم لیگ کے اس فیصلے پر بعض ہندو سیاست دانوں نے بھی مسلمانوں کے اس اقدام کو سراہا اور قائداعظم محمد علی جناح کی سیاسی بصیرت اور فراست پر کلماتِ تحسین کہے۔ اس کے بعد اکتوبر ۱۹۴۱ء میں وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل مکمل

Marfat.com

ہوئی۔ اسی دن کئی ہندو لیڈروں کو بھی رہا کر دیا گیا کہ جنھیں سول نافرمانی کے تحت گرفتار کیا گیا تھا۔ ۲۳ر نومبر ۱۹۴۱ء کو اڑیسہ کی وزارت نے سیکشن ۹۳ کے تحت حلفِ وفاداری اُٹھایا۔

پاکستان کانفرنس

دسمبر ۱۹۴۱ء میں لکھنؤ میں پاکستان کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس کی صدارت مسلم لیگ کے سیکرٹری خان لیاقت علی خان نے کی۔ انھوں نے کہا کہ "پاکستان کا مفہوم یہ ہے کہ ہندوستان کو دو ایسے خود مختار اور آزاد حصّوں میں تقسیم کر دیا جائے کہ جہاں ہندو اور مسلمان اپنے اپنے ملک پر خود آزادانہ حکومت کریں۔

فضل الحق کی کونسل میں شمولیت اور پھر اس سے علیحدگی کے کھیل میں کانگرس نے بنگال کے سیاسی حالات سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی۔ گو فضل الحق کونسل سے مستعفی بھی ہو چکے تھے لیکن اس کے باوجود خدشہ یہ پیدا ہو چکا تھا کہ شاید کانگرس کے زیرِ اثر انھوں نے اپنے تعلقات حکومت برطانیہ سے برقرار رکھے ہوتے ہیں۔ یہی صورتِ حال ادھر پنجاب میں سر سکندر حیات کے مستعفی ہونے پر دیکھی جاتی تھی۔

بنگال لیگ کانفرنس

بنگال کی اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے بنگال کے مسلمانوں نے قائداعظم محمد علی جناح سے درخواست کی کہ وہ بنگال میں تشریف لائیں۔ لہٰذا پراونشل مسلم لیگ کانفرنس جو فروری ۱۹۴۲ء میں سراج گنج میں منعقد ہوئی۔ اس میں قائدِاعظم محمد علی جناح نے شرکت کی۔ اس کانفرنس میں قائدِاعظم محمد علی جناح نے ہندوستان کی سیاست کے حوالے سے ایک نہایت جامع تقریر کی اور فرمایا کہ:

"ہندوستانی مسلمان ایک قوم ہیں۔ اس لیے وہ ہندوستان میں کسی ایسی حیثیت کو

Marfat.com

قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ جس میں انھیں ہندوؤں کے برابر مقام نہ دیا گیا ہو۔ جیسے کہ میں نے اس سے پہلے بھی کہا ہے کہ اس ملک میں ہمارے بہت سے دشمن ہیں۔ اور اسی طرح حکومتِ برطانیہ بھی مسلمانوں کے دوستوں میں سے نہیں ہے۔ حکومت برطانیہ کی اپنی پالیسی اور اپنا پروگرام ہے۔ اس لیے جس طرح ہندوؤں کا اپنا پروگرام ہے ہمارا بھی اپنا علیحدہ پروگرام اور جداگانہ پالیسی موجود ہے"۔

پھر قائداعظم محمد علی جناح نے بنگال کے بارے میں کہا کہ یہ کنول کے پھولوں کا دیس ہے۔" بنگال بذاتِ خود ایک بڑا عظم ہے"۔ اس کے بعد انھوں نے بنگال کی سابقہ وزارت کا بھرپور انداز میں ذکر کیا۔ فضل الحق کے کردار پر روشنی ڈالی۔ اس ساری صورت حال کا بالتفصیل جائزہ لینے کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے ہندوستان کے لیے مستقبل کے آئین کے حوالے سے بتایا کہ" ہندوستان میں آئین کا مسئلہ آج کا اہم اور لازمی مسئلہ ہے۔ حکومت کی جانب سے کئی طرح کی پیش کش ہو چکی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہندوؤں کی متعدد جماعتیں برسرِ پیکار ہیں۔ ہندو مہاسبھا، دی لبرل فیڈریشن، دی نان پارٹی کانفرنس یا سپرو کانفرنس۔ یہ سب بنیادی طور پر ایک ہیں اور ہندوؤں کی انجمنیں ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک کا کردار اور قیمت الگ الگ ہے۔ وہ ہر طرح سے وار کرتی رہتی ہیں۔ لیکن میں یقین دلاتا ہوں کہ پاکستان سکیم کے خلاف ان کی تمام کارروائیاں اکارت جائیں گی۔ وہ کسی بھی صورت میں کامیاب نہیں ہو سکیں گی کیونکہ ہندوستان کے مسلمان اب مکمل طور پر بیدار ہو چکے ہیں۔ یہ ہندو جماعتیں ملک میں مرکزی کابینہ کے قیام کی روح کا چرچہ کر رہی ہیں لیکن خواتین و حضرات! مرکزی کابینہ کی تحریک محض ایک شرارت ہے، ایک شیطنیت ہے، لیکن اگر وائسرائے ہند ایسی کسی تجویز کو مان لیں تو اس کا نتیجہ ایجی ٹیشن ہوگا۔ بظاہر ہندوؤں کی یہ نیشنل کیبنٹ کی سکیم بے ضرر اور معصوم سی دکھائی دیتی ہے، لیکن اگر اس پر حکومت برطانیہ نے عملدرآمد کر دیا اور اسے اختیارات سونپ دیئے تو یہ ایک

Marfat.com

گہری اور مکارانہ چال ہوگی"۔

اپنی اس تقریر کے آخر میں خلاصتہً قائدِ اعظم محمد علی جناح نے فرمایا کہ "یہ ساری صورتحال، حالات کی نزاکت، مایوس کن سیاسی رویے اور دیگر حالات ہمیں اپنے نصب العین سے ہٹا نہیں سکتے۔ اس لیے میں اس اجتماع میں یہ بھی اعلان کرتا ہوں کہ کسی پالیسی کے نفاذ کے لیے جو طاقت یا لوگ مسلم لیگ کے خلاف بلکہ بنگال میں مسلم لیگ کے خلاف کام کر رہے ہیں۔ وہ اس امر کو باور کر لیں کہ وہ ایسے حالات کو شدت اور نزاکت بخش رہے ہیں، اور یہ شدت اور نزاکت ایسی ہوگی کہ تاریخ میں اس کی نظیر مشکل ہوگی۔ ایسے لوگوں کو یہ بخوبی جان لینا چاہیئے کہ ہم صرف باتیں ہی نہیں بناتے۔ ہم ہر استبداد کے خلاف ہیں اور اس کے سامنے ڈٹ جانے کے لیے ہمہ وقت تیار ہیں۔ اس لیے میں متنبہ کرتا ہوں کہ ہم پر جبراً کوئی پالیسی یا سکیم نافذ نہ کی جائے اور اگر انھوں نے ایسا کیا تو وہ اس کا نتیجہ دیکھ لیں گے"۔

۱۱۔ مارچ ۱۹۴۲ء کو وزیراعظم برطانیہ نے دارالعوام میں اعلان کیا کہ ہندوستان کے مسائل کے حل کی خاطر ایک مشن کرپس کی سربراہی میں بھجوایا جائے گا۔ اس کے بعد ۲۲۔ مارچ ۱۹۴۲ء کو کرپس مشن دہلی پہنچا اور اس نے ہندوستانی رہنماؤں سے اپنی ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔

یومِ پاکستان

۲۳۔ مارچ ۱۹۴۲ء کو پورے ہندوستان میں یوم پاکستان پورے جوش و خروش کے ساتھ منایا گیا۔ اسی شام قائدِ اعظم محمد علی جناح نے ایک عظیم الشان جلسہ عام میں خطاب کرتے ہوئے بیان دیا کہ:

"اگر مسلمانوں کے مقاصد اور مفادات کے خلاف کوئی سکیم نافذ کی گئی تو ہم اس

Marfat.com

سلسلے میں ہر طرح کے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ایسی کسی سکیم کو ہم نہ صرف رد کر دیں گے بلکہ اس کے خلاف شدید مزاحمت بھی کریں گے۔ ہماری یہ مزاحمت ہماری اپنی بساط کے مطابق ہوگی۔ اگر ہمیں اس مساعی میں مرنا بھی پڑا تو یقیناً ہم لڑتے ہوئے موت کو قبول کریں گے اور اگر کوئی اور شرارت بھی تجویز یا سازش ہمارے خلاف کی گئی تو وہ چاہے ہندوؤں کی طرف ہو یا برطانوی حکمرانوں کی جانب سے وہ چاہے ایسی شرارت متحدہ ہو کر کریں یا علیحدہ علیحدہ رہ کر کسی سازش پر عمل پیرا ہوں۔ ہم اس کے خلاف اس وقت تک مزاحمت کرتے رہیں گے کہ جب تک ہم موت سے ہمکنار نہیں ہو جاتے۔

ہمیں یہ معلوم ہے کہ مسلم لیگ کو چند ایک مسلمان ایجنٹوں نے گزند پہنچانے کی ناکام کوشش کی ہے۔ یہ ایجنٹ کانگرس کے بھی ہیں اور برطانوی حکومت کے بھی۔ ایسی ہی ایک مخلوق کانگرس کے اندر بھی موجود ہے کہ برطانوی سامراجیت کو تحفظ دینا چاہتی ہے۔ بہر صورت ان ایجنٹوں نے پریس کے ذریعے شہرت حاصل کی ہے — لیکن یاد رکھیئے! میں ہرگز اس مسلمان کو اپنے میں سے نہیں سمجھ سکتا کہ جو دشمنوں کے کیمپ میں سے ہم پر چھرے گھونپ رہا ہو۔ ایسا مسلمان ہمارے لیے بالکل ناقابلِ قبول ہے۔ ایسی کوئی بھی کوشش کہ جو مسلمانوں اور مسلم لیگ کے مابین غلط فہمی یا اختلاف پیدا کرنے کی موجب ہو سکتی ہے، وہ کوشش بے سود اور مضحکہ خیز ہوگی۔ آپ لوگوں نے دنیا پر واضح کر دیا ہے کہ مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی ایک باضابطہ اور بااختیار جماعت ہے"۔

کرپس مشن

جیسے کہ برطانوی وزیراعظم نے دارالعوام میں اعلان کیا تھا، اس کے مطابق

Marfat.com

۲۲۔ مارچ ۱۹۴۲ء کو کرپس مشن، سر سٹیفورڈ کرپس کی صورت میں ہندوستان پہنچا۔ کرپس مشن کی ہندوستان میں آمد سے پیشتر جنوبی مشرقی ایشیا اور مشرقِ بعید میں دوسری جنگ عظیم جاری تھی۔ جاپان کو پے در پے فتوحات ہو رہی تھیں بلکہ یوں کہیے کہ جاپانیوں نے دیکھتے دیکھتے برطانوی ملایا اور سیام پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ سنگاپور پر بھی جاپان قابض ہو چکا تھا اور جاپانی فوجیں رنگون میں بھی داخل ہو گئی تھیں اور جزائر انڈیمان پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔" جب جاپانی افواج ہندوستان کی سرحدوں پر دستک دینے لگیں تو برطانوی حکومت متفکر ہوئی۔ ادھر ہندوستان میں انگریزی حکومت کو عوام کا پورا تعاون حاصل نہیں تھا۔ اس لیے وائسرائے ہند کے مشورے سے حکومتِ برطانیہ نے ہندوستان کے لیے کرپس مشن روانہ کیا تھا۔ کرپس مشن نے ہندوستان میں اپنی آمد کے فوراً بعد وہ ڈرافٹ تجاویز جاری کیں کہ جن کی منظوری وہ مشن ہز میجسٹی گورنمنٹ سے حاصل کر کے اپنے ساتھ لایا تھا۔ کرپس کی تجاویز کا خلاصہ درج ذیل ہے:

"ہز میجسٹی گورنمنٹ اپنے کیے گئے وعدے کے مطابق ہندوستان میں انڈین یونین کے تحت ایک نئی ڈومینین قائم کرنے کے لیے تیار ہے۔ اس ڈومینین کا تعلق اور واسطہ یونائیٹڈ کنگڈم سے ہو گا لیکن یہ ڈومینین کسی بھی صورت میں اس کے ماتحت نہیں ہو گی۔ اس لیے ہز میجسٹی گورنمنٹ نے اعلان کیا ہے کہ:

۱۔ ہندوستان بھر میں سے فوری طور پر مخاصمانہ کارروائیوں کا خاتمہ کر دیا جائے اور ایک ایسی مجلس قائم کر دی جائے کہ جو ہندوستان کے آئین کا ڈھانچہ بنانے کے لیے اپنا کام شروع کر دے۔

۲۔ انڈین سٹیٹس اور ان کے ممبران کی آئین سازی میں شرکت کو یقینی بنایا جائے۔

۳۔ برطانوی ہندوستان کی اگر کوئی ریاست یا صوبہ اس نئے آئین اور آئینی ڈھانچے سے اتفاق نہ کرے تو اس کے لیے الگ سے آئین بنانے کی سہولت بھی

Marfat.com

رکھی جائے۔ ایسے نئے قانون کے لیے حکومتِ برطانیہ تیار ہے۔ اگر کوئی صوبہ اپنی الگ آئینی حیثیت برقرار رکھ سکے اور وہ مجوزہ یونین میں شریک نہ ہونا چاہے تو ایسے صوبوں کو ہندوستانی یونین کے برابر ایک الگ یونین کی حیثیت دی جاسکتی ہے۔

۴۔ اگر ان امور پر اتفاق کر لیا جاتا ہے تو آئین ساز ارباب اور حکومت برطانیہ کے مابین ایک معاہدے پر دستخط کر لیے جائیں گے۔ اس کے بعد ہندوستان کے لوگوں کو رفتہ رفتہ اختیارات تفویض کر دیئے جائیں گے۔ لیکن یہ ضروری ہوگا کہ حکومتِ برطانیہ کو ایک ایسا حلف نامہ پیش کیا جائے کہ جس میں اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت فراہم کی گئی ہوگی۔ اسی طرح لوگوں کے مذہبی اور گروہی حقوق و مفادات کا تحفظ بھی کیا جاتا رہے گا۔ اس یونین کے قیام کے بعد برٹش دولتِ مشترکہ کے ممالک سے کسی طرح کے تعلقات قائم رکھنے پر کسی جانب سے کوئی پابندی نہیں ہوگی۔

۵۔ ہندوستان کے لیے آئین ساز باڈی اس وقت تک تشکیل نہیں دی جائے گی کہ جب تک اس میں ہندوستان میں موجود تمام قومیتوں کے رہنماؤں کی رائے شامل نہ ہوگی۔

۶۔ ہندوستان کی موجودہ سیاسی صورتِ حال کے تحت کہ جب تک نیا آئین ترتیب نہیں دے دیا جاتا۔ ہندوستان کے پورے نظم و نسق کی ذمے داری حکومتِ برطانیہ سنبھالے رکھے گی۔ اور ہندوستان کی دفاعی ضرورتوں کی ذمے داری بھی حکومتِ برطانیہ پر ہوگی لیکن اس سلسلے میں ہندوستان کو مسلح رکھنے، اس کی حفاظت کرنے اور وسائل کی فراہمی کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہندوستان کے لوگوں کا حکومتِ برطانیہ کے ساتھ پورا پورا تعاون جاری رہے۔

۷۔ حکومت برطانیہ کی یہ بھی آرزو ہے ہندوستانی لیڈروں کی تمام کونسلوں اور دولتِ مشترکہ کے ساتھ ساتھ اقوام عالم کی انجمن میں بھی نمائندگی ہو اور اس نمائندگی

Marfat.com

کے لیے ہندوستان کے لوگوں کے تمام بڑے بڑے طبقوں کے لیڈروں کو نمائندگی کا موقع دیا جاتے۔ اس طرح یہ نمائندے ہندوستان کی آزادی کی خاطر فعال اور موثر کردار کر کے تعمیری حصہ لے سکیں گے"۔

سر سٹیفورڈ کرپس نے اس اعلان کے بعد ہندوستان بھر کے سیاسی رہنماؤں سے ملاقاتیں بھی کیں۔ وائسرائے کی کونسل اور مشاورتی کونسلوں کے اراکین سے بھی کئی ملاقاتیں کیں۔ کرپس نے قائداعظم محمد علی جناح، سر سکندر حیات خاں، فضل الحق، مولانا ابوالکلام آزاد، پنڈت جواہر لال نہرو، ڈاکٹر امبیدکر، ایم ایس راجہ، سر تیج بہادر سپرو، ساورکر اور دیگر کئی رہنماؤں سے ملاقات کی۔ چند دن تک اس مشن کی تجاویز کا چرچہ رہا لیکن ۳۰ مارچ ۱۹۴۲ء کو ڈرافٹ تجاویز اخبارات میں شائع ہوئیں۔ اس کے فوراً بعد ۲ اپریل ۱۹۴۲ء کو کانگرس اور مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹیوں نے کرپس مشن کی ان تجاویز کو اپنی اپنی قراردادوں میں رد کر دینے کا اعلان کر دیا۔

مسلم لیگ کا فیصلہ

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی ایک تقریر میں کرپس مشن ڈرافٹ تجاویز پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ "آج کل کرپس مشن کی تجاویز ہی موضوع بحث بنی ہوئی ہیں، اور میں نے دیکھا ہے کہ لوگ رفتہ رفتہ ان کی جانب رجوع کر رہے ہیں۔ یہ وہ ڈرافٹ تجاویز ہیں کہ جو ہز میجسٹی کی جانب سے ایک طرح حتمی حیثیت میں جاری کی گئی ہیں۔ میرا خیال ہے ہمیں بھی ان کا بالاستعاب جائزہ لینا چاہیئے"۔ اس کے بعد قائداعظم نے ان ڈرافٹ تجاویز کا ایک ایک کر کے تجزیہ پیش کیا۔ قائداعظم کا یہ تجزیہ پُرمغز اور سیاسی اعتبار سے وقیع تھا کہ اس میں ایک ایک مد پر خوب روشنی ڈالی گئی تھی۔ ہر شق کے دوررس نتائج کو بھی پیش نظر رکھا گیا تھا۔ اور پھر تمام پہلوؤں سے

Marfat.com

جائزہ لینے کے بعد مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی نے ۱۱ر اپریل ۱۹۴۲ء کو اپنے اجلاس منعقدہ الہ آباد میں کرپس مشن کی ان تجاویز کو ٹھکرا دیا کہ مسلمان ہرگز مستقبل کے کسی ایسے آئین کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ جس میں ان کے نصب العین کو پیشِ نظر نہ رکھا گیا ہو۔ اس طرح ہر وہ کوشش جو ہندوستانی مسائل کو حل کرنے کے لیے مسلمانوں کے حقوق سے چشم پوشی کر کے کی جائے گی۔ وہ بالآخر تباہ کن ثابت ہو گی۔

اس تردید کے حوالے سے مزید اعلان کیا گیا کہ ڈرافٹ تجاویز کے مطابق گویا ایسے صوبے کے جہاں پر مسلمانوں کی اکثریت ہے مثلاً بنگال، پنجاب وغیرہ۔ ان کی اسمبلیوں میں تو وہ اقلیت میں ہوں گے اور سندھ، شمال مغربی سرحدی صوبہ کی اسمبلیوں میں کل تعداد مثلاً پچاس ساٹھ بھی اس قدر کم ہو گی کہ وہ مرکز میں بالکل اقلیت ہو کر رہ جائے گی۔ اس طرح ان صوبوں کے مسلمان اپنی رائے کا پوری طرح سے اظہار نہیں کر سکیں گے۔ اسی طرح تجاویز کے مطابق اگر کوئی صوبہ یا ریاست انڈین یونین میں شامل ہونے سے انکار کر دے تو اس کی صورت کیا ہو گی۔ اس سلسلے میں ان تجاویز میں کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی۔ یہ تجاویز ہمارے لیے اس واسطے بھی ناقابل قبول ہیں کہ اس میں مسلم لیگ کی اس قراردادِ لاہور کو بالکل پیش نظر نہیں رکھا گیا۔ وہ قرارداد تو اب آل انڈیا مسلم لیگ کا ایک طرح سے منشور بن چکی ہے، اور وہی پاکستان سکیم ہے۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ جغرافیائی بنیادوں کے حوالے سے بھی ہندو اور مسلمان صوبوں کی حد بندی کر دی جائے۔ لیکن کرپس تجاویز میں ایک انڈین یونین کے قیام پر زور دیا گیا ہے۔ مسلمانوں کا یہ ایمان ہے کہ وہ ہندوستان کے کسی آئینی حل کو اس وقت تک قبول نہیں کر سکتے۔ کہ جب تک اس میں دو خود مختار زون مسلمانوں اور ہندوؤں کے لیے نہیں بنا دیئے جاتے۔ اس لیے ہمارے خیال میں انڈین یونین کی یہ سکیم ایک فضول اور بے عمل سکیم ہو گی اور اس سے نزاع پیدا ہو گی اور حالات میں کشیدگی بڑھے گی۔

Marfat.com

جہاں تک ہندوستان کے مسلمانوں کا تعلق ہے جہاں پر وہ اکثریت میں ہیں ان علاقوں کو مسلمانوں کے زون میں شامل کر دیا جائے اور جن علاقوں میں مسلمانوں کی اقلیت ہے وہاں انھیں متوازن، مؤثر اور محفوظ آئینی حفاظت فراہم کی جائے تاکہ وہ اپنے مذہب، کلچر، سیاست اور سیادت کا بجا طور پر تحفظ کر سکیں۔ انھیں آئینی طور پر دیگر تحفظات کی بھی ضمانت فراہم کی جائے۔ اس لیے مسلمانانِ ہندوستان کے لیے ایسی کسی سکیم کو تسلیم کر لینا ممکن نہیں ہے کہ جس میں ان مذکورہ امور کو پیشِ نظر نہ رکھا گیا ہو"۔

سر سٹیفورڈ کرپس نے چونکہ برعظیم پاک و ہند کے متعدد رہنماؤں سے ملاقات کی تھی اور ان کے خیالات کو سنا تھا، اس لیے ۱۱ر اپریل کو اس نے اپنی ان ملاقاتوں اور دیگر سیاسی رہنماؤں کے خیالات اور ان کی رائے پر اخبارات میں ایک بیان دیا۔ اس کے بعد وہ ۱۲ر اپریل ۱۹۴۲ء کو ہندوستان سے انگلستان کے لیے روانہ ہو گیا۔

۱۳ر اپریل ۱۹۴۲ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے ایک پریس کانفرنس میں کرپس کی تجاویز کے بارے میں ایک اور وضاحتی بیان جاری کیا۔ اور انھیں رد کرنے کی تفصیلات سے آگاہ کیا۔ اس موقع پر انھوں نے کانگرس کے ان بیانات کی بھی تردید کی کہ جن میں کانگرس یہ دعویٰ کرتی رہی کہ کانگرس ہی ہندوستان کے تمام لوگوں کی واحد نمائندہ اور ذمہ دار جماعت ہے۔ اس سلسلے میں پنڈت جواہر لعل نہرو نے چند دن پیشتر ہی یہ دعویٰ کیا تھا کانگرس ہی تمام ہندوستانیوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے لیکن قائداعظم نے مسلم لیگ کے مؤقف کو ایک بار پھر دُہرایا کہ کانگرس تمام ہندوستان کے لوگوں کی تو کجا وہ تو صرف سارے ہندوؤں کی بھی نمائندہ جماعت نہیں ہے۔ کانگرس کو تو غیر براہمنوں اور دوسری ہندو اقلیتوں کی بھی پوری حمایت حاصل نہیں ہے۔

اس کے بعد قائداعظم نے مزید فرمایا کہ :

Marfat.com

"مجھے اس بات کا علم نہیں ہے کہ کانگرس اور سر سٹیفورڈ کرپس کے مابین کوئی متبادل تجاویز بھی زیر بحث آئی ہیں کہ نہیں۔ لیکن میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ہز میجسٹی گورنمنٹ کو اس طرح کی کسی متبادل سکیم کے نفاذ کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ یہ امر تو میرے علم میں ہے کہ ہندوستان کی کسی مشترکہ کابینہ میں اگر ہندو مہا سبھا، کانگرس، سکھوں اور مسلم لیگ کے نمائندہ لوگ بھی شامل ہوتے تو بقول پنڈت جواہر لال نہرو ایسی صورت میں بھی کانگرس ہی کو فوقیت حاصل رہے گی۔ مثلاً اگر کل پندرہ ممبر بھی ہوتے تو ان میں آٹھ ممبر کانگرس کے ہوں گے۔ اور نہرو نے یہاں تک بھی کہا کہ اگر مسلمانوں کو یہ صورت حال منظور نہیں ہے تو وہ مستعفی ہو جائیں ــــ لیکن میں یہاں پر کانگرس اور پنڈت نہرو کی بات نہیں کرتا۔ صرف اتنا کہتا ہوں کہ اگر کانگرس کی تجاویز متبادل کے طور پر مان لی گئیں تو یہ مسلمانوں کے لیے موت کے پیغام سے کم نہیں ہوں گی"۔

اسی کانفرنس میں جواب سوالات اور جوابات کا سلسلہ شروع ہوا تو قائداعظم محمد علی جناح نے سوالات کا جواب دیتے ہوئے بتایا کہ "اگر تو تمام سیاسی جماعتیں مسلمانوں کے مطالبات کو تسلیم کر لیتی ہیں تو پھر اس ضمن میں پاکستان کی علیحدگی کے بارے میں دیگر تفصیلات بھی طے پائی جائیں گی۔ لیکن اگر مطالبہ پاکستان کو تسلیم نہیں کیا جاتا تو پھر ہمیں صورتِ حال کے تحت کسی بھی حل یا آئین اور آئینی سکیم سے ہرگز اتفاق نہیں ہوگا ــــ اور اسی طرح جو مطالبہ کانگرس نے کیا ہے اور جس کی جھلک پنڈت جواہر لال نہرو کی سر سٹیفورڈ کرپس سے خط و کتابت میں ملتی ہے۔ وہ مطالبہ سراسر متعصبانہ ہے اور مطالبۂ پاکستان کے خلاف ہے۔ ہمیں ان کی تجاویز کی کوئی پرواہ اور واسطہ نہیں ہے"ــــ

ہندو رہنماؤں اور کانگرس کا ایک جانب مسلمانوں کے بارے میں اس قدر متعصبانہ رویہ جاری تھا لیکن اسی دوران میں ۲۳ اپریل ۱۹۴۲ء کو راج گوپال اچاریہ نے آل انڈیا

Marfat.com

کانگرس کمیٹی کے ایک اجلاس منعقدہ مدراس میں اس حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا کہ مسلم لیگ کے علیحدگی کے مطالبے پر بات چیت کرنی چاہیئے۔ ۲۶ر اپریل ۱۹۴۲ء کو گاندھی جی نے برطانوی حکومت کے خلاف "ہندوستان چھوڑ جاؤ" تحریک کا اعلان کر دیا تھا۔ جنگِ عظیم دوم کی وجہ سے حالات خاصے نازک ہو چکے تھے لیکن جب سر سٹیفورڈ کرپس لندن پہنچا تو دارالعوام کے ایک اجلاس میں ہندوستان کے مسائل کے حل کے حوالے سے کرپس مشن کی ناکامی کا اعلان کر دیا۔ اور اس امر کا اظہار کیا گیا کہ کرپس مشن کی تجاویز ہندوستان کے لوگوں کے لیے ناقابلِ قبول ہیں۔ اس کے بعد ۲۸ر اپریل ۱۹۴۲ء کو برطانوی دارالعوام میں سر سٹیفورڈ کرپس نے اپنی ناکامی کے بارے میں ایک مفصل اور تجزیاتی بیان جاری کیا۔

۲۹ر اپریل ۱۹۴۲ء کو آل انڈیا کانگرس کمیٹی نے اپنے ایک اجلاس میں کرپس مشن کے بارے میں بیان دیا کہ ہندوستان کے اندر قومی انتظامیہ قائم کی جائے اور مسلم لیگ کے مطالبے پر بھی غور و خوض کیا جائے اور مسلم لیگ کو یہ دعوت دی جائے کہ وہ ہندوستان میں قومی حکومت کے قیام میں خصوصی ہنگامی حالات کے تحت تعاون کرے۔ لیکن اسی دوران میں راج گوپال اچاریہ نے کانگرس کمیٹی سے استعفیٰ دے دیا۔ اور کہا کہ میں ایک تحریک کی قیادت کروں گا۔ اس کے بعد مسلم لیگ نے مسلمانوں میں اپنی حیثیت اور اہمیت کو مسلمہ کر لیا۔ کانگرس کے بھی ایک دو اجلاس منعقد ہوئے۔ ان اجلاسوں میں یہ واضح ہو گیا کہ کانگرس ایسی فرقہ وارانہ جماعت ہے۔ خلاصتہً یوں تسلیم کر لیا گیا کہ وسیع تر معنوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ ہندو لوگوں کی رائے کانگرس کی رائے ہے اور مسلمانوں کی رائے مسلم لیگ کی رائے ہے۔"

Marfat.com

ہندوستان چھوڑ جاؤ تحریک

اس امر کی جانب موہن داس کرم چند گاندھی اس سے پیشتر بھی اشارہ کر چکے تھے کہ حکومت برطانیہ کو چاہیئے کہ وہ ہندوستان کو ہندوستانیوں کے سپرد کر کے خود ملک کو چھوڑ جائیں۔ اس کے بعد جب کرپس مشن باضابطہ طور پر ناکام ہو کر واپس چلا گیا اور برطانوی دارالعوام نے بھی اس کی ناکامی کا اعلان کر دیا تو پھر ۱۰ مئی ۱۹۴۲ء کو گاندھی جی نے بمبئی سے اعلان کیا کہ برطانیہ کو ہندوستان چھوڑ دینا چاہیئے۔ نہیں تو ملک میں لاقانونیت پھیل جائے گی۔ اس کے تحت گاندھی جی نے ہر برطانوی سے یہ اپیل کی کہ وہ ایشیا اور افریقہ میں اپنے ہر عہدے سے مستعفی ہو جائے یا کم از کم وہ ہندوستان سے مستعفی ہو جائے۔ اسی دوران میں ملک میں قومی حکومت کے قیام کے لیے تحریک کا آغاز ہو گیا۔ اس تحریک میں راج گوپال اچاریہ نے نیشنل فرنٹ کی قیادت سنبھال لی۔ گاندھی جی نے اس کے ساتھ ہی دوبارہ سول نافرمانی کی تحریک کا اعلان بھی کر دیا۔ لیکن گاندھی کی اس تحریک سے قائدِ اعظم محمد علی جناح، ہندو مہاسبھا، لبرلز، کمیونسٹ اور دیگر کئی لیڈروں نے صریحاً اختلاف کیا۔

"ہندوستان چھوڑ دو"۔ تحریک جاری ہونے سے ملک بھر میں ایک طرح سے انتشار اور ابتری پھیل گئی۔ ہندوؤں اور کانگرس کا خیال تھا کہ جب یہ تحریک اپنے زوروں پر ہو گی تو مسلمان قائدِ اعظم محمد علی جناح کو یک و تنہا چھوڑ دیں گے لیکن حکومتِ برطانیہ ہندوؤں کی اس عدم تعاون اور سول نافرمانی کی تحریک کو دبانے کے لیے شدید کارروائی کرتی رہی کیونکہ اس طرح خطرہ تھا کہ ملک میں خانہ جنگی شروع ہو سکتی ہے۔ اس دوران میں قائدِ اعظم محمد علی جناح نے بھی مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ کسی طرح کے جذبات میں بہنے کے بجائے حالات کے تحت لیگ کمیٹی کے کسی فیصلے کا انتظار کریں۔

Marfat.com

کانگرس اور گاندھی نے جو یہ تحریک چلائی تو اس کے جواب میں ۲۷ رجولائی ۱۹۴۲ء کو مسٹر ایمری نے دارالعوام میں اور لارڈ سر سٹیفورڈ کرپس نے امریکہ کے نام اپنے ایک نشریئے میں ہندوستان کی صورت حال کے بارے میں اظہارِ خیال کیا اور انھوں نے کانگرس کے ان بے سروپا مطالبات کو مضحکہ خیز قرار دیا اور کہا کہ کانگرس اور مسٹر گاندھی کی یہ پالیسی برطانیہ کو بلیک میل کرنے کے برابر ہے۔ اس سلسلے میں قائداعظم محمد علی جناح نے بھی اپنے خیالات کا اظہار فرمایا اور کہا کہ "کانگرس کی یہ سوچ بچگانہ ہے کہ ہندوستان میں حکومتِ برطانیہ کی موجودگی میں کسی طرح کا آئینی تصفیہ ممکن نہیں ہے لیکن یہ بات ضرور ہے کہ ہندوستان میں ان بنیادوں پر ہرگز کوئی تصفیہ نہیں ہو سکتا کہ جو مسٹر گاندھی مسلمانوں پر لاگو کر رہے ہیں"۔

مسٹر گاندھی کی "ہندوستان چھوڑ جاؤ"۔ تحریک ایک طرح سے حکومت برطانیہ کے لیے چیلنج سے کم نہیں تھی، یہی نہیں بلکہ یہ تحریک مسلمانانِ ہندوستان کے لیے بھی ایک چیلنج ہی تھی کہ مسٹر گاندھی نے ہندوستان کے مسلمانوں کے مشورے اور رضامندی کے بغیر ہی ایسی تحریک کا آغاز کر دیا تھا۔ کیونکہ گاندھی کی تحریک اصل میں مسلمانوں کے مطالبۂ پاکستان پر ایک مذموم حملے سے کم نہیں تھی ـــ یہی نہیں بلکہ ۸ راگست ۱۹۴۲ء کو کانگرس نے بمبئی میں منعقدہ اپنے ایک اجلاس میں اپنی یہ قرارداد ورکنگ کمیٹی کو منظوری کے لیے بھجوا دی تھی کہ جس میں کہا گیا تھا کہ "آج کے حالات کے تحت یہ امر سب سے ضروری ہے کہ ہندوستان میں سے برطانوی راج کو فی الفور ختم کر دیا جائے"۔ اس کے لیے مستقبل میں کسی طرح کی کوئی ضمانت بھی قابل قبول نہیں ہوگی۔ اس کے ساتھ ہی کانگرس کے زیر سایہ گاندھی کی سربراہی میں ہندوؤں نے عوامی ردِعمل کا اظہار کرنا شروع کر دیا۔ ۹ راگست ۱۹۴۲ء کو کانگرسی لیڈروں نے بمبئی شہر میں گشت کی اور اشتعال انگیز کارروائیاں کیں۔ انتظامیہ نے کئی ہندوؤں کو گرفتار کر کے جیلوں

Marfat.com

میں بھجوا دیا۔

یہی نہیں بلکہ ہندوؤں نے اپنی ان کارروائیوں میں مسلمانوں کو بھی ملوث کرنے کی کوششیں جاری رکھیں۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح کے دفتر کے اندر کانگرس کارروائیوں کی رپورٹیں اور ہندوؤں کی گرفتاری کی خبریں بھی پھینکی جانے لگیں، لیکن قائداعظم محمد علی جناح نے اس طرح کی ہر متوقع صورتِ حالات سے نمٹنے کے لیے پہلے ہی انتظامات کر رکھے تھے۔

مسلمانوں کا ردِ عمل

۱۶ راگست ۱۹۴۲ء کو مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کا ایک اجلاس بمبئی میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں مسلمانوں سے درخواست کی گئی کہ وہ گاندھی کی ہندوستان چھوڑ دو تحریک سے علیحدہ رہیں۔ اس اجلاس میں کانگرس کی اس تحریک کے پس پردہ عزائم کو بے نقاب کیا گیا اور اسی اجلاس میں ایک قرارداد پیش کی گئی کہ:

"آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی ملک کی موجودہ سیاسی صورتِ حال پر گہری تشویش کا اظہار کرتی ہے۔ دریں حالات کانگرس کمیٹی کی ہندوستان چھوڑ دو تحریک کی تائید و حمایت ایک کھلم کھلا ڈاکہ زنی ہے۔ کانگرس ملک میں ہندووانہ تسلط چاہتی ہے، اس لیے اب اس نے قانون شکنی کا وطیرہ بھی اپنا لیا ہے۔ ہندوؤں کی یہ تحریک ایک طرح سے مسلمانوں کو اپنے زیر تسلط کرنے کی ایک سازش ہے، اس کے تحت تو مسلمانوں کو ہندوؤں کی شرائط پر گھٹنے ٹیکنا پڑیں گے۔ کانگرس کی تو پالیسی ہی یہی ہے کہ حکومت برطانیہ پر چاپلوسی سے یا منت سماجت سے اثر ڈال کر اپنا تسلط اور برتری منوالی جائے کہ جس کے بعد دس کروڑ مسلمان اور قریباً ایک کروڑ افراد دیگر اقلیتوں کے ان کے دستِ نگر ہو کر رہ جائیں گے۔ کانگرس نے ایسی ہی کوششیں

Marfat.com

سر سٹیفورڈ کرپس کی چاپلوسی کر کے آزمائی تھیں اور پھر اس کے بعد کانگرس نے گاندھی کے اشارے پر انگریزی حکومت کے خلاف "ہندوستان چھوڑ دو" تحریک چلا دی۔

یاد رکھیں مسلمان کوئی کم محبِ وطن نہیں ہیں۔ مسلمان بھی ملک کی آزادی اور خود مختاری کے متوالے ہیں اور اصل میں یہی مسلم لیگ کا مقصد ہے لیکن اگر ہندوستان کے لیے کوئی ایسا آئین بنا دیا گیا کہ جس کا منشا اور مقصود ہندو راج کا قیام ہو تو یہ مسلمانوں کے نصب العین پاکستان پر ایک مہلک ضرب ہو گا۔ مسلم لیگ بھی ملک کے تحفظ اور جنگ کی اس موجودہ صورت حال میں ملک کا انتظام سنبھالنے میں پوری طرح شریک ہونے کے لیے تیار ہے لیکن مسلم لیگ کو اس شرکت کی کوئی آئینی سہولت فراہم کی جائے۔ مسلم لیگ ملکی حدود کے تحفظ کے لیے بھی ہر طرح سے تیار ہے لیکن ایسی ذمے داری مسلمانوں کو حقیقی طور پر کسی آئین کے تحت سونپی جائے۔ مسلم لیگ تن تنہا یا کسی دوسری جماعت کے ساتھ ملکی سرحدوں کی ہر طرح کی حفاظت کرنے کے لیے تیار ہے۔

اس لیے مسلم لیگ حکومت برطانیہ سے درخواست کرتی ہے کہ وہ اپنی نئی شرائط کے ساتھ میدان میں آئے اور مسلمانوں کے ان کے حقوق اور آئینی اختیارات دے کر پاکستان سکیم کو تحفظ بخشے۔ کیونکہ مسلم لیگ کا اب یہ ایمان ہے کہ ہندوستان کے مسائل کا حل صرف پاکستان سکیم کو قبول کر لینے ہی میں ہے۔ یہی حل دونوں قوموں کے درمیان ایک جائز اور درست حل ہو گا۔ اس لیے مسلم لیگ ایک بار پھر یہی دعوت دیتی ہے کہ مسلم لیگ کے ساتھ باعزت طور پر اور برابر کی بنیادوں پر کوئی فیصلہ کیا جائے۔ لیکن اگر اس ضمن میں کوئی عمل سامنے نہیں آتا تو پھر مسلم لیگ اپنے حقوق اور اپنی آئینی حیثیت حاصل کرنے کے لیے وقت اور حالات کے مطابق جو بھی کارروائی یا مزاحمت اور ایکشن مناسب سمجھے گی، اس پر عمل پیرا ہو جائے گی۔"

Marfat.com

مسلمانوں کا حقِ خودارادیت

۱۶-۲۰ اگست ۱۹۴۲ کو بمبئی میں آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کا اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں مطالبہ کیا گیا کہ مسلمانوں کو ان کے حق خودارادیت کی ضمانت فراہم کی جائے اور برطانوی حکومت کو چاہیئے کہ وہ مسلمانوں کی قرارداد لاہور کہ جس میں پاکستان سکیم بیان کی گئی ہے، کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ہندوستان میں کسی بہتر آئین کا نفاذ کرے۔ اسی اجلاس میں مسلمانوں نے برعظیم میں مسلمانوں کے علیحدہ وطن کے قیام کی جانب اقوام عالم کی توجہ بھی مبذول کرائی۔ اور یہ بھی کہا کہ کسی قوم کے لیے اپنا وطن حاصل کرنا اقوام عالم کے قائم کردہ چارٹر کے عین مطابق ہے۔

برعظیم میں اس عہد میں ہندوؤں اور کانگرس کی "ہندوستان چھوڑ جاؤ" تحریک زوروں پر تھی لیکن اس کے باوجود مسلم لیگ نے اپنے اجلاس میں کانگرس کو زمانہ جنگ میں عبوری حکومت بنانے میں شرکت کی دعوت دے دی تھی۔ حالانکہ کانگرس تحریک کا بنیادی مقصد ہی یہی تھا کہ انگریز غیر مشروط طور پر ہندوستان کی عنان حکومت کانگرس کے سپرد کر دیں اور پھر ملک بھر میں کانگرس ہندو راج نافذ کر دے اور جس میں کروڑوں مسلمان اقلیت بن کر رہ جائیں۔ کانگرس جب بھی ہندوستان کی آزادی کا ذکر کرتی تو اس کا مقصد صرف ہندوؤں ہی کی آزادی ہوتا تھا اور وہ ایسی آزادی کو "اکھنڈ بھارت" کے تحت غلام بنا کر رکھنا چاہتے تھے۔

کانگرس کی کارروائیوں، کانگرس کی جاپانی حمایت کے اعلان اور نوجوانوں کو تخریبی کاروبار میں لگانے کے بعد انگریز حکومت پر یہ واضح ہو چکا تھا کہ کانگرس کے عزائم کسی بھی طور درست نہیں ہیں۔ اس لیے انتظامیہ نے امن و امان قائم رکھنے کے لیے تادیبی کارروائیوں میں ہندوؤں کی گرفتاریوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ حکومت نے

Marfat.com

جب انتظامی کارروائی میں شدت پیدا کی تو یہ تحریک کمزور ہوتی چلی گئی۔ لیکن اس عہد میں گاندھی جی نے ایک اور چال چلی اور اپنے نعرے کو نیا رنگ دے کر یوں بیان کہ "ملک تقسیم کرو اور چھوڑ جاؤ"۔ گاندھی جی کا یہ نیا نعرہ ایک حد تک مسلمانوں کے لیے بھی دلفریب تھا۔ گاندھی کا خیال تھا کہ اس طرح مسلمان اس ڈوبتی ہوئی تحریک میں نئی روح پھونک دیں گے اور گاندھی جی مسلمانوں کی آنکھ کا تارہ بھی بن جائیں گے۔ لیکن مسلمان گاندھی کے اس دلکش نعرے کے طلسم میں نہ آئے۔

دریں اثنا ہندوستان کے حالات میں بڑی تیزی کے ساتھ چند ایک تبدیلیاں رُونما ہوئیں۔ مثلاً بنگال میں تاریخ کا ایک سب سے بڑا قحط واقع ہوا۔ اسی دور میں خوش قسمتی سے بنگال میں مسلم لیگ کی وزارت قائم ہوگئی۔ اس کے ساتھ ہی ہندوستان کے نئے وائسرائے لارڈ ویول نے چارج سنبھال لیا۔ ۱۰ اکتوبر ۱۹۴۲ء کو سندھ میں بھی مسلم لیگ کی وزارت قائم ہوگئی۔ ہندوستان کے دیگر صوبوں میں ابتری اور انتشار بہت بڑھ گیا۔

۱۳ ستمبر ۱۹۴۲ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے دہلی میں ایک پریس کانفرنس کے دوران اپنی تقریر میں کہا کہ:

"مسلمانوں کے ساتھ کسی طرح کے تصفیے یا اطمینان بخش حل کے لیے ضروری ہے کہ کوئی ایسا حل تلاش کیا جائے کہ جو تمام جماعتوں کے لیے قابل قبول ہو۔ اس میں یہ لازمی امر ہے کہ مسلمانوں کو ان کی علیحدہ خود اختیاریت کا حق دیا جائے۔ اگر کسی آئین یا موجودہ آئینی ڈھانچے میں مسلمانوں کے اس مطالبے کو تسلیم نہیں کیا جاتا تو پھر تمام کوششیں اکارت رہیں گی۔ اور ان تمام تحریکوں کا مقصد یہ ہوگا کہ ایک بیچاری اڑتی ہوئی مکھی خود بخود مکڑنے کے جالے کی جانب بڑھ رہی ہے کیونکہ اگر کوئی پراونشل حکومت آئین اور آئینی ڈھانچے کے باہر بنادی جاتی ہے تو اس کے لیے موجودہ آئین میں کئی تبدیلیاں کرنا پڑیں گی اور اگر ایک بار یہ آئینی تبدیلیاں کردی گئیں تو پھر انھیں ختم کرنا مشکل ہوجائے گا۔ اس

Marfat.com

لیے میں بنیادی طور پر اس امر پر زور دیتا ہوں کہ ہم اب جنگ کی حالت میں کسی مجبوری کے تحت کسی پراونشل حکومت کے قیام کا مطالبہ نہیں کرتے اور ہم ہرگز کسی ایسے امر پر بھی زور نہیں دیتے کہ جو مطالبہ پاکستان کے منافی ہو۔

جہاں تک کانگرس کے مطالبات کا تعلق ہے، اس ضمن میں مسٹر چرچل نے بھی انھیں تقریر میں واضح کر دیا ہے کہ کانگرس ہندوستان کے تمام لوگوں کی ہرگز نمائندگی نہیں کر سکتی اور نو کروڑ مسلمان بھی کانگرس کے کسی فیصلے کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اس لیے میں کانگرس کی کسی تحریک کے حق میں نہیں ہوں۔ کانگرس کی یہ تحریک سراسر برطانیہ اور حکومت برطانیہ کے خلاف ہے۔ کانگرس کی یہ جنگ مسلم لیگ اور مسلمانوں کے بھی خلاف ہے۔ خلاصتہً کانگرس کی کارروائی غیر قانونی اور غیر آئینی ہے۔ اپنی تحریک میں کانگرس اگر حکومت برطانیہ سے کوئی شرط منوا لیتی ہے تو اس کا مقصد یہ ہے کہ ہر غیر کانگرسی پر حکومت کرنے کا اختیار بھی حاصل کر لیتی ہے"۔

نئی دہلی میں منعقدہ اس پریس کانفرنس میں برطانیہ، امریکہ، چین اور مقامی اخباری نمائندوں کی ایک بھاری تعداد نے شرکت کی تھی۔ اس میں قائداعظم محمد علی جناح نے ایک ایک نقطے کی وضاحت اور تجزیہ پیش کیا۔ انھوں نے کانگرس کے جھوٹے دعووں کی مثالیں بھی پیش کیں اور کانگرس کے بارے میں غیر ملکی سربراہوں اور ماہرین کی رائے بھی بیان کی۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے مسلمان تہذیب و شائستگی اور دنیا بھر میں ان کے کردار پر روشنی ڈالی۔ اسی کانفرنس میں قائداعظم نے ہندو مہاسبھا کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ" اگر میں یہ کہوں کہ ہندو مہاسبھا بھی کانگرس ہی کی طرح کی جماعت ہے لیکن درحقیقت اپنی دشمنی اور مخاصمانہ روش کے بل بوتے پر یہ کانگرس سے بھی دو ہاتھ آگے ہے۔ کانگرس مصلحت کوشیوں اور منافقتوں سے کام لیتی ہے جبکہ ہندو مہاسبھا ایسی پردہ داریوں کو بھی ملحوظ نہیں رکھتی بلکہ وہ کھلم کھلا کہتی ہے کہ وہ ہندوستان میں

Marfat.com

ہندوراج کا نفاذ چاہتی ہے کہ جس میں مسلمانوں کو زیر تسلط رکھا جائے گا ـــ اور مسلمانوں کو اس ہندوراج میں اسی طرح رکھا جائے گا جس طرح جرمنی میں یہودیوں کو رکھا جاتا ہے۔

اسی پریس کانفرنس میں جب قائدِ اعظم محمد علی جناح سے مسلم لیگ یا مسلمانوں کی کسی پالیسی میں تبدیلی کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے جواباً فرمایا کہ مسلم لیگ اپنے مطالبات کو سولہ آنے جوں کا توں رکھ کر ہر طرح کی بات چیت کے لیے تیار ہے" اس کے ساتھ ساتھ قائدِ اعظم نے قومی حکومت کے قیام اور پراونشل حکومت کے بارے میں بھی اپنی رائے کا اظہار کیا۔

اپنی اس پریس کانفرنس کے آخر میں قائدِ اعظم محمد علی جناح نے بڑی جرأت مندی کے ساتھ برطانوی حکومت کی سابقہ تین چار برسوں کی پالیسیوں اور کارروائیوں کا برملا اظہار کیا۔ اور فرمایا کہ سابقہ برسوں میں مسلمانانِ ہند کی صورت اور کیفیت خربوزے کی سی رہی ہے کہ جس پر چھری گرے یا جو اگر چھری پر گرے تو کاٹا تو بہر حال خربوزہ ہی جائے گا۔ آپ برطانوی پالیسی کی شدت اور اس کی سختی کو محسوس کریں۔ کل کو میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ ہر حکومتِ برطانیہ سے کسی قسم کا تعاون نہیں کرتے۔ یقین مانیے! اس طرح صورتِ حال بہت نزاکت اختیار کر جائے گی۔ ہم نے جو مصائب برداشت کیے ہیں اس سے بھی پانچ سو گنا زیادہ مصائب ہم پیدا کر سکتے ہیں لیکن اس ساری صورت حال کے باوجود مسلمانوں کا جو رویہ اور سلوک رہا ہے، وہ اصل میں مسلمانوں کا مزاج ہے۔ مسلمان اسی مزاج ہی میں پروان چڑھتا ہے۔ ہم مسلمان اگر چاہیں تو ہم جنگی کوششوں کو بہت تیزی دے سکتے ہیں"۔

ایک اخباری نمائندے نے سوال کیا کہ کیا مسلم لیگ مشرقِ وسطیٰ میں برسرِ پیکار افواج پر بھی کسی طرح سے اثر انداز ہو سکتی ہے؟ تو اس سوال کے جواب میں قائدِ اعظم نے نہایت محتاط انداز میں فرمایا کہ" میں سرحدوں پر کسی طرح خونریزی کے لیے تیار نہیں ہوں کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ ان محاذوں پر جو افواج برسرِ پیکار ہیں، ان میں پینسٹھ فی صد ہندوستانی مسلمان

Marfat.com

موجود ہیں"۔ انھوں نے کہا کہ اسلامی دنیا کے ممالک افغانستان، ایران، عراق، ترکی اور مصر کے لوگوں کی تمام تر ہمدردیاں ہندوستان کے مسلمانوں کے ساتھ ہیں، اور یہ مطالبۂ پاکستان کی شدید حمایت کرتے ہیں۔ اس لیے مسلمان یا مسلم لیگ لامحالہ اس وقت کوئی کسر اٹھا نہیں رکھے گی کہ جب برطانوی حکومت اور مسلمانوں کے درمیان محاربہ ہوگا۔

قائدِاعظم نے فرمایا کہ "جیسے میں نے بیان کیا ہے کہ مسلمان پانچ سو گنا زیادہ تکلیف پہنچا سکتے۔ لیکن اس سے حاصل کیا ہوگا! اس کے نتائج دو ہی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ بیرونی حملہ آور ملک پر قابض ہو جائے گا۔ ایسی صورت میں ہمیں اپنی قربانیوں کا کیا صلہ ملے گا؟ صرف ہمارے حکمرانوں ہی میں ایک تبدیلی پیدا ہوگی، اور اگر دوسری جماعتیں ہمارا ساتھ نہ دیں گی تو خانہ جنگی ہوگی۔ دوسرا نتیجہ یہ برآمد ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کی اس کوشش میں ہندوستان میں حکومت برطانیہ مفلوج ہو کر رہ جائے گی۔ اس طرح فوری اور ہنگامی تبدیلیوں کے باعث ملک کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ یہ دونوں صورتیں ہم مسلمانوں کو زیب نہیں دیتیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے مسلمانوں کی کیفیت کو چھری اور خربوزے کی مثال سے واضح کیا ہے"۔

قائدِاعظم نے اس حقیقت پر بھی روشنی ڈالی کہ کانگرس نے اپنی "ملک چھوڑ جاؤ" تحریک میں یہ ظاہر کیا ہے کہ ہندوستان کے ہندو مسلم مسائل اس وقت تک حل ہی نہیں ہو سکتے کہ جب تک انگریز ملک چھوڑ کر چلا نہ جائے ــــ تو اس ضمن میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ اصل میں کانگرس کی پالیسی ہی یہی ہے۔ کانگرس پچھلے بائیس برسوں میں اسی پالیسی پر عمل پیرا ہے کہ برعظیم میں ہندو مسلم مسائل کا حل اس کے سوا اور کوئی ہے ہی نہیں کہ ان دونوں کو مشترکہ آزادی دے دی جائے۔

Marfat.com

مسلمانوں کی آزادی

۱۹۴۲ء کے اواخر تک دہلی میں مسلم لیگ کونسل کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں جہاں پاکستان کا مطالبہ دہرایا گیا وہاں حکومت کی سیاسی تجاویز کے بارے میں بھی اظہارِ خیال کیا گیا۔ اور مسلم لیگ کے لیے نیا لائحہ عمل مرتب کیا گیا۔ اسی طرح مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ ۹ر نومبر ۱۹۴۲ء کو قائداعظم نے ایک بار پھر اس امر کا اعادہ کیا کہ "ہم مسلمان آزادی چاہتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم اپنے ملک کے آپ مالک ہوں۔ ہم برطانوی حکومت کو خداحافظ کہیں کیونکہ ہمارے مطالبۂ پاکستان میں پورے ہندوستان کی آزادی اور خودمختاری مضمر ہے۔"

۱۵ر نومبر ۱۹۴۲ء کو آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس کانفرنس جالندھر میں منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں قائداعظم محمد علی جناح نے مسلمانانِ ہند کو مصروفِ عمل ہونے کی تاکید کی اور فرمایا "کام، کام اور بس کام۔ سکونِ خاطر، صبر و برداشت اور انکساری کے ساتھ اپنی قوم کی سچی خدمت کرتے جائیے۔"

دسمبر ۱۹۴۲ء میں مسلم لیگ کونسل نے ایک قرارداد میں اپنے موقف اور مطالبۂ پاکستان کو دہرایا اور واضح کیا کہ ہندوستان کے شمال مشرق اور شمال مغرب میں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے، وہی علاقے مسلمانوں کا وطنِ عزیز بنیں گے۔ دسمبر ہی کے مہینے میں سر سکندر حیات خاں کی وفات پر پنجاب میں سر خضر حیات خان ٹوانہ پنجاب کے وزیراعلیٰ مقرر ہوتے۔ سر خضر حیات خان بھی یونینسٹ پارٹی کے رکن تھے۔ اس دوران میں قائداعظم محمد علی جناح نے مسلمانوں کے ان صوبوں پر خصوصی توجہ دی کہ جو مجوزہ پاکستان میں شامل تھے۔ اسی مقصد کے تحت انھوں نے پنجاب کے سکھ لیڈروں سے ملاقات کی اور انھیں پاکستان سکیم کے تمام پہلوؤں سے روشناس کرایا۔ قائداعظم کی یہ کوشش محض

Marfat.com

بے مقصد ہی نہیں تھیں بلکہ انگریزی کی بھی یہ خواہش تھی کہ وہ ہندوستان کی تمام جماعتوں کے رہنماؤں کو حکومت کے کاروبار میں شامل اور شریک کرے۔ اس عہد میں قائدِ اعظم نے نظریۂ پاکستان کی وضاحت کے لیے لازوال خدمات انجام دیں، کیونکہ کانگرس کے پروپیگنڈا کے باعث امریکہ، برطانیہ اور دوسری دنیا میں مسلم لیگ کے بارے میں کئی طرح کے شکوک و شبہات اور غلط فہمیاں پیدا ہونے لگی تھیں، اس لیے قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی ہر تقریر اور بیان میں ان غلط فہمیوں کو دُور کرنے پر پوری پوری توجہ مبذول رکھی۔

۳۱ر دسمبر ۱۹۴۲ء سے ۸ر فروری ۱۹۴۳ء تک گاندھی اور وائسرائے ہند کے مابین ہندوستانی مسائل پر خط و کتابت ہوتی رہی۔ شاید یہ خط و کتابت بے سود ثابت ہونے پر گاندھی جی نے وائسرائے ہند سے دھمکی دی کہ وہ بھوک ہڑتال کر دیں گے۔ ۸ر فروری کو حکومت ہند نے کہا کہ اس بھوک ہڑتال کے دَوران میں گاندھی جی کو رہا کر دیا جائے گا لیکن اس پیش کش کو ہندوؤں نے ٹھکرا دیا۔ ۱۹ر فروری ۱۹۴۳ء کو جب دہلی میں نان پارٹی کانفرنس کا انعقاد ہوا تو اس میں سر تیج بہادر سپرو نے صدارتی تقریر میں مطالبہ کیا کہ گاندھی کو فوری طور پر رہا کر دیا جائے لیکن اسی دوران میں ۲۲ر فروری ۱۹۴۳ء کو حکومت نے کانگرس کی جانب سے مختلف تحریکوں کے دوران میں نقصان اور نافرمانیوں پر ایک قرطاس ابیض جاری کیا اور تمام نقصانات کی ذمّے داری کانگرس پر ڈالی گئی۔ ۲۵ر جنوری ۱۹۴۳ء کو مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا ایک اجلاس بمبئی میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں مسلمانوں کے مطالبۂ پاکستان کو دہرایا گیا اور پاکستان ہی کو مسلمانوں کی منزلِ مقصود قرار دیا گیا۔ مسلم لیگ نے ۲۸ر مارچ کو فضل الحق پر زور دیا کہ وہ بنگال کی وزارت سے مستعفی ہو جائیں۔ پھر ۲۴ر اپریل ۱۹۴۲ء کو بنگال میں سر ناظم الدین نے بڑی حد تک مسلم لیگ کی وزارت قائم کر لی۔ اپریل کے اواخر میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس انعقاد پذیر ہوا اور اس اجلاس میں اعلان کیا گیا کہ مسلم اکثریت کے صوبوں میں اب مسلمانوں ہی کی وزارتیں قائم ہوگئی

Marfat.com

ہیں یا ہو رہی ہیں۔ مئی کے مہینے میں صوبہ سرحد میں بھی مسلم لیگ کی وزارت قائم ہو گئی۔ اسی دوران میں سندھ کے سابقہ وزیر اعظم الٰہ بخش کو کسی نے قتل کر دیا۔ اگست اور نومبر ۱۹۴۳ء کے عرصے میں بنگال میں ایک بار پھر شدید قحط رونما ہوا۔ ۲۰ اکتوبر ۱۹۴۳ء کو لارڈ لینلتھگو کے بجائے لارڈ ویول وائسرائے ہند مقرر ہو کر آئے۔

جون اور جولائی ۱۹۴۳ء کے مہینوں میں قائداعظم محمد علی جناح نے صوبہ بلوچستان کا بھرپور دورہ کیا۔ اس دورے کے دوران انھوں نے بلوچستان کے مختلف وفود سے ملاقات کی اور ان سے سیاسی مسائل پر دوستانہ ماحول میں گفتگو کی۔ ۳ جولائی کو بلوچستان مسلم لیگ کا تیسرا سالانہ اجلاس منعقد ہوا۔ اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ "تاریخ شاہد ہے کہ مسلمان آج سے پہلے کبھی اس قدر متحد نہیں ہوتے تھے۔ مسلم لیگ کا نظام روز بروز وسیع تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اب مسلم لیگ کے سامنے واضح پروگرام اور معین نصب العین ہے"۔ انھوں نے مزید فرمایا کہ "کسی قوم کو بیدار کرنا ایک بہت بڑی عظمت ہے اور پھر اس قوم کو منظم کرنا اس سے بھی بڑی عظمت ہے۔ بس اب اُٹھو اور دوسرے صوبوں کے شانہ بشانہ صف آراء ہو جاؤ"۔

قائداعظم محمد علی جناح چونکہ پچھلے چند برسوں سے مسلمانانِ ہند کے سب سے بڑے سربراہ اور ایک بہت بڑے سیاست دان کے طور پر نہایت کامیابی سے ان کی سربراہی کر رہے تھے۔ اصولوں اور سیاست کے میدان میں اُنھوں نے پورے برعظیم میں ایک نہایت کامیاب سیاستدان کے طور پر سب سے زیادہ امتیازی حیثیت حاصل کر لی تھی۔ لیکن بعض دشمنوں کو ان کی یہ حیثیت ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ۲۰ جولائی ۱۹۴۳ء کو لاہور میں خاکسار تنظیم کے ایک رکن رفیق صابر نے قائداعظم پر قاتلانہ حملہ کر دیا۔ اس قاتلانہ حملہ میں قائداعظم اپنی ذہانت، ہوشیاری اور سب سے بڑھ کر تائید ایزدی سے بال بال بچ گئے۔ اس قاتلانہ حملے کی ملک بھر میں مذمت کی گئی

Marfat.com

اور ملک بھر میں ان کی جان بچنے کی خوشی میں خدا کے حضور یومِ تشکر بھی منایا گیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی قائداعظم کی صحت، تندرستی اور سلامتی کی دُعائیں مانگی گئیں۔

۲ ستمبر ۱۹۴۳ء کو مسلمانان ہندوستان نے برطانوی حکومت کے اس رویے کے خلاف کہ وہ مسلمانوں کے آئینی حقوق کو پس پشت ڈال رہی ہے، یوم سیاہ منایا۔ اس کے بعد ۱۵ نومبر ۱۹۴۳ء کو مسلم لیگ کا ایک اجلاس دہلی میں منعقد ہوا تو اس اجلاس میں مسلمانانِ ہند کے مسائل اور پاکستان سکیم کی راہ میں حائل رکاوٹوں کا جائزہ لیا گیا۔ اس اجلاس میں مسلم لیگ کے لیے کئی اقدامات تجویز کیے گئے۔

۲۴-۲۶ دسمبر ۱۹۴۳ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کا اکتیسواں سالانہ اجلاس کراچی میں انعقاد پذیر ہوا۔ اس اجلاس کی صدارت قائداعظم محمد علی جناح نے کی اور اُنھوں نے اپنی صدارتی تقریر میں فرمایا کہ:

"ہم نے مخالفتوں اور ملامتوں کے درمیان بھی زندہ رہنا سیکھ لیا ہے۔ ہماری مخالفت حکومت بھی کرتی رہی اور بیوروکریسی نے بھی اس ضمن میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا اور ہمیشہ مخالفت پر تُلی رہی۔ شاید لوگوں کا حافظہ کمزور ہے۔ بہتر یہی ہے کہ میں ایک بار پھر دہرا دوں کہ پہلی مخالفت بیوروکریسی ہی کی جانب سے تھی۔ لیکن یہ مخالفت اس کی اپنی ہی کمزوریوں کی نذر ہو کر رہ گئی۔ پھر مخالفتوں کا دوسرا حملہ کانگرس کی جانب سے ہوا، کانگرس کا یہ حملہ کوئی پہلا حملہ نہیں تھا، کانگرس تو ایسے حملے کرنے کی عادی ہو چکی ہے۔ جب کانگرس وزارتیں قائم ہوئیں تو مسلم لیگ کی حیثیت ان کے لیے ناقابلِ برداشت ہو گئی، گویا مسلم لیگ ان کے لیے ایک وبال بن چکی تھی۔ مسلم لیگ نے ان متعصبانہ کانگرسی حکومتوں کے خاتمے کا مطالبہ کیا اور حکومت نے مسلم لیگ سے کہا کہ وہ کانگرسی حکومتوں کو ختم کر دینے کے لیے کانگرس سے مطالبہ کرے لہٰذا مسلم لیگ نے کانگرس سے بھی یہی مطالبہ کیا۔ پھر بعض حوالوں سے مسلمانوں سے یہ بھی کہا جاتا رہا کہ وہ اپنے

Marfat.com

مطالبات ترک کر کے کوئی معاہدہ کرلیں۔ یہی نہیں بلکہ مسلمانوں کو کبھی انتخابات کے وعدۂ فردہ پر ٹرخایا جاتا رہا اور کبھی عدم انتخابات کا اشارہ کیا گیا۔ ان سب سے بڑھ کر کانگرس، کانگرسی مسلمانوں، جمعیت العلماء، مجلس احرار، آزاد کانفرنس، مومنوں، شیعوں اور سنیوں کی انجمنوں کے دباؤ اور ان کی کارروائیوں حتیٰ کہ ہر کوشش اور حوالے سے مسلم لیگ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی جاتی رہی۔ مسلمانوں کو ہر طرح سے پریشان اور بے امن رکھا گیا۔ لیکن آج دشمنوں کا طریقۂ واردات ذرا مختلف ہو چکا ہے۔ آج کل وہ رقیق، عیارانہ اور پُر فریب زیر زمین خفیہ حربوں سے مسلم لیگ کو گزند پہنچا رہے ہیں۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ آج ہم مسلمان اپنے افکار و خیالات میں مکمل طور پر متحد اور مستحکم ہیں۔

اس تجزیے کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے مسلمانوں کے مستقبل کے لائحہ عمل کے بارے میں ان کی رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"اب وقت ہے کہ ہم کچھ ضروری اقدام اٹھائیں، ہمیں اپنے آپ کو ضروری اور مؤثر کارروائی کے لیے تیار کرنا ہے۔ اس لیے ہم جو بھی قدم اٹھائیں اس کا اچھی طرح سے ہر پہلو سے جائزہ لے لیں اور اس عمل کی اہلیت اپنے اندر پیدا کریں"۔

"سب سے پہلی بات یہ ہے کہ آیئے ہم لوگوں کو علمی، ادبی، سیاسی، سماجی اور معاشی سطح پر بلند کرنے کا پروگرام بنائیں۔ اس مقصد کے لیے ہمیں نہ تو کسی پر اعتماد کرنے کی ضرورت ہے اور نہ کسی کا دست نگر ہونے کی حاجت ہے بلکہ یہ سب کچھ ہمیں خود آپ کرنا ہے۔ اسی طرح ہم اپنی منزل مقصود پاکستان صرف اپنی ہی قوتوں، قربانیوں اور کوششوں ہی سے حاصل کر سکتے ہیں۔ ہندو ہمیں پاکستان نہیں دے سکتے۔ ہندو اس امر میں زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتے ہیں کہ وہ ہماری مخالفت ترک کر دیں تاکہ ہم اپنی آزادی حاصل کر سکیں اور وہ اپنی آزادی حاصل کر سکیں۔ دونوں کو آزادی برطانوی حکومت دے سکتی ہے کیونکہ اس کا ابھی اقتدار قائم ہے۔ لیکن میں یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ انگریز کی پالیسی اور خواہش چاہے

Marfat.com

کچھ ہی کیوں نہ ہو، ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ وہ ہماری راہ میں رکاوٹ نہیں بنیں گے اور وہ ایسا کر بھی نہیں سکتے۔ وہ ہمیں پاکستان حاصل کرنے سے نہیں روک سکیں گے"۔

انگریزی حکومت کے اقتدار کے بارے میں قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی اسی تقریر میں جان برائٹ کی اس تقریر کا حوالہ دیا کہ جو جان برائٹ نے برطانوی پارلیمنٹ میں ۱۸۵۸ء میں کی تھی۔ جان برائٹ کی یہ تقریر ملکۂ برطانیہ کی ہندوستان پر حکومت کے قیام کے حوالے سے نہایت اہم تھی۔ جان برائٹ نے کہا تھا کہ" برطانیہ ہندوستان پر کب تک حکومت کر سکے گا؟ ۔ اس کا تو کوئی شخص بھی جواب نہیں دے سکتا۔ ممکن ہے پچاس سال! سو سال! یا پانچ سو سال! ۔ کیا کوئی عام سمجھ بوجھ کا شخص یہ تصور کر سکتا ہے کہ کوئی ایسا ملک کہ جس میں کم و بیش بیس مختلف قومیں آباد ہیں اور لوگ بیس مختلف زبانیں بولتے ہیں۔ انھیں کسی ایک سلطنت میں باندھ کر رکھا جا سکے گا؟ میرا خیال ہے، ایسا کرنا بالکل ناممکن ہوگا"۔ اس کے بعد جان برائٹ نے ہندوستان کی مدراس پریذیڈنسی کا ذکر کیا اور کہا کہ " اگر مستقبل میں برطانیہ کو وہاں سے نکل کر آنا ہی ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم کسی بھی پریذیڈنسی کو اس حالت میں چھوڑ دیں کہ وہ خود مختاری سے زندہ رہ سکے"۔

قائداعظم نے جان برائٹ کا یہ حوالہ دینے کے بعد پھر فرمایا کہ ہم آج جان برائٹ کے اس بیان کے پچاسی سال بعد یہی مطالبہ کرتے ہیں اگر انگریزی حکومت نے ملک چھوڑ کر جانا ہے تو وہ تقسیم کرے اور ملک چھوڑ جائے۔ ہندوستان کی ان دونوں قوموں کا اتحاد صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ دونوں کو الگ الگ کر کے آزاد کر دیا جائے۔ دیگر اقلیتیں ان دونوں کے لیے ایک ٹیسٹ ہوں گی۔ ان کے حقوق و مفادات کا تحفظ پھر پاکستان اور ہندوستان کی حکومتوں کا آئینی فرض ہوگا۔

Marfat.com

راج گوپال اچاریہ کا فارمولہ

راج گوپال اچاریہ نے کانگرس اور مسلم لیگ کے مابین مسائل کی مفاہمت کے لیے مارچ ۱۹۴۴ء میں ایک فارمولہ پیش کیا۔ اس فارمولے میں جو تجاویز پیش کی گئیں ان کے بارے میں کہا گیا کہ ان پر گاندھی اور قائداعظم محمد علی جناح کا اتفاق ہونا ضروری ہے۔ اور پھر اسی فارمولے کو کانگرس اور مسلم لیگ اپنی اپنی منظوری سے قبول کریں گی۔ اس فارمولے میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ کانگرس اور مسلم لیگ دونوں ہندوستان کی آزادی کا مطالبہ کرتی ہیں اور اس مقصد کے لیے مسلم لیگ عبوری صوبائی حکومتوں کے قیام میں کانگرس کے ساتھ تعاون اور اشتراک کرے گی۔ پھر جب عالمی جنگ کا خاتمہ ہو جائے گا تو پھر شمال مغرب کہ جہاں پر مسلمانوں کی اکثریت ہے، وہاں ہمسایہ اضلاع کی حد بندی کے لیے ایک کمیشن قائم کیا جائے گا۔ پھر جن اضلاع کی حد بندی ہو جائے گی وہاں پر لوگوں میں استصواب رائے سے یہ معلوم کیا جائے گا کہ وہ کس جماعت کے ساتھ رہنا چاہتے اور یا وہ اپنی جداگانہ حیثیت برقرار رکھنے کے متمنی ہیں۔

۲۔ استصواب رائے سے پیشتر دونوں جماعتوں کو یہ حق دیا جائے گا کہ وہ اپنا اپنا نقطۂ نظر واضح کریں۔

۳۔ اگر کوئی صوبہ اپنی علیحدہ حیثیت برقرار رکھنا چاہے گا تو ایسی صورت میں دفاع، تجارت، مواصلات اور دیگر امور میں باہمی معاہدے کیے جائیں گے۔

۴۔ اس حد بندی یا علیحدگی کی صورت میں اگر کسی صوبے یا ضلعے میں آبادی کا تبادلہ وغیرہ ہو گا یہ صرف رضا کارانہ بنیادوں پر عمل میں آئے گا۔

۵۔ اور یہ صورت اور معاہدے صرف اسی صورت میں ہوں گے کہ اگر حکومتِ برطانیہ تمام اختیارات حکومتِ ہندوستان کے سپرد کر دینے پر رضامند ہو۔

Marfat.com

جب قائدِ اعظم محمد علی جناح کو ۱۸ اپریل ۱۹۴۴ء کو یہ راج گوپال اچاریہ فارمولہ پیش کیا گیا تو انھوں نے یہ فارمولہ مسلم لیگ کے سامنے رکھنے پر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا لیکن جب یہ فارمولہ مسلم لیگ کی کمیٹی کے سامنے پیش ہوا تو کمیٹی نے اسے دو ٹوک الفاظ میں رد کر دیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس فارمولے کو ایک موہوم اور پُرفریب فارمولے کا نام دیا۔

۱۷ جولائی ۱۹۴۴ء کو گاندھی نے وائسرائے ہند کو ایک خط میں سول نافرمانی کی تحریک ختم کرنے اور حکومت کا ساتھ دینے کی پیش کش کر دی، حالانکہ گاندھی جی کو اس سے پیشتر غیر مشروط طور پر بیماری اور طبی وجوہات کی بنا پر جیل سے رہا کیا گیا تھا۔ اسی اثناء میں مسٹر گاندھی نے قائدِ اعظم محمد علی جناح کو بھی ایک خط لکھا کہ ان سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔

۳۱ جولائی ۱۹۴۴ء کو لاہور میں مسلم لیگ کانفرنس منعقد ہوئی۔ اسی دوران میں مسلم لیگ نے ایک سول ڈیفنس کمیٹی قائم کی۔ اس کمیٹی کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو کانگرسی کارروائیوں اور شرانگیزیوں سے باخبر اور محفوظ رکھا جائے۔ اس کمیٹی نے پورے ہندوستان کا دورہ کیا اور صورتِ حال کا صحیح صحیح جائزہ لیا۔

ستمبر ۱۹۴۴ء میں گاندھی جی کی خواہش پر جناح گاندھی ملاقاتیں اور مذاکرات ہوئے۔ ان مذاکرات میں گاندھی نے طرح طرح کے رنگ بدلے۔ ہندوستان کی تقسیم کو ناقابلِ عمل قرار دیا۔ دو قومی نظریے کی نفی کی اور اس حقیقت سے بھی انکار کیا کہ مسلمان ایک جداگانہ قوم ہیں۔ ان مذاکرات میں قائدِ اعظم محمد علی جناح کا مؤقف یہ رہا کہ "برعظیم میں ہندو اور مسلمان دو بڑی قومیں ہیں۔ ہم مسلمان ایک قوم ہیں۔ ہماری تہذیب تمدن، زبان و ادب، آرٹ اور فنِ تعمیر، نام اور روایات، طبعی میلانات اور اخلاقی نظام و رسوم اور تقویم و تاریخ سب دوسروں سے مختلف ہیں۔ مختصراً یہ کہ ہمارا فلسفۂ زندگی مختلف ہے۔ دنیا کے کسی بھی اصول پر مسلمان ایک قوم ہیں، اس لیے ان کے لیے ایک الگ وطن بھی ہونا چاہیئے"۔

Marfat.com

ڈیسائی لیاقت معاہدہ:

بھولا بھائی ڈیسائی اور خاں لیاقت علی خان نے بعض سیاسی امور کے حوالے سے افہام وتفہیم کے لیے ایک دو ملاقاتیں کیں، ان ملاقاتوں کے دوران میں بھولا بھائی ڈیسائی نے اپنے طور پر بعض تجاویز کے حوالے سے ایک معاہدہ ترتیب دے کر خاں لیاقت علی خاں کو اس کی ایک کاربن کاپی برائے ملاحظہ دے دی۔ اس کے بعد خاں لیاقت علی خاں دیگر ضروری امور میں مصروف ہو گئے۔ لیکن بھولا بھائی ڈیسائی نے خاں لیاقت علی خاں کی اس مصروفیت اور خاموشی پر اس مجوزہ ڈرافٹ کو ایک معاہدے کے طور پر عام کر دیا۔ یہ معاہدہ زیادہ سے زیادہ شخصی سطح پر ایک طرح کی بات چیت تھی لیکن ہندو پریس نے اس کے خوب خوب چرچے کیے۔ جب اس نام نہاد معاہدے کے حوالے سے مسلمانوں میں بھی کئی طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہونے لگیں تو اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے خان لیاقت علی خاں نے آئین ساز اسمبلی کے ایک اجلاس ۲۵ مارچ ۱۹۴۵ء کو بتایا کہ "ایسا معاہدہ کہ جس میں میرا نام بھی استعمال کیا جا رہا ہے۔ مسلم لیگ اور کانگرس کے مابین ہرگز طے نہیں پایا بلکہ مسلم لیگ کے صدر کے مشورے کے بغیر ایسا کوئی معاہدہ طے ہی نہیں پایا جا سکتا۔"

اصل میں اس نام نہاد ڈیسائی لیاقت معاہدہ کو کانگرس کی پوری پوری حمایت حاصل تھی۔ جب اس "معاہدے" کا متن چھپ کر سامنے آیا تو اس میں یہ لکھا تھا کہ "مسلم لیگ اور کانگرس عبوری حکومت میں شمولیت کے لیے رضامند ہیں۔ عارضی حکومت میں مسلمانوں کی نمائندگی کے حق کو تسلیم کیا جاتا ہے اور کانگرس بھی مسلم لیگ کے دو قومی نظریئے کو تسلیم کرتی ہے اور مسلم لیگ کو مسلمانانِ ہند کی واحد نمائندہ جماعت تسلیم کرتی ہے۔"

گو لیاقت علی خاں اور بھولا بھائی ڈیسائی کے مابین شخصی سطح پر ہونے والی بات چیت

Marfat.com

کو مسلم لیگ نے تسلیم نہیں کیا تھا۔ لیکن اس سے یہ امر تو واضح ہو گیا تھا کہ اب کانگرس مسلم لیگ اور مسلمانوں کی اہمیت سے چشم پوشی نہیں کر سکتی کیونکہ کانگرس اس نام نہاد معاہدے کی پوری طرح سے پشت پناہی اور حمایت کر رہی تھی۔ بہرصورت اس معاہدے میں ہندوؤں اور کانگرسی رہنماؤں کی کچھ خوش فہمیوں کا بھی ضرور دخل تھا اور اب وہ ہندوستان میں کسی بھی عبوری حکومت کے لیے مسلمانوں کو بھی ناگزیر تصور کرنے لگے تھے۔ یہی نہیں بلکہ اس نام نہاد معاہدے کی شرائط سے تو وائسرائے ہند کو بھی آگاہ کیا جا رہا تھا۔ اور ممکن تھا کہ وائسرائے کی منظوری حاصل کر لی جاتی لیکن مسلم لیگ نے اس معاہدے سے لاعلمی کا اظہار کیا۔

سندھ اور سرحد

اسی دوران میں سندھ میں سر ہدایت اللہ کی وزارت ناکام ہو گئی اور پھر ۱۲ مارچ ۱۹۴۵ء کو شمالی مغربی سرحدی صوبہ میں بھی مسلم لیگ کی وزارت ختم ہو گئی۔ اس صوبے میں کانگرس وزارت از سرِ نو برسرِ اقتدار آ گئی۔ انہی دنوں میں صوبہ سرحد کی وزارت کے بارے میں ایک معاصر اخبار نے لکھا کہ "صوبہ سرحد میں مسلمانوں کی اکثریت ہے لیکن یہاں پر ہمیشہ کانگرس نے اپنا تسلط اور اقتدار برقرار رکھا ہے۔ یہاں پر کانگرسی رہنما ہمیشہ یہی کہتے رہے ہیں کہ کانگرس مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں کی نمائندگی کر رہی ہے۔ اسی طرح وہاں کے لوگ کانگرس کے لیے بازیچۂ اطفال بنے رہے"۔

اپریل ۱۹۴۵ء میں سر تیج بہادر سپرو کی تجاویز اخبارات میں شائع ہوئیں۔ ان تجاویز میں یہ کہا گیا تھا کہ مرکز میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے نمائندہ اور مختلف لوگوں کی حکومت قائم کی جائے، اور یہ انتخابات متحدہ ہندوستان کی بنیادوں پر کروائے جائیں۔ عین اسی عہد میں برطانیہ میں مئی ۱۹۴۵ء میں لیبر پارٹی نے ونسٹن چرچل کی تجاویز کو ٹھکرا دیا۔

Marfat.com

پارلیمنٹ توڑ دی گئی اور تازہ عام انتخابات کا اعلان کر دیا گیا۔

لارڈ ویول کی تجاویز

۱۴ر جون ۱۹۴۵ء کو سیکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا نے ہز میجسٹی حکومت کے ایما پر درج ذیل اعلان کیا۔

" فیلڈ مارشل وسکاؤنٹ ویول کے حالیہ دورۂ ہندوستان کے بعد حکومتِ برطانیہ نے ہندوستان کے موجودہ سیاسی مسائل کے حل کے بارے میں مسائل کا جائزہ لیا ہے۔ اس لیے ہندوستان کے لیے کسی نئے آئین کے ذریعے آئینی مسائل حل کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے۔ اس لیے ہندوستان کا نیا قانون بنانا ہندوستان کے لوگوں ہی کی ذمے داری سمجھا گیا ہے۔ چونکہ ہندوستان کی سیاسی جماعتوں کے تنازعات کے لیے باعثِ کوئی قابلِ قبول آئینِ خود مختاری نہیں بن سکا۔ اس لیے آئینی صورتِ حال جوں کی توں برقرار رہی ہے۔ اس مقصد کے لیے اور ہندوستان میں سیاسی بحران کے خاتمے کے لیے حکومتِ برطانیہ ہر طرح سے یہاں کے لوگوں کے ساتھ تعاون کرنے کے لیے تیار ہے۔ لہٰذا اس عبوری دور میں کہ جب تک عالمی جنگ جاری ہے۔ ہم ہندوستان کے لوگوں سے ان کی زندگی کے دیگر شعبوں کی ترقی میں تعاون کے متمنی ہیں۔ اس عبوری عہد میں بھی ہندوستانیوں کی تجاویز اور آراء کو اہمیت دی جائے گی اور اس کے ساتھ ہی وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل میں توسیع کی جا رہی ہے، اسے از سرِ نو ترتیب دیا جا رہا ہے۔ اس میں ہندوستان کے مرکز اور صوبوں میں سے منتخب اراکین کو شامل کیا جائے گا۔ ان میں مسلمانوں اور ہندو قومیتوں کو برابر کی نمائندگی دی جائے گی۔ کونسل کے ممبران کو یہ موقع دیا جائے گا کہ وہ ہندوستان کی فلاح، جنگ میں اس کے تحفظ اور دیگر تمام ضروری امور میں اپنی خدمات سے مستفید کر سکیں۔ ان تجاویز سے اگر اتفاق کر لیا جاتا ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ ہندوستان میں حکومتِ

Marfat.com

خود اختیاری کے کام کا آغاز ہو جائے گا۔"

۱۴ جون ۱۹۴۵ء ہی کو لارڈ ویول نے نئی دہلی سے درج ذیل تقریر نشر کی۔

"مجھے حکومتِ برطانیہ نے یہ اختیار دیا ہے کہ میں ہندوستان کے رہنماؤں کے سامنے سیاسی صورت حال اور مسائل کے حل کی خاطر اپنی تجاویز پیش کروں۔ میری اس تقریر کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ میں کوئی آئین نافذ کر رہا ہوں یا اس کے نفاذ کا خواہش مند ہوں بلکہ یہ وہ تجاویز ہیں جنھیں صحیح اور موجودہ حالات میں بہتر سمجھا گیا ہے۔ ہز میجسٹی حکومت کی آرزو ہے کہ ہندوستان کی تمام سیاسی جماعتیں فرقہ وارانہ مسائل کے حل کی خاطر کسی طور پر رضامند ہو کر انھیں نمٹا لیں۔ وائسرائے کی مجوزہ کونسل میں تمام پارٹیوں کے نمائندوں کو شامل کیا جائے گا۔ اس سلسلے میں میں سیاسی رہنماؤں کو بات چیت کرنے کی کھلی دعوت دیتا ہوں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ اب جو یہ کونسل تشکیل پذیر ہوگی یہ خالصتاً ہندوستانی نمائندوں کی کونسل ہوگی۔ اس میں صرف ایک کمانڈر ان چیف برطانیہ کی جانب سے ایک رکن کی حیثیت سے شامل ہوگا۔ وائسرائے اس کونسل کا اپنا رکن ہو کر برطانوی حکومت کے مفادات کا تحفظ کرے گا۔ اس کونسل کے بعد فنانس اور ہوم ممبرز پہلی بار ہندوستانی لوگوں میں سے بنائے جائیں گے۔ اسی طرح ایک ہندوستانی ہی امور خارجہ کا ذمہ دار ہوگا۔"

مسٹر ویول نے مزید اعلان کیا کہ "یہ کونسل موجودہ آئینی ڈھانچے کے اندر ہی کام کرے گی۔ گورنر جنرل اپنے اختیارات کو کسی بھی طور بے جا طرح سے استعمال نہیں کر سکے گا، اور اسے مستقبل کے کسی آئین سازی کے عمل میں بھی بے جا مداخلت کا کوئی حق نہیں ہوگا۔

ایگزیکٹو کونسل درج ذیل خطوط پر کام کرے گی:۔

۱۔ جاپان کے خلاف جنگ میں برطانیہ کا اس وقت تک ساتھ دیتے رہنا جب تک جاپان کو مکمل شکست نہیں دے دی جاتی۔

۲۔ جنگ کے خاتمے کے بعد میں نئے آئین کی تشکیل تک حکومتِ برطانیہ سے

Marfat.com

وفاداری رکھنا۔

۳۔ ہز میجسٹی گورنمنٹ کی طرح ہندوستان کے سیاسی مسائل کے حل کے لیے دیرپا اور مؤثر اقدام پر عمل پیرا ہونا۔

۴۔ کونسل کے قیام کے لیے سرِدست میں پراونشل گورنمنٹوں کے وزرائے اعلیٰ، سیکشن ۹۳ کے تحت قائم مقام وزرائے اعلیٰ۔ اور وہ وزرائے اعلیٰ جو اس سے پیشتر اپنے عہدوں پر فائز تھے۔ کو کونسل کے ممبران بنانا تجویز کرتا ہوں۔ ان کے علاوہ کانگریس پارٹی کے لیڈر، اور ڈپٹی لیڈر آف مسلم لیگ جو سنٹرل اسمبلی میں موجود ہیں۔ اسی طرح کونسل آف سٹیٹ کے کانگرس اور مسلم لیگ کے لیڈر اور اس کے علاوہ نیشنل پارٹی اور یورپین گروپ کے لیڈر کہ جو اسمبلی میں ہیں انھیں بھی شامل کرنے کی تجویز ہے۔ ان کے ساتھ ساتھ مسٹر گاندھی، مسٹر جناح، راؤ بہادر ین شیوراج اور سر تارا سنگھ بھی کونسل کے ممبران ہوں گے — ان تمام لوگوں کو دعوت نامے دیئے جاتے ہیں کہ وہ ۲۵ جون ۱۹۴۵ء کو شملہ میں جمع ہوں۔

لارڈ ویول نے اپنے اعلان میں کہا کہ "میں یہ بھی یقین دلاتا ہوں کہ ہندوستان میں حکومتِ خود اختیاری کے اس عمل کے پیچھے برطانیہ کے تمام سیاسی لیڈروں اور برطانوی عوام کی نیک خواہشات بھی کارفرما ہیں۔ ہندوستان جلد از جلد اپنی منزلِ مقصود سے ہمکنار ہو جائے۔ اس کے ساتھ ہی کونسل کے ممبران کے مشورے کے ساتھ آج کانگرس ورکنگ کمیٹی کے گرفتار شدگان ممبران کو بھی رہا کیا جا رہا ہے۔ ہندوستان میں نئے انتخابات کب ہوں گے؟ اس سلسلے میں بھی شملہ کانفرنس میں کونسل کے ممبران سے مشورے سے طے کر لیا جائے گا۔"

لارڈ ویول نے اپنی اسی تقریر میں دنیا بھر میں ہندوستانی فوج کے کردار اور اس کی کارکردگی پر بڑے تحسین بھرے الفاظ میں کہا کہ "ہندوستان کی فوج نے دنیا کے

Marfat.com

محاذوں پر آج جو بلند مقام حاصل کر لیا ہے، وہ اس سے پہلے اسے کبھی نصیب نہیں ہوا تھا۔ اس لیے ان افواج کی بہتر خدمات کو اب اپنے ملک کے لیے استعمال کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس میں عجلت اور غیر منصوبہ بندی باعثِ نقصان ثابت ہو سکتی ہے۔ میں آپ سب سے درخواست کرتا ہوں کہ آیئے ہم بہتر افہام و تفہیم اور اعتماد کی فضا پیدا کرنے میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں۔ اس عظیم ملک کی منزلِ مقصود کے لیے کام کریں اور یہاں کے کروڑوں عوام کی بہتری اور بھلائی کی خاطر اپنے عمل، اپنے فکر اور نظریئے سے تاریخ کے اس نازک عہد میں بہتر کردار ادا کریں"۔

وائسرائے کی ملاقاتیں

لارڈ ویول کی اس نشری تقریر کے جواب میں موہن داس کرم چند گاندھی نے ہندو لیڈروں سے کہا کہ کانگرس ورکنگ کمیٹی کے ممبران کو وائسرائے کی ان تجاویز سے اتفاق یا اختلاف کرنے کا پورا حق ہے لیکن وائسرائے کی تقریر میں جو لفظ "ہندو قومیتیں" استعمال کیا گیا ہے، وہ سن کر میری روح تڑپ اٹھی ہے، ہندو صرف ایک قوم ہیں، اس میں کوئی قومیتیں نہیں ہیں۔ کیا ویر ساورکر، ڈاکٹر شیام پرشاد اور یا ڈاکٹر مونجے کیا یہ سب ہندو قومیتوں میں سے ہیں؟ کیا وہ تمام ہندوؤں کی نمائندگی نہیں کرتے۔ ہندوؤں کے جدید رجحانات نے آج ہندوؤں کی اس ذات پات کی تقسیم کو ختم کر دیا ہے۔ اس امر کو پنڈت مالویہ جی بھی ماننے کو تیار ہیں ــــ لیکن میں اب اس بحث کو یہیں پر چھوڑ کر اسے کانگرس ورکنگ کمیٹی کے سپرد کرتا ہوں۔

۲۴ر جون ۱۹۴۵ء کو وائسرائے ہند نے علیحدہ علیحدہ طور پر مولانا ابوالکلام آزاد، گاندھی جی اور قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقاتیں کیں۔

Marfat.com

شملہ کانفرنس

[illegible]

[illegible]

ویول پلان اور شملہ کانفرنس کے بارے میں قائدِاعظم محمد علی جناح نے ۱۴ر جولائی ۱۹۴۵ء کو فرمایا کہ "ویول پلان کے آخری تجزیئے میں ہم نے یہ پایا ہے کہ یہ ایک دلفریب جال تھا اور ایک پھندہ تھا۔ اگر ہم لارڈ ویول کی ان تجاویز کو مان لیتے اور ان پر متفق ہو جاتے تو گویا ہم اپنے لیے موت کی سزا کے حکم پر خود ہی دستخط کرتے"۔ مسلمانوں اور قائدِاعظم کے اس مؤقف کے بعد تو ہندو لیڈروں نے بھی یہ محسوس کرنا شروع کر دیا تھا کہ ویول پلان کو ترک کر کے بلاشبہ جناح اور مسلم لیگ نے ایک مستحکم پوزیشن حاصل کر لی ہے، بلکہ اس سے ان مسلمانوں کی پوزیشن کمزور ہوئی ہے کہ جو مسلم لیگ کی مخالفت کرتے رہے ہیں۔

مسلمانوں کا انتخابی منشور

۶ر اگست ۱۹۴۵ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے مطالبہ کیا کہ مسلم لیگ ملک میں تازہ انتخابات کے انعقاد کا تقاضا کرتی ہے۔ اس کے بعد ۲۱ر اگست کو لارڈ ویول نے اعلان کیا کہ عام انتخابات موسمِ سرما میں منعقد کیے جائیں گے۔ لارڈ ویول کے اس اعلان کے بعد مسلم لیگ انتخابات میں حصّہ لینے کے لیے اپنے منشور کا اعلان کیا اور کہا کہ مسلمانانِ ہندوستان اس منشور اور بنیاد پر انتخابات میں حصّہ لے رہے ہیں کہ "ہندوستان کے مسلمان ایک قوم ہیں اور پاکستان ہی ہندوستان کے تمام مسائل کا ایک دانش مندانہ حل ہے۔"

اس کے برخلاف کانگرس نے اپنے انتخابی منشور میں اس کے برعکس اعلان کیا کہ "کانگرس ہندوستان کے تمام لوگوں کی نمائندگی کرتی ہے اور ہندوستان ایک غیر منقسم اکائی رہے گا۔" ان دو متضاد نظریات میں کوسوں کا فاصلہ تھا۔ اس لیے یہ کسی بھی صورت ممکن نہیں تھا کہ مسلم لیگ اور کانگرس میں کسی طرح کی کوئی مفاہمت ہو سکے۔

Marfat.com

انتخابی مہم کے طور پر قائداعظم محمد علی جناح نے پورے ہندوستان کا دورہ کیا۔ وہ لوگوں کو مسلم لیگ کے مطالبہ پاکستان اور مسلمانوں کے اتحاد پر زور دیتے۔ اس دورے کے دوران قائداعظم نے تمام غیر کانگرسی جماعتوں سے درخواست کی کہ وہ مسلم لیگ کا ساتھ دیں۔ کانگرس نے اور ہندو پریس نے اس عہد میں بھی مسلم لیگ اور مسلمانوں کے مطالبہ پاکستان کے خلاف کھل کر بڑھ چڑھ کر مہم چلائی۔ کانگرس نے مسلمانوں کے مطالبہ پاکستان کو ہندوستان کے وجود کو ٹکڑے کرنے کا نام دیا۔ مسلمانوں کو دقیانوسی اور رجعت پسند خیالات کا حامل قرار دیا۔ مسلمانوں کے اس تقسیم کے عمل کو مذہبی بربریت سے موسوم کیا۔ اسی طرح مخالفین نے مسلم لیگ کو قدامت پسند شہزادوں، خان بہادروں، زرد روں، خوشامدیوں اور گورنمنٹ کے پنشن یافتہ افسروں کی منڈی کا نام دیا۔ ایک جانب دشنام طرازیوں کا یہ سلسلہ شروع کیا تو اس کے ساتھ ہی دوسری طرف کانگرس نے مسلمانوں کی بعض جماعتوں مثلاً جماعتِ مومنین، احرار، جماعتِ شیعہ اور جمعیت علمائے ہند اور پنجاب میں یونینسٹ پارٹی کو مسلم لیگ کے مقابلے میں کھڑا کیا۔

انتخابات

دسمبر ۱۹۴۵ء میں سنٹرل لیجسلیٹو اسمبلی کے انتخابات ہوئے۔ ان انتخابات نے ثابت کر دیا کہ پورے ہندوستان کی آبادی دو واضح جماعتوں مسلم لیگ اور کانگرس میں بٹی ہوئی ہے۔ ان انتخابات میں مسلم لیگ کو اپنے علاقوں اور صوبوں میں کھرکھرا کامیابی حاصل ہوئی۔ مسلم لیگ نے ہندوستان بھر کے مسلمانوں کے ۸۶٫۶ فی صد ووٹ حاصل کیے اور کانگرس کو ۹۱٫۳ فی صد غیر ووٹ حاصل ہوئے۔ مرکزی اسمبلی کے نتائج کی درج ذیل کیفیت رہی:

کانگرس ——— ۵۷

Marfat.com

مسلم لیگ ——— ۳۰
آزاد گروپس ——— ۵
اکالی سکھ ——— ۲
یورپین گروپس ——— ۸

۲۰ر دسمبر ۱۹۴۵ء کو منعقد ہونے والے ان انتخابات میں مرکزی لیجسلیٹو اسمبلی میں مسلمانوں کے لیے جو تیس نشستیں مخصوص تھیں وہ تمام کی تمام آل انڈیا مسلم لیگ نے جیت لیں۔ کانگرس کہ جس نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ پوری قوت سے مخالفین کو کچل دے گی، ایک بھی مسلم نشست حاصل نہ کر سکی۔ یہی نہیں بلکہ کانگرس کی آشیرباد سے مسلمانوں کی دوسری چھوٹی جماعتیں جو مسلم لیگ کے مقابلے میں آئی تھیں، ان میں سے کسی جماعت کا کوئی بھی امیدوار کامیاب نہ ہو سکا۔ لیکن مسلم لیگ کے آٹھ امیدوار تو بلا مقابلہ ہی کامیاب ہو گئے تھے۔ ۱۹ر حلقوں میں مسلم لیگ کے حریف امیدواروں کی ضمانتیں بھی ضبط ہو گئیں۔

مرکزی انتخابات میں مسلمانوں کی اس قدر فتح مبین کے بعد جب پشاور میں مسلم لیگ کانفرنس کا افتتاح ہوا تو اس میں اپنے پیغام میں قائداعظم محمد علی جناح فرمایا کہ "میں حالات کا مشاہدہ کرنے کے بعد بڑی خوشی سے اس امر کا اظہار کرتا ہوں کہ ۱۹۳۶ء کے صوبہ سرحد اور آج کے صوبہ سرحد میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ بلکہ اب تو ہندو خود بھی یہ جان چکا ہے کہ مسلم لیگ ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے اور مسلمانان ہند کا مطالبہ پاکستان ان کا نصب العین ہے جہاں وہ اپنی اسلامی تہذیب و تمدن اور اسلامی روایات کے تحت حکومت کر سکیں گے۔ اب ہندوؤں کے سامنے دو ہی راستے ہیں یا تو وہ مسلمانوں کو ختم کر دیں اور یا پھر ان کا مطالبۂ پاکستان مان لیں لیکن یاد رکھیں کہ مسلمانوں کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔"

Marfat.com

مسلمانوں کا یومِ فتح

۱۱ر جنوری ۱۹۴۶ء کو مسلمانانِ ہند نے ملک بھر میں یوم فتح منایا۔ اس سے قریباً ایک ہفتہ پیشتر ۵ ر جنوری ۱۹۴۶ء کو پروفسٹر رابرٹ رچرڈز کی سربراہی میں حکومتِ برطانیہ کی جانب سے ایک پارلیمنٹری وفد دہلی پہنچ چکا تھا۔ مسلمانوں کی فتح و نصرت کے اس جشن اور جذبے کو پارلیمنٹری وفد کے ممبران نے بھی دیکھا اور محسوس کیا تھا۔ اس پارلیمنٹری وفد میں دس ممبرانِ وفد شامل تھے۔ اس وفد کی آمد پر وائسرائے ہند نے قائدِ اعظم محمد علی جناح اور کانگرس کے صدر کو خطوط لکھے کہ یہ پارلیمنٹری وفد ہندوستان کے سیاسی رہنماؤں سے ذاتی سطح پر بات چیت کرنے کے لیے یہاں پہنچا ہے، اور اس وفد کے ممبران بھی یہاں پر اپنی ذاتی حیثیت سے آتے ہیں۔

قائدِ اعظم محمد علی جناح نے جب اس وفد سے ملاقات کی تو انھوں نے مسلمانوں کے مطالبۂ پاکستان پر پوری طرح سے روشنی ڈالی اور واضح کیا کہ مسلمان اب اسی مقصد کو حاصل کرنا اپنا عظیم فرض تصور کرتے ہیں۔ انھوں نے تاریخی حوالوں سے بتایا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کو ان کے حقوق سے محروم رکھا گیا اور انھیں برابری کے درجے سے دور رکھا گیا۔ اس لیے مسلم لیگ نے کسی عبوری حکومت میں شرکت سے اجتناب کیا۔ اس لیے مسلمانوں نے اپنی اکثریت کے علاقوں کو اپنا ملک بنانے کے لیے مطالبۂ پاکستان کیا ہے — پارلیمنٹری وفد قریباً ایک مہینہ ہندوستان رہنے کے بعد واپس لندن چلا گیا۔

۲۸ر جنوری ۱۹۴۶ء کو جب وائسرائے ہند نے مرکزی اسمبلی کے منتخبہ اراکین سے ایگزیکٹو کونسل کی تشکیل کا لائحہ عمل بیان کیا اور کہا کہ میری خواہش ہے کہ اب ہندوستان کی بڑی سیاسی جماعتوں کے مشورے سے جلد از جلد ایگزیکٹو کونسل قائم کر دی جائے۔ اسی دن قائدِ اعظم محمد علی جناح نے ایک اخباری بیان میں فرمایا کہ: "اب آج کے حالات

Marfat.com

ہیں ایسی کوئی وجہ موجود نہیں ہے کہ جس کے باعث ملک میں کوئی عبوری حکومت بنائی جائے۔ مسلمان اس سے پیشتر بھی واضح طور پر اپنا موقف بیان کر چکے ہیں کہ سیاسی مسائل کے حل کے لیے ملک کو ہندوستان اور پاکستان میں تقسیم کر دیا جائے۔ اس لیے مسلم لیگ اب مرکز میں کسی ایسی حکومت کو قبول نہیں کرے گی کہ چاہے وہ عبوری حکومت ہی کیوں نہ ہو۔ یہ امر ہمارے لیے ہرگز قابلِ قبول نہیں ہے۔ کہ اب برطانوی ہندوستان کے لیے کوئی ایک مشترکہ آئین ساز مجلس قائم کی جائے"۔ آخر میں انھوں نے وائسرائے اور ہز میجسٹی گورنمنٹ سے اپیل کی کہ حالات کا تقاضا یہی ہے کہ اب بغیر کسی تاخیر کے پاکستان کا اعلان کر دیا جائے۔

فروری ۱۹۴۶ء کے وسط میں انڈین نیوی رٹینگز کے حوالے سے ہندوستان کے نیوی کے ملازمین میں ایک بے چینی نے جنم لیا جس کے بعد کلکتہ، مدراس، بمبئی اور کراچی کی بندرگاہوں پر تمام ہندو اور مسلمان ملازمین نے ہڑتال کر دی۔ ایک بار یہ معاملہ نمٹا لیا گیا لیکن پھر ہڑتالی ملازمین نے نعرہ بازی اور تخریب کاری سے کام لیا، اس کے نتیجے میں پولیس نے گولی چلا دی اور قریباً دو سو افراد مارے گئے۔ اس واقعے نے پورے برعظیم میں کہرام بپا کر دیا۔

Marfat.com

باب ۱۴۰

پاکستان زندہ باد

صوبائی انتخابات

مسلم لیگ نے مرکزی اسمبلی کے انتخابات میں واضح کامیابی حاصل کرنے کے بعد اب صوبائی انتخابات کی تیاری بھی شروع کر دی تھی۔ اس مقصد کے لئے ایک الیکشن کمیٹی بنا دی گئی تھی۔ جب انتخابی سرگرمیاں شروع ہوئیں تو ایک بار پھر کانگرس نے مسلمانوں اور مسلم لیگ کے خلاف ایڑی چوٹی کا زور لگا کر زہر افشانی کی۔ اس مخالفت اور مخاصمت کے باوجود مسلم لیگ نے اپنے نصب العین پاکستان کو سامنے رکھ کر انتخابی مہم جاری رکھی۔

صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات ۲۲ فروری ۱۹۴۶ء کو انعقاد پذیر ہوئے - ان انتخابات میں بھی کانگرس کو بڑا زعم تھا کہ وہ مسلمانوں کی نشستوں پر بھی کامیابی حاصل کرلے گی۔ ان انتخابات میں مسلمانوں کے لئے کل ۴۹۵ نشستیں مختص کی گئی تھیں۔ مسلم لیگ نے ان میں سے ۴۴۶ نشستیں جیت لی تھیں

بنگال ——— ۱۱۳

Marfat.com

پنجاب ——— ۷۹
آسام ——— ۳۱
سندھ ——— ۲۸
مدراس ——— ۲۹
سرحد ——— ۱۷
بمبئی ——— ۳۰
صوبجات مرکزی ——— ۱۳
اڑیسہ ——— ۱۴
بہار ——— ۳۴

مسلم لیگ نے ہر صوبے میں خاطر خواہ اور واضح اکثریت حاصل کر لی۔ مدراس اور بمبئی میں تو مسلم لیگ کے سو فی صد نمائندے کامیاب رہے۔ ان انتخابات میں مسلم خواتین کے لئے جو نشستیں مخصوص تھیں، ان پر مسلم لیگ کی نامزد خواتین کامیاب ہوئیں۔ پنجاب میں یونینسٹ پارٹی بُری طرح سے ناکام ہوئی اور پھر کئی غیر مسلم لیگی ممبران بھی مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔

چونکہ پنجاب میں مسلم لیگ نے ۷۹ نشستیں اور کانگرس نے ۵۱ نشستیں حاصل کی تھیں، اس لئے پنجاب میں مسلم لیگ کو حکومت بنانے کی دعوت دے دی گئی۔

صوبہ سرحد میں مسلم لیگ نے ۱۷، اور کانگرس نے ۱۹ نشستیں حاصل کی تھیں۔ اس صوبے میں آزاد امیدواروں اور اکالی سکھ پارٹی کے باوجود مجموعی طور پر کانگرس کو بالادستی حاصل ہو گئی تھی، اس لئے صوبہ سرحد میں ڈاکٹر خاں صاحب کی قیادت میں کانگرس کو اپنی وزارت قائم کرنے کی دعوت دے دی گئی۔

صوبہ سندھ میں چونکہ مسلمانوں اور ہندوؤں کی نشستوں کی تعداد برابر تھی، اس لئے

Marfat.com

پہلے جی ایچ ہدایت اللہ کو دعوت دی گئی کہ وہ وزارت قائم کریں، لیکن اس کے ساتھ دوسرے گروہوں نے اتفاق نہ کیا۔ اس طرح سندھ میں دوبارہ انتخابات کرائے گئے۔ اور مسلم لیگ نے زیادہ واضح اکثریت حاصل کر لی تو مسلم لیگ ہی کو وہاں وزارت بنانے کی دعوت دے دی گئی۔

بنگال میں مجموعی طور پر مسلم لیگ کی نشستیں مقابلتہً کم تھیں، لیکن آزاد گروپوں نے مسلم لیگ کا ساتھ دیا، اس طرح بنگال میں مسلم لیگ کے حسین شہید سہروردی کو وزارت بنانے کی دعوت دے دی گئی۔

گو صوبائی انتخابات کے حوالے سے پنجاب میں ۷۹ ا نشستوں میں سے ۷۹ نشستیں مسلم لیگ نے حاصل کر لی تھیں۔ انتخابات میں یونینسٹ پارٹی کے ممبران کو کوئی قابلِ ذکر کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ چار افراد نے تو مسلم لیگ میں شرکت کر لی تھی اور چھ منتخب ممبران آزاد گروپ میں چلے گئے تھے۔ لیکن یونینسٹ پارٹی کا برسرِ اقتدار طبقہ اقتدار چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوا تھا۔ اسی طرح مسلم لیگ کو پنجاب میں وزارت بنانے کے لئے سکھوں اور کانگریسی اراکان کے تعاون کی ضرورت تھی، جو انہیں آغاز میں حاصل نہ ہو سکا۔ ادھر مولانا ابوالکلام آزاد اور سردار بلدیو سنگھ نے ملک خضر حیات خاں ٹوانہ کو آمادہ کر لیا تھا کہ پنجاب میں وہ وزارت قائم کر لیں، لیکن اس کے خلاف مسلم لیگ نے سول نافرمانی کی تحریک کا آغاز کر دیا تھا کہ وہ غیر آئینی اور بے اصول وزارت ہے۔ بہرحال کھینچا تانی کی صورت حال برقرار رہی۔

۱۹۴۶ء کے صوبائی انتخابات اپنے نتائج کے اعتبار سے مسلم لیگ کی کامیابی اور کامرانی کے غماز تھے، لیکن مسلم لیگ نے اگرچہ پانچ صوبوں میں اکثریت حاصل کر لی تھی۔ اس کے باوجود اشتراکی تشکیل کے حوالے سے مسلم لیگ صرف بنگال اور سندھ میں اپنی وزارتیں قائم کر سکی تھی۔ اس صورتِ حال نے بھی قائداعظم محمد علی جناح کے پائے استقامت

Marfat.com

میں لغزش نہیں آنے دی تھی بلکہ قائدِ اعظم ان تمام مسائل کے حل کی خاطر مطالبۂ پاکستان کی حمایت کرتے اور اسی پر زور دیتے رہے۔

کابینہ مشن

وائسرائے ہند لارڈ ویول ابھی انتخابات کے نتائج کو کوئی حتمی شکل دینے کے لئے کام کر رہا تھا اور اسی دوران میں برطانوی کیبنٹ بھی ہندوستان کے حالات پر گہری نظر رکھے ہوئے تھی۔ ۱۱ ستمبر ۱۹۴۵ء سے جنگ عظیم دوم بھی ختم ہو چکی تھی۔ اس لئے ہندوستان کے امور کو حتمی طور پر حل کرنے کی خاطر حکومت برطانیہ نے ۱۹ فروری ۱۹۴۶ء کو اعلان کیا کہ عنقریب کابینہ کا ایک تین رکنی وفد ہندوستان بھجوایا جائے گا۔ برطانوی وزیر اعظم کلیمنٹ ایٹلی نے اس وفد کے ارکان کا اعلان کیا اور بتایا کہ یہ وفد لارڈ پیتھک لارنس (وزیر ہند) سر سٹیفورڈ کرپس اور اے وی الیگزینڈر پر مشتمل ہوگا۔ وفد کی سربراہی لارڈ پیتھک لارنس کے سپرد ہوگی۔

۱۵ مارچ ۱۹۴۶ء کو برطانوی دارالعوام میں ہندوستان کے لئے بھجوائے جانے والے کابینہ مشن کے لئے ایک لائحہ عمل تیار کر دیا گیا اور کہا گیا کہ یہ وفد ہندوستان کی اقلیتوں کے حقوق کو بھی اولیت دے گا کیونکہ حکومتِ برطانیہ ہندوستان میں موجود اقلیتوں کے حقوق سے غافل نہیں رہنا چاہتی۔ لائحہ عمل میں یہ امر بھی سمجھایا گیا کہ ہندوستان چونکہ کئی نسلوں، مذاہب اور زبانوں کے مجموعوں کا ایک ملک ہے، اس لئے زیادہ بہتر طور پر یہاں کے مسائل پر اور مشکلات پر ہندوستان کے لوگ ہی قابو پا سکتے ہیں۔

کابینہ مشن ۲۳ مارچ ۱۹۴۶ء کو کراچی پہنچا۔ اس نے ایک ہفتے تک حالیہ انتخابات کے نتائج کو سامنے رکھا اور ان کا جائزہ لیا۔ اس کے بعد اس وفد نے دہلی میں وائسرائے ہند سے ملاقاتیں کیں اور پھر ہندوستان کے سیاسی رہنماؤں سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع

Marfat.com

کیا۔ اسی دوران میں قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ کے منتخب صوبائی اور مرکزی رہنماؤں کی ایک کانفرنس ۸، ۹ اپریل ۱۹۴۶ء کو بلائی۔ قائداعظم کی اس دعوت پر دہلی کے امپیریل ہاؤس میں ۴۷۰ سے زائد منتخب ممبران جمع ہوتے۔ اس کے علاوہ بعض سکھ لیڈروں نے بھی اس کانفرنس میں شرکت کی۔ کانفرنس میں اکالی لیڈر گیانی کرتار سنگھ بھی شریک ہوئے تھے۔

لیجسلٹرز کنونشن

مسلمان منتخب رہنماؤں اور ممبران کے اس کنونشن کی افتتاحی تقریر میں قائداعظم محمد علی جناح نے مسلمانوں کے نصب العین پاکستان پر اظہارِ خیال کیا لیکن اس کے برعکس کانگرس کی یہ خواہش تھی کہ ہندو مسلم تصفیئے کا حل کئے بغیر ہندوستان کو آزادی مل جائے۔ اور اس مقصد کے لئے ایک عبوری حکومت قائم ہو جائے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے کانگرس کے اس نقطہ نظر سے اختلاف کیا اور فرمایا کہ "اگر کسی ایسی تجویز کو بالفرض مان لیا جاتا ہے، تو یقین مانیئے ایسی حکومت اڑتالیس گھنٹے بھی نہیں قائم رہ سکے گی کیونکہ کانگرس کہ جو فاشسٹ گرینڈ کونسل کا درجہ رکھتی ہے وہ اقتدار ملنے کے بعد کروڑوں مسلمانوں کو ایک اقلیت کا درجہ دے کر انہیں ان کے حقوق و مفادات سے محروم کر دے گی۔ مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان بنیادی اور اہم تفاوت اور اختلافات ہیں۔ اس لئے ان دونوں کے مابین سیاسی اور سماجی سطح پر کوئی کسی طرح کا اتحاد قائم نہیں ہو سکتا، اور جہاں تک کسی نام نہاد اتحاد کی صورت دکھائی دیتی تھی وہ محض ایک طرح کا طبعی قسم کا اتحاد تھا، جو صرف برطانوی حکومت کی فوجی قوت کے باعث موجود تھا۔"

مسلمان رہنماؤں کے اس کنونشن میں ایک قرارداد پیش کی گئی، جس میں اس امر کا اظہار کیا گیا کہ "ہندوؤں میں ذات پات کا نظام رائج ہے اور اس کے تحت انسانوں کے درمیان حد بندیاں قائم ہیں۔ قریباً چھ کروڑ شودر ایسے ہیں کہ انہیں تو بڑی جاتیوں

Marfat.com

کے ہندو چھونے تک کی اجازت نہیں دیتے۔ اس لئے ہندومت میں کسی طرح کی قومیت کی تشکیل کی، یا برابری اور جمہوریت کی صریحاً نفی پائی جاتی ہے۔ اس کے برعکس یہ شریفانہ خصائص اسلام میں موجود ہیں۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے جداگانہ سماجی، سیاسی، تاریخی، ثقافتی اور معاشی اصول وضوابط ہیں۔ اس لئے دونوں کا کسی طرح کا اشتراک ناممکن اور محال ہے۔ اس ملک میں مغربی قسم کی جمہوریت کارگر ثابت نہیں ہوسکتی۔ اس مغربی جمہوریت کی جھلک ہم نے کانگرس کی قریباً ڈھائی سالہ حکومت کے دوران دیکھ لی تھی۔ اس دوران میں مسلمانوں کو کسی طرح کا کوئی تحفظ فراہم نہیں کیا گیا تھا حتیٰ کہ بعض صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت کے باوجود ہندو کانگرس اپنی ہی من مانیاں کرتی رہی۔

اس لئے مسلمانوں کو پورے تحفظات فراہم کرنے کے لئے ان کی اکثریت کے صوبوں بنگال اور آسام اور شمال مغرب میں پنجاب، سرحدی صوبہ، سندھ اور جنوب مغرب میں بلوچستان پر مشتمل خودمختار زون بنا دیئے جائیں اور اس کنونشن میں موجود مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے مسلم لیگ کے نمائندے یہ واضح کرتے ہیں کہ وہ کسی طرح متحدہ آئینی منصوبے میں شرکت نہیں کریں گے۔ اس تجویز کے تحت مسلمانوں کی اکثریت جو صوبائی زون بنیں، انہیں پاکستان کا نام دیا جائے، اور اس ضمن میں پاکستان کے یہ زون جلد از جلد بغیر کسی تاخیر کے قائم کر دیئے جائیں۔ اس کے علاوہ ہندوستانی خطوں اور پاکستانی خطوں میں جو اقلیتیں بچیں انہیں خاطر خواہ آئینی تحفظات فراہم کئے جائیں۔

یہ بھی مطالبہ کیا جاتا ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کے لئے دو جداگانہ آئین سازی کی مجالس بنا دی جائیں۔ اس کے علاوہ یہ کنونشن یہ بھی واضح کرتا ہے کہ ان حالات میں اگر کسی طرح کی کوئی متحدہ ہندوستان کی سکیم یا مرکز میں کسی عبوری حکومت کے قیام کو زبردستی ٹھونسنے کی کوشش کی گئی تو مسلمانوں کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہوگا کہ وہ اس کے خلاف مزاحمت کریں۔"

Marfat.com

مسلم لیگ کے لیجسلٹرز کے اس کنونشن کے آخر میں تمام منتخبہ ممبران نے ایک حلفِ وفاداری کے تحت یہ اقرار کیا کہ وہ حصولِ پاکستان کے لئے مسلم لیگ کی جانب سے چلائی گئی ہر تحریک میں حصہ لے لیں گے اور پاکستان کے تحفظ اور اس کے حصول کے لئے کوشاں رہیں گے۔ اور یہ بھی اقرار کیا کہ ملک میں آئینی مسائل کا واحد حل پاکستان ہی ہے، جس کی بدولت ملک میں امن و آشتی، آزادی اور خوشحالی فروغ پائے گی۔

۱۶ اپریل ۱۹۴۶ء کو کابینہ مشن نے قائد اعظم محمد علی جناح اور ۱۷ اپریل کو مولانا ابوالکلام آزاد سے ملاقات کی۔ ۲۷ اپریل کو مسٹر کرپس نے ذاتی حیثیت میں قائد اعظم سے ملاقات کی۔ اس دوران میں کابینہ مشن نے دونوں جماعتوں کے صدر دفتر کو خطوط لکھے کہ وہ باضابطہ بات چیت کے لئے اپنے چار چار نمائندے مشن سے ملنے کے لئے بھجوائیں۔

۵ - ۱۲ مئی ۱۹۴۶ء کو دوسری شملہ کانفرنس منعقد ہوئی۔ یہ شملہ کانفرنس کابینہ مشن کے ممبران اور مولانا ابوالکلام آزاد، پنڈت جواہر لال نہرو، پٹیل، عبدالغفار خاں، قائد اعظم محمد علی جناح، محمد اسماعیل خاں، خان لیاقت علی خاں اور عبدالرب نشتر کے مابین ہوئی تھی۔ گویا اس کانفرنس میں دونوں سیاسی جماعتوں کے چار چار نمائندہ رہنما شامل تھے۔ اس کانفرنس میں دونوں سیاسی جماعتوں کے موقف اور تجاویز کو سنا گیا۔ اس کے بعد ۱۶ مئی ۱۹۴۶ء کو کابینہ مشن نے دونوں جماعتوں کے نقطۂ نظر کا جائزہ لے کر اپنی جانب سے آئین سازی کے لئے بنیادی تجاویز اور سفارشات کا اعلان کیا۔

کابینہ مشن کی آئینی سفارشات

کابینہ مشن کی سفارشات میں تین منزلہ آئینی منصوبہ پیش کیا گیا تھا۔ اس منصوبہ کے چیدہ نکات درج ذیل ہیں:۔

(۱) ملک میں کل ہند یونین قائم کی جائے گی۔ اس یونین میں برطانوی ہند اور ریاستیں

Marfat.com

شامل ہوں گی۔ امورِ خارجہ، دفاع اور مواصلات کے شعبے یونین کی تحویل میں ہوں گے۔ یونین ان شعبوں کے لئے مالیات بڑھانے کی بھی مجاز ہوگی۔

(۲) یونین کی ایک انتظامیہ اور ایک مقننہ مجلس مشترکہ نمائندوں پر مشتمل ہوگی۔ اس طرح کوئی فرقہ وارانہ مسئلہ اگر پیدا ہوگا تو اس کے حل کی یہ مجلس ذمہ دار ہوگی۔ ان مجالس کے ممبران دونوں بڑی قومیتوں سے حاصل کئے جائیں گے۔

(۳) کل ہند یونین کے مسائل اور امور کے علاوہ باقیماندہ تمام امور کے اختیارات صوبوں کے پاس ہوں گے۔

(۴) یونین کو تفویض کئے گئے امور کے علاوہ باقی تمام امور میں ریاستیں خود ذمہ دار ہوں گی۔

(۵) صوبوں کو اپنی انتظامیہ اور مقننہ مجالس کے حوالے سے آپس میں اتحاد و تعاون کرنے کا حق حاصل ہوگا اور اس طرح کا ہر متحدہ گروپ صوبائی امور کی انجام دہی دیتا رہے گا۔

(۶) کل ہند یونین اور گروپوں کا آئین مجلس مقننہ کے ممبران کی اکثریتی حمایت سے بنایا جائے گا اور یہ آئین دس سال کے عرصہ تک برقرار رہے گا۔

ان آئینی تجاویز اور سفارشات کے بعد کابینہ مشن نے بعض امور کی تفصیلات اور وضاحت فراہم کی کہ صوبوں کے تین گروپ مدراس، بمبئی، یوپی، سی پی، بہار اور اڑیسہ۔ پنجاب، صوبہ سرحد اور سندھ ـــــ اور ـــــ بنگال اور آسام پر مشتمل ہوں گے، ہر گروپ کی اپنی علیحدہ مجلسِ انتظامیہ اور مجلسِ مقننہ ہوگی۔ اسی طرح ہر دستور ساز اسمبلی کے لئے آبادی اور فرقوں کا تناسب پیش نظر رکھا جائے گا۔

۱۷ مئی ۱۹۴۶ کو کابینہ مشن نے ایک پریس کانفرنس کا اہتمام کیا جس میں ہر طرح کے سوالات کی وضاحت کی گئی۔ بالآخر گاندھی جی نے کابینہ مشن کی سفارشات کو ایسی سفارشات

Marfat.com

قرار دیا کہ جن پر وہ بجا طور پر فخر کر سکتے تھے۔ اس تجویز پیش کرنے کے بعد کابینہ مشن
کے ممبران نے مسٹر جناح کے پاکستان کے منصوبے کو خاک میں دفن کر دیا ہے۔

۱۰ مئی ۱۹۴۶ء کو کابینہ مشن کی تجاویز کے بارے میں قائداعظم
محمد علی جناح نے فرمایا:-

"میں بڑے افسوس کے ساتھ اس امر کا اظہار کرتا ہوں کہ کابینہ مشن نے مسلمانوں
کے اس مطالبہ کو ٹھکرا دیا ہے کہ جس کے تحت وہ ایک خودمختار مملکت
پاکستان قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ پاکستان کا قیام ہی اس برعظیم
کی مسلمان اور دوسری قوموں کی فلاح و بہبود کا ضامن ہے۔ کابینہ مشن نے
جو رویہ اختیار کیا ہے وہ مسلمانوں کے سارے احساسات کو مجروح کرنے والا
ہے۔ لیکن اب مسلمانوں نے اچھی طرح سے یہ محسوس کر لیا ہے کہ مسلمانوں کو
اپنے حقوق و مفادات کے تحفظ کے لئے کانگریس یا عہدے کے ذریعے
اعانت کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے اگر ہندوستان کے امن
اور سکون کی ضرورت ہے تو وہ صرف اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے
مسلمانوں کو ان کے اپنے ہم مذہب معاشرتی اور معاشی امور میں خودمختار
اور محفوظ کر دیا جائے۔" اس کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے کابینہ مشن کے دیگر
نقائص کا جائزہ پیش کیا اور فرمایا کہ اس معاملے میں مسلم لیگ بھی موزوں کارروائی
کرنے کے بعد کسی نتیجے پر پہنچے گی۔

عبوری حکومت

۳ جون اور ۱۰ جون ۱۹۴۶ء کو مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی اور کونسل کے اجلاس
منعقد ہوئے۔ ان اجلاسوں میں مسلم لیگ نے کابینہ مشن کی تجاویز کا بڑی باریک بینی

Marfat.com

سے جائزہ لیا۔ پھر مسلم لیگ نے اعلان کیا کہ وہ کابینہ مشن کی تجاویز کو مشروط طور پر مان لینے کے لئے تیار ہے۔ اس کے ساتھ ہی مسلمانوں نے جداگانہ خود مختار حکومت پاکستان قائم نہ کرنے پر احتجاج بھی کیا۔ ۹ر جون کو مسلم لیگ کے ورکنگ کمیٹی کے ایک اجلاس منعقدہ نئی دہلی میں کابینہ مشن کی تجاویز کا ایک بار پھر بالاستعاب جائزہ لیا گیا۔ اسی دوران میں وائسرائے ہند اور قائد اعظم محمد علی جناح کی بعض امور میں افہام و تفہیم کے لئے خط و کتابت ہوئی۔ وائسرائے ہند نے عبوری حکومت کے خد و خال اور خاکہ بالصراحت بیان کیا اور یہ بھی تجویز کیا کہ ایک نگران حکومت قائم کی جا سکتی ہے۔ خط و کتابت کا سلسلہ ابھی جاری ہی تھا کہ مسلم لیگ نے اس ساری سکیم سے عدم اتفاق کا اظہار کیا۔

۱۶ر جون ۱۹۴۶ء کو وائسرائے ہند نے اس امر کا اظہار کیا کہ کابینہ مشن کی سفارشات کے حوالے سے ایگزیکٹو کونسل کی تشکیل نو کرنا چاہتے ہیں اور اس کونسل میں ہندو کانگرس کے لئے ۵ نشستیں، کانگرس شیڈیولڈ کاسٹس کے لئے ایک نشست، مسلم لیگ کے لئے پانچ نشستیں اور اقلیتوں کے لئے تین نشستیں ہوں گی۔ یعنی ایک نشست پارسیوں کیلئے، ایک نشست عیسائیوں کے لئے اور ایک نشست سکھوں کے لئے مخصوص ہوگی۔

ان نشستوں کے لئے درج ذیل نام شامل کئے گئے :۔

(۱) سردار بلدیو سنگھ

(۲) این پی انجنیئر

(۳) جگ جیون رام

(۴) پنڈت جواہر لال نہرو

(۵) ایم سی راج گوپال اچاریہ

(۶) ڈاکٹر راجندر پرشاد

(۷) سردار ولبھ بھائی پٹیل

Marfat.com

(۸) جان متھائی

(۹) محمد علی جناح

(۱۰) نوابزادہ لیاقت علی خاں

(۱۱) نواب اسماعیل خاں

(۱۲) ایچ کے مہتاب

(۱۳) خواجہ ناظم الدین

(۱۴) سردار عبدالرب نشتر

قائداعظم محمد علی جناح نے اس چودہ رکنی عبوری حکومت میں شامل اپنے نام کے حوالے سے بتایا کہ وہ اس وقت تک کسی عہدے کو قبول نہیں کریں گے جب تک وہ مسلم لیگ کے صدر ہیں۔ دوسری جانب کانگرس نے عبوری حکومت میں مساوی بنیادوں پر مسلمانوں کی نمائندگی کے پیش نظر اس اصول کو ٹھکرا دیا' جب کانگرس نے عبوری حکومت بنانے سے انکار کر دیا تو وائسرائے کی دعوت پر مسلم لیگ نے عبوری حکومت بنانے پر اظہار رضامندی کر دیا۔ لیکن ۲۶ رجون ۱۹۴۶ء کو کابینہ مشن نے ایک عارضی نگران حکومت کا جب اعلان کیا تو مسلم لیگ نے اپنی یہ منظوری واپس لے لی۔

۲۹ رجون ۱۹۴۶ء کو کابینہ مشن ناکامی سے ہمکنار ہو کر واپس چلا گیا لیکن اس کوشش کا اتنا اثر ضرور ہوا کہ برطانوی حکومت اور کانگرس پر یہ امر واضح ہو گیا کہ مسلم لیگ ہندوؤں کے ساتھ کسی طرح کے سیاسی، آئینی یا آئین سازی کے اشتراک کیلئے ہرگز تیار نہیں ہو سکتی۔ اس مشن کی ناکامی کے بعد لارڈ ویول نے عبوری حکومت کے قیام کی کوششیں جاری رکھیں۔

۲۲ رجون ۱۹۴۶ء کو ملک میں مجلسِ آئین ساز کے انتخابات ہوئے۔ مسلمانوں کی ۷۸ نشستوں میں سے مسلم لیگ نے ۷۳ نشستیں حاصل کر لیں۔ کانگرس کو نو انتخابی حلقوں

Marfat.com

میں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ کانگرس کے ۲۰۷ نمائندے، آزاد ۱۲، اور سکھ ۴ کامیاب ہوتے۔ اس طرح مجلس آئین ساز میں مسلمان نمائندوں کی تعداد قریباً ایک تہائی تھی۔ انتخابات کی صورت حال پر پنڈت جواہر لال نہرو نے اعلان کیا کہ ہم دستور ساز اسمبلی میں جانے کے لئے تیار ہیں۔ اسی اثنا میں مسلم لیگ نے راست اقدام منانے کا اعلان کیا۔ اور ہر طرح کے خطابات اور القابات واپس کرنے کا بھی فیصلہ کر لیا۔ پھر غالباً ۹ راگست ۱۹۴۶ء کو کہ جب کانگرسی لیڈر واردھا میں بہ سلسلہ کانگرس ورکنگ کمیٹی جمع تھے تو وائسرائے کی جانب سے کانگرس کے صدر کو ٹیلی فون کے ذریعے بتایا گیا کہ کانگرس کو وزارت بنانے کی اجازت دی جاتی ہے"۔

فسادات

اس دوران میں پنڈت جواہر لال نہرو نے خط و کتابت کی تاکہ عبوری حکومت میں مسلم لیگ کو بھی شامل کیا جا سکے۔ لیکن قائداعظم نے عبوری حکومت کے قیام میں شرکت سے انکار کر دیا۔ ۱۶ راگست ۱۹۴۶ء کو مسلمانوں نے ڈائرکٹ ایکشن ڈے "یوم راست اقدام" اپنایا۔ اس یوم راست اقدام پر جلسے جلوسوں کا انعقاد کیا گیا۔ بنگال اور پنجاب کی حکومتوں نے اس روز تعطیل عام کا اعلان کیا۔ کئی طرح کی قراردادیں منظور کی گئیں۔ اسی موقع پر سہروردی نے اعلان کیا کہ اگر کانگرس وزارتیں بنالے گی تو بنگال کی آزادی کا اعلان کر دیا جائے گا۔ اس طرح بنگال ہندو مسلم فسادات کی لپیٹ میں آگیا۔ کلکتہ میں خونریز فسادات ہوئے، قریباً پانچ ہزار افراد مارے گئے اور بیس ہزار سے زیادہ افراد زخمی ہوئے۔ لاکھوں روپے کی املاک کو نقصان پہنچایا گیا۔ اسی طرح بمبئی، نواکھلی، یوپی اور بہار میں بھی شدید مہلک قسم کے فسادات رونما ہوئے۔ لاقانونیت قتل و غارت، ڈکیتی اور آتش زنی کی وارداتیں ہوئیں۔ یہ سلسلہ کئی دنوں تک جاری رہا۔

Marfat.com

اس طرح ان فسادات میں تیس ہزار سے ڈیڑھ لاکھ تک افراد متاثر ہوئے۔ مرنے والوں کی تعداد سات آٹھ ہزار بیان کی جاتی ہے۔ یوپی کے فسادات میں قریباً دو ہزار مسلمان موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ مسلم لیگ نے ان فسادات میں متاثر ہونے والے لوگوں اور مرحومین کے لواحقین کے لئے خصوصی فنڈز جاری کئے اور کئی حوالوں سے ان کے لئے چندہ جمع کیا گیا۔

انہی خون آشام فسادات کے دوران میں وائسرائے ہند نے اعلان کیا کہ اگر ممکن ہو تو منتخب نمائندگان ۲ ستمبر ۱۹۴۶ء کو اپنا چارج سنبھال لیں۔ اسی دوران میں نواب آف بھوپال نے کوشش کی کہ قائداعظم محمد علی جناح اور گاندھی جی کے درمیان کوئی فارمولا طے پا جائے۔ مسلم لیگ کے تمام رہنماؤں کے دل میں نواب آف بھوپال کی بے حد عزت اور احترام تھا۔ اس لئے قائداعظم اور گاندھی کے درمیان یہ طے پایا گیا کہ مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ لیکن بعد میں اس تصفیئے کو کانگرس اور نہرو نے ٹھکرا دیا تھا۔ اس اثنا میں مسلم لیگ نے صورتحال کا ایک بار پھر جائزہ لیا، اور سوچا کہ مرکزی اسمبلی کی باگ ڈور بلا شرکتِ غیرے کانگرس کے سپرد کر دینا بہر صورت مناسب نہیں، اس لئے مسلمانوں کو بھی اپنے پانچ ارکان کے نام تجویز کر دینے چاہئیں۔ لہٰذا مسلم لیگ کی جانب سے درج ذیل پانچ نام تجویز کر دیئے گئے۔ نوابزادہ لیاقت علی خاں۔ آئی آئی چندریگر۔ سردار عبدالرب نشتر۔ غضنفر علی خاں اور شیڈیولڈ کاسٹس کی جانب سے جوگندر ناتھ منڈل۔

عبوری حکومت میں مسلم لیگ کی شمولیت کے حوالے سے لیاقت علی خاں نے بتایا کہ مسلم لیگ کی اس رضامندی کا ہرگز یہ مقصد نہیں ہے کہ مسلم لیگ کانگرسی لیڈروں کو اپنا رہنما سمجھتی ہے۔ اس کے بعد ۲ ستمبر کے بجائے ۲۶ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو ہندوستان کی مخلوط عبوری حکومت کا اعلان کر دیا گیا۔

Marfat.com

ہندوستان کی مخلوط عبوری حکومت کے قیام کا اعلان جب ہوا تو اس میں مسلم لیگ کے نمائندوں کو درج ذیل پانچ محکمے دیئے گئے:۔

(۱) خان لیاقت علی خاں — خزانہ
(۲) آئی آئی چندریگر — تجارت
(۳) سردار عبدالرب نشتر — ڈاک و فضائیہ
(۴) راجہ غضنفر علی خاں — صحت
(۵) جوگندر ناتھ منڈل — قانون سازی کے امور

ان وزراء نے اسی روز اپنے عہدوں کا حلف وفاداری اٹھا لیا۔ اس ساری وزارتی کونسل کا وائس پریذیڈنٹ پنڈت جواہر لال نہرو کو بنایا گیا تھا۔ کونسل میں مسلم لیگ کے ساتھیوں کے ساتھ نہرو کا شروع دن ہی سے رویہ اس طرح کا تھا کہ جیسے وہ وزیر اعظم ہیں۔ لیکن پنڈت نہرو کی اس غلط فہمی کا ازالہ کرنے کے لئے خان لیاقت علی خاں نے واضح الفاظ میں بتا دیا کہ اس مخلوط عبوری حکومت میں دو کانگرس بلاک اور مسلم بلاک ہیں۔ اور ان میں سے ہر بلاک اپنی جداگانہ لیڈر شپ کے تحت کام کر رہا ہے۔

وائسرائے ہند کی آرزو تھی کہ اس نئی عبوری وزارت کا اجلاس ۹ دسمبر ۱۹۴۶ء کو منعقد ہو جائے۔ ہندو مسلم فسادات کے پیشِ نظر قائد اعظم محمد علی جناح نے اس اجلاس کو سرِ دست ملتوی رکھنے کے لئے وائسرائے ہند کو خطوط تحریر کئے لیکن وائسرائے نے وضاحت کی کہ حکومت برطانیہ اب جلد از جلد تمام اختیارات ہندوستانی نمائندوں کو سونپ کر انتقال اقتدار کا مرحلہ مکمل کرنا چاہتی ہے۔ اس لئے ۱۲ نومبر ۱۹۴۶ء کو وزارت کے مجوزہ اجلاس کے لئے دعوت نامے جاری کر دیئے گئے۔

قائد اعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ کے نمائندوں سے درخواست کی کہ وہ مجوزہ اجلاس کا بائیکاٹ کر دیں گے۔ اس صورت حال اور رسہ کشی کو دیکھ کر وائسرائے ہند

Marfat.com

تھوڑا سا ہچکچایا تو پنڈت نہرو نے کہا" وائسرائے اپنی چلتی گاڑی کو پیچھے کی جانب چلانے کے بارے میں سوچنے لگے ہیں۔" اسی طرح سردار پٹیل نے کہا" مسلم لیگ کا یہ عمل ایک طرح سے کانگرس کے خلاف جنگ کی حیثیت رکھتا ہے۔"

پنڈت نہرو اور سردار پٹیل کے اس بیان پر قائداعظم محمد علی جناح نے وائسرائے کی اس کونسل کی حیثیت کے بارے میں بتایا کہ" یہ کونسل آزادانہ طور پر اپنے فرائض ادا نہیں کر سکے گی کیونکہ یہ عبوری حکومت محض ایک طرح کی ایگزیکٹو کونسل ہے۔ اس کونسل کی حیثیت کسی بھی طرح سے کابینہ کی نہیں کہی جاسکتی۔ اس لئے سردار پٹیل اور پنڈت نہرو کس بھرتے پر سخت کوشی اور تلخ کلامی سے کام لے رہے ہیں۔ گھوڑے کو ہاتھی کہنے سے وہ ہاتھی نہیں ہوجاتا۔" گو اس عبوری حکومت میں کانگرس اور مسلم لیگ کے نمائندوں کو وزرا کی حیثیت حاصل تھی، لیکن اپنے اپنے نظریات کے اعتبار سے ان کے افعال وخیالات ایک دوسرے سے متضاد تھے۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے اس صورتِ حال کے حل کے طور پر بعض مسلمان رہنماؤں کو خفیہ طور پر راغب کرنے مجوزہ اجلاس میں شرکت کے لئے رضامند کرنے کی کوشش کی، لیکن ایک بھی مسلمان پنڈت نہرو کی اس چال میں نہ پھنس سکا۔

اسی اثنا میں سیکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا نے قائداعظم محمد علی جناح سے خط و کتابت کی اور پھر انہیں لندن آنے کی دعوت دی۔ ۲ دسمبر کو قائداعظم لندن پہنچ گئے۔ اسی طرح لیاقت علی خاں، لارڈ ویول، پنڈت نہرو، اور سردار بلدیو سنگھ بھی لندن پہنچ گئے۔ آغاز میں ان رہنماؤں کی بات چیت ناکام رہی۔ پھر اسی دوران میں ہز میجسٹی گورنمنٹ نے بھی مفاہمت کی تجویز پیش کی کہ کانگرس کابینہ مشن کی تجاویز کو تسلیم کرے تاکہ مسلمان بھی اپنے فیصلے میں کوئی تبدیلی کرسکیں۔ آخر میں یہ بھی کہا گیا کہ ہندوستان میں کوئی بھی آئینی اسمبلی اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی کہ جب تک ہندوستان کے لوگوں کی اکثریت کے لئے کوئی خاکہ نہ بنا لیا جائے۔ اس طرح ہز میجسٹی گورنمنٹ بھی کوئی قانون

Marfat.com

اب جبراً نافذ نہیں کرنا چاہتی۔ حکومت برطانیہ کے اس اعلان پر پنڈت نہرو احتجاجاً لندن سے واپس آ گئے لیکن قائداعظم محمد علی جناح اور خان لیاقت علی خاں کچھ عرصہ لندن ہی میں رہے۔ اس قیام کے دوران میں قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی ایک تقریر میں فرمایا۔ "پاکستان مسلمانانِ ہند کا ایک نصب العین ہے اور اس پر مسلمانوں کا ایمان ہے۔ اس کی اب کوئی متبادل صورت نہیں ہے، اس لئے اب اس نصب العین کے خلاف کوئی بھی کارروائی اگر ہوئی تو اس کا مقصد یہ ہوگا کہ مسلمان جواباً ہندوستان میں خانہ جنگی کریں۔ لیکن چونکہ ہمارا مطالبہ مبنی برحق ہے اس لئے کامیابی اب ہمارا مقدر ہو چکی ہے"۔

بہرحال ۹ر دسمبر ۱۹۴۶ء کو وائسرائے کی کونسل کا اجلاس منعقد ہوا۔ لیکن اس اجلاس میں مسلم لیگ کا کوئی نمائندہ شریک نہیں ہوا تھا۔ مسلمانوں کی نمائندگی کے بغیر کونسل کا جو اجلاس منعقد ہوا ہوگا، اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔ بہرحال پنڈت نہرو نے نئے اجلاس کی تاریخ ۲۰ر جنوری ۱۹۴۷ء مقرر کر دی اور اجلاس ختم ہو گیا۔

تحریک سول نافرمانی

اس دوران میں مسلم لیگ نے اس امر کی وضاحت کی کہ آئین سازی کے لئے ہندوستان میں اب جو کوشش ہو رہی ہے، اس میں مسلم لیگ کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ مسلم لیگ ہندوستان کی آزادی اور اس کی تقسیم کی حامی ہے۔ مسلم لیگ کا یہ بھی مطالبہ ہے کہ دستور ساز اسمبلیاں ہونی چاہئیں ایک پاکستان کے لئے اور دوسری ہندوستان کے لئے۔ ادھر قائداعظم محمد علی جناح نے ۱۳ر دسمبر ۱۹۴۶ء کو بی بی سی سے یونائیٹڈ سٹیٹس کے لئے ایک نشریے میں یہ واضح کیا کہ مسلم لیگ کا مطالبہ نہ مان کر برطانیہ تشدد کی راہ اختیار کر رہا ہے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے لندن سے واپسی کے راستے میں قاہرہ سے مسلمانوں اور مسلمان ملکوں سے کھلم کھلا الفاظ میں درخواست کی کہ وہ آزادی کی جدوجہد میں مسلمانانِ ہند

Marfat.com

کی مدد کریں۔ اسی اثنا میں علماء اور مشائخ کی ایک بہت بڑی تعداد نے تحریک پاکستان کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ ادھر ۲۰ جنوری ۱۹۴۷ء کو وائسرائے کی کونسل کی وزارت کا دوبارہ اجلاس شروع ہو گیا۔

مسلم لیگ نے اس سے کچھ عرصہ پیشتر مسلم لیگ کے نیشنل گارڈ کے دستے قائم کر لئے تھے۔ لیکن حکومت برطانیہ نے ان پر سختی کے اقدامات کئے تو اس طرح مسلمانوں کی جانب سے سول نافرمانی کی تحریک کا آغاز ہو گیا۔ پنجاب میں سول نافرمانی تحریک بہت شدت اختیار کر گئی۔ مسلمانوں کی پے در پے گرفتاریاں ہونے لگیں تو قائداعظم محمد علی جناح نے دوسرے سے مطالبہ کیا کہ وہ معاملے کی نزاکت کو سمجھیں اور کوئی خیر خواہ حل تلاش کر کے مسلمانوں کے مطالبہ پاکستان کو تسلیم کریں۔

نیشنل گارڈ نے پنجاب میں خضر حیات ٹوانہ کی حکومت کے خلاف جو تحریک شروع کر دی تھی اس لئے جو حکومت کی جانب سے کارروائیاں شدت اختیار کرتی چلی گئیں۔ لیکن اسمبلی میں کانگرس تن تنہا آئین سازی کے کام میں بزعم خویش غلط رویہ اختیار کر رہی تھی۔ مسلمانوں کے لئے چونکہ یہ صورت حال سراسر غیر دلچسپ تھی۔ اس لئے انہوں نے سول نافرمانی کی تحریک جاری رکھی حتیٰ کہ صوبہ سرحد بھی اس تحریک سول نافرمانی کی لپیٹ میں آ گیا۔ صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کی صوبائی شاخ نے مطالبہ کیا کہ صوبہ میں سے کانگرس وزارت مستعفی ہو جائے اور اس صوبے میں نئے انتخاب کرائے جائیں۔ اس تحریک کے حوالے سے صوبہ سرحد میں بھی مسلمانوں کی وسیع پیمانے پر گرفتاریاں عمل میں آئیں۔

حکومت برطانیہ کا اعلان

برطانوی وزیر اعظم ایٹلی نے دارالعوام میں اپنی حکومت کی جانب سے اس قطعی عزم کا اعلان کیا کہ جون ۱۹۴۸ء سے پہلے پہلے اہل ہند کو ہندوستان کے اقتدار

Marfat.com

کے لئے تمام انتظامات کر لئے جائیں گے۔ وزیراعظم برطانیہ نے اسی بیان میں لارڈ ویول کی جگہ ہندوستان میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے تقرر کا اعلان کیا کہ وہ مارچ ۱۹۴۷ء میں اپنا چارج سنبھال لیں گے۔

برطانوی وزیراعظم کے اس اعلان کے چار دن بعد یعنی ۲۴ر فروری ۱۹۴۷ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے ایک بیان میں ہندوستان کے مسلمانوں کے اس عزم کا اعادہ کیا وہ پاکستان حاصل کر کے رہیں گے۔ مسلم لیگ اپنے مطالبہ پاکستان سے ایک انچ بھی پیچھے ہٹنے کیلئے تیار نہیں ہے کیونکہ دس کروڑ مسلمانوں کی آزادی حاصل کرنے کا یہی ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ انہوں نے وائسرائے کی کونسل کے بارے میں رائے دیتے ہوئے فرمایا کہ "مسلمانوں کی عدم موجودگی کے باعث اسمبلی محض جانور کی دُمگاہ سے زیادہ نہیں ہے۔ یہ ایک ایسی مجلس ہے کہ، جو بے جان، اور اسے جو ہونا چاہیئے تھا اس کی روح سے بھی عاری ہے۔ لیکن پنڈت نہرو اس اسمبلی کے لئے بہت کوشاں ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ وزیراعظم بننے کے خواب دیکھ رہے ہیں، لیکن اگر پنڈت نہرو زمین پر قدم رکھیں تو معلوم ہو کہ وہ نہ تو وزیراعظم ہیں اور نہ ہی یہ نہرو کی حکومت ہی ہے۔ نہرو تو صرف امور خارجہ اور دولت مشترکہ ڈیپارٹمنٹ کا ایک ممبر ہے۔ شاید پنڈت نہرو کی کانگرس یہ سمجھتی ہے کہ مسلم لیگ اور اس کے ممبران اُن کی مرضی اور منشا کے مطابق ہر حال میں کٹھ پتلی بنے رہیں گے! لیکن یاد رکھیں یہ صورت اب بالکل محال ہے اور ممکن ہی نہیں ہے۔ ہم نہ تو نہرو کے کسی حکم کے پابند ہیں اور نہ ہی کانگرس ہی کے کسی حکم کو مانتے ہیں۔"

یکم فروری ۱۹۴۷ء کو لارڈ ویول نے پنڈت جواہر لال نہرو سے برملا کہا تھا کہ "دستور ساز اسمبلی مسلم لیگ کے نمائندوں کے بغیر ایک طرح کا صرف خالی دکھاوا ہے۔" اسی دوران میں اسمبلی کے کانگرسی ارکان اور اقلیتوں کے نمائندوں نے وائسرائے سے درخواست کی کہ اگر مسلم لیگ کے نمائندے اسمبلی میں نہیں آنا چاہتے تو وہ اپنا استعفیٰ دے دیں۔

Marfat.com

جب وائسرائے ہند نے مسلم لیگ سے اس رائے کا اظہار کیا تو خان لیاقت علی خان نے کانگرس اور کانگرسی نمائندوں کے کردار و عمل کی خوب خبر لی اور کہا کہ "ہمارے دوستوں کا یہ رویہ سراسر لغو اور بے ہودہ ہے، وہ الٹی گنگا بہانے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ مسلم لیگ کے اس رویے پر کانگرس تلملا اٹھی ہے تو ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں۔ کانگرس نے ۱۶ مئی کو کابینہ مشن کے اعلان کو کب تسلیم کیا تھا کہ وہ اب ہمیں مستعفی ہونے کے لئے کہہ رہی ہے۔"

ہندوستان کی سیاسی صورتِ حال دن بدن بدتر ہوتی جا رہی تھی۔ سول نافرمانی کی تحریک اس قدر شدید ہوئی کہ ۲ مارچ ۱۹۴۷ء کو پنجاب میں گورنر راج نافذ کر دیا گیا۔ ادھر سکھ لیڈر ماسٹر تارا سنگھ نے پنجاب کے مختلف شہروں میں فسادات کی آگ کو ہوا دے دی۔ ان فسادات میں بھرپور جانی اور مالی نقصان ہونے لگا۔ پھر مئی اسی دور میں ۲۲ مارچ ۱۹۴۷ء کو ہندوستان کے نئے وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے آکر اپنا چارج سنبھال لیا۔ چارج سنبھالنے کے فوراً بعد لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے حالات کو سدھارنے کی خاطر مسلم لیگ اور کانگرس کے رہنماؤں سے گفت و شنید کا سلسلہ شروع کیا۔ گاندھی جی نے بڑھتے ہوئے فسادات کے پیشِ نظر لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے کہا کہ وہ موجودہ اسمبلی توڑ دے اور جناح کو نئی کابینہ بنانے کی اجازت دے دے۔ مسلم لیگ کے رہنماؤں سے گفتگو کے دوران وائسرائے پر یہ بھی واضح ہو گیا تھا کہ مسلمان مطالبۂ پاکستان کے علاوہ اب کسی بھی دوسرے فیصلے کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

تقسیم ملک منصوبہ

وسط اپریل ۱۹۴۷ء میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے کانگرس اور مسلم لیگ کے رہنماؤں سے ملاقات کر کے اور بعض صوبوں کا خود دورہ کر کے یہ نتیجہ اخذ کر لیا تھا کہ اس ملک کی

Marfat.com

تقسیم کے بغیر حالات کو سنبھالنے کا اب کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ لہٰذا اس نے سب سے پہلے تقسیم کا ایک منصوبہ بنا کر سب گورنروں کو تجاویز اور آرا کے لئے پیش کیا اور پھر آغازِ تقسیم کے لئے بنگال کی تقسیم کا منصوبہ پیش کر دیا کہ آسام اور ضلع سلہٹ کو مشرقی بنگال میں شامل ہونے کا حق ملنا چاہیئے اور شمال مغربی سرحدی صوبہ میں عام انتخابات ہونے چاہئیں۔

دریں اثنا کانجی دوارکا داس نے بھی تقسیم ملک کے بارے میں ایک بودا سا منصوبہ پیش کر دیا تھا اور کہا تھا کہ اس طرح پنجاب، سندھ، بلوچستان اور بنگال تقسیم ہو کر رہ جائیں گے۔

جب تقسیم ملک کے کام کا آغاز ہوا تو مسلم لیگ کی جانب سے قائداعظم محمد علی جناح اور کانگرس کی طرف سے گاندھی جی نے فسادات کے خاتمے کے لئے ایک مشترکہ اپیل کی اور اس اپیل پر مشتمل اشتہار ہوائی جہازوں سے مختلف علاقوں میں پھینکوائے گئے۔ وائسرائے ہند نے بھی اس خواہش کا اظہار کیا کہ بنگال اور پنجاب کہ جہاں پر مسلمانوں کی واضح اکثریت ہے، ایسے فسادات ختم ہو جانے چاہئیں۔ یکم مئی ۱۹۴۷ء کو کانگرس نے اصولی طور پر تقسیم ملک کے منصوبے کو تسلیم کر لیا تھا لیکن اس کی منظوری کے دوران میں کانگرسی لیڈروں نے درونِ خانہ بھی وائسرائے ہندوستان ماؤنٹ بیٹن سے تقسیم کے منصوبے میں کئی ایک ترمیمیں کرنے اور انہیں منوانے کی کارروائیاں کیں۔

اسی دوران میں کہ جب متحدہ ہندوستان بمقابلہ پاکستان مسائل طے ہو رہے تھے، سرکاری ملازمین کی ملازمتوں اور وفاداریوں کا مسئلہ ابھر آیا۔ اس سلسلے میں کانگرس اور مسلم لیگ نے سینکڑوں جلسوں میں اپنے اپنے موقف کا اظہار کیا۔ اسی دوران میں بھی کئی طرح کی کارروائیاں عمل میں آئیں۔ فسادات ہوتے، لاقانونیت پھیلی اور امن و امان تباہ ہوا۔ اب اس صورتِ حال میں حکومت برطانیہ بھی کسی طرح کی شدید کارروائی نہیں کر سکتی تھی۔ ہر جانب نعرہ بازی اور دیواروں پر طرح طرح کے نعرے

Marfat.com

لکھے جاتے تھے۔ برطانوی حکومت کے نمائندے اب اپنی بساط سمیٹ رہے تھے اور مقامی حکومتیں پروان چڑھ رہی تھیں۔ ادھر جب لیاقت علی خاں نے اسمبلی میں بجٹ پیش کیا تو ہندو تاجروں اور مالداروں پر براہِ راست زد پڑی۔ ہندو تاجر اور مالدار نئے ٹیکسوں کے باعث ایک دم چیخ اٹھے لیکن کانگرس نے بھی اس بجٹ کو بُرا نہ کہا۔ اس طرح ہندو مالدار طبقے کی کانگرسی نوازی اور سرپرستی ختم ہوگئی۔ اس کے ساتھ ہی کانگرس کے دعووں کی قلعی بھی کھل گئی۔

تقسیم ملک کے منصوبے پر بڑی رفتار کے ساتھ کام جاری تھا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے جب اپنے طور پر تقسیم ملک کا جائزہ لے لیا تو اس نے تقسیم ملک اور انتخابات کا ایک منصوبہ بنا کر لارڈ اسمے اور جارج ایبل کے ہاتھ ذاتی طور پر لندن سے حتمی منظوری حاصل کرنے کے لئے بھجوا دیا اور پھر ۱۰ رمئی ۱۹۴۷ء کو یہ منصوبہ لندن میں پیش کر دیا گیا۔ اس منصوبے کی لندن سے جلد ہی منظوری مل گئی۔

اتفاق کی بات ہے کہ لارڈ اسمے جب لندن سے کابینہ کی منظوری کے بعد یہ منصوبہ ذاتی طور پر وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے پاس لائے تو اس کی وصولی کے ساتھ ہی وائسرائے نے قائداعظم محمد علی جناح، لیاقت علی خاں، پنڈت نہرو، سردار پٹیل اور بلدیو سنگھ کو دعوت نامے بھجوائے کہ وہ فوراً دہلی میں پہنچیں۔ ابھی ان رہنماؤں کی باضابطہ میٹنگ ۷ رمئی ۱۹۴۷ء کو ہونی تھی لیکن ہوا یوں کہ پنڈت نہرو نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن وائسرائے ہند سے وہ منصوبہ قبل از وقت دیکھ اور پڑھ لیا۔ منصوبے کو پڑھنے کے بعد پنڈت جواہر لال نہرو نے اسے رد کر دینے کی دھمکی دی اور کہا کہ ایسے منصوبے کو کانگرس ہرگز منظور نہیں کر سکتی۔ اس منصوبے میں ملک کی تقسیم کے اصول کو تسلیم کر کے ریاستوں کو یہ اختیار دے دیا گیا تھا کہ وہ یا تو کسی ملک کے ساتھ ہو جائیں یا خود بطور ریاست خودمختاری اختیار کر لیں۔ اس صورتِ حال میں وی پی مینن، جو وائسرائے کے سٹاف کا

Marfat.com

بھی ایک ارکان تھا اس نے اپنے طور پر ایک متبادل منصوبہ بھی پیش کیا۔ وائسرائے ہند نے مینن کی ان تجاویز اور متبادل منصوبے پر تو بالکل توجہ نہ دی بلکہ قائداعظم محمد علی جناح سے لکھا کہ کانگرس اس منصوبے سے شاید اتفاق نہ کرے کیونکہ پنڈت نہرو اس سے بڑے نالاں دکھائی دے رہے ہیں۔ اس لئے اب اگر اس تقسیم کے منصوبے کو مسلم لیگ نے بھی تسلیم نہ کیا تو پھر ہندوستان میں کسی عبوری حکومت کے قیام کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہوگا۔ لیکن قائداعظم اپنے مطالبہ پاکستان پر بڑی شدت سے ڈٹے رہے۔ پھر اس کے چند ہی دن بعد ۱۸ مئی کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن منصوبے پر مزید رہنمائی حاصل کرنے کے لئے لندن چلا گیا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے ہمراہ وی پی مینن اور کیمپبل جانسن بھی لندن گئے تھے۔ لندن میں وائسرائے ہند نے جو رہنمائی حاصل کی اور جن امور پر وضاحت حاصل کی ان کے بارے میں اس نے قائداعظم محمد علی جناح اور پنڈت جواہر لال نہرو کو باقاعدہ باخبر رکھا۔

۲۲ مئی ۱۹۴۷ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے تقسیم ملک کے حوالے سے راشٹر کے نمائندے سے گفتگو کے دوران واضح کیا کہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان چونکہ کوئی خشکی کا راستہ نہیں ہے کیونکہ درمیان میں ہندوستان ہوگا، اس لئے اب جبکہ حکومت برطانیہ نے ہندوستانی قوموں کی حق خودارادیت دینے کا واضح عمل شروع کر دیا ہے تو ضروری ہے کہ ایک کوریڈور راستے کا بھی جائزہ لیا جائے۔ حکومت برطانیہ کو چاہیئے کہ وہ ہماری اس درخواست پر سنجیدگی سے غور کرے۔ کسی کوریڈور کی تجویز قائداعظم اس سے پیشتر بھی ایک دو بار پیش کر چکے تھے۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے لندن ہز میجسٹی گورنمنٹ اور وزیراعظم برطانیہ کلیمنٹ ایٹلی سے ہندوستان کے مسائل کے بارے میں مفصل بات چیت کی۔ اس دوران میں انہوں نے برطانوی حکومت پر ہندوستان کے سیاسی رہنماؤں کے خیالات اور ان کے مطالبات کے حوالے سے بھی تفصیلات فراہم کیں، اس دوران میں قائداعظم کی

Marfat.com

جانب سے تجویز کئے گئے آٹھ سو میل لمبے کاریڈور کا مسئلہ بھی زیر بحث آیا۔ ان تمام امور کے بارے میں حتمی ہدایات حاصل کرنے کے بعد لارڈ ماؤنٹ بیٹن ۲۱ مئی ۱۹۴۷ء کو لندن سے ہندوستان واپس پہنچ گئے۔ اسی اثنا میں سکھ رہنما مسٹر بلدیو سنگھ نے سکھوں کے ایما پر برطانوی تقسیم کی تجویز کو تسلیم کر لیا۔ ۲ جون ۱۹۴۷ء کو کانگرس کی ورکنگ کمیٹی نے بھی اس تجویز سے اتفاق کر لیا اور اس ضمن میں مسٹر کرپلانی نے وائسرائے ہند کو تحریری اطلاع کر دی۔ اسی رات قائداعظم محمد علی جناح نے بھی مسلم لیگ کے ایما پر رضامندی کا اظہار کر دیا۔

وائسرائے کا اعلان

۳ جون ۱۹۴۷ء کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے تقسیم ہند کے منصوبے کا باقاعدہ اور باضابطہ اعلان کر دیا اور یہ بھی بتایا کہ حکومت برطانیہ دو مہینوں کے اندر اندر اپنی بساط سمیٹ کر یہاں سے چلی جائے گی۔ اس ضمن میں جو اعلان کیا گیا اس کا خلاصہ یوں ہے :-

"ہندوستان میں کوئی آئین ترتیب دینے کے سلسلے میں برٹش گورنمنٹ نے کابینہ مشن کے حوالے سے جو کوششیں کیں، وہ ناکام رہیں۔ کیونکہ مسلم لیگ کسی مشترکہ حکومت میں شرکت کے لئے ہرگز تیار نہیں تھی۔ لہٰذا حکومت برطانیہ کے ایما پر اس کے اعلان کے مطابق کہ "حکومت برطانیہ جون ۱۹۴۸ء سے پہلے پہلے ہندوستان کے تمام اختیارات ہندوستانیوں کو سونپ کر یہاں سے چلی جائے گی" اس حوالے سے متعدد صوبوں میں اختیارات کی منتقلی کا کام شروع ہو گیا تھا۔ مدراس بہار، بمبئی، صوبجات متحدہ، مرکزی صوبجات، برار، آسام، اڑیسہ

Marfat.com

صوبہ سرحد وغیرہ میں اس ضمن میں خاطر خواہ کام ہو چکا ہے۔ اسی طرح دوسری جانب بنگال، سندھ اور پنجاب میں مسلمانوں کی اکثریت کے حوالے سے مسلم لیگ نے بھی بہت کام کر لیا ہے۔ بلوچستان کے بارے میں بھی آئینی کام ہو چکا ہے۔

ہز میجسٹی کی خواہش ہے کہ تمام اختیارات ہندوستان کے لوگوں کی خواہشات کے مطابق انہیں منتقل کر دیئے جائیں۔ برعظیم کے تمام سیاسی رہنماؤں سے بات چیت کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کر لیا گیا ہے کہ ہندوستان کو تقسیم کر دیا جائے، اس لئے برطانوی حکومت کا یہ کوئی جبر نہیں ہے کہ وہ کسی متحدہ ہندوستان کا آئین بنائے۔ یہ آئین سازی کے معاملات کی ذمہ داری ہندوستانیوں کی اپنی ہے۔ حکومت برطانیہ مختلف صوبوں میں قائم وزارتوں کے سلسلے میں بھی مداخلت کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ کیونکہ ہمیں یقین ہے کہ ان صوبوں میں ابھی اسمبلیاں قائم نہیں ہوئیں، وہاں پر بھی باہمی طور پر فیصلہ کر کے اسمبلیاں بنا لی جائیں اور یہ طے پا لیا جائے کہ انتقال اقتدار کنہیں کیا جائے گا۔ اس سلسلے میں کسی کا جبر یا سختی نہیں ہو گی۔

بنگال اور پنجاب کی مجالس قانون ساز دو حصّوں میں تقسیم ہو جائیں گی۔ یہی دونوں مجالس فیصلہ کریں گی کہ ان صوبوں کو تقسیم کرنا چاہیے یا نہیں۔ اسمبلیوں کی دو دو میں تقسیم کا یہ عمل ایک طرح سے ابتدائی مرحلہ ہو گا۔ اس کے بعد جب یہ حتمی طور پر طے پا جائے گا کہ مسلمانوں کی اکثریت کے کون کون سے ضلعے ہیں اور ہندو اکثریت کے کون کون علاقے ہیں، دوسرے مرحلے کا آغاز بھی خود بخود ہو جائے گا۔ صوبوں اور علاقوں کی حتمی حد بندی کے لئے ایک باؤنڈری کمیشن بنا دیا جائے گا۔

Marfat.com

صوبہ سندھ کی مجلسِ قانون کو یہ اجازت دی جائے گی کہ وہ خود فیصلہ کرے کہ وہ صوبہ سندھ کو کس کے ساتھ شامل کرنا چاہتی ہے۔ شمال مغربی سرحدی صوبہ کی صورتِ حال ذرا مختلف ہے۔ اس صوبے کی اسمبلی میں گو مسلمانوں کی نمائندگی موجود ہے لیکن پھر بھی اس صوبے میں استصواب رائے کرایا جائے گا کہ وہ کس جماعت کا ساتھ دینا چاہتا ہے۔ یہ استصواب رائے کا عمل گورنر جنرل کی زیرِ نگرانی ہوگا۔ صوبہ بلوچستان کو بھی پُورے اختیارات دیئے جائیں گے کہ وہ جو چاہے فیصلہ کرے۔

بنگال، آسام اور سلہٹ میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان زیادہ کھینچا تانی جاری ہے، اس لئے جب بنگال دو حصّوں میں تقسیم ہو جائے گا تو پھر سلہٹ میں استصواب رائے کرایا جائے گا اور آسام میں بہر حال مسلمان اقلیت میں ہیں۔

صوبوں کی اس تقسیم اور مختلف ضلعوں کی حد بندی کے ضمن میں جملہ امور اور مسائل کا بھی اہتمام کر لیا جائے اور یہ بھی اُمر واضح کر دینا ضروری ہے کہ تقسیم کا یہ عمل صرف برطانوی ہند پر لاگو ہوگا۔ جہاں تک قبائل اور ریاستوں کا تعلق ہے وہ کسی بھی اسمبلی کے ساتھ خود الحاق کرنے کی مجاز ہوں گی۔

ہندوستان کی دونوں بڑی سیاسی جماعتوں نے تقسیم ہند اور انتقال اقتدار کے عمل میں ہز میجسٹی گورنمنٹ کو بہت ہمدرد اور ذمے دار محسوس کیا ہے اور یہاں تک اختیارات دیتے ہیں کہ جون ۱۹۴۸ء تک یہ کام ضرور مکمل کر لیا جائے، لیکن کام کی جو رفتار ہے اس کے تحت انتقالِ اقتدار اور تقسیم کا عمل جلد از جلد مکمل ہو جائے گا۔"

Marfat.com

اس حکومتی اعلان کے بعد بنگال اور پنجاب کے مسلم اکثریت والے ضلعوں کی نشاندہی ۱۹۴۱ء کے آبادی کے اعداد و شمار کے مطابق کر دی گئی۔ مسلم بنگال میں چٹاگانگ ڈویژن چٹاگانگ نواکھلی، ثاتی پیرا، ڈھاکہ ڈویژن، باقر گنج، ڈھاکہ، فرید پور، میمن سنگھ، پریذیڈنسی ڈویژن، جیسور، مرشد آباد، نادر، راجشاہی ڈویژن، بوگرہ، دیناج پور، مالدہ، پبنہ، راجشاہی رنگپور، مسلمانوں کے پنجاب میں جن ضلعوں کو شامل کیا گیا ان کے نام یوں ہیں :-
لاہور ڈویژن، گوجرانوالہ، گورداسپور، لاہور شیخوپورہ، سیالکوٹ، راولپنڈی ڈویژن اٹک، گجرات، جہلم، میانوالی، راولپنڈی، شاہ پور، ملتان ڈویژن، ڈیرہ غازی خاں، جھنگ، لائل پور، منٹگمری، ملتان اور مظفر گڑھ۔

اسی دوران میں ایک پریس کانفرنس میں ہندوستان کے آخری وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اعلان کیا کہ اقتدار کے انتقال کا کام جلد از جلد مکمل ہو رہا ہے اس لئے ممکن ہے، ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو اس کا اعلان کر دیا جائے۔ انتقال اقتدار تقسیم ملک کی یہ سکیم جب دونوں سیاسی جماعتوں مسلم لیگ اور کانگرس نے منظور کر لی تو پھر دونوں جماعتوں کے رہنماؤں کو ریڈیو کے ذریعے اپنی اپنی قوم سے خطاب کرنے کی دعوت دی گئی۔ لہٰذا ۳ جون ۱۹۴۷ء کو منصوبے کے حوالے سے قائداعظم محمد علی جناح نے قوم کے نام ایک خطاب میں اپنا پیغام دیا۔

پاکستان زندہ باد

قائداعظم محمد علی جناح نے ریڈیائی نشریے میں فرمایا کہ" یہ پہلا موقع ہے کہ آل انڈیا ریڈیو سے غیر سرکاری حیثیت سے خیالات کے اظہار کا موقع دیا گیا ہے۔ اس امر کی پیش گوئی کی جا سکتی ہے اور مجھے امید ہے کہ آج کے بعد مجھے بھی آپ لوگوں سے خطاب کے اکثر مواقع ملتے رہیں گے، اور میں اپنی آواز اور خیالات کا لوگوں سے براہِ راست اظہار

Marfat.com

کرسکوں گا۔" انہوں نے مزید فرمایا کہ ریڈیائی ذریعہ ایک زیادہ طاقتور اور مؤثر ذریعہ ہے۔ جب کہ پریس کا ذریعہ ایک طرح سے سرد مہری بھرا ہے جبکہ ریڈیائی ذریعہ پر تپاک ہے۔"
اس کے بعد انہوں نے اپنی باقاعدہ تقریر میں فرمایا کہ :-

• ہز میجسٹی گورنمنٹ کا منصوبہ کہ جس میں لوگوں کی منشا کے مطابق انتقال اقتدار کی سکیم بیان کی گئی ہے، وہ اس سے پیشتر ریڈیو سے نشر ہو چکی ہے۔ کل وہی منصوبہ پریس میں بھی چھپ جائے گا۔ اس منصوبے میں ہماری ضروریات کے مطابق صرف ایک طرح کا خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ اب ہمیں ٹھنڈے دل سے، متانت کے ساتھ اور غیر جذباتی انداز میں اس پر غور و خوض کرنا ہے۔ لہٰذا اب ہمیں ہندوستان کے چالیس کروڑ لوگوں کے مفاد کو پیشِ نظر رکھ کر کوئی فیصلہ کرنا ہے۔ اب تک ہم نے جو کام کیا ہے اس کی خطۂ ارض پر مثال ملنا مشکل ہے۔ اس لئے میں ہندوستان کے تمام لوگوں خصوصاً مسلمانوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس لمحۂ فیصلہ کن پر امن اور سکون قائم رکھیں اور قانون کی بالادستی کو برقرار رکھیں۔ میں خدا سے دست بدعا ہوں کہ وہ ہمیں اس نازک موقع پر ذمے داریوں سے بہتر طور پر سبکدوش ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔
اب یہ ہم پر مدار کرتا ہے کہ جو سکیم پیش کی گئی ہے، اسے ہم ایک مفاہمت کے طور پر تسلیم کرلیں یا اسے حتمی فیصلے کے طور پر مان لیں۔ اس سلسلے میں کوئی حتمی فیصلہ آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل کے اجلاس جو ۹ جون ۱۹۴۷ء کو منعقد ہوگا، اس کی منظوری سے کیا جائے گا۔

یہاں پر میں اس امر کا اظہار بھی کر دینا چاہتا ہوں کہ وائسرائے نے اس منصوبے کو حتمی شکل و صورت دینے کے لئے بڑی محنت

Marfat.com

اور جانفشانی سے کام لیا ہے۔ ان میں کئی طرح کی مخالفتوں اور مشکلوں کا بھی سامنا رہا ہے۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ ہم ان کی محنتوں سے مستفید ہوں۔ اور انتقال اقتدار کے عمل کو امن وسکون سے انجام پانے دیں۔ میں نے مسلم لیگ کے متعدد رہنماؤں سے اس ضمن میں بات چیت کی ہے، اور میں اس بات چیت سے مطمئن ہوں۔

وائسرائے کے منصوبہ میں یہ بھی اعلان کیا گیا ہے کہ صوبہ سرحد میں ریفرنڈم ہوگا کہ وہ صوبہ کس ملک کا ساتھ دینا چاہتا ہے۔ لہٰذا اب چونکہ وہاں کے لوگوں کو گورنر جنرل کی زیر نگرانی اپنی آزادانہ رائے کے اظہار کا موقع مل چکا ہے، اس لئے میری درخواست ہے کہ صوبائی مسلم لیگ سول نافرمانی کی تحریک کو یکسر ختم کردے اور لوگوں کو آمدہ ریفرنڈم کے لئے تیار کرے اور میرا ایقان ہے کہ ریفرنڈم میں صوبہ سرحد کے لوگ پاکستان کی مجلس قانون ساز کا ساتھ دیں گے۔ اس سلسلے میں میری درخواست ہے کہ صوبہ سرحد کے لوگ پاکستان مجلسِ قانون ساز کا ساتھ دیں۔ میں یہاں پر صوبہ سرحد کے لوگوں اور وہاں کی خواتین نے، جو مصائب و مشکلات برداشت کی ہیں، انہوں نے جو جو قربانیاں دی ہیں، ان کی خلوص دل سے قدر کرتا ہوں اور مجھے ان لوگوں کے ساتھ دلی انس اور ہمدردی ہے۔ میری درخواست ہے کہ صوبہ سرحد کے لوگ پورے امن وسکون سے ریفرنڈم میں حصہ لیں۔ ایک بار پھر میں لوگوں سے امن وامان برقرار رکھنے کی درخواست کرتا ہوں ۔ پاکستان زندہ باد۔"

آل انڈیا ریڈیو سے قائداعظم محمد علی جناح کے اس پیغام کے بعد سب سے پہلے

Marfat.com

اسی روز سندھ اسمبلی کا ایک خصوصی اجلاس منعقد ہوا اور اجلاس میں اکثریتی رائے سے سندھ کو پاکستان میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ جب اس کا اعلان اسمبلی کے سپیکر نے کیا تو پورا ایوانِ اسمبلی پاکستان زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھا۔

۴ر جون ۱۹۴۷ء کو جب تقسیم ہند اور انتقال اقتدار کا منصوبہ اخبارات میں شائع ہوا اور قائداعظم محمد علی جناح کی تقریر بھی شائع ہوئی تو قائداعظم محمد علی جناح اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو مبارکبادی کے سینکڑوں خطوط اور تار موصول ہوتے۔ ممالک غیر کے مسلمان رہنماؤں نے بھی قائداعظم کے نام مبارکبادی کے پیغام بھجوائے اور مشرق وسطیٰ میں پاکستان جیسے نئے اسلامی ملک کی حیثیت اور اہمیت کا اعتراف کیا۔

اسی دوران میں بلوچستان کے بارے میں یہ اعلان کیا گیا کہ وہاں کا شاہی جرگہ اور میونسپل کمیٹی کے ارکان یہ فیصلہ کریں گے کہ بلوچستان پاکستان میں شریک ہوگا یا ہندوستان میں۔ جلد ہی یہ فیصلہ ہوگیا کہ بلوچستان پاکستان میں شریک ہوگا۔ ۶ر جون ۱۹۴۷ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے نوزائیدہ مملکت کے لئے ایک پاکستان فنڈ قائم کر دیا جس کے لئے لوگوں سے اپیل کی گئی کہ وہ دل کھول کر اس فنڈ میں چندہ دیں۔

مسلم لیگ کا اجلاس

گو ۳ر جون ۱۹۴۷ء ہی کو مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کا ایک ہنگامی اجلاس منعقد ہوا تھا لیکن ۹، ۱۰ر جون ۱۹۴۷ء کو مسلم لیگ کی کونسل کا ایک باضابطہ اجلاس دہلی میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں درج ذیل قرارداد پاس کی گئی:۔

"کونسل آف دی آل انڈیا مسلم لیگ ہز میجسٹی گورنمنٹ کے تین جون ۱۹۴۷ء کے منصوبے کا جائزہ لینے کے بعد اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ اس منصوبے میں انتقال اقتدار کی جو سکیم پیش کی گئی ہے، اسے قبول کیا جائے

Marfat.com

کابینہ مشن کا منصوبہ اب اس منصوبے کے بعد فرسودہ ہوگا۔ کونسل اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ ہندوستان کے مسائل کا واحد حل یہی ہے کہ برعظیم کو دو حصوں پاکستان اور ہندوستان میں تقسیم کر دیا جائے۔ اسی طرح کونسل پنجاب اور بنگال کی تقسیم پر اتفاق نہیں کرتی ہے لیکن اس ضمن میں کونسل مسلم لیگ کے صدر قائداعظم محمد علی جناح کو پورے اختیارات دیتی ہے کہ وہ اس منصوبے پر کسی بھی طرح کی مفاہمت یا فیصلہ کر لیں۔ اس ضمن میں بنیادی تفصیلات اور امور پر بھی بات چیت کر لیں۔ اور منصوبے کے بنیادی اصولوں کو مصالحت کے طور پر مسلم لیگ کی کونسل انہیں قبول کرتی ہے۔ اس لئے کونسل قائداعظم محمد علی جناح کو ضروری اور حتمی اقدامات کی پوری اجازت اور اختیارات دیتی ہے"۔

۲۰ رجون ۱۹۴۷ء کو بنگال کی مجلس قانون ساز نے بنگال کی تقسیم کے اصول کو تسلیم کر لیا اور اسی طرح ۲۳ رجون ۱۹۴۷ء کو پنجاب کی مجلس قانون ساز نے پنجاب کی تقسیم کا فیصلہ بھی مان لیا۔ ۳۰ رجون ۱۹۴۷ء کو صوبہ بلوچستان نے اپنی پاکستان میں شمولیت کا اعلان کر دیا۔ ۶، ۷ رجولائی ۱۹۴۷ء کو سلہٹ میں ریفرنڈم ہوا، اور ۶ اور ۱۷ رجولائی کو صوبہ سرحد میں ریفرنڈم ہوا تو وہاں کے لوگوں نے پاکستان کے حق میں فیصلہ دیا۔ ۱۹ رجون ۱۹۴۷ء کو قانونِ آزادی ہند کے حوالے سے نظام حیدر آباد نے اپنی مملکت کی کامل آزادی اور خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ اس طرح ریاست حیدر آباد ایک مسلمان آزاد ریاست کے طور پر قائم ہو گئی۔ اسی روز پاکستان کے لئے کراچی کو بطور دارالحکومت بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔ ۳۰ رجون ۱۹۴۷ء کو وائسرائے نے بنگال اور پنجاب کی حدبندی کے لئے ایک کمیشن مقرر کیا۔ اس کمیشن کے سربراہ سائرل ریڈکلف تھے۔ ان کے علاوہ درج ذیل چار ممبران تھے۔

Marfat.com

بنگال	پنجاب
(۱) جسٹس بی کمار مکرجی	(۱) جسٹس دین محمد
(۲) جسٹس سی سی بسواس	(۲) جسٹس محمد منیر
(۳) جسٹس ابو صالح محمد اکرم	(۳) سر مہر چند مہاجن
(۴) جسٹس ایس اے رحمٰن	(۴) جسٹس تیجا سنگھ

قانونِ آزادی ہند

وہ قانون کہ جس کے تحت ہز میجسٹی گورنمنٹ نے ہندوستان کو آزادی دینی تھی، اس کی نقلیں قبل از وقت ہندوستانی لیڈروں کو ۲ر جولائی ۱۹۴۷ء کو فراہم کر دی گئی تھیں۔ اسی دوران میں دو آزاد خود مختار مملکتوں کے گورنر جنرلوں کا مسئلہ بھی پیدا ہوا۔ مسلم لیگ نے فیصلہ کر لیا کہ وہ قائداعظم محمد علی جناح کو پاکستان کا گورنر جنرل بنائے گی۔ لیکن کانگرس نے ہندوستان کا گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو بنائے رکھنے کا فیصلہ کیا۔ کانگرس کے اس فیصلے پر مسلمانوں میں بھی تھوڑی بہت تشویش پیدا ہوئی لیکن مسلم لیگ کے اس فیصلے نے کہ وہ قائداعظم محمد علی جناح کو پاکستان کا گورنر جنرل بنائے گی، پاکستان کے وقار کو بلند کر دیا اور پاکستان کی آزادی اور کامل خود مختاری کی حقیقت کو بھی زیادہ عیاں کر دیا۔ ادھر لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو جب کانگرس نے ہندوستان کا گورنر جنرل بننے کی پیش کش کی تو اس نے لندن سے ہدایات حاصل کیں، جس کے جواب میں وائسرائے سے کہا گیا کہ "اگر لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہندوستان کے گورنر جنرل رہیں تو یہ ان کے ذاتی اور حکومت برطانیہ کے مفاد میں ہے"۔

۱۸ر جولائی ۱۹۴۷ء کو قانونِ آزادی ہند کو بطور قانون نافذ کر دیا گیا۔ اس قانون میں واضح طور پر اعلان کر دیا گیا تھا کہ "۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء سے انڈیا میں دو خود مختار

Marfat.com

مملکتیں ہندوستان اور پاکستان قائم کر دی جائیں گی۔" ۱۹ر جولائی ۱۹۴۷ء کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے پروئیزنل حکومتوں ایک برائے ہندوستان اور دوسرے برائے پاکستان کا اعلان کر دیا۔ ۱۲ سے ۳۱ر جولائی تک پنجاب باؤنڈری کمیشن نے اپنا کام کیا۔ ۲۲ر جولائی کو مسٹر اسمے اور مسٹر کیمپبل جانسن لندن سے دہلی پہنچے۔ اسی روز پنجاب باؤنڈری فورس متعین کر دی گئی اور دونوں حکومتوں نے باؤنڈری کمیشن کے فیصلے کو تسلیم کر لیا، اور اقلیتوں کے حقوق و مفادات کے تحفظ کی ضمانت فراہم کی گئی۔ اس کے بعد لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے کلکتہ، کشمیر اور صوبہ سرحد کے دورے کئے۔

یکم اگست ۱۹۴۷ء کو پنجاب باؤنڈری فورس قائم کی گئی۔ اسی طرح ۴، ۶ اگست کو بنگال باؤنڈری کمیشن نے اپنی رپورٹ پیش کرنے کے لئے کام کیا۔ اسی دوران میں وائسرائے نے مسلم لیگ اور کانگرس کے لیڈروں کو بتایا کہ سکھ اس تقسیم کی سکیم کو سبوتاژ کرنے کی کوششیں کر رہے ہیں کیونکہ سکھوں کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ ہندوستان کی دونوں بڑی قومیں خود مختار آزاد حکومتیں قائم کرنے کے بعد انہیں ایک اقلیت کا درجہ دے دیں گی۔

۱۱ر اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کی پہلی وفاقی قانون ساز اسمبلی کا اجلاس کراچی میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا کہ "اس برِ عظیم میں دو آزاد اور خود مختار مملکتوں کے قیام کے منصوبے سے جو عدیم المثال طوفانی انقلاب آیا ہے اس پر ہم خود حیران نہیں بلکہ ساری دُنیا ششدر رہ گئی ہے۔ اگر ہم اس عظیم مملکتِ پاکستان کو خوش حال اور خوش بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی پوری توجہ لوگوں اور بالخصوص غریب طبقے کی فلاح و بہبود پر مرکوز کرنی پڑے گی۔ اسی اجلاس میں انہوں نے دیگر کئی مسائل پر بھی اظہار خیال کیا اور ریڈکلف ایوارڈ کے حوالے سے بھی ایک بیان دیا کہ "تقسیم اور ضلعی حد بندیوں کے اعتبار سے یہ ایوارڈ غیر منصفانہ، ناقابل فہم

Marfat.com

بلکہ غیر معقول ہے لیکن چونکہ ہم اس پر عمل کرنے کا عہد کر چکے ہیں اس لئے اسے ماننا ہم پر لازم ہے۔"

ریڈکلف ایوارڈ

ریڈکلف رپورٹ جو کہ ریڈکلف ایوارڈ کے نام سے مشہور ہے۔ اس رپورٹ کے ہمراہ جو ایک ضمیمہ لگایا گیا تھا، اس کے حوالے سے پاکستان کو کئی ضلعے اور تحصیلیں کھونی پڑیں۔ پنجاب میں مسلمانوں کو صریحاً اور واضح اکثریت والے علاقوں کو بھی پاکستان کے بجائے ہندوستان کے سپرد کر دیا گیا۔ ان علاقوں میں ضلع گورداسپور، امرت ضلع کی تحصیل اجنالہ، تحصیل ہوشیارپور، تحصیل دسوا، تحصیل جالندھر، تحصیل فیروزپور، تحصیل ہیرا، ضلع لاہور کی تحصیل قصور کا کچھ حصہ صرف ریڈکلف چیئرمین باؤنڈری کمیشن کے ایما پر قربان کر دیا گیا۔ اسی طرح اس سے پیشتر طے پا چکا تھا کہ سکھوں کے تمام علاقے بھی پاکستان کو دے دیئے جائیں گے، لیکن ایوارڈ میں اس سے بھی انحراف کیا گیا۔

دوسری جانب مشرقی پاکستان میں کلکتہ مسلمانوں کی اکثریت کا علاقہ تھا لیکن وہ بھی ہندوستان ہی کے سپرد کر دیا گیا۔

مسئلہ کشمیر

حکومت برطانیہ نے جب ۱۹۴۷ء میں قانونِ آزادیِ ہند کا قانون نافذ کیا تھا تو اس میں ۳ رجون پلان کے تحت ریاستوں کے بارے میں یہ طے کیا گیا تھا کہ ریاستوں کے حکمران دونوں ملکوں پاکستان یا ہندوستان کے ساتھ بلا جبر و اکراہ الحاق کر سکیں گے۔" لیکن اس اجازت ہی یہ بات از خود فرض کر لی گئی تھی کہ ریاستوں کے حکمران اپنی اپنی ریاستوں کے مستقبل کا فیصلہ کرتے وقت اپنے عوام کی خواہشات

Marfat.com

اور ریاست کی جغرافیائی پوزیشن کو بھی مدِ نظر رکھیں گے۔"

ریاست کشمیر میں تو شروع ہی سے مسلمانوں کی اکثریت رہی ہے۔ اس امر کا ثبوت ہندوستان کے اکثر انتخابات میں میسّر آتا رہا ہے۔ جب قانونِ آزادی ہند کا اجرا ہوا تو ریاست کشمیر کے مسلمانوں نے پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے کا ارادہ کیا۔ اس کے علاوہ جغرافیائی، مذہبی اور مواصلاتی اعتبار سے بھی کشمیر کا رجحان پاکستان ہی کے ساتھ تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ریاست کشمیر کی مسلمانوں کی نمائندہ جماعت مسلم کانفرنس نے اپنی ایک قرارداد مورخہ ۱۹ر جولائی ۱۹۴۷ء کے تحت اپنے اس الحاق کا رسمی طور پر بھی اعلان کر دیا تھا۔ قراردادِ الحاق کا خلاصہ درج ذیل ہے :۔

"مسلم کانفرنس کا یہ کنونشن اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ جغرافیائی حالات مجموعی آبادی کی اسی فی صد مسلم اکثریت، پنجاب کے اہم دریاؤں کی ریاست میں سے گزرگاہیں، زبان، ثقافتی، نسلی، معاشی تعلقات اور ریاست کی سرحدوں کے پاکستان سے اشتراک — یہ سب حقائق اس بات کو ضروری قرار دیتے ہیں کہ ریاست جموں و کشمیر پاکستان کے ساتھ الحاق کرلے۔"

لیکن مہاراجہ کشمیر جو کانگرس حکام سے ملا ہوا تھا، اس نے بزعم خویش ہی عوام کو اعتماد میں لئے بغیر ۲۷ر اکتوبر ۱۹۴۷ء کو کشمیر کے ہندوستان کے ساتھ الحاق کا اعلان کر دیا تھا۔ حالانکہ اس سے پیشتر پاکستان نے مہاراجہ کشمیر کے ساتھ عارضی معاہدہ قائمہ کے تحت کشمیر کے ذرائع رسل و رسائل پر اختیار حاصل کر لیا تھا اور کشمیر کی کئی حکومتی عمارات پر آزادی کے وقت پاکستان کا پرچم بھی لہرا دیا گیا تھا لیکن بعد میں مہاراجہ کشمیر نے ہندوستان کے ساتھ الحاق کر لیا۔

کشمیر کے علاوہ پاکستان کے ساتھ ہی ملحقہ ریاستوں جوناگڑھ اور مناوادر کے

Marfat.com

[illegible] نے بھی پاکستان کے ساتھ اپنے [illegible] کا اعلان کر دیا تھا۔

انتقال اقتدار کی رسم

دوسرے منصوبے جون ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک اور انتقال اقتدار کے لئے ایک باؤنڈری کمیشن بھی قائم کر دی۔ اس کمیشن نے لگائے گئے جو اس کے [illegible] کمیشن کی بھی مدد کی۔ یہی کمیشن دونوں ملکوں کے لئے فوج کی تقسیم کے سلسلے میں بھی کام کرتی رہی۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو جب یہ باؤنڈری کمیشن اپنا کام مکمل کر چکی تو یہ منصوبہ بروئے ہندوستان کے وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو ارسال کر دیا گیا تاکہ انتقال اقتدار کی رسم ادا کی جا سکے اور دیگر امور پر بات چیت ہو سکے۔ اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے وائسرائے کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور انہیں یہ کہا کہ ملک کو اس طرح رضاکارانہ طور پر آزادی دینا اور اختیارات سونپنا تاریخ میں ایک مثال شکل ہے۔

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے پاکستان کی پہلی آئین ساز اسمبلی میں کراچی سندھ اسمبلی کی عمارت میں خطاب کیا۔ اس خطاب میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ

"افغانستان کی بات ہے کہ آج میں آپ لوگوں سے آپ کے وائسرائے کی حیثیت سے مخاطب ہوں۔ کل حکومت پاکستان کی باگ ڈور آپ کے ہاتھوں میں ہوگی اور میں آئینی طور پر کل سے آپ کے پڑوسی ملک ہندوستان کا سربراہ ہوں گا۔ کل دو خود مختار آزاد مملکتیں دوست مشترکہ طور پر کام کرتی ہوں گی۔ یہ دونوں کوئی نو پیدہ قومیں نہیں ہیں بلکہ یہ پرانی تاریخ اور تہذیب پر بجا طور پر فخر کر سکتی ہیں۔ یہ وہ قومیں ہیں کہ جن کے شاعر

Marfat.com

فلسفی، بہادر جنگجو، سائنس دان دنیا میں شہرت اور قدر و منزلت کے حامل ہیں، اور انسانی فلاح و بہبود میں ان لوگوں کی خدمات کا اعتراف کیا جاتا ہے۔ دُنیا کی کوئی بھی قوم یا حکومت نوزائیدہ یا کمزور نہیں ہوتی۔ وہ بہرصورت عالمی سطح پر امن اور ترقی کے میدان میں اپنا کردار ضرور ادا کرتی ہے۔

پاکستان کا معرضِ وجود میں آنا تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے۔

یہ جو کچھ حاصل کیا گیا ہے، اس میں آپ لوگوں کی جان کوششیاں اور جانفشانیاں شامل ہیں، لیکن آپ نے یہ سب کچھ قتل و غارت اور آہ و فغاں کے بغیر حاصل کیا ہے۔ صرف کچھ شدید بدنظمیاں ضرور ہوتی ہیں۔ لیکن اس کا اظہار بھی ضروری ہے کہ شدید قسم کے جرائم اعلیٰ مقاصد کے حصول کے شایانِ شان نہیں ہوتے۔ اس ضمن میں آپ لوگوں نے مسٹر گاندھی اور مسٹر جناح کی اپیلوں کو بھی سنا ہے۔

پاکستان کا حصول ایک طرح کی ایسی علیحدگی ہے کہ جو دوستوں کے درمیان عمل میں آتی ہے اور یہ باعزت اور پُروقار علیحدگی ہے کہ جس کا سبق انہوں نے حتیٰ کہ شدید اختلافات کے دوران میں بھی یاد رکھا۔ یہ علیحدگی کسی لاتعلقی کی علیحدگی نہیں ہے بلکہ میرے لئے یہ خوش کن امر ہے کہ یہ ہمدردی اور دوستی کی علیحدگی ہے۔ میرے اپنے ملک کے متعدد لوگ نسلوں تک اسی ملک میں پیدا ہوتے۔ متعدد لوگوں نے یہاں پر اپنی زندگی گزاری اور متعدد لوگوں نے یہیں پر ہی موت کو قبول کیا۔۔۔

خدا کرے پاکستان خوشحالی اور ترقی سے ہمکنار ہو۔ اس ملک کے باشندے صحت اور شادمانی کی نعمتوں سے فیض یاب ہوں۔ اس ملک کی حدود کے اندر امن و آشتی کے علوم و فنون ترقی پائیں اور یہ ملک اپنے

Marfat.com

دوسرے پڑوسی ملکوں سے اور دُنیا کی دیگر اقوام سے دوستانہ تعلقات بحال اور برقرار رکھے۔"

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء ہی کو قائد اعظم محمد علی جناح نے چیف جسٹس پنجاب سر عبدالرشید کے سامنے پاکستان کے گورنر جنرل کا حلف وفاداری اٹھایا۔ اس کے بعد قائد اعظم محمد علی جناح نے ایک بیان میں مسلمانانِ ہند کو اس عظیم کامیابی پر یوں فرمایا کہ "میرے تمام تر احساسات وجذبات اور ہمدردیاں ان بہادر اور جفاکش لوگوں کے ساتھ ہیں کہ جنہوں نے بے پناہ قربانیاں دے کر یہ ملک حاصل کیا ہے، اور انہی کے دم قدم سے پاکستان معرضِ وجود میں آیا ہے۔"

۱۳، اور ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کی رات ریڈیو پاکستان لاہور سے پہلی بار پاکستان کا اعلان کر دیا گیا۔ پاکستان کا یہ تاریخی اعلان مشہور اناؤنسر شکیل احمد نے اپنی باوقار اور نہایت پر زور اور خوشگوار آواز میں کیا تھا۔

Marfat.com

باب-۱۵

پاکستان کی ابتدائی مشکلات

ضابطے کے مطابق قیامِ پاکستان کا اعلان ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو رات بارہ بجے ہونا تھا لیکن چونکہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو بطور وائسرائے دہلی میں بھی حکومتِ ہندوستان کے لئے انتقال اقتدار کی رسم میں شرکت کرنی اور ہندوستان کے گورنر جنرل کا عہدہ بھی سنبھالنا تھا اس لئے پاکستان کی آزادی کا اعلان ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو کر دیا گیا تھا اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے کراچی میں پاکستان کی قومی اسمبلی میں ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو انتقال اقتدار کے فرائض ادا کر دیئے تھے۔

پاکستان کی پہلی کابینہ

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان کی پہلی کابینہ کے وزراء سے حلف وفاداری لیا۔ سب سے پہلے مسٹر ایم بی احمد کو فرسٹ سیکرٹری منتخب کیا گیا۔ جناب حبیب ابراہیم رحمت اللہ کو برطانیہ میں پاکستان کا پہلا ہائی کمشنر مقرر کیا گیا۔ جناب محمد ایوب کھوڑو سندھ کے وزیر اعلیٰ مقرر ہوئے اور پنجاب میں میاں افتخار الدین

Marfat.com

ممدوٹ نے کابینہ بنائی۔ پہلی قومی وزارت میں لیاقت علی خاں کو پاکستان کا وزیر اعظم مقرر کیا گیا۔ اس کے علاوہ ان کے پاس دفاع اور بیرونی ممالک کے محکمے بھی تھے۔ آئی آئی چندریگر کو تجارت و صنعت و مالیات کے محکمے سونپے گئے۔ سردار عبدالرب نشتر کو وزیر مواصلات بنایا گیا اور اس کے تحت ان کے سپرد ریلوے ٹرانسپورٹ، ڈاک و تار، جہاز رانی اور دیگر متعلقہ محکمے کئے گئے۔ خوراک و صحت اور زراعت کے وزیر راجہ غضنفر علی خاں مقرر کئے گئے۔ مسٹر جوگندر ناتھ منڈل کو قانون و مزدوروں کا محکمہ دیا گیا۔ جوگندر ناتھ منڈل کو اس سے پیشتر بھی مشترکہ عبوری وزارت میں محکمہ قانون ہی دیا گیا تھا۔ جناب فضل الرحمٰن کو داخلہ امور اور اطلاعات و تعلیم کے محکمے دیئے گئے۔ دسمبر ۱۹۴۷ء میں سر ظفر اللہ خاں کو وزیر خارجہ مقرر کر دیا گیا اور پھر بعد میں جب آئی آئی چندریگر کو کابل میں سفیر بنا کر بھجوایا گیا تھا تو ان کے محکمے کا چارج بھی فضل الرحمٰن کے سپرد کر دیا گیا۔ اسی طرح جب راجہ غضنفر علی خاں کو ایران میں سفیر بنایا گیا تو ان کے محکمے پیرزادہ عبدالستار کے سپرد کر دیئے گئے۔ آغاز میں صوبہ سرحد کا گورنر سر جارج کننگھم کو بنا دیا گیا، اور عبدالقیوم خاں کو وزیر اعلیٰ مقرر کر دیا گیا۔

مہاجرین کا مسئلہ

ریڈکلف ایوارڈ کے اعلان کے بعد مختلف ضلعوں کی نئی حد بندیوں کے بعد صورتِ حال یہ ہو چکی تھی کہ ان شہروں اور ضلعوں کے مسلمان پاکستان میں آنا شروع ہو گئے تھے اور ہندو اور سکھوں نے ہندوستان کی جانب جانا شروع کر دیا تھا۔ گو قانون آزادیٔ ہند میں یہ درخواست کی گئی تھی کہ ہجرت اور تبادلہ آبادی کا کام نہایت امن و سکون سے طے پائے گا، لیکن ہوا یوں کہ ہندوؤں اور سکھوں نے اس عمل کے دوران میں بھی ظلم و ستم کی انتہا کر دی۔ پورا مشرقی پنجاب چند ہی دنوں میں ہندو مسلم

Marfat.com

فسادات کی لپیٹ میں آگیا۔ لوگوں کو بے جا اور بے دردی کے ساتھ قتل کیا جانے لگا۔ اور ان کی املاک کو لوٹنا شروع کر دیا۔ اسی دوران میں پاکستان کے وزیر اعظم خان لیاقت علی خاں دہلی گئے اور انہوں نے ان فسادات کے بارے میں پنڈت نہرو اور سردار پٹیل سے بات چیت کی، لیکن امن قائم نہ ہوسکا۔ ان فسادات کے باعث مشرقی پنجاب سے مسلمانوں کے گروہ در گروہ پاکستان آنا شروع کر دیا۔ اس جبری ہجرت سے سکھوں اور ہندوؤں نے مزید فائدہ اٹھایا اور خوب خوب خون کی ہولیاں رچائیں۔ مشرقی پنجاب میں تو مسلمانوں کو نہایت منظم طریقے سے قتل کیا جا رہا تھا۔ ان ظلم وستم کے بارے میں متعدد کتابیں لکھی جا چکی ہیں کہ جن میں ایک ایک شہر اور ایک ایک قصبے میں مسلمانوں پر ہونے والے ظلم وستم اور ان کے خون سے کھیلی جانے والی ہولی کی داستانیں رقم ہیں۔ اس ضمن میں "خون دیاں ندیاں" پنجابی کی منظوم تاریخ اور "جب امرتسر جل رہا تھا" بھرپور جھلک پیش کرتی ہیں۔

دونوں ملکوں نے ان فسادات کی روک تھام کے لئے اپنی کوششیں کیں اور ایک دو مشترکہ اجلاس بھی کئے گئے لیکن وہ نتیجہ خیز ثابت نہ ہو سکے۔ ان فسادات کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ پہلے پہل سکھوں نے پاکستان کا ساتھ دینے کا وعدہ کر لیا تھا۔ لیکن پھر مولانا ابوالکلام آزاد کی کوششوں اور ہندوؤں کی چال بازیوں سے سکھوں نے اپنا ارادہ بدل دیا تھا اور وہ پاکستان اور مسلمانوں کے شدید دشمن ہو گئے تھے۔ اسی طرح راشٹریہ سیوک سنگھ لوگ بھی ہندوؤں اور سکھوں کے ساتھ شریک ہو کر مسلمانوں پر دائرہ حیات تنگ کرنے لگے تھے۔ اکالی سکھوں نے تو یہاں تک منصوبہ بنا رکھا تھا کہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان لڑائی ہوتی رہے تاکہ ایک نوزائیدہ اور غیر منظم پاکستان ان فسادات کے سیلاب میں ٹوٹ جائے۔ کانگرس کے رہنماؤں نے اکالی لیڈروں سمیت ہر ایک پر یہی واضح کرنا شروع کر دیا تھا کہ

Marfat.com

پاکستان صرف چند ماہ کا مہمان ہے "۔

مسلمانوں کے لٹے پٹے قافلے پاکستان پہنچتے رہے اور حکومت پاکستان ان لوگوں کو پاکستان میں بسانے اور آباد کرنے کے لئے اپنے وسائل کے اندر اندر مناسب انتظامات کرتی رہی۔ اسی دوران میں مہاراجہ کشمیر نے اور ہندوؤں اور کانگرس نے کشمیری مسلمانوں کے جذبہ حریت کو دبانے اور کشمیر کے پاکستان کے ساتھ الحاق کی کوششوں کو نیست نابود کرنے کے لئے کشمیریوں پر بھی بے پناہ مظالم اور سزاؤں کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ لیکن جب مشرقی پنجاب کے ایک جسٹس مہر چند مہاجن کو کشمیر کا وزیر اعظم بنایا گیا تو مسلمانوں پر مظالم کی رفتار میں بھی شدت پیدا ہوگئی۔ جسٹس مہر چند مہاجن اس سے پیشتر بھی پنجاب کے باؤنڈری کمیشن کے ایک ممبر کے طور پر بھی اپنی اسلام اور مسلمان دشمنی کا خوب خوب مظاہرہ کر چکے تھے۔

اپنی آزادی کے پہلے سال کے اندر اندر پاکستان کو مہاجرین کے مسائل اور مسلمانوں کے قتل و غارت، مہاجرین کی آبادکاری اور کشمیری مسلمانوں پر ہندوستان کے غاصبانہ قبضہ نے بے حد پریشان رکھا۔ اسی دوران میں ادھر مشرقی پاکستان میں کہ جو متحدہ پاکستان کا پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان کے بعد سب سے بڑا صوبہ تھا وہاں پر بھی حالات نزاکت کی جانب مائل تھے کیونکہ مسٹر شہید سہروردی اور میاں افتخار الدین نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ" اب مسلم لیگ کی ضرورت باقی نہیں ہے۔ اس لئے اب آزادی کے بعد غیر فرقہ وارانہ جماعتیں بھی بننی چاہئیں۔ لیکن اس سلسلے میں جلد ہی یہ فیصلہ ہوا کہ پاکستان میں مسلم لیگ کو بہر صورت قائم رہنا چاہیئے۔ اس صورتِ حال کو بھانپتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے ۲۱ مارچ ۱۹۴۸ء کو ڈھاکہ میں ایک جلسہ عام کے دوران قومی سالمیت کے لئے مسلمانوں کو متحد اور مستحکم ہو کر رہنے کی درخواست کی اور فرمایا کہ :۔

Marfat.com

"میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ منتشر ہو گئے تو گر پڑو گے اور متحد ہو گئے تو کھڑے رہو گے۔ متحد ہو کر رہیئے۔ قوم کی مجموعی بہبود کی خاطر۔ اگر دکھ اور تکلیفیں پیش آئیں تو انہیں نظر انداز کر دیجئے۔ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی قوم اور مملکت کی فلاح کی خاطر بڑی سے بڑی تکلیف قربانی اور مشقت کو خاطر میں نہ لائیں اور نہ اس سے گریز کریں۔ صرف اسی طریقہ سے آپ پاکستان کو دنیا کی عظیم ترین سلطنت بنا سکتے ہیں۔"

دیگر سیاسی مسائل اور چند در چند مشکلات کے حوالے سے قائداعظم محمد علی جناح نے ۳۰ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو لاہور سے اپنی ایک نشریاتی تقریر میں قوم سے فرمایا تھا کہ اگرچہ افق پر تاریکی کے بادل چھائے ہوتے ہیں لیکن میری آرزو ہے کہ آپ اپنے اندر جوش و خروش اور حوصلہ پیدا کریں۔ انشاءاللہ خدا ہماری مدد کرے گا۔

دیگر مسائل

یوں تو تقسیم ملک کی تجویز پر عمل کے دوران میں ہی معاملات کو نمٹانے کے لئے متعدد کمیٹیاں اور شعبے بنا دیئے گئے تھے لیکن ان کی کارکردگی کو بہرصورت ہندوؤں اور کانگرسی رہنماؤں نے بُری طرح سے اثر انداز رکھا۔ آغاز میں جو کمیٹیاں بنائی گئی تھیں، ان میں اثاثوں، محاصل، معاہدات، بجٹ کے حساب کتاب، نظام زر سکہ سازی اور مبادلہ، معاشی تعلقات، بیرونی تجارت وغیرہ کے بارے میں کمیٹیاں تشکیل دی گئی تھیں۔ ان کمیٹیوں کی جانب سے جو رپورٹیں مرتب ہوئیں انہیں حکومتِ ہند کی جانب سے ۱۹۴۸ء میں تین جلدوں میں چھاپ دیا گیا تھا۔ گو ان کمیٹیوں کی رپورٹوں اور پھر ضمنی اور سب کمیٹیوں کے فیصلوں کے مطابق پاکستان کو تمام شعبوں میں سے اس کا متناسب حصہ ملنا تھا لیکن ہندوستانی حکام اور کانگرسی

Marfat.com

رویّے نے اس میں بے جا تاخیر اور لیت ولعل کر کے بیشتر کمیٹیوں کے فیصلوں پر عمل نہ ہونے دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب پاکستان میں مختلف محکموں میں کام کا آغاز ہوا تو اس کے پاس کاغذ، پنسل، قلم اور سیاسی بھی نہیں تھی۔ بہر صورت پاکستان نے اس صورتحال میں بھی زندگی کا آغاز کر دیا تھا۔

وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ۳ر جون ۱۹۴۷ء سے پہلے ایک بار اعلان کیا تھا کہ ہندوستان میں انتقال اقتدار کا کام جون ۱۹۴۸ء تک مکمل کر لیا جائے گا۔ لیکن پھر شاید ہز میجسٹی گورنمنٹ اور کانگرسی رہنماؤں کے اشارے پر یہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ ۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء کو دونوں ملکوں کو آزاد کر کے انتقال اقتدار کا کام مکمل کر لیا جائے گا۔ کہا جاتا ہے کہ اس منصوبے کے لئے وائسرائے ہند نے پینسٹھ صفحات پر مشتمل ایک ایسا کیلنڈر ترتیب دیا تھا کہ جس کے ہر نئے صفحے پر لکھا تھا کہ اب اتنے دن باقی رہ گئے ہیں، اس لئے اب جلد از جلد کام نمٹا لیا جائے۔ ماہرین نے بتایا ہے کہ منصوبے کے مطابق اس عجلت کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی فوج کی ایک بڑی تعداد بھی دوسری جنگ عظیم کی وجہ سے ہندوستان سے باہر ہی تھی۔ اور وہ ۱۹۴۸ء کے وسط تک واپس ملک آسکتی تھی۔ اس لئے اس کی موجودگی میں حکومت ہندوستان اثاثوں کی تقسیم میں بھی ڈنڈی نہیں مار سکتی تھی اور نہ ہی ان مسلمان فوجیوں کی موجودگی میں قتل وغارت کے اس قدر بھیانک واقعات رونما ہو سکتے تھے، اور ان سب سے بڑھ کر کشمیر میں مسلمانوں کو اس بے دردی سے تہہ تیغ نہیں کیا جا سکتا تھا اور شاید انگریزی حکمرانوں کی بھی اسی میں عافیت تھی کہ انتقال اقتدار کا یہ سارا عمل مسلمان افواج کی غیر موجودگی ہی میں کیا جائے۔ عین ممکن ہے کہ اگر مسلمانوں کی افواج ملک کے اندر ہی ہوتیں تو صوبوں اور ضلعوں کی تقسیم میں بھی واضح اور کھلم کھلا دھاندلیاں نہ ہوتیں۔ بہر حال پاکستان کی نئی حکومت نے ایک جانب قریباً ستر لاکھ مہاجرین کو

Marfat.com

آباد کرنے کا کام کیا اور ساتھ ہی دوسری طرف دیگر بحرانی حالات پر قابو پایا۔

ہندو اور ہندوستان نے پاکستان دشمنی میں ایک جانب تو اثاثوں کی تقسیم میں ڈنڈی ماری اور بعض صورتوں میں پاکستان کو کئی اثاثوں سے محروم کر دیا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس کے کچھ عرصے کے بعد پاکستان کی زرعی اور معاشی زندگی پر دوسرا وار کرنے کے لئے پاکستان کو آنے والی نہروں اور دریاؤں کا پانی بند کر دیا۔ نہروں کی اس تقسیم میں بھی ریڈ کلف ایوارڈ میں گل کھلاتے گئے تھے کہ نہریں تو پاکستان کو دے دی گئیں لیکن ان کے منابع اور ان کے کنٹرول کے نظام والے علاقے ہندوستان کے سپرد کر دیئے گئے تھے۔ اس سلسلے میں سیرل ریڈ کلف نے پنجاب باؤنڈری کمیشن کی رپورٹ میں خود لکھا تھا کہ "مغربی پنجاب کو بھی بعض ایسے علاقے دے رہا ہوں کہ جن میں بعض ہیڈ ورکس بھی شامل ہیں۔ ان کے حوالے سے بعض حدود کا تعین بھی کیا جا سکے گا اور میرا خیال ہے کہ میں وثوق کے ساتھ اس امر پر یقین کر سکتا ہوں کہ کوئی معاہدہ جو ان دریاؤں کے پانی کی تقسیم سے متعلق یا نہروں کے متعلق ہو اور جو حکومت بھی ان نہروں کے ہیڈ ورکس پر قابض ہو وہ پانی کے حقوق کے تحفظ کا پورا پورا خیال رکھے گی۔"

بہرصورت جب ہندوستان نے بغیر کسی وجہ کے نہروں اور دریاؤں کا پاکستان کے لئے پانی بند کر دیا تو پاکستان نے کچھ خسارے کا سودا برداشت کرنے کے باوجود ہندوستان کے ساتھ اس ضمن میں معاہدہ کر لیا لیکن اس کے باوجود ہندوستان آمدہ کئی برسوں تک پاکستان کو نہروں اور دریاؤں کے پانی کی بندش سے تنگ کرتا رہا۔

سٹیٹ بینک آف پاکستان

"نئی حکومت کے ساتھ ہی ہزارہا مسائل بھی آتے۔ مسئلہ بالکل نئی عمارت کی تعمیر کا

Marfat.com

تھا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اجڑے لٹے پٹے لوگوں کی آبادکاری جیسی مشکلات نے دم نہ لینے دیا۔ قیامِ پاکستان کے فوراً بعد کشمیر کا مسئلہ کھڑا ہوگیا جس کی تنظیم و اہتمام نے داخلی تعمیر میں بہت سی رکاوٹیں پیدا کر دیں۔" بہرصورت قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی زندگی میں ان تمام مسائل پر پوری توجہ دی اور اپنے وسائل کے اندر رہ کر ان کے حل کی بھی بھرپور کوششیں کیں۔ سب سے پہلی بڑی ضرورت پاکستان کے ایک اپنے سٹیٹ بینک کے قیام کی تھی جس پر فوری توجہ دی گئی۔ لہٰذا یکم جولائی ۱۹۴۸ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے سٹیٹ بینک آف پاکستان کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

"سٹیٹ بینک آف پاکستان کے آغاز کا مقصد یہ ہوگا کہ پاکستان معاشی استحکام حاصل کر لے گا۔ یہ بینک ملکی معیشت کو مستحکم کرنے کا علمبردار ہوگا۔ اس لئے ملک میں اقتصادی ترقی ہوگی اور غیر مسلم تجار اور مالداروں کے اخراج کے بعد یقیناً اب ہم دولت کے اس خلا کو پورا کرنے میں محنت اور لگن سے کام کریں گے، حالات کے تحت ملک میں جو مہنگائی کا دور دورہ ہوا ہے امید ہے ہم سب مل کر اس پر قابو پالیں گے کیونکہ مغربی نظامِ معیشت نے ہماری اقتصادیات پر نہایت تباہ کن اثرات مرتب کئے ہیں۔ اس لئے ہمیں مغربی اقتصادی نظام کی پیروی میں اپنے حالات کو مزید تباہ کن نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اب یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی معیشت کو اپنی قومی ضروریات اور تقاضوں کے مطابق استوار کریں۔ معاشرے میں صحیح اسلامی اقتصادی اور معاشی نظام نافذ کریں کہ جس میں ہر انسان کو امن اور انصاف میسر آسکے۔ عوام کو فلاح نصیب ہو اور ملک خوشحالی حاصل کر سکے۔ میرا خیال ہے کہ یہ سٹیٹ

Marfat.com

بینک جس کا آج میں افتتاح کر رہا ہوں، وہ ملک کے ایک بڑے قومی ادارے کے طور پر ملک اور بیرون ملک بہتر اور مناسب کردار ادا کرے گا۔"

۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح مملکتِ پاکستان کو اپنے رفقاء کار کے سپرد کر کے داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے۔ قائداعظم محمد علی جناح کی وفات پر عنانِ حکومت خان لیاقت علی خاں نے سنبھال لی۔ انہوں نے بھی اپنے عہد میں مہاجرین کی آبادکاری اور ان کے دیگر مسائل کے حل پر پوری پوری توجہ مرکوز رکھی۔ اور اسی دوران میں انہوں نے خارجہ تعلقات کو مزید بہتر اور مستحکم بنانے کے لئے بھرپور کوششوں کا آغاز کر دیا۔ ان کے عہد میں خواجہ ناظم الدین پاکستان کے گورنر جنرل مقرر ہوتے تھے۔ ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو جب قائد ملت خان لیاقت علی خاں کو شہید کر دیا گیا تو ان کی جگہ پر خواجہ ناظم الدین ملک کے وزیر اعظم مقرر ہوتے اور ملک غلام محمد کو گورنر جنرل بنا دیا گیا۔ ملک غلام محمد صاحب معاشیات کے ماہر تھے لہٰذا انہوں نے ملکی معیشت کو سہارا دینے کے لئے اپنی بہترین خدمات سے کام لیا۔ ان کی معاشی مہارت کے قائداعظم محمد علی جناح بھی معترف تھے۔ ملک غلام محمد نے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوتے اور مشرقی پاکستان کی صورت کو بہتر بنانے کی خاطر خواجہ ناظم الدین کے بجائے محمد علی بوگرہ کو پاکستان کا وزیر اعظم مقرر کر کے انہیں اپنی وزارت بنانے کی دعوت دے دی۔

ان ابتدائی برسوں میں چونکہ پاکستان کو اندرونی اور بیرونی لاتعداد مسائل کا سامنا تھا۔ اس لئے محمد علی بوگرہ کے عہد میں ملک میں شدید غذائی قحط بھی پیدا ہو گیا۔ بعض سیاست دانوں نے اس صورت حال کا فائدہ اٹھایا۔ اس دور میں وزیر اعظم نے حالات پر قابو پانے کی خاطر اپنے اختیارات سے جا بجا تجاوز کر کے بھی کئی فیصلے کئے لیکن وہ ناکام رہے تو پھر چودھری محمد علی کو ملک کا وزیر اعظم بنا دیا گیا۔

گو ملک میں آئین سازی کے کام کا آغاز قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی ہی میں

Marfat.com

شروع ہوگیا تھا لیکن اس کے بعد خان لیاقت علی خاں نے اس معاملے میں مزید پیش رفت کی تھی لیکن باضابطہ طور پر اور تیزی کے ساتھ آئین سازی کے لئے چودھری محمد علی نے توجہ دی۔ انہوں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ ملک میں جو سیاسی صورت حال ہے اور اس میں عدم استحکام جاری رہتا ہے تو اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ ملک اپنا قومی آئین مرتب نہیں کر سکا۔ لہٰذا انہوں نے آئین سازی کو تمام امور پر اولیت اور فوقیت دی۔

پہلی مجلسِ آئین ساز کی کارکردگی

پاکستان کی پہلی وفاقی اسمبلی کہ جسے آئین سازی کا کام کرنا تھا۔ اس کے ارکان کی تعداد ۶۹ تھی۔ اس تعداد میں بعد میں پنجاب اور صوبہ سندھ کے ارکان کی تعداد میں اضافہ کر کے کل ممبران کی تعداد ۷۹ کر دی گئی تھی، ان میں سے ۴۴ ارکان مشرقی پاکستان کے تھے۔ اسمبلی میں جماعتی اعتبار سے مسلم لیگ اور کانگرس کی اکثریت تھی۔ مسلم لیگ کے ارکان کی تعداد ۴۹ اور ساٹھ اور کانگرسی ارکان کی تعداد پہلے سولہ اور پھر ۱۹۵۴ء میں صرف گیارہ رہ گئی تھی۔ متفرق ارکان صرف تین چار ہی تھے۔ اس اسمبلی کے سپیکر مولوی تمیزالدین تھے۔ گو یہ وفاقی اسمبلی بے شمار اور وسیع اختیارات کی حامل تھی لیکن اس کی بھی بہت سی حدود متعین کی ہوئی تھیں۔ گورنر جنرل کو ہر صورت اس وفاقی اسمبلی پر ہر پہلو سے فوقیت حاصل تھی۔ اس کے باوجود اس پہلی آئین ساز اسمبلی نے ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۴ء تک تقریباً پونے تین سو بل بنائے اور تجارت، صنعت، مالیات، بیمہ، بنکاری، کرنسی اور مواصلات سے متعلق کئی قوانین ترتیب و تشکیل دیئے۔

پاکستان کی یہ پہلی مجلس قانون ساز کئی طرح کی پابندیوں اور حدود و مشکلات کا شکار تھی۔ اسمبلی کے پاس قانون سازی کے لئے کسی طرح کے تحقیقی تجزیئے کی

Marfat.com

سہولتیں ہرگز نہیں تھیں، ویسے بھی کسی قانون پر ہر طرح کی بحث مباحث کے لئے محدود وقت اور چند ایام مختص کئے جاتے تھے۔ اسی طرح اسمبلی کی حکومت پر تنقید کو ناپسندیدگی سے دیکھا جاتا تھا۔ خارجہ پالیسی بنانے یا ترمیم کرنے کے ضمن میں اس اسمبلی کو نہ ہونے کے برابر اختیارات دیتے گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائی عہد میں وزراتے اعظم ہی کی ذاتی شخصیات کے حوالے سے بیرونی ملکوں اور بلاکوں سے تعلقات پیدا ہوتے۔ اس اعتبار سے خارجہ پالیسی کے زمرے میں یہ اسمبلی ایک طرح سے عضوِ ناقص ہو کر رہ گئی تھی۔ اسمبلی میں حزب اختلاف معمولی حیثیت کی تھی۔ اس کے علاوہ اسمبلی کے سپیکر بھی کچھ آزاد ہی واقع ہوتے تھے۔ اس باعث بھی اسمبلی میں کوئی صحت مند روایات نہ پنپ سکیں۔

اس ساری صورت حال میں قانون ساز اسمبلی کا کردار غیر تسلی بخش تھا بلکہ حکومت کا اس پر تسلط برقرار ہو گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سات سال کے عرصے میں بھی یہ اسمبلی کوئی آئین ملک کے لئے تیار نہ کر سکی۔ چنانچہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۵۴ء کو گورنر جنرل غلام محمد ملک نے اسے توڑ دیا۔

قدرتی اور غیر قدرتی فاصلے

اسی اثنا میں جب مشرقی پاکستان کے انتخابات ہوئے تو انتخابات میں مسلم لیگ اس صوبے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ اے کے فضل الحق کو مشرقی پاکستان کا وزیر اعلیٰ بنا دیا گیا۔ یہی نہیں بلکہ مشرقی پاکستان کے لوگوں میں چونکہ شروع ہی سے سیاسی آگہی کا زیادہ شعور تھا۔ اس لئے انہوں نے اب مطالبہ کرنا شروع کر دیا تھا کہ دستور یہ فوراً اقتدار سنبھال لے۔ اس کے ساتھ ساتھ مشرقی پاکستان کے سیاسی حالات کا استحصال کرنے میں ہندوؤں اور پنڈت جواہر لال نہرو نے بھی پوری توجہ مرتکز کر رکھی تھی۔

Marfat.com

اس کے فوراً بعد مشرقی پاکستان میں نسلی اور متعصبانہ بنیادوں پر فسادات شروع ہوگئے۔

ایک جانب مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے درمیان ہزار ڈیڑھ ہزار میل کا فاصلہ تھا، اس فاصلے کو پاٹنے کے لئے قائداعظم محمد علی جناح کی خواہش کے مطابق چونکہ کاریڈور فراہم نہیں کیا گیا تھا، اس لئے بھی یہ فاصلہ بہت زیادہ فاصلہ ہوگیا تھا کیونکہ درمیان میں اپنے مخاصمانہ عزائم لئے ہوئے ہندوستان جیسا ملک بھی موجود تھا۔ دوسرے دونوں حصوں کے لوگوں کے بنیادی جذبات و تصورات میں بھی فاصلے موجود تھے۔ یہی نہیں بلکہ لسانی بنیادوں پر بھی اختلافات اجاگر ہونے لگے تھے اور ماہرین کے نزدیک یہ بھی درست ہے کہ علاقائی لسانی تحریکیں اپنے نتائج کے طور پر ملک کے لئے بے حد خطرناک ہوتی ہیں۔ کیونکہ ان کے پس پردہ سیاسی اغراض و مقاصد کارفرما ہوتے ہیں اور انہیں علاقہ پرستی کے زور پر حاصل کیا جاتا ہے۔

جب مشرقی پاکستان میں لسانی بنیادوں پر بھی نمائندگی کی ایک لہر اٹھی تھی اس کے ساتھ ہی وہاں کے لوگوں نے جداگانہ نیابت کا مطالبہ شروع کر دیا تھا۔ یہی وہ دور تھا کہ جب مغربی پاکستان کے چاروں صوبوں کو ایک یونٹ کی صورت میں قائم کرنے کے تقاضے سر اٹھانے لگے تھے۔ اسی دور میں جب گورنر جنرل غلام محمد نے دستور ساز اسمبلی توڑ دی تھی تو پھر محمد علی بوگرہ کو ایک بار پھر وزارت بنانے کی دعوت دی گئی تھی۔ لہٰذا اس نئی کابینہ میں کمانڈر انچیف جنرل محمد ایوب خاں، میجر جنرل سکندر مرزا اور حسین شہید سہروردی بھی شامل تھے۔

پاکستان میں دوسری آئین ساز اسمبلی جولائی ۱۹۵۵ء میں وجود میں آئی۔ اس اسمبلی میں پہلی اسمبلی کے صرف چودہ ارکان شامل کئے گئے تھے۔ ارکان کی کل تعداد ۸۰ تھی۔ چالیس مغربی پاکستان سے اور چالیس مشرقی پاکستان سے تھے۔

Marfat.com

اس آئین ساز اسمبلی میں حزب اختلاف کا کردار عوامی لیگ نے ادا کیا تھا، اور حکومت مسلم لیگ کے متحدہ محاذ کی تھی۔ گو اس اسمبلی کو بھی پہلی اسمبلی کی طرح کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ دیگر کئی مسائل جن میں محدود مباحث وغیرہ اور مسائل کو مناسب وقت نہ دینا شامل تھے لیکن اس کے باوجود اس اسمبلی نے ملک کو پہلا آئین تیار کر کے دے دیا۔

چودھری محمد علی نے اب کی بار جو سب سے پہلا کام کیا وہ ون یونٹ کے قیام کا اعلان تھا۔ لہٰذا ۲۲ر نومبر ۱۹۵۴ء کو مغربی پاکستان کی تمام ریاستوں اور ذیلی صوبوں کو ایک "وحدت" میں تبدیل کرنے کا اعلان کیا۔ اس پہ اسمبلی میں بہت بحث مباحث ہوتی اور بالآخر اسمبلی نے ستمبر ۱۹۵۵ء میں اسے منظور کر لیا۔

چونکہ پاکستان کو اس دوسری آئین ساز اسمبلی نے اپنے طور پہ آئین کو حتمی شکل دے کر تیار کر لیا تھا۔ اس لئے ابتدائی آئین کا کئی حوالوں سے جائزہ لیا گیا اور پھر ۹ر جنوری ۱۹۵۶ء کو یہ اسمبلی میں پیش کیا گیا۔ ۲۹ر فروری کو اس آئین کو اسمبلی نے اپنی منظوری دے دی اور پھر ۲۳ر مارچ ۱۹۵۶ء کو وہ آئین نافذ کر دیا گیا۔

پاکستان کا ۱۹۵۶ء کا آئین

۱۹۵۶ء کے آئین کے ابتدائیہ میں بیان کیا گیا تھا کہ پاکستان جو ایک خود مختار عوامی ریاست ہے۔ اس کو اسلامی اصولوں اور معاشرتی انصاف کی بنیاد پہ پروان چڑھایا جائے گا۔ اس میں ہر شہری کو آزادی، مساوات، رواداری اسلام کی تعلیمات کے مطابق حاصل ہوگی۔ خدائے برتر ہی مقتدر اعلیٰ ہے اور عوام کو جو اقتدار حاصل ہوگا وہ اسی کا بخشا ہوا ایک عطیہ ہوگا۔ اس آئین کے تحت

Marfat.com

پاکستان کا نام" اسلامی جمہوریہ پاکستان" قرار پایا تھا۔

(۲) اس آئین کے تحت گورنر جنرل کے بجائے صدر کا عہدہ بنایا گیا تھا۔ وفاق پاکستان میں دو اکائیاں مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان شامل کی گئی تھیں اور انہیں مساوی حیثیت دی گئی تھی۔ اس آئین میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ ملک کی سرحدوں میں اضافہ تو کیا جا سکتا ہے، لیکن اس کا کوئی حصہ دوسرے کو نہیں دیا جا سکتا۔

(۳) آئین کے تحت ایک قومی کونسل برائے اقتصادیات قائم کرنے کی گنجائش رکھی گئی تھی۔ اس کونسل کے ذمے پاکستان کی اقتصادی پالیسی مرتب کرنا اور ملکی ٹیکسوں سے ہونے والی آمدنی کو تناسب سے تقسیم کرنا بھی تھا۔

(۴) اس آئین کے تحت وفاق اور صوبوں کو علیحدہ علیحدہ اختیارات تفویض کر دیئے گئے۔ اسی طرح مقننہ دو ایوانی بنا دی گئی۔ وفاق کی دونوں اکائیوں کے درمیان بھی اختیارات تقسیم کر دیئے گئے تھے۔

(۵) آئین میں عدلیہ کے لئے یہ قرار پایا کہ وہ آئین کی ہر حال میں محافظ ہو گی۔ اس کے ساتھ ہی سپریم کورٹ آف پاکستان اور صوبوں کے ہائی کورٹس کے لئے بھی گنجائش رکھی گئی۔ ان عدالتوں کو آئین کے تحت تحفظ فراہم کر دیا گیا لیکن کوئی عدالت عالیہ یا چھوٹی عدالت آئین کی کسی بھی شق کے خلاف یا منافی فیصلہ نہیں دے سکتی تھی۔

(۶) پاکستان میں وفاقی طرزِ حکومت قائم کر دی گئی۔ اس کے ساتھ ہی ہنگامی حالات کے تحت صدر پاکستان کو بے شمار اختیارات دیئے گئے تھے اور صدر مملکت کو وزراء کے مشوروں سے بھی استفادہ کرنے کا اختیار دیا گیا تھا۔

(۷) اس آئین میں فردی اور شخصی شہریت کو وقعت دینے کے لئے پاکستان کی کسی ریاست یا صوبے کی شہریت کی تخصیص ختم کر دی گئی، اس طرح پاکستان کے

Marfat.com

کسی بھی علاقے یا صوبے کا شہری پورے پاکستان کا شہری تھا۔ اس کی شہریت پورے ملک کے لئے تھی۔

(۸) یہ آئین بھی حالات و ضروریات کے تحت ایک طرح سے محرک آئین تھا۔ اس کی بعض دفعات میں پارلیمنٹ کی رائے سے ترمیم کی جاسکتی تھی۔ اسی طرح صوبوں کو بھی پہلو بہ پہلو قانون سازی کے اختیارات دیئے گئے تھے۔

(۹) اس آئین میں افراد کے بنیادی حقوق کو بھی خاصی وقعت اور تحفظ دیا گیا تھا۔ آئین کے تحت جن بنیادی حقوق کی ضمانت دی گئی تھی، ان میں مساوات، گذشتہ جرائم اور سزا سے تحفظ، نظر بندی اور گرفتاری سے بچاؤ، آزادی تقریر، آزادیِ اجتماع، باہم نشست اور چلنے پھرنے کی آزادی، جائیداد بنانے یا خرید و فروخت کی آزادی اور آئینی چارہ جوئی کرنے کے حقوق شامل تھے۔ ان حقوق کو مقننہ اور انتظامیہ ختم نہیں کرسکتی تھی۔ ان کے علاوہ آزادی نقل و حرکت غلامی اور بیگار کی ممانعت، مذہبی پیروی اور مذہبی اداروں کا تحفظ کے علاوہ تہذیب، ثقافت، رسم الخط، اور زبان کا تحفظ بھی فراہم کر دیا گیا تھا۔

(۱۰) آئین میں صدر پاکستان کے لئے عمر اور دیگر اخلاقی اور معاشرتی حدود کے ساتھ ساتھ اس کی ایک حیثیت کہ وہ قومی اسمبلی کا رکن منتخب ہونے کا اہل ہو۔ مقرر کر دی گئی۔ صدر کی مدت عہدہ پانچ سال مقرر کی گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ قومی اسمبلی کے ایک تہائی ممبران کے ایما پر صدر کا مواخذہ بھی کیا جاسکتا تھا۔ قائمقام صدر کی گنجائش اور سپیکر کے اختیارات کا بھی اس آئین میں ذکر کر دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ صدرِ پاکستان کے انتظامی اختیارات کی بھی نشاندہی کر دی گئی تھی۔ ہر طرح کی ترمیم یا مسودہ قانون کے لئے صدر کی منظوری حاصل کرنا ضروری تھی۔ مسلح افواج کی سپریم کمان صدر کے سپرد کر دی گئی اور

Marfat.com

اس آئین میں صدر کو پورے پورے اختیارات دے دیئے گئے۔ صدر کو بعض صورتوں میں اختیارات بھی تفویض کئے گئے۔

(۲) ۱۹۵۰ء کے آئین کے تحت قومی اسمبلی کے ارکان کی تعداد تین سو کر دی گئی جن میں نصف مشرقی پاکستان اور نصف مغربی کے لئے مخصوص کر دی گئی۔ قومی اسمبلی کے ممبران کی اہلیت اور شرائط کا بھی تعین کر دیا گیا۔

(۳) قومی اسمبلی کے اجلاس اور طریقہ کار کی بھی وضاحت کر دی گئی۔ اس کے اسپیکر اور ڈپٹی اسپیکر کے اختیارات اور ان کی حیثیت کی بھی وضاحت کر دی گئی۔ اجلاس کے لئے کورم، قومی اسمبلی کی میعاد اور ممبران کے استعفوں کی صورت بھی واضح کر دی گئی۔

(۴) پاکستان کے سپریم کورٹ کے قیام اور اس کی تشکیل کے بارے میں بھی اس آئین میں پوری تفصیلات اور ضروری معلومات فراہم کر دی گئی تھیں۔ اسی طرح سپریم کورٹ کے اختیارات اور ان کے فیصلوں پر عملدرآمد کی بھی وضاحت کر دی گئی تھی۔

(۱۴) اسی آئین میں صوبائی حکومتوں اور گورنروں کے خدوخال کی بھی وضاحت کر دی گئی۔ اسی طرح گورنروں کے اختیارات اور ان کی قانون سازی کی حدود بھی متعین کر دی گئی تھیں۔ صوبائی مقننہ کے اراکین کی تعداد وغیرہ اور ان کے طریقِ کار کو بھی واضح کیا گیا تھا۔

(۱۵) ۱۹۵۶ء کے اس آئین میں صوبائی باقی ورثہ اور ان کی جملہ معلومات اور اختیارات کا طریقِ کار اور دائرۂ کار متعین کر دیا گیا تھا۔

(۱۶) وفاق اور صوبوں کے درمیان تعلقات اور فرائض و حقوق کی بھی اس آئین میں پوری طرح سے نشاندہی کر دی گئی تھی۔ ان کے علاوہ چند ایک

Marfat.com

آئینی اداروں کے قیام بھی ذکر کیا گیا تھا۔

۱۹۵۶ء کا یہ آئین گو پاکستان کی حکومت کا ایک اپنا آئین تھا اور پھر اسے یہ اہمیت بھی حاصل تھی کہ یہ پاکستان کا پہلا آئین ہے۔ لوگوں نے پہلے پہل اسے بہت پذیرائی بخشی۔ لیکن جب اس آئین کی رفتہ رفتہ عملی صورت سامنے آتی گئی تو لوگ اس سے نالاں ہوتے گئے چنانچہ یہ آئین مغربی ممالک کے دساتیر کی تقلید میں بنایا گیا تھا اس لئے پاکستان جیسے غریب اور نوزائیدہ ملک کے لئے زیادہ موزوں ثابت نہ ہو سکا۔ اس آئین کے تحت صدرِ مملکت سکندر مرزا نے سیاسی جماعتوں کے کاموں میں بے جا اور غیر ضروری مداخلت جاری رکھی جس سے سیاسی جماعتیں شاکی ہونے لگیں۔ آئین کی بعض شقوں سے حکومتی افسران نے فائدہ اٹھایا۔ اس طرح افسر شاہی کے رجحانات بڑھنے لگے۔ اس آئین کی بدولت ملک میں بہتر طور پر سیاسی شعور پیدا نہ ہو سکا۔ سیاسی پارٹیاں صحیح اور بہتر قیادت پیدا نہ کر سکیں۔ اس طرح لوگوں میں سیاسی جماعتوں اور سیاسی رہنماؤں کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا ہو گئیں۔

اسی دوران میں ۹ ستمبر ۱۹۵۶ء کو چودھری محمد علی نے سیاسی دباؤ اور سازشوں نے تحت وزارتِ عظمیٰ سے استعفیٰ دے دیا۔ ان کے بعد حسین شہید سہروردی نے وزیر اعظم کا عہدہ سنبھالا۔ حسین شہید سہروردی کی وزارت بمشکل تمام ایک سال تک چل سکی۔ ان کے بعد ملک فیروز خاں نون نے وزارت قائم کی۔ اس وزارت کو بھی استحکام میسر نہ آسکا۔ سیاسی آویزشیں بڑھتی گئیں۔ چنانچہ صورت حال پر قابو پانے کے لئے "صدر مملکت میجر جنرل سکندر مرزا نے ۷ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو آئین و جمہوریت کی بساط لپیٹ دی اور ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا۔ اس سازش میں کمانڈر انچیف جنرل محمد ایوب خاں نے اس کا

Marfat.com

پورا پورا ساتھ دیا۔ لیکن صرف بیس دن بعد جنرل محمد ایوب خاں کے سکندر مرزا کو معزول کر کے ملک سے باہر بھیج دیا اور صدر مملکت اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے طور پر ۲۷ر اکتوبر ۱۹۵۸ء کو جملہ اختیارات سنبھال لئے ۔

باب - ۱۶

اِنقلاب اور مارشل لاؔ

گو پاکستان کے صدر سکندر مرزا نے ملک میں پہلا مارشل لاؔ ۷ر اکتوبر ۱۹۵۸ء کو لگا دیا تھا، لیکن یہ مارشل لاؔ چونکہ فوری طور پر حالات کو قابو رکھنے کے لئے لگایا گیا تھا، اس کے باوجود یہ مارشل لاؔ اپنے نتائج بر آمد نہ کر سکا۔ یہی وجہ ہے ۲۷ر اکتوبر ۱۹۵۸ء کو بڑی فوج کے کمانڈر انچیف جنرل محمد ایوب خان جو کہ سکندر مرزا کی مارشل لاؔ حکومت میں چیف مارشل لاؔ ایڈمنسٹریٹر تھے، انہوں نے سکندر مرزا کو صدارت سے علیٰحدہ کر کے حکومت کی باگ ڈور خود سنبھال لی۔ جنرل محمد ایوب خان نے ۱۹۵۶ء کا آئین منسوخ کر کے فوجی قوانین نافذ کر دیئے۔

جنرل محمد ایوب خاں نے مارشل لاؔ کے تحت صدارت کا عہدہ سنبھالتے ہی فوجی جرنیلوں اور سول کے نمائندہ پر مشتمل ایک مشترکہ کابینہ بنائی۔ اس سے پیشتر جو وزیر تھے۔ وہ سب برطرف کر دیئے اور اسی طرح صوبائی و مرکزی اسمبلیاں بھی توڑ دیں۔ جنرل ایوب خاں نے جب ملک میں مارشل لاؔ نافذ کیا اس وقت ملک کی سیاسی حالت ایسی تھی کہ اس میں متعدد سیاسی جماعتیں نمودار ہو چکی تھیں۔ مشرقی

Marfat.com

پاکستان میں بھی لوگوں کا سیاسی شعور بہت بلند ہو چکا تھا۔ اس طرح اس سے پیشتر ری پبلکن پارٹی، عوامی پارٹی، کرشک سرامک اور مسلم لیگ بہت اہم تھیں۔ یہی نہیں بلکہ کئی سیاسی جماعتیں پاکستان کے اقتدار کی خاطر کوششیں کر رہی تھیں۔ لیکن جنرل محمد ایوب خاں نے تمام سیاسی سرگرمیاں خلافِ قانون قرار دے کر معطل کر دی تھیں۔

نفاذِ مارشل لا کے اسباب

گو گردیکھا جائے تو یہ روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ بنگال کہ جس کا مشرقی حصہ مشرقی پاکستان کے روپ میں آزاد ہوا تھا وہاں کے لوگ سیاسی طور پر برعظیم کے دوسرے صوبوں کے لوگوں سے زیادہ باشعور اور زیادہ پرجوش تھے بلکہ ان میں بے شمار بڑی بڑی تحریکوں نے جنم لیا۔ پھر جب حکومت برطانیہ نے اپنے دورِ حکومت کے عین عروج کے دنوں میں بنگال کی تقسیم کی تجویز پر غور و خوض کیا اور بعد میں کچھ عرصہ اس پر عمل بھی کیا گیا۔ اس وقت بھی بنگال کے مسلمان سیاسی طور پر خاصے باشعور ہو چکے تھے۔ بلکہ تقسیم بنگال محض انتظامی سہولتوں ہی کے پیش نظر نہیں کی گئی تھی بلکہ اس میں سیاسی بنیادوں کو بھی بے حد دخل تھا۔ اس سے بعد میں مسلم لیگ کا قیام بھی اسی خطے سے ہوا اور وہاں کے اکابرین نے آزادی کی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ پھر جب پاکستان معرضِ وجود میں آ گیا تو پاکستان کی ابتدائی حکومتوں نے مشرقی پاکستان کو برابر نمائندگی دینے کی بھرپور کوشش کی لیکن پھر رفتہ رفتہ مکانی فاصلے کئی طرح کی غلط فہمیوں کا موجب بننے لگے اور یہی نہیں بلکہ ان فاصلوں کو بڑھانے میں ہندوستان کی حکومتیں بھی بھرپور طور پر مصروفِ کار رہیں۔ اس طرح "مذہب کو قومیت اساس بنانے کا خواب رفتہ رفتہ پاش پاش ہونے لگا" اور اس کے ساتھ ہی زمینی بنیادیں بھی مشکوک

Marfat.com

ہوتی گئیں۔

پاکستان میں جب پہلی بار خصوصاً مشرقی پاکستان میں مسلم لیگ کو شکست ہوتی تو اس کے بعد تو متعدد سیاسی رہنماؤں اور سیاسی جماعتوں نے دانستہ طور پر اور بعض اوقات نادانستگی میں وحدت بنانے والے عناصر کے مقابلے میں وحدت کو توڑنے والے عناصر پہ اتنا زور دیا جانے لگا کہ اس سے یہ محسوس ہونے لگا کہ پاکستان ایک سالم ملک نہیں ہے بلکہ کئی متصادم علاقوں کا ایک قدرتی مجموعہ ہے۔ سیاسی جماعتوں اور سیاسی رہنماؤں نے پاکستان کے زمینی تشخص کی بنیادوں کی اہمیت کو رفتہ رفتہ کھونا شروع کر دیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی علاقائی تحریکوں کا بھی آغاز ہو چکا تھا۔ شاید اسی علاقائیت کی تقدیم کی خاطر وحدت پاکستان یعنی ون یونٹ قائم کیا گیا تھا۔

۱۹۵۶ء کے آئین سے پیشتر خواجہ ناظم الدین کے عہد گورنر جنرل میں "قراردادِ مقاصد" جو ایک طرح سے ایک ابتدائی آئین ہی کا درجہ رکھتی تھی، اس میں بھی یہ واضح طور پر کہا گیا تھا کہ پاکستان کی فیڈریشن میں، جو یونٹ وابستہ ہیں، انہیں خود مختاری حاصل ہوگی۔ اسی طرح جب آئین سازی کے لئے کسی طرح کا باقاعدہ کام شروع ہو چکا تھا تو مشرقی پاکستان کے سیاسی رہنماؤں نے اس پر طرح طرح کے اعتراضات کرنے شروع کر دیئے تھے کہ اردو پاکستان کی واحد قومی زبان نہیں ہونی چاہیئے، اسی طرح مشرقی پاکستان کی آبادی کی نسبت سے آئین میں مرکزی مجلس آئین ساز کے لئے نشستیں مقرر کی جائیں۔ بہرصورت ان اعتراضات کو کسی نہ کسی طرح رفع کیا گیا لیکن اس طرح ایک امر تو کھل کر واضح ہوا کہ پاکستان کی وحدت کے مذہبی رشتے سیاسی مصلحتوں کی جابجا بھینٹ چڑھنے لگے ہیں، پھر یہی نہیں بلکہ قائداعظم کے ایک نہایت معتمد ساتھی وزیراعظم پاکستان خان لیاقت علی خان

Marfat.com

بھی اسی طرح کی محلاتی اور سیاسی سازشوں کی بھینٹ چڑھ گئے۔

ملک میں ایک جانب علاقائیت یعنی "علاقے یا خطے کے بارے میں تعصب کی ایسی شدید صورت جس کے باعث ملت یا قوم کی کلی اور مرکزی حیثیت کو ثانوی حیثیت حاصل ہو جائے" اور لوگ اپنے علاقے کے مفادات کو سب سے پہلے سوچیں اور اس کو ہر شے پر مقدم جانیں" اس کے بھی منفی اثرات مرتب ہونے لگے تھے۔ اسی طرح علاقائی عصبیت میں زبانوں کے مسائل بھی ابھرنے لگے تھے بلکہ مجبوراً بنگالی زبان کو بھی سرکاری زبان قرار دے دیا گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی انگریزی زبان کو بھی نافذ رکھا گیا تھا۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ اگر بنگالی زبان کو مشرقی پاکستان کی سرکاری زبان اور اُردو کو مغربی پاکستان کی قومی زبان قرار دیا گیا تھا تو دونوں ملکوں میں ان زبانوں کی تدریس و تعلیم کے پہلی ہی جماعت سے انتظام کر دینا لازمی تھا لیکن اس جانب ہرگز توجہ نہیں دی گئی تھی۔ بہرصورت لسانی عصبیت بھی علاقائی تعصب ہی کی طرح سامنے آنے لگی تھی۔ بلکہ بانیٔ پاکستان حضرت قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی ہی میں مشرقی پاکستان میں ۱۹۴۸ء میں اُردو کے خلاف ہنگامہ اٹھا تھا تو اس فتنے کو فرو کرنے کے لئے انہیں خود وہاں جانا پڑا تھا اور انہوں نے فرمایا تھا کہ اُردو اور صرف اُردو ہی پاکستان کی سرکاری زبان ہوگی۔ قائداعظم نے یہ بھی فرمایا تھا کہ" اس صوبے میں دفتری استعمال کے لئے اس صوبے کے لوگ جو لسنی زبان بھی چاہیں، منتخب کر سکتے ہیں، یہ مسئلہ خالصتہً صرف اس صوبے کے لوگوں کی خواہشات کے مطابق حل ہوگا، البتہ پاکستان کی سرکاری زبان جو مملکت کے مختلف صوبوں کے درمیان افہام و تفہیم کا ذریعہ ہو، صرف ایک ہی ہو سکتی ہے اور وہ اُردو ہے۔

سیاست دانوں نے ان لسانی تعصبات کو ہوا دے کر وحدتِ پاکستان کو نقصان پہنچانا شروع کر دیا تھا۔ اُردو اور بنگالی کے اس قضیئے کے بعد مغربی پاکستان کے

Marfat.com

صوبوں میں بھی کسی حد تک یہ لسانی شعور ابھرنے لگا تھا۔

مارشل لاؔ کے نفاذ سے پیشتر چونکہ آئینی طور پر اسمبلی کو کوئی زیادہ مستحکم حیثیت نہیں مل سکی تھی، اس لئے مختلف عہدوں پر فائز لوگوں نے اپنے اختیارات کو جائز اور ناجائز استعمال کر کے قومی مفادات کو نقصان پہنچانا شروع کر دیا تھا۔ ملک میں رشوت ستانی، کنبہ پروری، بد دیانتی، بدعنوانی اور اسی طرح کی دیگر بُرائیوں نے بھی جنم لیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ سمگلنگ، چور بازاری اور ذخیرہ اندوزی وغیرہ بھی عام ہوتی گئی تھی۔ ملک میں سیاسی بحران اور وزارتوں کے عدم استحکام کے باعث ہر شعبے میں ایک طرح کی غیر یقینی حالت تھی، اس لئے دیگر بدعنوانیاں اور خود غرضیاں بھی عام ہونے لگی تھیں۔

ملک کے اندرونی منتشر حالات کے باعث بیرون ملک بھی پاکستان کا کوئی خاص تشخص نہ ابھر سکا۔ "ملک کی خارجہ پالیسی کہ جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ خارجی مسائل کو کسی نہ کسی طرح حل کیا جائے، اس کے لئے رہنما اصول یہ ہوتا ہے کہ وہ قومی اغراض و مقاصد اور نظریات کے تحفظ کی ضامن ہو۔" لیکن چونکہ پاکستان کے اندر ہی سیاسی اور سماجی حالات مخدوش تھے اور بقول ماہرین معاشی طور پر پاکستان کی بیشتر آبادی نیم انسانی ماحول میں زندگی بسر کر رہی تھی، ان حالات میں خارجی پالیسی کا کوئی واضح تشخص ابھرنا ناممکن ہو چکا تھا۔ بلکہ "مشرقی پاکستان کے بارے میں تو خاص طور پر کانگریسی لیڈروں کا یہ خیال رہا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ پاکستان کا یہ حصّہ بھارت کے قریب تر ہوتا جائے گا اور پھر ایک وقت ایسا آئے گا کہ مشرقی پاکستان بھارت میں شامل ہو جائے گا۔" اس کے باوجود پاکستانی حکومتیں اور سیاست دان اپنے کردار و عمل سے داخلی اور خارجی امور کو سہارا نہ دے سکے۔

چونکہ پاکستان میں قائداعظم محمد علی جناح کی وفات کے بعد کسی بھی حکومت کو

Marfat.com

ابتدائی برسوں میں استحکام نصیب نہ ہوسکا اس لئے زندگی کے قریباً تمام شعبوں میں انفرا تفریح کا عالم تھا۔ تعلیمی، اقتصادی، صنعتی، تجارتی، عدالتی اور معاشرتی امور اور ان کی ترقی میں چنداں توجہ نہیں دی گئی تھی۔

ان تمام اسباب کے ساتھ ساتھ ملک کو گو ۱۹۵۶ء میں ایک نیا آئین تو دے دیا گیا تھا لیکن اس میں صدر مملکت کی جا بجا غیر ضروری مداخلت جاری رہی تھی، اس طرح ملک کی وزراتی ذمہ داریوں کی بجاآوری میں انصاف نہیں ہوسکتا تھا۔ اس آئین میں اپنی تبدیلیوں ہی کے باعث عوام اور عوام کی صورتِ حال غیر مطمئن رہی۔ اسی طرح ۱۹۵۶ء کے آئین کے نفاذ کے باوجود ملک میں نئے انتخابات نہیں کرائے گئے تھے۔ اس طرح بھی حکومت پر سے لوگوں کا اعتماد اٹھنے لگا تھا۔ یہی نہیں بلکہ دوسری جانب افسر شاہی حکومتی پالیسیوں پر واضح طور پر اثر انداز ہونے لگی تھی۔

پاکستان کے قیام کو قریباً دس سال کا عرصہ بیت چکا تھا لیکن پاکستان کی حالت یکسر مائل بہ تنزل اور غیر تسلی بخش ہو رہی تھی۔ ہندوستان اور اندرونی صوبائی مخالفتوں نے حکمرانوں کے رویوں کو شدید تر بنا دیا تھا۔ اور اسی باعث دیگر موجود سیاسی جماعتوں میں سے بھی معقول اور متوازن قیادت نہیں ابھر سکی تھی، جو بزرگ سیاست دان تھے وہ انتہا پسند تھے اور انہوں نے تو اس سے پیشتر ہی صوبائی مسائل عصبیت کو ہوا دے رکھی تھی۔

خان لیاقت علی خاں نے قائداعظم محمد علی جناح کی وفات کے بعد تمام سیاسی اور انتظامی اختیارات اور ریاستی امور گورنر جنرل کے دائرہ اختیار سے نکال کر اپنے ہاتھ میں لے لئے تھے۔ اسی طرح کابینہ پر بھی ان کا اتنا کنٹرول رہتا تھا۔ یہاں تک کہ انہوں نے بعض امور میں وزراء کا مشورہ لینا بھی ترک کر دیا تھا اس طرح کئی بڑے بڑے فیصلے وہ تن تنہا کرنے لگے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی

Marfat.com

حکومت کے خلاف بعض اعلیٰ افسروں نے ایک سازش بھی تیار کر لی تھی۔ اس سازش کو راولپنڈی سازش کا نام دیا جاتا ہے۔

جب لیاقت علی خاں اسی طرح ایک سازش اور سیاسی انتشار کے باعث شہید ہو گئے تو خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم ہوتے اور ملک غلام محمد خاں کو گورنر جنرل مقرر کیا گیا۔ ماہرین کے مطابق ملک غلام محمد خاں آمرانہ ذہن رکھتے تھے اس لئے وزارت ناکام ہو گئی۔ اسی دور میں ان آمرانہ پالیسیوں کے نتیجے میں صوبائی تعصبات نے سر اٹھا لیا تھا، حتیٰ کہ ان تعصبات کے ساتھ بعض صوبوں کے لوگوں اور مقتدر وڈیروں نے آئین اور قانون کی پامالی بھی کرنی شروع کر دی۔ ملک میں بدامنی پھیل گئی تھی، اس لئے وزارت کے خلاف مظاہرے ہونے لگے۔ اس عہد میں مرزائیوں کے خلاف بھی کارروائی کا آغاز ہو گیا تھا کیونکہ اس دوران میں جب سر ظفر اللہ خاں وزارت میں شامل تھے "مرزائیوں نے مذہبی قیادت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی سیاسی قیادت کے لئے بھی پَر پرزے نکالنے شروع کر دیئے تھے"۔ پھر یہی نہیں بلکہ کانگرسی رہنما پنڈت جواہر لال نہرو بھی در پردہ اس جماعت کی سرپرستی کرتے رہے تھے۔ اس لئے مرزائیوں کو ایک اقلیت قرار دینے پر اصرار کیا جانے لگا تھا، لیکن یہ جماعت اس قدر منظم اور کانگرس کی آشیرباد کے تحت کام کر رہی تھی۔ اس لئے اس نے مرکزی حکومت کو نشانہ بنایا۔ ملک میں ہنگامے ہونے لگے تو حکومت نے ان ہنگاموں پر قابو پانے کے لئے پنجاب میں مارشل لا لگا دیا۔ اس کے بعد پنجاب میں گورنر راج کا نفاذ کرنا پڑا۔

۱۹۵۳ء میں ملک میں دیگر کئی سیاسی اور سماجی مسائل کے ساتھ ساتھ غذائی صورت حال نازک ہو گئی تھی، لہٰذا گورنر جنرل غلام محمد نے محمد علی بوگرہ کو وزارتِ عظمیٰ دے دی تھی۔ محمد علی بوگرہ کو یہ عہدہ ان کی توقع کے خلاف دیا گیا تھا، اس لئے

Marfat.com

گورنر جنرل غلام محمد نے ارکانِ اسمبلی کا انتخاب بھی خود ہی کر لیا تھا اور انہیں مختلف محکمے بھی خود ہی تفویض کر دیئے تھے، لہٰذا محمد علی بوگرہ کی پہلی وزارت جو سراسر گورنر جنرل ہی کی بنائی ہوئی تھی وہ ناکام ہو گئی تو محمد علی بوگرہ کو ایک بار پھر دوبارہ وزارت بنانے کی دعوت دی گئی۔ اس وزارت میں سکندر مرزا (وزیر داخلہ) جنرل ایوب خاں (وزیر دفاع) اور حسین شہید سہروردی (وزیر قانون) بنائے گئے۔ ان کے علاوہ ایم اے ایچ اصفہانی، کرنل عابد حسین، محمد علی چودھری، سردار امیر اعظم خاں، ڈاکٹر خاں، ابوحسین سرکار، مرتضیٰ رضا، حبیب رحمت اللہ، غلام علی تالپور، غیاث الدین پٹھان، اور ڈاکٹر اے ایم مالک بھی وزارت میں شامل تھے۔ ماہرین کے نزدیک یہ کابینہ اجتماعِ ضدین تھی۔

محمد علی بوگرہ کی وزارت میں پاکستان کے بیرونی دنیا کے تعلقات میں ایک طرح کی خوشگوار تبدیلی پیدا ہوئی۔ اسی دور میں پاکستان سیٹو میں شامل ہوا لیکن دوسری جانب سینٹو کے قیام سے بعض اسلامی ممالک اور روس پاکستان کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھنے لگے تھے۔

۲۵ر جولائی ۱۹۵۵ء کو گورنر جنرل ملک غلام محمد رخصت پر چلے گئے تھے تو پھر سکندر مرزا گورنر جنرل مقرر ہوئے۔ اس سے پیشتر ۱۱ر اگست ۱۹۵۵ء کو چودھری محمد علی وزیر اعظم مقرر ہوئے۔ چودھری محمد علی کی وزارت کا سب سے بڑا کارنامہ یہی تھا کہ اس عہد میں پاکستان کا پہلا باضابطہ آئین ترتیب دے کر نافذ کیا گیا۔ لیکن وہ ملکی اقتصادی صورتِ حال کو سہارا نہیں دے سکے تھے۔ چودھری محمد علی کے بعد جناب حسین شہید سہروردی نے چارج سنبھالا۔ سہروردی کے دور میں نہر سویز کے حوالے سے پاکستان اور مصر سمیت کئی عرب ممالک کے تعلقات ناخوشگوار ہو گئے تھے۔ خلاصتہً اس دور میں پاکستان مکمل طور پر مغربی ممالک کی گود میں

Marfat.com

چلا گیا تھا۔ سہروردی کی حکومت قریباً ایک سال تک قائم رہی۔ اس کے بعد ابراہیم اسماعیل چندریگر اور ملک فیروز خاں نون نے یکے بعد دیگرے وزارت کے عہدے سنبھالے لیکن وہ بھی بگڑتے ہوئے حالات کو سنبھالا نہ دے سکے، جس کے نتیجے میں بالآخر میجر جنرل سکندر مرزا نے ملک میں ہنگامی حالات کا اعلان کر کے مارشل لا" نافذ کر دیا۔ یہ ساری صورت حال بہر صورت تشویشناک تھی۔

پاکستان کے انہی حالات اور ابتدائی حکومتوں کے کردار و عمل کے بارے میں نشتر نے "آزادی کی کہانی میری زبانی" میں کچھ روشنی ڈالی ہے۔ انہوں نے اس دور کے حوالے سے فرمایا کہ "مجھے قیام پاکستان کے بعد جس چیز کا افسوس تھا اور رہے گا، وہ مسلم لیگ کا کردار ہے۔ پاکستان بنتے ہی یہ جماعت ریشہ دوانیوں کا شکار ہو گئی۔ اس جماعت نے وہ سپرٹ کھو دی جس کی بنیاد پر پاکستان بنا تھا"۔ اس کے بعد انہوں نے بنگال یعنی مشرقی پاکستان میں علاقائی عصبیت اور مغربی پاکستان کے چھوٹے صوبوں میں معاشی ناہمواریوں پر بھی روشنی ڈالی۔ اسی طرح انہوں نے پاکستانی فوج کی ذمے داریوں کا ذکر کیا اور اس حوالے سے کہا کہ حالات جیسے بھی ہوں "پاکستان کی افواج کو سیاست میں ملوث نہیں ہونا چاہیئے"۔

سردار عبدالرب نشتر نے دو ٹوک الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ "مجھے کچھ شبہ لگتا ہے کہ پاکستان کی بری فوج کے سربراہ ایوب خاں سیاست میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ انہوں نے کئی بار ایسی جگہوں پر جہاں ان کی بات نوٹ کی جاتی ہے کہا کہ پاکستان میں سویلین حکومت نہیں چلا سکتے"۔

میجر جنرل سکندر مرزا نے ملک میں مارشل لا نافذ کر کے پاکستان کے کمانڈر انچیف جنرل محمد ایوب خاں کو ناظم اعلیٰ مارشل لا مقرر کر دیا تھا لیکن جنرل محمد ایوب خاں نے اس صورتِ حال کا دیگر سیاست دانوں کے ساتھ ساتھ سکندر مرزا کو بھی

Marfat.com

ذمے دار سمجھا بلکہ سکندر مرزا نے اب بھی اختیارات کو اپنے ہاتھ میں رکھنے کے لیے فوجی افسروں میں سازشیں کرنی شروع کر دی تھیں۔ جب اس صورت حال کی جنرل ایوب خاں کو خبر ہوئی تو انہوں نے اپنے ساتھی جرنیلوں کی مدد سے سکندر مرزا سے زبردستی استعفیٰ لے لیا۔" چنانچہ ۲۸ر اکتوبر ۱۹۵۸ء کو جنرل محمد ایوب خاں اقتدار پر پوری طرح براجمان ہو گئے۔"

انقلابی حکومت کے اقدامات

جنرل محمد ایوب خاں کی قیادت میں مارشل لا انتظامیہ نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالتے ہی ملکی نظم و نسق کو بہتر بناتے پر خصوصی توجہ دینی شروع کر دی۔ سب سے پہلے تو مارشل لا کے زور سے امن و امان کی صورت پیدا کی اور اس کے ساتھ ہی ان جرائم کا خاتمہ کرنے کے اقدام اٹھائے جن کے باعث سابقہ حکومتوں کو ناکامی اور انتشار کا شکار ہونا پڑا تھا۔ مارشل لا کے فوری ضوابط کے تحت متعدد اخلاقی اور سماجی جرائم کے خاتمے کے انتظامات بھی کئے گئے۔

آغازِ کار میں مارشل لا حکومت نے سمگلنگ اور رشوت ستانی کی لعنت کے خاتمے کے اقدامات کئے اور پھر قیمتوں کو کنٹرول کرنے پر توجہ دی۔ اسی طرح بونس سکیم اور انعامی بانڈ کی سکیم کا آغاز کیا گیا۔ ماہرین کی مدد سے دیگر مسائل حل کرنے کے منصوبوں کا آغاز کیا اور مہاجرین کی آبادکاری کے لئے چند ایک فوری سکیمیں بنائی گئیں۔

(۱) جنرل محمد ایوب خاں کی انقلابی فوجی حکومت نے تعلیمی، قانونی، مالیاتی، زرعی اور اصلاحی اصلاحات پر توجہ مرتکز کی اور اسی طرح بنیادی جمہوریتوں کے نظام کی بنیاد رکھی۔ دسمبر ۱۹۵۸ء میں تعلیمی کمیشن قائم کیا گیا اور اس قومی تعلیمی کمیشن نے

Marfat.com

۲۶ر اگست ۱۹۵۹ء کو اپنی رپورٹ پیش کی۔ اس تعلیمی قومی کمیشن نے سفارش کی کہ اسلامی ضابطہ حیات پر کاربند معاشرہ قائم کیا جائے، اور معاشرے میں باہمی اخوت، عزتِ نفس اور احترام آدمیت کے جذبات اور تقاضوں کو اہمیت دی جائے۔ عوام میں قومی جذبات بیدار کرنے کا شعور پیدا کیا جائے اور ملک کو ایک فلاحی مملکت بنانے کے لئے حالات سازگار بنائے جائیں۔ ملک میں فنی اور تکنیکی تعلیم کے بھی خاطر خواہ بندوبست کئے جائیں۔ کمیشن نے یہ بھی سفارش کی کہ ابتدائی تعلیم لازمی قرار دی جائے۔ اسی طرح ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے طلبہ اور اساتذہ کو ہر طرح کی تعلیمی اور تحقیقی سہولتیں بھی فراہم کی جائیں۔ ملک بھر میں ثانوی اور اعلیٰ ثانوی تعلیم کے بورڈ قائم کرنے کی بھی سفارش کی گئی تھی۔ طلبہ کی پیشہ وارانہ تعلیم و تربیت کیلئے بھی تعلیمی اور تحقیقی اداروں کے قیام کا بھی ذکر کیا گیا تھا۔ اس معمول کی تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ طالب علموں کی جسمانی نشوونما اور تعلیم، تعلیم نسواں، تعلیم بالغاں، تعلیم عساکر اور معذوروں کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے بھی کئی سفارشات کی گئی تھیں۔ بہرصورت تعلیمی میدان میں اس کمیشن کی سفارشات پر کام شروع کر دیا گیا تھا۔

(۲) ملک میں زرعی اصلاحات کے لئے جو کمیشن بنایا گیا اس نے بھی ملکی معیشت اور زراعت کی اہمیت اور اسے ترقی دینے کے لئے متعدد سفارشات پیش کیں۔ ان سفارشات میں سب سے پہلے زمین کی حدِ ملکیت مقرر کر دی گئی۔ اس طرح بڑی جاگیر داریوں اور وڈیروں کو اپنے وارثوں کے نام زمینیں منتقل کرنے کی سہولت میسّر آ گئی۔ ایک ملکیت میں پانچ سو ایکڑ نہری یا ایک ہزار ایکڑ بارانی زمین کی حد مقرر کر دی گئی تھی اور مزارعین کو اس رقبے کی آسان قسطوں پر قیمت ادا کرنے کی سہولت دی گئی۔

ان زرعی اصلاحات میں بیگار سے نجات، بے دخلیوں سے تحفظ، زمین کی

Marfat.com

تقسیم در تقسیم کے خاتمہ، اوقاف اور اشتمال اراضی کے پہلوؤں کو بھی مدِنظر رکھا گیا تھا۔

ان اصلاحات کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ حکومت کے قبضہ میں کم و بیش پچیس لاکھ ایکڑ زمین آگئی۔ اسی طرح حکومت کی مالیاتی آمدنی میں بھی اضافہ ہوا۔ اسی دوران میں حکومت نے ۱۹۵۹ء میں ایک قانون بنا دیا کہ اگر کسی زمین کو کوئی زمیندار یا مالک دو سال تک یا اس سے زائد عرصہ کاشت نہیں کرے گا تو ایک تنبیہ کے بعد اس کی یہ زمین سرکاری تحویل میں لے لی جائے گی۔ حکومت کے اس قانون کے باعث زمینداروں اور وڈیروں میں ہر قطعۂ زمین کو ہر سال کاشت کرنے کا رجحان پیدا ہوا جس کی بدولت پیداواری استعداد میں اضافہ بھی ہوا اور زمینی زرخیزیاں بھی رنگ لانے لگیں۔

ان زرعی اصلاحات کی بدولت ملک میں بنیادی معاشرتی تبدیلیاں بھی رونما ہونے لگیں۔ دیہی زندگی کا معیار زندگی بھی رفتہ رفتہ بلند ہونے لگا۔ کاشت کاروں کی زندگی اور زراعت کا معیار بلند ہوتا گیا۔ کاشت کار خوشحال ہونے لگے اور انہوں نے مزید زرعی ترقی پر توجہ دینی شروع کر دی۔ یہی نہیں بلکہ زرعی اصلاحات کی بدولت لوگوں کی سیاسی زندگی پر بھی خوشگوار اثرات مرتب ہوئے۔ مزارعین غلامی کے چنگل سے نکل کر رفتہ رفتہ خود ذمے دار زمیندار بننے لگے۔

(۳) جنرل محمد ایوب خاں نے قانونی اصلاحات کے لئے جو کمیشن مقرر کیا تھا اس نے جو سفارشات مرتب کیں، ان کے تحت عدالتی اختیارات، تقرریوں، پیشہ ورانہ قانونی تعلیم، قانونی قابلیت، دیوانی اور فوجداری عدالتوں کے طریق کار کا جائزہ لیا گیا تھا اور پھر یہ طے پایا تھا کہ ملک میں رفتہ رفتہ اسلامی قوانین اپنانے کا آغاز کر دیا جائے اور تمام قوانین اسلامی ڈھانچے کے مطابق ڈھالے جائیں۔

Marfat.com

عدلیہ کو بہتر طور پر فرائض ادا کرنے کے لئے عدلیہ اور انتظامیہ کو الگ الگ کر دیا گیا تھا۔ عائلی قوانین اور مقدمات کی سماعت کے لئے ملک میں بعض مخصوص عدالتیں قائم کر دی گئیں، یہی نہیں بلکہ مقدمات کے فیصلہ کے لئے وقت اور مدت کا تعین بھی کر دیا گیا تھا۔ اسی طرح عدالتی طریق کار کو غیر ضروری پیچیدگیوں اور پردے داریوں سے نجات دلا کر انصاف کے تقاضے زیادہ آسانی سے پورے کرنے کی سہولتیں فراہم کی گئیں۔ لوگوں کی مالی مشکلات کو پیش نظر کئی عدالتوں کے اخراجات اور ان کی فیسوں میں بھی کمی کا اعلان کر دیا گیا تھا۔

عدالتی اور قانونی اصلاحات ہی کے حوالے سے لوگوں کو انسانی اور شخصی سطح پر عزت بخشنے کے لئے بعض مخصوص حالات کے سوا ہتھکڑی لگانے سے آزاد کر دیا گیا۔ اسی طرح عدالتوں میں ضمانت پر رہائی کے نظام اور طریق کار کو سہل بنا دیا گیا۔

(۴) مالیاتی کمیشن کے پیش نظر چونکہ زیادہ مشکل اور پیچیدہ کام تھا اس لئے اس کمیشن نے اپنی سفارشات جنوری ۱۹۶۲ء میں پیش کیں۔ ویسے بھی اس کمیشن کے قیام کی جانب ذرا تاخیر ہی سے توجہ دی گئی تھی۔ اس کمیشن نے سفارش کی تھی کہ مرکزی حکومت انکم ٹیکس وصول کر کے خالص آمدنی کا پچاس فی صد صوبوں کو دے دیا کرے۔ اسی طرح انکم ٹیکس کی خالص آمدنی کا پچاس فی صد حصہ صوبائی حکومتوں کے لئے مقرر کر دیا گیا تھا لہٰذا مغربی پاکستان کو چھیالیس فی صد اور مشرقی پاکستان کو چوّن فی صد حصہ ملنے لگا تھا۔ برآمدی محصول کے حوالے سے پٹ سن پر حاصل ہونے والا درآمدی محصول مشرقی پاکستان کو اور کپاس کی برآمد پر حاصل ہونے والا محصول مغربی پاکستان کے لئے مختص کر دیا گیا۔ بکری ٹیکس کے تیس فی صد حصہ میں ہر صوبہ کے لئے اس کے جمع کردہ ٹیکس کے حوالے سے حصہ مقرر کر دیا گیا۔

Marfat.com

باقی ستر فی صد بکری ٹیکس کی آمدنی ملک کے دونوں بازوؤں کی آبادی کے تناسب سے تقسیم کرنے کا کلیہ بنایا گیا۔

بنیادی جمہوریتوں کا نظام

اگرچہ جنرل محمد ایوب خاں نے چند ایک اصلاحات نافذ کر کے لوگوں کو اصلاحات کے ثمرات سے بہرہ ور ہونے کی راہ دکھا دی تھی لیکن اس کے باوجود پاکستان کے عوام ابھی مزید آدرشوں اور امنگوں کو سینے میں لئے ہوئے تھے۔ اسی عہد میں جنرل ایوب خاں نے لیبر اصلاحات نافذ کر کے بے شمار صنعتی تنازعات کا خاتمہ کر دیا تھا اور مزدور اور محنت کش طبقہ کی پریشانیاں دور کرنے اور آجر کو بھی پیداواری تحفظات فراہم کرنے کے لئے ایک ہنگامی قانون بنا دیا تھا۔ اس مقصد کے لئے کئی ایک صنعتی عدالتیں بھی قائم کر دی گئی تھیں۔ مزدوروں اور محنت کشوں کو اپنی ٹریڈ یونینیں بنانے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ اور بعض صورتوں میں مزدوروں کے معاوضوں کے ضمن میں بھی کچھ پیش رفت کر لی تھی، لیکن آجر اور آجیر کے تعلقات کو بھی خوشگوار رکھنے کے انتظامات کئے گئے تھے۔

عوام الناس کو براہِ راست بعض سہولتوں اور نعمتوں سے فیض یاب کرنے کی غرض سے تعلیمی، عدالتی، سماجی، قانونی، زرعی اور مالیاتی اصلاحات سے مستفید ہونے کے ساتھ ساتھ ملک میں طبی سہولتوں کو بھی توسیع دی گئی تھی۔ ان طبی سہولتوں کے دائرہِ کار کو کارخانوں اور فیکٹریوں تک بھی بڑھا دیا گیا تھا۔ لوگوں کو طبی تعلیم کی مزید سہولتیں فراہم کرنے کی خاطر میڈیکل کالجوں کی تعداد میں اضافہ کر دیا گیا تھا۔

ان تمام ابتدائی ضروری اصلاحات کے بعد مارشل لا حکومت نے اب یہ محسوس کر لیا تھا کہ پاکستان کے عوام اور لوگوں کو براہِ راست اپنے کاموں میں شریک

Marfat.com

کرنے کے لئے کسی مزید با اعتماد نظام کی ضرورت ہے، لہٰذا اسی مقصد کے لئے جنرل ایوب خاں نے ملک میں بنیادی جمہوریتوں کے نظام کا آغاز کیا۔

بنیادی جمہوریتوں کے نظام کا خاکہ

چونکہ بنیادی جمہوریتوں کے قیام کا مقصد ہی یہی تھا کہ چھوٹی سے چھوٹی سطح پر بھی لوگوں کی حکومتی انتظام و انصرام میں شرکت ہو، لہٰذا ہر دیہاتی علاقے کو آبادی کے لحاظ سے تقسیم کر کے یونین کونسلوں کا قیام عمل میں لایا گیا۔ ان کونسلوں کے ارکان براہ راست ووٹوں کے ذریعے منتخب کئے جاتے تھے۔ ضلعی سطح پر ڈسٹرکٹ کونسلیں قائم کی گئیں اور ان کونسلوں کے سپرد ڈسٹرکٹ بورڈز کے تمام فرائض سونپ دیئے گئے۔ شہروں میں میونسپل کمیٹیوں اور کارپوریشنوں کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔ اور پھر بعد میں انہی بنیادی کونسلوں کے نمائندوں کو انتخابی ادارے کی بھی حیثیت دے دی گئی تھی۔

بنیادی جمہوریتوں کے اس نظام کے تحت چونکہ عوامی نمائندوں کے چناؤ کا ایک نیا طریقہ رائج کیا گیا تھا، اس لئے عوام اور حکومتی نمائندوں کے درمیان باہمی تعاون پیدا ہونے لگا تھا۔ عوام میں بھی سوجھ بوجھ پیدا ہونے لگی تھی۔ اس نظام کو آبادی کے چھوٹے چھوٹے حلقوں میں بانٹا گیا تھا۔ اس طرح حکومت کو چھوٹی چھوٹی سطح کے چھوٹے چھوٹے مسائل سے بھی آگہی ہونے لگی۔ اس نظام کے تحت لوگوں کو اپنی سطح کے نمائندے چننے کا حق دیا گیا تھا۔

یونین کونسل کو بنیادی جمہوریتوں کے سب سے ابتدائی ادارے کی حیثیت حاصل تھی۔ اس میں ہر ایک ہزار افراد براہ راست بالغ رائے دہی سے ایک نمائندہ منتخب کر سکتا تھا۔ ہر یونین کونسل کو اپنے علاقے کے امور اور مسائل حل کرنے

Marfat.com

کے اختیارات دیئے گئے تھے۔

بنیادی جمہوریتوں کے نظام کی دوسری سطح تحصیل کونسل یا تھانہ کونسل کی تھی۔ تھانہ کونسلیں مشرقی پاکستان میں بنائی جاتی تھیں۔ ایسی کونسلیں یونین کمیٹیوں، قصبوں اور ٹاؤن کمیٹیوں کے کام کی نگرانی اور دیکھ بھال کرتی تھیں۔ ان کے بعد ڈسٹرکٹ کونسلیں تھیں۔ ڈسٹرکٹ کونسلوں کے ارکان حکومتی ہوتے تھے اور ان کے اختیارات قدرے وسیع تھے، یعنی سڑکوں اور تالابوں کی تعمیر، پرائمری سکولوں کا قیام، لائبریریوں کا قیام، چھوٹی سطح کے ہسپتالوں اور ڈسپنسریوں کا قیام، اور لوگوں کو پینے کے پانی کی سہولتیں فراہم کرنا شامل تھا۔ اس کے علاوہ باہمی تعاون کو فروغ دینا بھی شامل تھا۔

اسی بنیادی جمہوریتوں کے نظام کی بڑی اکائی ڈویژنل کونسل تھی۔ اس کا سربراہ ڈویژنل کمشنر ہوتا تھا، جس طرح حکومت کے انتظامی امور اس کے ماتحت تھے، اسی طرح یونین کونسلوں کا نظام بھی اسی کے تحت تھا۔ ڈویژنل کونسل میں سرکاری ارکان کے علاوہ غیر سرکاری ارکان بھی شامل تھے۔ اس کونسل کے اختیارات میں ڈویژن کے مختلف محکموں کی جانچ پڑتال، مقامی کونسلوں، میونسپل کمیٹیوں سے ربط و ضبط رکھنا وغیرہ تھا۔

بنیادی جمہوریتوں کا نظام ایک درجہ بدرجہ نظام تھا کہ جس میں جابجا عوامی ارکان اور نمائندوں کا بھی پورا پورا عمل دخل تھا۔ اس طرح لوگوں کو اپنے نمائندے منتخب کرنے کا شعور پیدا ہو گیا تھا۔ محلوں، قصبوں اور تحصیل سطح پر بھی ترقیاتی اور فلاحی کاموں کا آغاز ہو گیا تھا۔ آب رسانی کا ہر سطح پر نظام بہتر ہونے لگا تھا۔ چھوٹے موٹے باہمی جھگڑے اور آویزشیں رفتہ رفتہ باہمی صلاح مشورے سے حل ہونے لگے تھے۔ ان کے علاوہ متعدد معاشرتی، معاشی اور سیاسی مسائل بھی کسی نہ کسی حد تک حل ہونے لگے تھے۔

Marfat.com

انسدادی کارروائیاں

ملک میں سیاسی ریشہ دوانیوں اور جوڑ توڑ کے باعث سیاست دانوں کے عزائم ایک حد تک ملکی سالمیت اور استحکام پر بھی اثر انداز ہونے لگے تھے۔ اس لئے انقلابی فوجی حکومت نے مارشل لا کے نفاذ کے ساتھ ہی تمام سیاسی جماعتوں کو غیر قانونی اور کالعدم قرار دے دیا تھا۔ ان کے دفاتر سربمہر کر دیئے تھے۔ ان کی املاک کو ضبط کر لیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ سیاست دانوں کی بدعنوانیوں اور ان کی ملک دشمن سرگرمیوں کے باعث سزا کے طور پر انہیں "ایبڈو" قرار دے دیا گیا۔ اسی طرح سابقہ وزیروں اور سیاسی جماعتوں کی دھاندلیوں کی تفتیش و تحقیق کے لئے خصوصی عدالتیں قائم کر دی گئی تھیں، اس لئے جن لوگوں پر بدعنوانیاں ثابت ہوتی تھیں، انہیں چھ سال کے لئے سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے سے محروم کر دیا گیا تھا۔

پہلی حکومتوں کے دوران چونکہ افسر شاہی نے بھی اپنی من مانیوں سے مختلف محکموں اور ان کی کارکردگی کو بُری طرح سے متاثر کیا تھا، اس لئے ایسے افسران کے خلاف شدید کارروائیاں کی گئیں۔

ابتدائی برسوں میں کراچی کو پاکستان کا دارالحکومت بنانا ضروری بھی تھا اور اس کی تجارتی اور معاشرتی زندگی سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا تھا، لیکن اب انتظامی امور کی بجا آوری کے لئے کسی زیادہ پُرامن اور مامون و محفوظ جگہ کی ضرورت تھی۔ اس امر پر جنرل محمد ایوب سے پیشتر بھی غور و خوض کیا جا چکا تھا کہ ملک کا دارالحکومت کراچی سے تبدیل کر دیا جائے۔ لہٰذا جنرل محمد ایوب خاں نے راولپنڈی کے قریب سرسبز اور معطر وادی میں پاکستان کا دارالحکومت بنانے کا فیصلہ کیا۔ اس نئے دارالحکومت کو خاص اسلامی ملک کا نمائندہ شہر بنانے کے

Marfat.com

حوالے سے اسلام آباد کا نام دیا گیا۔ رفتہ رفتہ ملک کا دارالحکومت کراچی سے اسلام آباد منتقل کر دیا گیا۔

جنرل محمد ایوب خاں نے انقلابی حکومت کے ترقیاتی اقدامات کے طور پر اور ہمہ پہلو اصلاحات نافذ کرنے کی خاطر تقریباً تیس کمیشن قائم کئے تھے تاکہ ان کی رپورٹوں اور سفارشات کے مطابق کام کیا جا سکے، چنانچہ ان کمشنوں کی سفارشات کے مطابق کم و بیش زندگی کے تمام شعبوں میں اصلاحات کا آغاز کر دیا گیا تھا۔

چونکہ ہندوستان کی حکومت نے پاکستان کے دریاؤں اور نہروں کے پانی بند کر کے پاکستان کو نقصان پہنچانا شروع کر رکھا تھا۔ دو ایک برائے نام معاہدے بھی اس ضمن میں دونوں ملکوں میں ہو گئے تھے۔ اس کے باوجود حکومتِ ہندوستان نے پاکستانی دریاؤں کو خشک کرنے اور خشک رکھنے کے لئے اپنی حدود کے اندر کئی بند اور ڈیم بنانے کے منصوبے بنا لئے تھے، اس لئے پاکستان کے لئے مشکلات سامنے کھڑی تھیں۔ جنرل محمد ایوب خاں نے نہری پانی کے تنازعے کو ختم کرنے کے لئے ۱۹۶۰ء میں عالمی بینک کے تعاون سے ہندوستان کے ساتھ "سندھ طاس کا معاہدہ" کر لیا۔ اس معاہدے کی رو سے ستلج، راوی اور بیاس پر ہندوستان کا، اور جہلم، سندھ، چناب پر پاکستان کا قبضہ تسلیم کر لیا گیا تھا اور معاہدے میں یہ بھی طے پایا گیا تھا کہ ہندوستان مقبوضہ کشمیر میں سے پاکستان میں داخل ہونے والے دریاؤں کے پانی کو نہیں روکے گا اور نہ ہی ان پر ڈیم اور بند تعمیر کرے گا۔ اسی معاہدے کے معاون ملکوں آسٹریلیا، کینیڈا، نیوزی لینڈ، برطانیہ، مغربی جرمنی اور امریکہ نے پاکستان کو امداد فراہم کر کے دو بند اور چار سو میل لمبی نہریں کھودنے کا منصوبہ بھی بنا دیا تھا۔ بہرصورت اس طرح ایک حد تک نہری پانی کا تنازعہ ختم ہو گیا تھا۔

Marfat.com

آئینی کمیشن کا قیام

جنرل محمد ایوب خاں نے جب دیگر شعبوں میں ابتدائی سطح کی اصلاحات کا نفاذ کر دیا تو اس کے بعد ملک کو ایک نیا آئین دینے کے بھی کام کرنے پر توجہ دی۔ لہٰذا اس مقصد کے لئے ۱۷ر فروری ۱۹۶۰ء کو ایک آئینی کمیشن جسٹس شہاب الدین کی سربراہی میں قائم کیا۔ اس کمیشن میں ملک کے مختلف حصّوں سے بھی دس منتخبہ ارکان کو بطور ممبر کمیشن کے شامل کیا گیا تھا۔ اس کمیشن کو بنیادی طور پر پاکستان میں پارلیمانی نظام کی ناکامی کے اسباب کا جائزہ لینے اور اسباب کا تدارک کرنے کی خاطر سفارشات کرنے اور عوام کے ذہنی معیار، حالت، تعلیم، جذبہ قومیت، اقتصادی اور سماجی ضروریات اور آغاز انقلاب سے اب تک ہونے والی آئینی ارتقائی کوششوں کو پیشِ نظر رکھ کر آئینی تجاویز پیش کرنے کا اہم کام بھی سونپا گیا تھا۔

اس آئینی کمیشن نے ملک کو پہلے سے بہتر آئین ترتیب دینے کی خاطر پاکستان کے تمام عوام کی ضروریات کو پیش نظر رکھا۔ لہٰذا کمیشن نے سب سے پہلے لوگوں کو آئین کے بارے میں رائے حاصل کرنے اور آئینی تجاویز کے لئے ایک سوالنامہ انگریزی، اُردو اور بنگالی زبان میں تیار کر کے اسے اٹھائیس ہزار کی تعداد میں ماہرین اور لوگوں تک بذریعہ ڈویژنل کمشنرز جاری کیا۔ ان سوالناموں کے تقریباً ۶۲۸۹ لوگوں نے جوابات دیئے۔ آئینی کمیشن کے ارکان نے دستوری مسائل سے دلچسپی رکھنے والے ماہرین اور سیاست دانوں کے پاس جا کر بھی ان سے انٹرویو کئے اور پھر پوری زیرک نظری کے ساتھ تجزیہ کر کے ایک رپورٹ اور اپنی سفارشات مرتب کیں۔

آئینی کمیشن نے اپنی رپورٹ ۶ر مئی ۱۹۶۱ء کو پیش کر دی تھی۔ "اس رپورٹ میں

Marfat.com

پارلیمانی حکومت کی ناکامی کی وجہ ملک میں ہر دلعزیز اور مخلص قیادت کا فقدان بتائی گئی تھی۔ کمیشن کے مطابق قیادت کے فقدان کا نتیجہ یہ نکلا کہ کما حقہٗ منظم اور ضبط کی خوگر سیاسی پارٹیاں معرضِ وجود میں نہ آسکیں اور ملک میں جمہوریت کی ناکامی وانتشار کا سب سے بنیادی سبب سیاسی رہنماؤں میں ایمان و اخلاص کا فقدان تھا۔"

جسٹس شہاب الدین کی سربراہی میں آئینی کمیشن نے اپنی سفارشات میں یہ بھی لکھا تھا کہ قومی سالمیت کے لئے یہ ضروری ہے کہ ملک میں پارلیمانی نظام ہی رائج کیا جائے اور نظام حکومت صدارتی ہو۔ ملک کے اندر ایک خود مختار مقننہ ہو جس کے بنائے ہوئے قوانین کی حکمران بھی پابندی کریں۔ مقننہ کے افراد ذاتی مفادات سے بالاتر ہوں اور اپنے مفادات کی خاطر وہ انتظامیہ پر بے جا دباؤ نہ ڈالیں۔

آئینی کمیشن نے جب اپنی رپورٹ پیش کر دی تو اس رپورٹ کا کئی کمیٹیوں نے جائزہ لیا۔ بعض دانشوروں کا خیال ہے کہ جب اس کمیشن کی کچھ سفارشات برسرِ منظر آئیں تو ان پر آئین کمیٹی کے سربراہ جسٹس شہاب الدین نے لاتعلقی کا اظہار کر دیا تھا۔ خیال ہے" ۱۹۶۲ء کا آئین ایوب خاں کے مقرر کردہ چند افراد نے مرتب کیا تھا۔ یہ سارا کام صیغہ راز میں کیا گیا تھا اور پھر یک بیک اسے ملک پر مسلط کر دیا گیا۔ جمہوری روایات اور معمولات کے برعکس اس آئین کو رائے عامہ معلوم کرنے کے لئے عوام کے سامنے نہیں لایا گیا تھا۔"

بہرصورت ۱۹۶۲ء کے اوائل میں پاکستان کے دوسرے آئین پر معمولی گفتگو ہوئی اور اس کے بعد ۸ رجون ۱۹۶۲ء کو اسے نافذ کر دیا گیا۔

۱۹۶۲ء کا آئین

۱۹۶۲ء کے آئین کے درج ذیل خدوخال تھے :-

Marfat.com

(۱) آئین کے مطابق ملک میں صدارتی نظامِ حکومت ہوگا۔ مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے اراکین بنیادی جمہوریتوں کے ممبروں میں سے بالواسطہ طور پر چنے جائیں گے۔

(۲) انتظامیہ کو پہلے کے مقابلہ میں زیادہ اختیارات حاصل ہوں گے۔ لیکن اراکین کسی بھی صورت میں قومی اسمبلی کی جانب سے عائد کردہ پابندیوں اور قیود کی خلاف ورزی نہیں کریں گے۔

(۳) کابینہ کے ممبران کا انتخاب اور ان کی تعیناتی صدر پاکستان خود کرے گا۔ ایسے ممبران کابینہ میں بیٹھیں گے ضرور، لیکن انہیں ووٹ کا حق حاصل نہیں ہوگا۔

(۴) آئین کے تحت مملکتِ پاکستان" اسلامی جمہوریہ پاکستان" کہلائے گی۔

(۵) آئین میں جو اصولی پالیسی اپنائی گئی ہے، اس کے تحت لوگوں کو بنیادی حقوق کا تحفظ دیا جائے گا۔ ہر شہری کو قانونی تحفظ فراہم کیا جائے گا، لیکن اس تحفظ سے بہرہ یاب ہونے کے لئے جمہوریہ سے وفاداری بنیادی شرط اور اس کے لئے ہر شہری کو وفادار ہونا بھی ضروری ہوگا۔ اس پر ملکی قانون کی پاسداری بھی لازمی ہوگی۔

(۶) پاکستان کے اندر کوئی قانون اسلامی تعلیمات کہ جو قرآن اور سنت کے تحت متعین ہوتی ہیں، ان کے منافی نہیں ہوگا۔

(۷) ملک کے اندر اقلیتوں کو ان کے حقوق و مفادات کی پوری پوری ضمانت حاصل ہوگی اور ان کا تحفظ کیا جائے گا۔

(۸) جس قدر جلد ممکن ہوگا ملک کے اندر ہر بچے کے لئے مفت لازمی تعلیم کے انتظامات کئے جائیں گے۔

(۹) دفاع، امور خارجہ، فنانس اور کرنسی، مواصلات، کامرس اور انڈسٹری کے محکمے مرکزی ہوں گے، اسی طرح تعلیم، صحت، لیبر اور سماجی بہبود کی تمام پالیسیاں

Marfat.com

مرکز تیار کرے گا اور ان امور میں صوبائی محکمے بھی ہوں گے۔

(۱۰) صدر، ملک کا سربراہِ اعلیٰ ہوگا۔ صدر کو مکمل انتظامی اختیارات مع وزراء کی تعیناتی، صوبائی گورنروں کی تعیناتی، الیکشن کمشنروں، ایمبیسڈروں اور پبلک سروس کمیشن کے ممبران کے انتخاب اور تعیناتی کے اختیارات حاصل ہوں گے، صدر اسمبلیوں کو توڑ سکے گا۔ صدر پر پارلیمنٹ کے ایک تہائی ممبران کی اکثریت سے تنقید اور نکتہ چینی کی جا سکے گی۔

(۱۱) پارلیمنٹ کا سپیکر صدر کی عدم موجودگی یا بیماری کے دوران قائمقام صدر ہوگا۔

(۱۲) صدر سپریم کمانڈر ہونے کے حوالے سے، ڈیفنس سروسز کو ختم کر سکتا ہے۔ انہیں جاری رکھ سکتا ہے اور یا اسے ریزرو بھی رکھ سکتا ہے۔

(۱۳) مرکزی اسمبلی کو قومی اسمبلی کہا جائے گا اور وہ وفاقی قوانین بنائے گی۔ اس قومی اسمبلی کی مدتِ انتخاب پانچ سال ہوگی۔ اس اسمبلی کے ممبران کی تعداد دوسو اٹھارہ ہوگی اور صدر قومی اسمبلی کو توڑ سکے گا یا اسے ملتوی کر سکے گا۔

(۱۴) قومی اسمبلی کے اندر اگر صدر اور ارکان اسمبلی کے مابین کسی معاملے یا مسئلے پر اختلاف ہوگا تو اس ضمن میں صدر ریفرنڈم بھی کرا سکے گا۔

(۱۵) اگر صدر کسی قانون کا نفاذ کرنا چاہے گا تو وہ اسمبلی کے اجلاس کے بغیر بھی ایسا کوئی قانون نافذ کر سکے گا۔

(۱۶) صدر کو کسی بیرونی خطرے یا دھمکی یا حملے، اندرونی انتشار یا معاشی زندگی کی زبوں حالی کے پیشِ نظر ملک میں ہنگامی حالت کے نفاذ کا اختیار حاصل ہوگا۔

(۱۷) ملک کے اندر سب سے بڑا عدالتی ادارہ سپریم کورٹ ہوگا۔ اس

Marfat.com

سپریم کورٹ کے ممبران چیف جسٹس اور ججز ہوں گے۔ چیف جسٹس کی تعیناتی صدر کرے گا اور دیگر ججز کا تقرر صدر چیف جسٹس کے مشورے سے کرے گا۔

(۱۸) ہر صوبے کے اندر:

(۱) ایک صوبائی اسمبلی ہوگی۔

(۲) ایک گورنر کو صدر تعین کرے گا۔

(۳) گورنر اپنی کابینہ کے ممبران صدر کے مشورے سے کرے مقرر گا۔

(۴) ایک ہائی کورٹ ہوگا جس میں ایک چیف جسٹس اور دیگر کئی ججز ہوں گے۔

(۱۹) ایک قومی اقتصادی کونسل قائم کی جائے گی جو ملک کے اقتصادی امور کا جائزہ لے گی اور اقتصادی سکیموں کے لئے رقم منظور کرے گی۔

(۲۰) صدر ملک کے اندر انتخابات اور ریفرنڈم کرانے کے لئے ایک چیف الیکشن کمشنر تعین کرے گا۔

(۲۱) آئین میں ترمیم اور اضافہ کرنے کی گنجائش ہوگی۔

(۲۲) آئین میں دیگر امور کے علاوہ یہ بھی تقاضا کیا جاتا ہے کہ:۔

(۱) ملک کے اندر اسلام اور اسلامی تعلیمات کے منافی کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا۔

(۲) موجودہ جاری قوانین کو آئین کے مطابق ڈھالا جائے گا۔

(۳) ملک میں موجودہ مسلمانوں سے یہ تقاضا کیا جائے گا کہ وہ اپنی زندگیوں کو اسلام کے بنیادی اصول وضوابط اور تعلیمات کے مطابق ڈھالیں۔

(۲۳) حکومت ملک کے اندر ایک ایڈوائزری کونسل آف اسلامک آئیڈیالوجی

Marfat.com

قائم کرے گی اور ایک اسلامک ریسرچ سنٹر بنائے گی تاکہ ان کی بدولت یہ دیکھا جا سکے کہ جو قوانین اور لا بنائے جا رہے ہیں وہ قرآن و سنت کے مطابق ہیں۔ یہ کونسل اور اسلامک ریسرچ سنٹر اسلامی قوانین بنانے کی سفارشات بھی کر سکیں گے۔

(۲۴) اگر قومی اسمبلی کی دو تہائی اکثریت کسی تبدیلی پر اتفاق کرے گی تو اس سے دستور میں بھی ترمیم ہو سکے گی۔

(۲۵) ملک میں جمہوری حکومت قائم کی جائے گی۔

(۲۶) ملک کے دونوں حصوں میں لوگوں کو زندگی گزارنے کے مواقع فراہم کئے جائیں گے۔ پسماندہ علاقوں کی حفاظت کی جائے گی۔ اقلیتوں کے حقوق کو تحفظ دیا جائے گا اور تمام علاقوں کو یکساں ترقی دے کر دونوں صوبوں کے درمیان مساوات پیدا کی جائے گی۔

(۲۷) بنیادی جمہوریتوں کے ارکان بالغ رائے دہی سے منتخب ہوں گے۔

(۲۸) اردو اور بنگالی ملک کی قومی زبانیں ہوں گی۔ انگریزی زبان کو سرکاری زبان کے طور پر استعمال کیا جاتا رہے گا۔

(۲۹) واحد ایوانی مقننہ ہوگی اور ملک کا نظام وفاقی ہوگا۔

(۳۰) پاکستان کا مستقل دارالحکومت اسلام آباد ہوگا۔ عبوری دور کے لئے راولپنڈی کو دارالحکومت کا درجہ حاصل ہوگا۔

خلاصتہً پاکستان کا ۱۹۶۲ء کا یہ آئین ایک تحریری آئین تھا۔ اس میں ۲۵۰ آرٹیکل اور پانچ شیڈول شامل تھے۔

۱۹۶۲ء کے آئین کا ایک جائزہ

پاکستان کے ۱۹۶۲ء کے آئین میں صدر کو ایک مرکزی حیثیت اور اہمیت

Marfat.com

دی گئی تھی، کیونکہ مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں اور وزرا کے انتخاب اور ان کی تقرری صدر کے بغیر کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ اس حوالے سے بھی صدر کے اختیارات اتنے زیادہ تھے کہ قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیاں اور ان کے اراکین محض دکھاوے کے رہ جاتے تھے کیونکہ صدر اسمبلی کے مشورے کے بغیر بھی کوئی قانون بنا کر اسے نافذ کر سکتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ صدر اس واحد ایوانی اسمبلی کو بلاوجہ توڑ بھی سکتا تھا۔ اس اعتبار سے دیکھا جاتے تو صدر کو ایک آمر کے سے اختیارات حاصل ہو جاتے تھے۔

ہر ملک میں چونکہ انصاف کرنے والے ادارے انتظامیہ سے بالاتر اور ان کے حلقہ اثر سے باہر ہوتے ہیں، لیکن سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے انتخاب سے لے کر ججز کے تقرر اور تعین تک کے اختیارات پر بھی صدر ہی کو دسترس حاصل تھی۔ اس لئے انصاف فراہم کرنے والے ان اداروں کا تقدس اور ان کی کارکردگی بھی مشکوک ہو کر رہ جاتی تھی۔ دوسرے لفظوں میں ملک کے تمام انتظام و انصرام کے لئے صدر تن تنہا خود ذمے دار تھا اور پھر صدر کے عہدے کے لئے انتخاب اس وقت ہو سکتا تھا کہ جب وہ اپنے عہدے کی پہلی مدت جو پانچ سال ہے پوری کر لے۔ اس کے علاوہ صدر اپنے فرائض منصبی کے سلسلہ میں قانون کے تحت گرفت اور ہر قسم کی قانونی چارہ جوئی سے مکمل طور پر آزاد تھا۔ قومی اسمبلی اگر کسی قانون یا بل کو پاس بھی کر دے تو اس کے خلاف صدر کو پورا پورا حق استرداد حاصل تھا گویا صدر قومی اسمبلی کے ہر فیصلے سے بھی بالاتر ہو جاتا تھا۔

۱۹۶۲ء کے اس آئین کے تحت صدر کو انتظامی، مقننہ اور قانون سازی، مالیاتی، عدالتی، فوجی اور آئینی اختیارات کلی طور پر حاصل ہو جاتے تھے۔ جہاں تک مرکزی وزراء کا تعلق ہے، وہ صدر مملکت کے سامنے جواب دہ ہوتے تھے۔ اور اسی طرح صوبائی گورنروں کا تعین صدر پاکستان کرتا تھا، لیکن صوبائی وزراء کے

Marfat.com

تعیّن میں بھی صدر مملکت کی رائے مشورہ لینا ضروری تھا۔ اس طرح لامحالہ صدرِ مملکت کو لامحدود اختیارات حاصل ہو جاتے تھے۔ اس طرح اس آئین کے تحت قائم ہونے والی حکومت صرف پریذیڈنٹ ہی کے لئے موزوں ہوتی تھی۔ چونکہ اس آئین میں صدر کو بیحد اختیارات سونپ دیئے گئے تھے۔ اس سے مرکزی حکومت صوبائی حکومتوں کے مقابلے میں زیادہ مضبوط ہو گئی تھی۔ اس طرح ملک دونوں حصوں میں یکساں توازن اور تناسب نہ رکھ سکا۔ اس کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ملک کا حصہ مغربی پاکستان بنا دیا گیا تھا۔ اس باعث بھی توازن کا لحاظ نہ رکھا جا سکا۔

ملک بھر میں اسی ہزار بنیادی جمہوریتیں جو ۱۹۵۹ء کے آئین کے نفاذ سے پیشتر بن چکی تھیں وہ بحال اور قائم تھیں۔ بنیادی جمہوریتیں اس لئے منظم اور کارکردگی کے حوالے سے نچلی سطح کے بنیادی حکومتی ادارے تھے۔ جنہیں لوگ اپنے ہی عوامی ادارے سمجھتے تھے۔ اس سے صدر پاکستان کا انتخاب کرنے کے لئے بھی ملک بھر کے اسی ہزار نمائندوں سے رائے لی جاتی تھی۔ صدر کے یہ بھی آئین ہی کے حوالے سے گئی تشکیل پیدا کر دی گئی تھی کہ صدر اپنی پہلی صدارت کی مدت گزرنے کے بعد بھی دوبارہ یا تیسری بار بھی صدر کا انتخاب میں حصہ لے سکتا ہے۔ بنا بر توجیز محمد ایوب خان نے ملک میں بنیادی جمہوریتوں کے نظام کو رائج کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی تھی کہ حکومت عوام کے سامنے جواب دہ ہوگی لیکن یہ صورت ہرگز بھی پیدا نہ ہو سکی۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ صدر کو اس قدر اختیارات دے دیئے گئے تھے کہ وہ بلا شرکت غیرے ایک آمر بن کر رہ گیا تھا۔ بنیادی جمہوریتوں کے نظام میں عوام واقعی پورے خلوصِ دل سے اسی ہزار نمائندوں کا انتخاب کرتے تھے لیکن یہ نمائندے چونکہ کسی نہ کسی سطح پر بطور کونسلر ہی سہی اقتدار میں شامل تھے اس لئے

Marfat.com

ان کا ووٹ صدر کے خلاف نہیں جاتا تھا۔

بہرصورت جنرل محمد ایوب خان نے ۱۹۶۲ء کا یہ آئین ۸ر جون ۱۹۶۲ء کو نافذ کر دیا تھا۔ جونہی یہ نیا آئین نافذ ہوا، اس پر سیاست دانوں نے تنقید شروع کر دی۔ اس آئین کو ایک آمرانہ آئین کہا۔ گو عوام کہ جو اس آئین کی ابھی پیچیدگیوں اور مصلحتوں کو نہیں سمجھتے تھے وہ اس سے بے خبر اصلاحات کی رنگینیوں میں کھوتے رہے تھے۔

انتخابات ۱۹۶۴ء

۱۹۶۲ء کے آئین کے تحت ملک بھر میں بنیادی جمہوریتوں کے ارکان کے چناؤ کے لئے انتخابات منعقد ہوتے۔ اس کے بعد ۱۹۶۴ء میں قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات ہوتے۔ ان انتخابات کے حوالے سے جنرل محمد ایوب خان نے قوم کا پوری طرح سے اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کی تھی اور سچ مچ پاکستان کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ لوگوں کو اپنی رائے کا بذریعہ ووٹ اظہار کرنے کا موقع ملا۔ اس کے بعد جنوری ۱۹۶۵ء میں صدارتی انتخابات منعقد ہوتے۔

۱۹۶۲ء کے آئین کے تحت چونکہ تمام سیاسی لیڈروں اور سیاسی جماعتوں پر پابندی تھی، لیکن لوگ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ جنرل محمد ایوب خان اپنی من مانی کرتا رہے لہٰذا انہوں نے صدارتی انتخابات کے لئے ایک اپوزیشن پارٹی بنائی اور اس کے تحت انہوں نے محترمہ فاطمہ جناح کو صدارتی امیدوار کے طور پر برسرِ اقتدار جنرل محمد ایوب خان کے مقابلے میں لا کھڑا کیا کیونکہ سیاست دانوں کے علم میں تھا کہ محترمہ فاطمہ جناح ایوب خان کے نظام سے مطمئن نہیں ہیں بلکہ

Marfat.com

وہ اس نظام کو ناپسند بھی کرتی ہیں۔ لہٰذا محترمہ فاطمہ جناح نے ان صدارتی انتخابات میں حصّہ لیتے ہوئے فرمایا کہ میں ملّت کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے انتخاب میں حصّہ لینے کے لئے تیار ہوں۔ صدر مملکت جنرل محمد ایوب خان کے مقابلے میں محترمہ فاطمہ جناح کا مقام اور مرتبہ پاکستان کے تمام عوام کی نظروں میں بہت بلند و بالاتر تھا۔ لہٰذا اس بوڑھی اور معمر عورت کو سیاست میں آنے سے روکنے کے لئے ان سے سرکاری اور نجی سطح پر لوگوں نے کئی بار درخواست کی کہ وہ انتخابات میں حصّہ لے کر اقتدار کے بھوکے سیاستدانوں کا آلہ کار نہ بنیں۔

محترمہ فاطمہ جناح کے احترام اور وقار کے بارے میں جنرل محمد ایوب خان نے خود اپنی ۱۶ر اکتوبر ۱۹۶۴ء کی ایک عوامی تقریر میں اقرار کیا تھا اور کہا تھا کہ "میں مس فاطمہ جناح کا بے حد احترام کرتا ہوں، میں اس امر کو بھی تسلیم کرتا ہوں کہ وہ صحیح معنوں میں، جو کچھ محسوس کرتی ہیں وہی بغیر کسی لگی لپٹی کے کہہ دیتی ہیں ان کے جو ارادے اور مقاصد ہیں، ان سے کوئی بھی بے خبر نہیں ہے۔ لیکن ان کا یہ کہنا کہ وہ جن لوگوں کے لئے اور جن لوگوں کے مفادات کے لئے میدانِ عمل میں آئی ہیں، وہ بعد میں ان کے مرتبے اور احترام کو ملحوظ رکھیں گے، ایسا ناممکن دکھائی دیتا ہے کیونکہ محترمہ فاطمہ جناح جن لوگوں کا آلہ کار بن رہی ہیں وہ بہروپ بدلنے والے لوگ ہیں۔ اور یہ لوگ جو اس وقت محترمہ فاطمہ جناح کو انتخاب کے حوالے سے سامنے لا رہے ہیں، وہ اصل میں اقتدار کے بھوکے ہیں۔ ان لوگوں نے محض اپنی اقتدار کی ہوس کی خاطر محترمہ فاطمہ جناح کے نام سے بھی فائدہ اٹھانا شروع کر دیا ہے۔ کیا محترمہ فاطمہ جناح کے نام کو محض ہوسِ اقتدار کے لئے استعمال کرنا چاہیئے؟ انہیں کیوں اس بڑھاپے میں بھی گلیوں اور بازاروں میں زحمت دے رہے ہیں۔ لیکن یاد رکھیں، یہ لوگ بعد میں

Marfat.com

نشۂ اقتدار میں پاگل ہو جائیں گے اور پھر انہیں کسی شخصیت یا وقار کی کوئی قدر نہیں ہوگی۔"

جنرل محمد ایوب خاں کے ان حیلوں حربوں کے باوجود متحدہ اپوزیشن پارٹی کہ جس میں کونسل مسلم لیگ، نیشنل عوامی پارٹی، عوامی لیگ، نظامِ اسلام پارٹی، اور جماعت اسلامی کا اشتراک شامل تھا اس نے محترمہ فاطمہ جناح کو بہر حال اس آمرانہ حکومت کے خاتمے کے لئے تیار کر لیا تھا۔ اس مقصد کے لئے محترمہ فاطمہ جناح کو بلاشبہ اکہتر سالہ بڑھاپے کے باوجود برسرِ اقتدار جماعت کے خلاف شدید اور کٹھن محنت کرنی پڑی۔ محترمہ فاطمہ جناح نے اپنے صدارتی منشور میں ایک نو نکاتی پروگرام دیا تھا۔ ان کے پروگرام کا خلاصہ یہ ہے کہ :-

(۱) پاکستان میں ملک کی آزادی، سلامتی، وحدت اور پاکستان کے بنیادی نظریئے سے ہم آہنگ جمہوری نظام قائم کیا جائے گا۔

(۲) پاکستان کو ایک ایسی فلاحی مملکت بنایا جائے گا جس میں ہر شخص کو زندگی کی سہولتیں حاصل ہوں گی۔

(۳) ملک میں طبقاتی امتیاز ختم کیا جائے گا اور اقلیتوں کو بھی مساوی مراعات اور حقوق حاصل ہوں گے۔

(۴) ٹیکسوں کا لوگوں پر سے بوجھ کم کیا جائے گا۔

(۵) مشرقی پاکستان میں سیلابوں کا سدِباب کیا جائے گا۔

(۶) مغربی پاکستان میں سیم اور تھور پر قابو پایا جائے گا۔

(۷) آبادی میں بے تحاشا اضافہ روک کر معیارِ زندگی بلند کیا جائے گا۔

(۸) انتظامیہ کے ہر شعبے سے ہر طرح کی بدعنوانیوں اور جرائم کا تدارک کیا جائے گا۔

Marfat.com

(۹) جموں وکشمیر کے لوگوں کے حقِ خود اختیاری کی جدوجہد میں ان کی مدد کی جائے گی۔

محترمہ فاطمہ جناح کے مقابلے میں جنرل محمد ایوب خاں نے جو انتخابی صدارتی منشور دیا تھا، اس میں مارشل لاء حکومت کی سابقہ پانچ چھ برسوں کی کامیابیوں کی جھلک تھی۔ لوگوں کے لئے مستقبل کے وعدے تھے اور مستقبل کے منصوبوں اور پروگراموں کی جھلکیاں تھیں۔ ایوب خاں نے یہ بھی کہا تھا کہ بنیادی جمہوریتوں کے نظام میں لوگ بخوشی اور اپنی رضامندی سے حصّہ لیتے ہیں۔ اس لئے بنیادی جمہوریتوں کے نظام کو مزید مستحکم کیا جائے گا۔ محنت اور فن کی قدر کی جائے گی۔ لوگوں اور معاشرے میں مختلف طبقوں میں باہمی تعاون کے ساتھ مل جل کر کام کرنے کے جذبے کو ابھارا جائے گا۔ لوگوں کی سماجی اور معاشرتی زندگی کو سدھارنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا جائے گا۔ غربت کا خاتمہ کیا جائے گا۔ اور لوگوں کو مشکل حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار کیا جائے گا۔ تعلیمی سہولتوں کو مزید بہتر بنایا جائے گا۔ لوگوں کا معیارِ زندگی بلند کرنے کی خاطر تمام ملکی وسائل کو بروئے کار لایا جائے گا اور جدید ترین تقاضوں اور ملکی ضروریات کے لئے لوگوں میں سائنسی اور تکنیکی تعلیم پر بھی خصوصی توجہ دی جائے گی۔

ان باتوں کے ساتھ ساتھ جنرل محمد ایوب خاں نے اپنی مختلف تقاریر میں یہ بھی کہا تھا کہ ۱۹۶۲ء کے آئین کے مطابق اگرچہ صدارتی چناؤ کے لئے پانچ سال کی مدت مقرر کی گئی تھی لیکن میں نے خود دانستہ طور پر لوگوں کو ان کی رائے کا بہتر طور پر اظہار کرنے کی خاطر پہلے انتخابات برائے صدر تین سال کے بعد منعقد کرانے کا فیصلہ کیا ہے۔ جنرل ایوب خان نے اپنی انقلابی حکومت کے پہلے پانچ چھ برسوں کے حوالے سے اس امر کا ذکر بھی کیا کہ پاکستان کا دوسرا

Marfat.com

پانچ سالہ منصوبہ جو موجودہ حکومت نے بنایا تھا وہ بڑی کامیابی کے ساتھ تکمیل سے ہمکنار ہوا ہے۔ دیگر امور کے حوالے سے جنرل محمد ایوب خاں کا انتخابی منشور بھی ملک میں اسلامی نظام کا حامی تھا۔ اس میں کشمیر کی آزادی کا بھی ذکر موجود تھا۔ ان کے علاوہ زیادہ توجہ ملک کے انتظامی اور معاشی پہلوؤں پر مرتکز کی گئی تھی اور اپنے بنیادی جمہوریتوں کے نظام کو لوگوں کے لئے ایک نعمت اور رحمت کا نام دیا تھا اور کہا تھا کہ یہی نظام لوگوں کو پسند ہے۔

جنوری ۱۹۶۵ء کے آغاز میں ملک میں صدارتی انتخابات ہوئے۔ ان انتخابات سے پیشتر جنرل محمد ایوب خاں نے یکم جنوری ۱۹۶۵ء کو اپنی ماہانہ نشری تقریر میں کہا تھا کہ "یہ صدارتی انتخابات دو افراد کے مابین نہیں ہیں بلکہ دو نظاموں کے انتخابات ہیں۔ یہ دونوں نظام اور ان کے خدوخال آپ لوگوں کے سامنے ہیں۔ اب یہ آپ پر موقوف ہے کہ آپ کس نظام کو قبول کرتے اور کس نظام کو رد کرتے ہیں۔ متحدہ اپوزیشن پارٹی کا منشور بھی آپ کے سامنے ہے اور میری معروضات بھی آپ کے سامنے ہیں۔"

لہٰذا جب صدارتی انتخابات منعقد ہوئے تو محترمہ فاطمہ جناح کو اٹھائیس ہزار چھ سو اکانوے یعنی ۳۶ء۵ فی صد ووٹ ملے جب کہ صدر ایوب کو انچاس ہزار نو سو اکیاون ووٹ ملے۔ اس طرح ایوب خاں کو ۶۲ء۷ فی صد ووٹ ملے تھے۔ ماہرین نے محترمہ فاطمہ جناح کو کم ووٹ ملنے کے کئی اسباب بیان کئے ہیں اور یہ بھی بتایا کہ ایوب خاں چونکہ برسرِ اقتدار تھا اور اس کے بڑے بڑے حریف سیاست دان ایبڈو قرار دیئے جا چکے تھے اس لئے وہ انتخابات میں حصّہ نہ لے سکے۔ بہرصورت ۱۹۶۵ء کے ان صدارتی انتخابات میں صدر محمد ایوب خاں کو الیکشن کمیشن نے کامیاب قرار دے کر انتخابات کے نتائج کا اعلان کر دیا۔

Marfat.com

اس طرح لوگوں نے مزید پانچ برسوں کے لئے صدر اور آئین کو ایک طرح سے قبول کر لیا تھا۔ لہٰذا اس موقع پر جنرل ایوب خاں نے لوگوں کو اتحاد، خوشحالی اور سالمیت کی کوششوں کو جاری رکھنے کی درخواست کی۔

پاک بھارت جنگ ۱۹۶۵ء

۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کا پسِ منظر یوں ہے کہ ہندوستان نے پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے ساتھ ہی اس کی دشمنی کی ٹھان لی۔ لہٰذا وہ پاکستان کو ہر لمحہ اور ہر طرح سے نقصان پہنچانے کے درپے رہتا تھا۔ پہلے اس نے حیدرآباد دکن پر قبضہ کیا۔ پھر جوناگڑھ اور مناودر کو بھی ہڑپ کر لیا۔ اس کے بعد اس نے زبردستی جموں وکشمیر پر قبضہ برقرار رکھا تھا۔ اسی دوران میں ہندوستان نے پاکستان کی معیشت اور زراعت کو تباہ کرنے کے لئے نہری پانی کا قضیہ کھڑا کر دیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود بھی پاکستان خُدا کے فضل وکرم سے دن بہ دن ترقی کی جانب بڑھ رہا تھا۔ پاکستان کی قوتِ مدافعت اور اپنے ملک کے تحفظ کا جذبہ ہندوستان کو ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ اس لئے اس نے پاکستان کی سرحدوں پر اور کشمیر میں کئی طرح کی کھلم کھلا خلاف ورزیاں شروع کر دی تھیں۔ ان خلاف ورزیوں میں پاکستان کی باوقار اور حوصلہ مند فوج نے کئی ایک محاذوں پر دشمن ہندُستان کو عبرتناک سبق سکھایا تھا اس کے باوجود ہندوستان نے خلاف ورزیاں جاری رکھیں۔

ہندوستان ایک جانب تو پاکستان کی قوتِ مدافعت کو کمزور کرنا چاہتا تھا اور دوسری جانب چین کے مقابلے میں اور چین کی ابھرتی ہوئی طاقت کو کمزور کرنے کی خاطر روس اور امریکہ سے بے تحاشا فوجی مدد اور اسلحہ حاصل کر رہا تھا۔ ۱۹۶۲ء میں ہندوستان چین کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد تو چینی خطرے کے

Marfat.com

حوالے سے روس اور امریکہ سے بڑی مقدار میں اسلحہ حاصل کرنے لگا تھا۔ جب ہندوستان میں روس اور امریکہ کے اسلحے کے ڈھیر لگاتے جا رہے تھے انہیں دنوں پاکستان نے اس خدشے کا اظہار کرنا شروع کر دیا تھا کہ ہندوستان کا یہ اسلحہ کبھی چین کے خلاف استعمال نہیں ہوگا بلکہ چین کے ساتھ وہ جنگ کرنے کیلئے تیار ہی نہیں ہو سکے گا اور ہندوستان بہر صورت یہ جمع کیا ہوا اسلحہ بوقتِ ضرورت پاکستان کے خلاف استعمال کرے گا۔

مئی ۱۹۶۵ء میں ہندوستان نے رن کچھ کی بعض چوکیوں پر حملہ کر دیا تھا۔ اور سچ مچ اس نے چین کے خطرے کے پیش نظر حاصل کیا ہوا اسلحہ پاکستانی سرحدوں کی تعدیم کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ رن کچھ کی چوکیوں پر ہندوستانی حملے اور وہاں قبضہ کرنے کی ناپاک جسارت کو پاکستان کی بہادر افواج نے خاک میں ملا دیا تھا بلکہ ہندوستان کو اس ضمن میں ایک محسوس نقصان بھی پہنچایا تھا۔ پاکستان کے فوجیوں کی یہ وہی قابلِ ذکر فتح تھی کہ جس کے اثر میں شکست خوردہ شاستری نے اعلان کیا تھا کہ اب ہندوستان کسی مناسب موقع پر اپنی مرضی کا محاذ کھولے گا۔

اسی دوران میں مسئلہ کشمیر ایک بار پھر نازک صورت اختیار کر گیا تھا۔ اس عہد میں شیخ عبداللہ نے بھی چند ایک مقامات پر دبے لفظوں میں مسئلہ کشمیر پر پاکستان کے موقف کی تائید کر دی تھی، جس پر ہندوستانی حکومت نے انہیں گرفتار کر لیا تھا۔ اس سے کشمیر کے عوام میں غم و غصہ کی لہر پھیل گئی تھی۔ وہاں پر ایک انقلابی کونسل قائم ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی کشمیری حریت پرستوں اور مجاہدین نے ایک خفیہ ریڈیو سٹیشن "صدائے کشمیر" بھی قائم کر لیا تھا۔ عین انہی دنوں میں کشمیری مجاہدین اور حریت پرستوں نے گوریلا حملے شروع کر دیتے تھے اور سچ مچ وہ

Marfat.com

روز بروز چھوٹی چھوٹی فتوحات حاصل کرنے لگے تھے۔ ہندوستان کی حکومت نے پاکستان پر الزام لگایا کہ یہ گوریلا حملہ آور اصل میں پاکستانی فوجی ہیں، جو زبردستی کشمیر کے علاقوں میں گھس آتے ہیں۔ اس حوالے سے پاکستان کے خلاف ہندوستان نے شدید پروپیگنڈے کے ساتھ ساتھ جنگی تیاریاں بھی شروع کر دی تھیں۔

مئی ۱۹۶۵ء ہی میں ہندوستان نے اپنی انہی فوجی اشتعال انگیزیوں اور حملوں کے دوران کارگل کی چوکیوں پر قبضہ کر لیا تھا لیکن پاکستان نے ایک امن پسند ملک ہونے کے ناطے اس معاملے میں اقوام متحدہ تک رسائی حاصل کر کے یہ چوکیاں واپس حاصل کر لی تھیں، لیکن اگست ۱۹۶۵ء میں ہندوستان کی فوجوں نے ان چوکیوں پر ایک بار پھر قبضہ کر لیا تھا۔ اس سے پیشتر ہندوستانی فوجوں نے اعوان شریف (ضلع گجرات) ٹیٹوال، اوڑی اور پونچھ پر بھی بدستور حملے جاری رکھے ہوئے تھے۔ حاجی پیر کی چوکی پر تو ہندوستان نے قبضہ بھی کر لیا تھا۔ بہرصورت پاکستان اپنی سرحدوں کے اندر مدافعاتی جنگ لڑتا رہا۔ جب ہندوستانی فوجوں کی کارروائیاں شدت اختیار کر گئیں اور ان کی اشتعال انگیزیاں شدید نقصان کا باعث بننے لگیں تو ستمبر ۱۹۶۵ء کے آغاز ہی میں پاکستانی فوجوں نے بھی پیش قدمی پر توجہ دی۔ اور یکم ستمبر کو بھمبر میں پیش قدمی کی۔ وہاں پر ہندوستان کے زمین دوز مورچے بھی مدافعت نہ کر سکے۔ پھر اسی طرح پاکستانی افواج نے بڑی سرعت کے ساتھ چھمب دیوا، اور جوڑیاں بھی فتح کر لئے تھے۔ اب بھارتی افواج اور حکومت کو یہ احساس ہونے لگا تھا کہ پاکستان کے فوجی اپنا دفاع کرنے کے ساتھ ساتھ پیشقدمی بھی کرنے کا شدید جذبہ رکھتے ہیں اور وہ اس بہادری سے اپنے ملک و دین کیلئے سینہ سپر ہوتے ہیں کہ ان کا مقابلہ ناممکن ہو جاتا ہے۔ پاکستان کی سرحدوں کے ساتھ ساتھ ہندوستان کی اشتعال انگیز کارروائیاں بھی شدت اختیار کرتی چلی

Marfat.com

گئی تھیں، انہیں روکنے کے لئے اور ملک و ملّت کی حفاظت کی خاطر پاکستانی افواج بھی اب ایک لمحہ بھی بے خبر نہیں تھی بلکہ دشمن کو برابر نقصان پہنچا رہی تھیں۔ چھمب، جوڑیاں اور دیوا میں پاکستانی فوج کو ایک مستحکم مقام حاصل ہو چکا تھا۔ مسلمانوں کا جوش و جذبہ فزوں تر تھا اور وہ اب اکھنور کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ممکن تھا ایک آدھ دن میں اکھنور پر قبضہ ہو جاتا لیکن ہندوستان نے اپنی افواج کی اس قدر پسپائی اور حالت پتلی ہوتی ہوتی دیکھ کر دونوں ملکوں کی مسلمہ سرحدوں اور بین الاقوامی اخلاقی ضابطوں کو پسِ پشت ڈال کر پاکستان براہِ راست حملہ کر دیا۔

جنگِ ستمبر ۱۹۶۵ء

جون ۱۹۶۵ء میں جب رن کچھ کے حوالے سے دونوں ملکوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا تو اسی وقت ایک دوسرے معاہدے پر بھی دونوں ملکوں کے سربراہوں نے دستخط کئے تھے کہ ہندوستان اور پاکستان کی پوری سرحدوں پر سے دونوں ملکوں کے فوجی دستے کہ جو آمنے سامنے ایک طرح کی کنفرنٹیشن کی صورت میں ہیں، وہ واپس چلے جائیں گے۔ اس طرح دونوں ملکوں کی سرحدوں پر امن و امان قائم ہو جائے گا۔ اس دوسرے معاہدے کو عالمی رائے عامہ نے بڑی اہمیت دی تھی کہ اس کی بدولت آمنے سامنے آتی ہوتی افواج پورے امن و سکون کے ساتھ اپنے اپنے مراکز میں واپس چلی جائیں گی۔ اور اصل میں یہی اس مسئلے کا حل بھی تھا۔۔۔ لیکن ہندوستان اور ہندوستان کی افواج نے اس امن معاہدے اور بین الاقوامی سرحدی ضوابط کی بھی کوئی پرواہ نہ کی بلکہ ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کو علی الصبح لاہور پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ، واہگہ، بھینی، برکی اور قصور کی جانب سے کیا گیا تھا۔ ہندوستان نے اس حملے میں ایک ڈویژن فوج واہگہ کے لئے اور

Marfat.com

ایک ڈویژن فوج قصور کی جانب استعمال کی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ہندوستانی اربابِ افواج کی جانب سے یہ ایک قبل از وقت اور پوری سوچ بچار سے بنایا ہوا منصوبہ تھا اور اربابِ افواج لاہور کے جم خانہ کلب میں شام تک ایک محفلِ ناؤنوشی کا اہتمام بھی کرنا چاہتے تھے۔ لیکن اہلِ لاہور کے بلند حوصلوں میں ذرہ بھر لغزش نہ آنے پائی اور انہوں نے اپنی پوری قوتِ ایمانی سے ہندوستانی فوج کے حملوں کو روکے رکھا۔ ان حملوں کو روکنے کے لئے لاہور کے محاذوں پر پاکستان کی ہوائی فوج نے بھی قابلِ فخر اور اہم کردار ادا کیا۔ ہندوستانی افواج بی آر بی نہر پر آکر رک گئیں۔ اس ساری صورتِ حال میں لاہور کا ہنستا کھیلتا اور معروف اور بارونق شہر اور بھی مصروف اور فعال ہو گیا۔ لاہور شہر کی ہماہمی کئی چند ہو گئی۔ ہر کس و ناکس نے ملکی سرحدوں کی حفاظت میں اور دین کی حفاظت میں حصہ لینا شروع کر دیا۔

اسی دوران میں ہندوستانی افواج نے بھینی، برکی، راجستھان اور سیالکوٹ کے محاذوں پر بھی فوجی کارروائیوں کا آغاز کر دیا تھا۔ ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء ہی کو دوپہر ساڑھے بارہ بجے صدر پاکستان جنرل محمد ایوب خان نے قوم اور افواجِ پاکستان کے نام ایک خصوصی پیغام دیا۔ اور کہا کہ "میرے عزیز ہم وطنو! پاکستان کے کروڑوں عوام کے لئے آزمائش کا لمحہ آن پہنچا ہے۔ ہندوستانی افواج نے آج صبح پاکستان کے علاقوں کے اندر لاہور پر حملہ کر دیا ہے، اور اسی طرح اس نے لاہور سے وزیر آباد جانے والی ایک مسافر ٹرین پر بھی ہوائی جہازوں سے حملہ کیا ہے۔ اس سے پیشتر ہندوستان نے جو اشتعال انگیزیاں کی تھیں ان پر ہم نے عالمی اصولوں کے تحت اقوام متحدہ سے رجوع کیا تھا لیکن ہندوستان نے کسی عالمی ضابطے اور اصول کی بھی پرواہ نہیں کی۔ اس نے ہماری سرحدوں پر حملہ کر کے اپنے مذموم ارادوں کا ثبوت فراہم کر دیا ہے کیونکہ ہندوستانی

Marfat.com

حکمرانوں کو خود مختار اور آزاد پاکستان کہ جس میں مسلمان امن و سکون سے رہ سکیں یکسر ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ گذشتہ اٹھارہ برسوں کی ہندوستان کی تمام فوجی تیاریاں اور پیش بندیاں صرف ہمارے ہی خلاف ہیں۔ اب ہندوستانی حکمرانوں نے اپنی بزدلی کا کھلم کھلا ثبوت فراہم کرنے اور منافقتوں کا اظہار کرنے کے لئے اپنی فوجوں کو پاکستان کی مقدس سرزمین پر مارچ کرنے کا حکم دے دیا ہے۔ ہندوستان کی یہ کارروائی کسی طرح کے باقاعدہ اعلانِ جنگ کے بغیر ہے۔ لہٰذا اب وقت آگیا ہے کہ ہم دشمن پر سخت وار کریں اور ہندوستانی استعماریت کو ختم کر کے رکھ دیں۔ لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ورد کرتے ہوتے دشمن کی توپوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیجئے۔ آگے بڑھئے اور دشمن پر کاری سے کاری ضرب لگائیے۔" اس اعلان کے ساتھ ہی جنگ کی صورتِ حال سے نمٹنے کے لئے ملک میں ہنگامی حالات کا بھی اعلان کر دیا گیا۔

لہٰذا ہندوستان اور پاکستان کی اس جنگ میں پاکستانی مسلمانوں کی پوری قوم ایک سیسہ پلائی دیوار کی مانند دشمن کے سامنے ڈٹ گئی۔ ملک کے تمام وسائل اور ذرائع اور ہر ایک فرد و بشر کی استعدادوں کو کام میں لایا گیا۔ پاکستان کے دونوں حصّوں کی سرحدوں پر ہندوستان کے ساتھ ایک مکمل جنگ چھڑ گئی۔ کشمیر، سیالکوٹ، لاہور، قصور، راجستھان اور مشرقی پاکستان کے پورے بارڈر جنگ کی لپیٹ میں تھے۔ ہندوستان نے اپنی کئی ڈویژن فوج، ہزاروں ٹینک اور توپیں اور سینکڑوں ہوائی جہاز جنگ میں جھونک دیتے تھے۔ بہر صورت پاکستانی افواج ہر میدان میں دشمن کی فوج پر بلا مبالغہ کاری سے کاری ضرب لگاتی رہی۔ پاکستان کی بہادر افواج نے اس جنگ میں قائداعظم محمد علی جناح کی اس آرزو کہ" اگر کوئی کبھی ایسا وقت آجائے کہ پاکستان کی حفاظت کے لئے جنگ

Marfat.com

لڑنی پڑے تو کسی صورت میں ہتھیار نہ ڈالیں اور پہاڑوں میں، جنگلوں میں، میدانوں میں، اور دریاؤں میں جنگ جاری رکھیں" کا پورا پورا بھرم رکھا گیا۔ اور ثابت کر دکھایا کہ پاکستان کے لوگ اور افواجِ پاکستان اپنے ملک کی بہتر طور پر حفاظت کرنا جانتے ہیں۔ اس جنگ میں پاکستان کی تینوں مسلح افواج بری، فضائی اور بحریہ نے اپنا بھرپور اور بے مثال کردار ادا کیا۔ بری افواج نے تاریخ کی بڑی بڑی ٹینکوں کی دُو بہ دُو لڑائی میں وہ جانثاری اور پامردی دکھائی کہ اس کی کہیں مثال ملنا مشکل ہے۔ اسی طرح بری فوج کے ایک ایک سپاہی اور ایک ایک افسر نے عظیم تر قربانیاں دیں اور دشمن کو شدید نقصان پہنچایا۔

پاکستان کی فضائی فوج نے ایک جانب اپنی بری اور بحری فوج کا ساتھ دیا اور اس کے ساتھ ہمہ وقت دشمن پر وار کرتی رہی۔ اس کے علاوہ بھی ہندوستان کے قریباً تمام بڑے بڑے فوجی ہوائی اڈوں مثلاً پٹھانکوٹ، بلواڑہ، آدم پور، جودھپور، جموں اور سرینگر اور انبالہ پر وہ قابلِ ذکر اور کامیاب حملے کئے کہ ہندوستانی افواج پناہ مانگ اٹھیں۔ فضائی جنگوں اور فضائی حملوں کے دوران ہندوستان کے قریباً ۱۱۲ لڑاکا طیارے نیست و نابود ہوئے جب کہ پاکستان کے صرف چودہ لڑاکا طیارے اور دو بمبار تباہ ہوئے۔

جنگِ ستمبر ۱۹۶۵ء میں پاکستان کی بحریہ نے بھی دشمن کے ٹھکانوں پر بڑے فیصلہ کن حملے کئے۔ دوارکا کو تباہ کیا۔ اسی طرح ہندوستان کا جنگی بحری جہاز 'وکرم' بھی تباہ کر دیا۔ اس کے علاوہ ایک فریگیٹ جنگی جہاز بھی ڈبو دیا۔ پاکستان کی بحریہ نے اپنی توپوں سے تین ہندوستانی طیارے بھی مار گرائے اور دوارکا کو مکمل طور پر تباہ کر دیا۔

۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کو شروع ہونے والی یہ پاک بھارت جنگ ۲۳ ستمبر ۱۹۶۵ء

Marfat.com

تک یعنی سترہ دن جاری رہی۔ چونکہ جنگ کے آغاز ہی سے ہندوستانی حکمرانوں اور ہندوستانی افواج کے عزائم بُری طرح سے ناکام ہونے لگے تھے۔ اس لئے ہندوستان نے شروع ہی سے جنگ بندی کی کوشش شروع کر دی تھی۔ ادھر چین نے بھی ہندوستان کو الٹی میٹم دے دیا تھا اس لئے بھی ہندوستان جلد جنگ بند کرنا چاہتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی بڑی طاقتیں بھی جنگ بند کرانے میں دلچسپی لینے لگی تھیں۔ چنانچہ ۲۰ ستمبر ۱۹۶۵ء کو سلامتی کونسل نے فیصلہ کیا کہ ۲۲ ستمبر ۱۹۶۵ء کو بارہ بجے دوپہر تک دونوں ملک جنگ بند کر دیں۔ اس کے بعد ہندوستانی نمائندے کی درخواست پر جنگ بندی میں ۲۳ ستمبر تین بجے صبح تک کا اضافہ ہو گیا۔ اس طرح ۲۳ ستمبر ۱۹۶۵ء کو یہ جنگ بند ہو گئی۔

سلامتی کونسل میں اس عہد کی ایوب خاں کی حکومت کے وزیر خارجہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے ایک پر زور اور بڑی جذباتی تقریر کی تھی اور اس امر کا اظہار بھی کیا تھا کہ ہندوستان نے پاکستان کی مقدس سرزمین پر حملہ کیا ہے۔ ہندوستان نے پاکستان کی شہری آبادیوں اور ہسپتالوں کو بھی نشانہ بنایا ہے۔ ہندوستان کی اس جارحیت کا مکمل خاتمہ کیا جائے ـــــ اسی عہد میں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے اس امر کا اظہار بھی کیا تھا کہ ہم ہندوستان کے ساتھ ہزار سال تک بھی جنگ جاری رکھیں گے اس کے لئے چاہے ہمیں گھاس کھانی پڑے۔

ہندوستان اور پاکستان کی اس سترہ روزہ جنگ نے ایک جانب ہندوستان کی فوجی طاقت کا غرور خاک میں ملا دیا تھا اور دوسری جانب پاکستانی قوم اور افواج کے حوصلے بے حد بلند کر دیئے تھے، یہی وجہ ہے کہ جب ۲۳ ستمبر ۱۹۶۵ء کو فائر بندی کا اعلان ہوا تو اس امر پر پوری قوم کو دکھ ہوا کہ یہ جنگ کیوں بند کر دی گئی ہے۔ پاکستان کی پوری قوم نے یک جہتی، اتحاد، قوت اور جذبہ ایمانی

Marfat.com

کی وہ مثال پیش کی کہ اس پر جتنا بھی فخر کیا جائے بجا ہے۔ پاکستان بھر کے عوام، شہریوں کسانوں، ملازموں، مزدوروں، سرمایہ کاروں حتیٰ کہ ہر طبقہ کے لوگوں نے ایثار و قربانی کے فراواں جذبے سے کام لیا۔ حتیٰ کہ سرحدی شہروں اور قصبوں میں بھی معمول کی زندگی حسبِ سابق جاری و ساری اور رواں دواں رہی۔ پاکستانی عوام میں ذات کی خود آگہی کا ایک شعور پیدا ہوا اور انہوں نے اتحاد و ایثار کے ثمرات کو اپنے سامنے مجسم ہوتے ہوئے دیکھا۔ یہی نہیں بلکہ پوری اسلامی دُنیا خصوصاً ایران، انڈونیشیا اُردن اور سعودی عرب نے پاکستانی مسلمانوں کی ہر طرح سے مدد کی اور پاکستان کا ساتھ دیا۔ ان کے ساتھ ساتھ پاکستان کے ہمسایہ ملک چین نے بھی قابلِ ذکر دوستی کا ثبوت فراہم کیا اور تو اور اس پاک بھارت جنگ میں نیپال جیسے ملک نے بھی پاکستان ہی کے مؤقف کی تائید کی۔

اعلانِ تاشقند

گو ۲۳ ستمبر ۱۹۶۵ء کو فائر بندی ہو گئی تھی لیکن ابھی دونوں ملکوں کی افواج جس جس جگہ پر تھیں وہیں پر قابض اور مقیم رہیں۔ اس جنگ میں پاکستان کے قبضے میں قریباً گیارہ ہزار مربع میل کا علاقہ تھا۔ اس خطے میں امن اور سکون کی فضا پیدا کرنے کے لئے عالمی سطح پر کوششوں کا آغاز ہو چکا تھا کیونکہ اب تک پاکستان کو اپنے بعض ایسے دوستوں کی ہمدردیوں اور کوششوں کا بھی علم ہو چکا تھا کہ جو کئی ایک معاہدوں کے حوالے سے پاکستان کی مدد کرنے کے پابند تھے۔ لیکن یہ دوستیاں اور معاہدے بالکل بے کار اور محض نام ہی کے ثابت ہوئے۔

۱۰ جنوری ۱۹۶۶ء کو روس کے وزیراعظم مسٹر کوسیجن نے ہندوستان اور پاکستان کے سربراہوں کو باہمی بات چیت کے لئے تاشقند میں بلایا۔ لہٰذا اس مقصد

Marfat.com

کے لئے صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں اور ہندوستان کے وزیر اعظم لال بہادر شاستری تاشقند پہنچے۔ تاشقند میں روس کی ثالثی پر پاکستان اور ہندوستان کے درمیان ایک اعلان کی چند شرائط طے پائیں۔ اس اعلان کو اعلانِ تاشقند کا نام دیا گیا۔ اعلان کی شرائط میں یہ کہا گیا تھا کہ دونوں ملک اپنے سرحدی تنازعات جنگ سے نہیں بلکہ پُرامن طریقوں سے اقوام متحدہ کے منشور کے مطابق طے کریں گے۔ دونوں ملکوں کی فوجیں ۱۵ر اگست ۱۹۶۵ء سے پہلے والی پوزیشن پر چلی جائیں گی۔ ان کے علاوہ اعلان میں یہ بھی طے پایا تھا کہ ایک دوسرے کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں کی جائے گی اور پروپیگنڈا بھی نہیں کیا جائے گا۔ سفارتی تعلقات بحال کئے جائیں گے۔ اس کے علاوہ دونوں ملکوں میں ثقافتی، اقتصادی، تجارتی اور مواصلاتی تعلقات بڑھانے پر توجہ دی جائیگی۔

سیاسی جماعتیں

صدر محمد ایوب خاں کی گو یہ آرزو تھی کہ ملک میں سیاسی جماعتیں قائم نہ ہوں، لیکن ان کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ ۱۹۶۲ء کے تحت ملک میں جو آئین بنا اور قومی اسمبلی کے جب اجلاس ہوتے تو ممبران نے یہ زور ڈالنا شروع کر دیا تھا کہ ملک میں ضرور سیاسی جماعتوں کو اجازت دی جائے۔ اس مقصد کے لئے جب صدر ایوب خود سیاسی جماعتوں کو بحال کرنے پر رضامند ہو گئے تو پھر قومی اسمبلی میں بھی سیاسی جماعتوں کی بحالی کا مسودہ منظور کر لیا گیا۔ جلد ہی صدر پاکستان نے خود اپنے وزرا سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وُہ مسلم لیگ میں شریک ہو جائیں۔ اس طرح دسمبر ۱۹۶۳ء تک ملک میں کنونشن مُسلم لیگ کی حکومت تھی اور صدر محمد ایوب خاں اس سیاسی جماعت کے صدر بھی تھے۔

Marfat.com

۱۹۶۵ء کے صدارتی انتخابات میں گو مختلف سیاسی جماعتوں کے ممبران اس انتخاب میں شریک نہ ہوتے۔ البتہ متعدد بڑی جماعتوں نے متحدہ اپوزیشن محاذ کی صورت میں محترمہ فاطمہ جناح کو صدر ایوب کے مقابل لا کھڑا کیا تھا۔ ان جماعتوں میں بعض جماعتیں انتہا پسند تھیں اور بعض میانہ روی کی قائل تھیں۔ بالآخر ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے بعد چند ایک مزید سیاسی جماعتیں بھی معرضِ وجود میں آئیں۔ کنونشن مسلم لیگ ایک بہت بڑی سیاسی جماعت تھی اور یہی ایوب خاں کی صورت میں برسرِ اقتدار تھی۔ پاکستان مسلم لیگ ایک ایسی جماعت تھی کہ اس پر ۱۹۶۶ء کے اواخر تک پابندی رہی لیکن اس کے اکثر رہنما اور ممبران کنونشن مسلم لیگ میں شامل ہو چکے تھے۔ اسی طرح کونسل مسلم لیگ بھی قائم تھی۔ ۱۹۶۹ء میں نظام اسلام پارٹی، عوامی لیگ (نصر اللہ گروپ) نیشنل ڈیموکریٹک فرنٹ اور جسٹس پارٹی نے مل کر "پاکستان ڈیموکریٹک پارٹی" بنالی تھی۔ ۱۹۶۷ء میں پاکستان پیپلز پارٹی ذوالفقار علی بھٹو کی سربراہی میں معرضِ وجود میں آئی۔ جماعت اسلامی نے چونکہ ۱۹۶۵ء کے صدارتی انتخابات میں صدر ایوب کے خلاف متحدہ اپوزیشن محاذ میں شرکت کر لی تھی۔ یہ دائیں بازو کی تمام جماعتوں میں سب سے زیادہ منظم جماعت تھی۔ اسی طرح نیشنل عوامی پارٹی اور عوامی لیگ بھی اپنے اثر و تاثر میں قابلِ ذکر تھیں۔

ایوب حکومت کے واقعات

۱۹۶۵ء کی جنگ چونکہ پاکستان اور ہندوستان کی پہلی باقاعدہ جنگ تھی، اس جنگ میں بہرصورت تمام پہلوؤں سے پاکستان کو ہندوستان پر برتری حاصل رہی تھی، اس لئے عوام الناس اس جنگ کی فتح کا سہرا صدر پاکستان

Marfat.com

جنرل ایوب کے سر باندھنا شروع کر دیا تھا اور ایوب خاں ہی کو اس جنگ کا ہیرو سمجھنا شروع کر دیا تھا۔ لیکن اس جنگ کے دوران میں ریٹائرڈ ائرمارشل اصغر خاں نے اپنی کتاب "دی فرسٹ راؤنڈ" ایوب خاں کی کیفیت کو بڑی حد تک ایک نروس آدمی کی کیفیت قرار دیا ہے۔ لیکن اس جنگ میں مجموعی طور پر پاکستان کی افواج نے بہادری، عزم، پامردی اور جذبۂ ایثار و قربانی کی لاتعداد مثالیں قائم کیں۔ سترہ دن کی پاک بھارت جنگ کو پاکستان نے نہایت عزم اور حوصلے کے ساتھ برداشت کیا اور دشمن کو بھاری نقصان پہنچایا۔ اس طرح بھی مشرقی اور مغربی پاکستان کے لوگوں نے ایوب خاں کی قیادت کو سراہا اور ان پر مزید اعتماد کیا۔

(۲) جنوری ۱۹۶۶ء کو جب ہندوستان اور پاکستان کے مابین اعلانِ تاشقند پر عمل درآمد ہوا تو عوام کو اس سے ایک تاثر یہ بھی تھا کہ اس اعلان کے تحت شاید ایک آدھ شق اس طرح کی بھی رکھی گئی ہے کہ جس کے تحت پاکستان شاید کشمیر کے بارے میں اپنے حق سے دستبردار ہو جائے گا۔ اسی لئے اعلانِ تاشقند کے بعد ملک ایک بار ہنگاموں کی لپیٹ میں آگیا تھا۔ ابھی ایک طرف یہ ہنگامے جاری ہی تھے کہ ادھر مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب الرحمٰن نے اپنے چھ نکات کا مطالبہ کر دیا تھا۔ لیکن پھر شیخ مجیب الرحمٰن کو اگرتلہ سازش کے تحت ایک بار گرفتار کر لیا اور پھر کچھ مدت کے بعد انہیں چھوڑ دیا گیا تھا۔ اس طرح لوگوں میں گومگو کی ایک کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔

(۳) ۱۹۶۸ء میں یکم جنوری سے اکتوبر کے اواخر تک صدر ایوب خاں کی اصلاحات اور ترقیوں کا ایک دس سالہ جشنِ اصلاحات منایا گیا۔ ماہرین

Marfat.com

اور زیرک نظر لوگوں نے اس دس سالہ جشنِ اصلاحات کو بھی ایوب خاں کی حکومت کا ایک پروپیگنڈا ہی سمجھا اور اسے سراسر فضول خرچی اور آمریت کو استحکام بخشنے کا ایک حربہ قرار دیا۔

(۴) ایوب خاں کے ابتدائی دس برسوں کے دوران میں پاکستان نے مغربی ممالک کے ساتھ کئی ایک دفاعی معاہدے کر لئے تھے لیکن ۱۹۶۵ء کی جنگ میں گو پاکستان کو انہوں نے ذرا برابر بھی مدد نہیں دی تھی اس کے باوجود پاکستان ان معاہدوں میں شریک رہا۔ یہی نہیں بلکہ اسی عہد میں پاکستان نے اسلامی ممالک کے ساتھ بھی نہایت گہرے اور ہمدردانہ تعلقات قائم کر لئے تھے۔

(۵) ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۸ء تک پاکستان کی خارجہ پالیسی میں بھی نئے اندازِ فکر کا آغاز ہوا تھا۔ لہٰذا ایوب خاں نے بڑی حد تک آزاد پالیسی اختیار کی تھی۔ اس آزاد خارجہ پالیسی کا مقصد یہ تھا کہ پاکستان دیگر ترقی یافتہ ممالک سے ہر طرح کے دوستانہ تعاون کے لئے تو تیار ہے لیکن کسی کی بے جا بالادستی قبول کرنا اس کے قومی مفاد کے خلاف ہے۔ اس آزاد خارجہ پالیسی کے پاکستان کو بعض حوالوں سے نقصانات بھی اٹھانے پڑے لیکن اس روش سے بہر حال پاکستان کی اہمیت اور حیثیت بیرونی دنیا میں بھی واضح ہوتی گئی۔ پاکستان کی آزاد خارجہ پالیسی کے باعث پاکستان اور چین کے آپس میں مثالی دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے۔ اسی عہد میں پاکستان نے تین بڑے اسلامی ملکوں کا ایک ایسا میثاق قائم کیا کہ جس میں ترکی، ایران اور پاکستان شامل تھے۔ اسے میثاقِ استنبول یا آر سی ڈی کہا جاتا تھا۔ اس میثاق کے تحت تینوں ملکوں کے درمیان صنعتی، تجارتی، اقتصادی،

Marfat.com

ثقافتی اور اسلامی تعلقات کا ایک نیا اور مؤثر دور شروع ہوگیا۔

صدر ایوب کا زوال

گو آغاز میں صدر ایوب کی حکومت فوجی اور مارشل لاء کی حکومت تھی اور اس میں سابقہ حکومتوں کے مقابلے میں لوگ زیادہ دلچسپی لے رہے تھے اور ایک حد تک عوام نے اسے ایک طرح کا نجات دہندہ بھی سمجھ لیا تھا لیکن ایوب خاں نے سیاستدانوں اور سیاسی جماعتوں کو ایک طرح سے بے عمل کر کے رکھ دیا تھا۔

ایوب خاں کا بنیادی جمہوریتوں کا پورا نظام عوام نے ایک نئے اور اپنے نظام کے طور پر اختیار کر لیا تھا۔ اس نظام میں انتظامی ڈھانچے کے مطابق دیہی، ضلعی، تحصیلی، ڈویژن اور صوبائی سطح پر نظام قائم ہوا۔ یہ ایک طرح سے پانچ منزلہ نظام تھا اور سرکاری افسروں کی اعانت سے تکمیل پاتا تھا۔ انہی بنیادی جمہوریتوں کے نمائندوں نے قومی اسمبلی میں جب ۱۹۶۲ء کے آئین کو منظور کیا تھا تو ان پر خود بھی واضح ہوگیا تھا کہ یہ نظام ان نمائندوں کا اپنا بنایا ہوا نہیں ہے۔ اس آئین کا مرکز و محور صدر پاکستان ہی تھا۔ اس قدر لچکدار آئین تھا کہ اسے صدر اپنی مرضی اور منشا کے مطابق باآسانی ڈھال سکتا تھا۔

ایوب خاں کے ۱۹۶۰ء میں مکمل ہونے والے پہلے پانچ سالہ منصوبے کا ۱۹۵۶ء میں اعلان ہو چکا تھا۔ یہ پہلا پانچ سالہ منصوبہ افراطِ زر اور قیمتوں میں زیادتی اور دیگر مہنگائی کے باعث تشنۂ تکمیل رہا تھا لیکن دوسرا پانچسالہ منصوبہ ۶۵ء ۱۹۶۰ء تیس ارب روپے کا منصوبہ تھا۔ اس میں قریباً پندرہ ارب روپے پبلک سیکٹر کے لئے مختص کئے گئے تھے۔ اس دوسرے پانچ سالہ منصوبے کے اکثر و بیشتر ہدف حاصل کر لئے گئے تھے، لیکن تیسرا پانچ سالہ منصوبہ ۷۰-۱۹۶۵ء بڑی

Marfat.com

حد تک ناکام ہو گیا تھا۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے باعث پاکستان کو اپنے فوجی اخراجات اور عساکر پاکستان کی تنظیم نو کے لئے ایک بھاری رقم مختص کرنی پڑی تھی اور پاکستان کے دفاعی بجٹ کے لئے بھی اضافی رقم کا اہتمام کرنا پڑا تھا۔ جب کے باعث ملک کی معیشت پر بھی ایک محسوس اثر پڑا تھا۔ اس لئے حکومت کے ترقیاتی منصوبے بھی اثر انداز ہوتے بغیر نہ رہ سکے۔

گو حکومت نے دوسرے پانچ سالہ منصوبے میں آمدہ برسوں میں خود کفالت کی جانب بڑھنے کے اقدامات کئے تھے لیکن دوسرا پانچسالہ منصوبہ بڑی حد تک کامیابی سے ہمکنار ہوا۔ اس منصوبے کی ایک بڑی بنیادی خامی یہ تھی کہ اس میں بیرونی مالی امداد پر بہت زیادہ انحصار کیا گیا تھا۔ اس کے باوجود اس منصوبے میں ملک کی انڈسٹریل ترقی پر خصوصی توجہ دی گئی تھی، لیکن ماہرین معاشیات نے اعداد و شمار جمع کرنے کے بعد بتایا تھا کہ اس دور میں ملک کو اسی فی صد انڈسٹری پر صرف بائیس بڑے خاندانوں کا قبضہ ہے۔ رفتہ رفتہ ترقیاتی بنیادوں پر اسی انڈسٹری کا دیہات کی جانب بھی پھیلاؤ ہونے لگا تھا۔ لوگوں کی فی کس سالانہ آمدنی میں بھی اضافہ شروع ہو گیا تھا۔" لیکن ان حالات میں ایک بار پھر آمدنی بڑھنے کے ساتھ ساتھ آمدنی میں تفاوت زیادہ ہونے لگا تھا۔ خصوصاً مشرقی اور مغربی پاکستان کا تفاوت ایک مسئلے کی حیثیت اختیار کرنے لگا تھا۔ اس کے نتیجے میں مشرقی پاکستان میں دولت کی صحیح تقسیم اور مساوات کا مطالبہ زور پکڑنے لگا تھا۔"

ایوب خاں نے چھوٹی صنعتوں، زمینداروں، چھوٹے طبقوں اور گھریلو صنعتوں میں لوگوں کو کتنی طرح کی چھوٹ اور مراعات دے کر راتے عامہ کو اپنے حق میں ہموار کرنے اور تعمیر و فلاح اور بنیادی ترقی میں کام لیا تھا۔ یہی وجہ ہے، چھوٹے زمیندار اور صنعت کار اس دور کو سنہری دور کہتے رہے۔

Marfat.com

آغاز میں جب شیخ مجیب الرحمٰن نے اپنے چھ نکات کا اعلان کیا تو ایوب خاں نے اسے دبا دیا تھا۔ لیکن شیخ مجیب الرحمٰن کے چھ نکات رفتہ رفتہ مشرقی پاکستان کے لوگوں کے دلوں کی آواز بنتے گئے۔ شیخ مجیب الرحمٰن کا چھ نکاتی پروگرام اصل میں مشرقی پاکستان کی زیادہ سے زیادہ خود مختاری کا پروگرام تھا۔ اسی لئے پاکستان کے متعدد لیڈروں نے اس پروگرام کو مشرقی پاکستان کی علیٰحدگی ہی کا پروگرام قرار دیا تھا۔ ایک عرصے تک جنرل محمد ایوب خاں نے شیخ مجیب الرحمٰن کے اس چھ نکاتی پروگرام کو ایک ہتھکنڈے کے طور پر استعمال کیا۔ بہرصورت اب تک لوگوں کو یہ احساس ہونے لگا تھا کہ جنرل ایوب خاں جس بنیادی جمہوریت کے نظام کا چرچہ کرتا ہے اور جس آئین کے تحت اپنی حکومت قائم رکھے ہوئے ہے وہ سراسر ایک آدمی یعنی صدر ہی کو تحفظ دیتا ہے — لیکن ایوب خاں ابھی اسی آئین اور اسی نظام کو مزید وسعت دینے پر تلا ہوا تھا۔ بعض لوگوں کو تو یہ بھی شائبہ ہونے لگا تھا کہ صدر ایوب نے صدارتی انتخاب میں اپنی سرکاری مشینری کی بدولت محترمہ فاطمہ جناح کو شکست سے دوچار کیا ہے۔ حالانکہ صدر ایوب اور اس کا نظام اب لوگوں کو بالکل پسند نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ جب ایوب خاں کی ترقیوں اور اصلاحات کا دس سالہ جشن منایا جا رہا تھا اسی دوران میں اس کی پالیسیوں اور نظام کے خلاف ایک ردِ عمل شروع ہو چکا تھا۔ اس کے جلد ہی بعد ملک میں شدید ہنگامے ہونے لگے تھے۔ اسی دوران میں ایوب خاں کے وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو نے حکومت سے علیٰحدگی اختیار کر کے یکم دسمبر ۱۹۶۷ء میں پاکستان پیپلز پارٹی قائم کر لی تھی۔ پاکستان پیپلز پارٹی چونکہ بنیادی طور پر ایک ترقی پسند پارٹی تھی اس لئے اس نے جلد ہی اپنے ترقی پسند اور قدرے نئے نعروں کی بدولت عوام میں خاصی مقبولیت حاصل کر لی تھی۔

Marfat.com

پاکستان پیپلز پارٹی نے اپنے منشور میں روٹی کپڑا اور مکان فراہم کرنے کا دلکش نعرہ لگا دیا۔ پارٹی کے قیام کے بعد ذوالفقار علی بھٹو نے بھی اب آمرانہ ایوبی حکومت کے خلاف کھل کر اظہار کرنا شروع کر دیا تھا۔ پاکستان پیپلز پارٹی نے بحالیٔ جمہوریت کے لئے بھی کام کرنا شروع کر دیا تھا۔

نومبر ۱۹۶۸ء میں ایوب خاں کی حکومت کے خلاف تحریک اپنے عروج پر پہنچ گئی تھی۔ سارا ملک انتشار اور بدنظمی کا شکار ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ سیاسی بحران بڑھتا جا رہا تھا۔ فروری ۱۹۶۹ء میں تو کراچی میں ایوب خاں کے خلاف ہنگاموں نے بہت شدت اختیار کر لی تھی۔ اس طرح صدر ایوب خاں نے ملک میں ایک بار پھر ہنگامی حالات کا اعلان کر دیا تھا۔ ہنگامی حالت کے اعلان کے بعد صدر ایوب خاں نے کسی طرح کی مفاہمت کرنے اور حالات و واقعات کا جائزہ لینے کے لئے راولپنڈی میں ایک گول میز کانفرنس کا اہتمام کیا۔

گول میز کانفرنس میں صدر محمد ایوب خاں نے حالات کو معمول پر لانے کی بھرپور کوشش کی۔ اس دوران میں صدر محمد ایوب خاں نے نواب زادہ نصراللہ خاں کے کئی ایک مطالبات مان کر ملک سے ہنگامی حالات ختم کرنے کا وعدہ کر لیا تھا اور اسی دوران سیاسی قیدیوں کی فوری رہائی کو بھی مان لیا تھا۔ لیکن اسی عہد میں مشرقی پاکستان میں مولانا بھاشانی اور شیخ مجیب الرحمٰن نے لوگوں کو تشدد پر ابھار کر ایک طوفان کھڑا کر دیا تھا۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے ون یونٹ کو فوری توڑنے کی شرط بھی عاید کر دی تھی۔ اسی طرح کے حالات جاری رہے جن کے باعث صدر محمد ایوب خاں کی گول میز کانفرنسیں بھی ناکام ہو گئیں۔ ملک میں لاقانونیت پھیل گئی۔ مشرقی پاکستان میں ہر سطح پر ہڑتالیں جاری ہو گئیں۔ اشتعال انگیزی

Marfat.com

کے واقعات کی تعداد بڑھتی گئی۔ بعض کارخانوں میں آگ لگا دی گئی۔ ایک ابتری اور بے چینی کا دور دورہ ہو گیا تھا تو صدر محمد ایوب خاں نے ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء کو ملک میں دوبارہ مارشل لا لگا دیا اور پھر بری فوج کے کمانڈر انچیف آغا محمد یحییٰ خاں کو حکومت کی باگ ڈور دے کر ۱۹۶۲ء کا آئین ختم کر دیا۔

Marfat.com

باب - ۱۷

سقوطِ مشرقی پاکستان

جنرل یحییٰ خاں کا زمانہ صدارت

جب ملک میں انتشار اور ہنگامے زیادہ بڑھ گئے تھے، اس وقت گو صدر ایوب خاں نے تمام سیاسی لیڈروں سے بات چیت کے لئے گول میز کانفرنسوں کا اہتمام کیا تھا لیکن یہ گول میز کانفرنسیں کچھ سیاسی لیڈروں کی وجہ سے اور کچھ گرفتار شدہ لیڈروں کی وجہ سے ناکام ہوگئیں تو پھر ہنگامے بدستور جاری رہے اور انتشار شدید ہوتا گیا۔ بالآخر ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء کو صدر محمد ایوب نے ۱۹۶۲ء کا آئین منسوخ کر کے صدارت کے عہدے سے علیحدگی اختیار کر لی اور عنانِ حکومت جنرل آغا محمد یحییٰ خاں کے سپرد کر دی۔

جنرل آغا محمد یحییٰ خاں نے اقتدارِ حکومت سنبھالتے ہی ملک میں امن و امان قائم کرنے کے لئے مارشل لا کا قانون نافذ کر دیا۔ لیکن ان کے سامنے صدر محمد ایوب خاں کا حال اور لوگوں کا ردِ عمل تھا۔ اس لئے یحییٰ خاں نے جلد ہی ایک کونسل بنا لی

Marfat.com

تھی۔ یہ کونسل ایک طرح سے یحییٰ خاں کی کابینہ کی اہمیت رکھتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی یحییٰ خاں نے بار بار اس امر کا اظہار کیا کہ وہ اس کرسیِ صدارت کو زیادہ دیر تک سنبھالے رکھنے کا بالکل ارادہ نہیں رکھتے، اس لئے وہ بہت جلد حکومت کی ذمے داری عوام کے سپرد کر دیں گے۔

جنرل آغا محمد یحییٰ خاں نے کونسل کے قیام کے بعد بعض فوری کارروائیاں کیں۔ اور ملک میں امن وسکون قائم کرنے کی کوشش کی۔ اسی طرح یحییٰ خاں نے پاکستان کے دوستوں اور حلیفوں سے از سرِ نو تعلقات قائم کر کے عالمی سطح پر پاکسان کی پوزیشن کو مستحکم کرنے کی کوشش کی، لیکن پھر بھی یحییٰ خاں کے ابتدائی دور کی خارجہ پالیسی یکسر بے جان اور جامد ہو کر رہ گئی۔

یحییٰ حکومت کے اقدامات

یحییٰ حکومت نے اگست ۱۹۶۹ء میں اپنی کونسل قائم کرنے کے بعد درج ذیل اہم اقدامات کئے۔

(۱) چونکہ ملک میں دوبارہ مارشل لا نافذ کرنے کے بعد جنرل یحییٰ خاں چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر اور مسلح افواج کے بھی سپریم کمانڈر رہے تھے، اس لئے اپنی اس حیثیت میں مارشل لا احکام کے تحت ملک سے بد دیانتی، رشوت خوری اور دیگر کئی اسی طرح کے جرائم کا خاتمہ کرنے پر توجہ دی۔ اس طرح انہوں نے بدعنوان افسران کے خلاف شدید تادیبی کارروائی کی اور ۳۰۳ اعلیٰ افسران کو مختلف الزامات کے تحت حکومت سے برطرف کر دیا۔

(۲) یحییٰ خاں کی حکومت سے پیشتر پاکستان کی خارجہ پالیسی غیر جانبداری کی سمت میں صحت مند تبدیلی کے لئے کوشاں تھی، اس طرح سوشلسٹ ملکوں

Marfat.com

کے ساتھ بھی پاکستان کے برابر تعلقات قائم ہونے لگے تھے لیکن یحییٰ خاں کے فوجی سفیروں نے ناتجربہ کاری کی بنا پر اقوامِ عالم میں پاکستان کے وقار اور تقاضے کے مطابق خدمات انجام نہ دیں۔

(۳) صدر یحییٰ خاں نے مغربی پاکستان کے تمام علاقوں کے مطالبہ کا احترام کرتے ہوئے ون یونٹ کو ختم کر دیا تھا اور چاروں صوبوں کی صوبائی حیثیت کو برقرار کر دیا تھا۔ اسی طرح "مشرقی پاکستان کے لیڈروں کا یہ دیرینہ مطالبہ منظور کر لیا کہ پاکستان کے دونوں حصّوں میں نمائندگی آبادی کی بنیاد پر ہو۔ چنانچہ مساوی نیابت کے طے شدہ اصولوں کو ختم کر کے "ایک آدمی ایک ووٹ" کی حکمتِ عملی اپنانے کا اعلان کر دیا گیا"۔ اس طرح آبادی کے لحاظ سے نمائندگی کے لئے مشرقی پاکستان کو پورے پاکستان پر فوقیت حاصل ہو جاتی تھی۔

(۴) جنرل یحییٰ خاں نے ملک کی سیاسی صورتِ حال کو سنبھالنے اور آئینی مسائل حل کرنے کی خاطر ۲۹ مارچ ۱۹۷۰ء کو ایک آئینی ڈھانچے کا اعلان کیا۔ اس میں یہ تسلیم کر لیا گیا کہ آئندہ انتخابات بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ہوں گے۔ پورا پاکستان انتخابات میں حصّہ لے گا نہ کہ صرف اسی ہزار کونسلر ہی کی رائے کو اہمیت دی جائے گی۔ اس آئینی ڈھانچے میں یہ بھی طے کیا گیا تھا کہ مرکز اور صوبوں کے درمیان اختیارات تقسیم کر کے صوبائی خود مختاری کے تقاضے پورے کئے جائیں گے، وفاق کے پاس مالی اور دفاعی امور ہوں گے۔ مرکز تمام صوبوں کے درمیان معاشی تفاوت ختم کرنے کی کوشش کرے گا۔ اور جو نئی اسمبلی منتخب ہوگی وہ ایک سو بیس دن کے اندر اندر آئین تیار کرے گی، نہیں تو وہ خود بخود ختم ہو جائے گی۔

Marfat.com

(۵) وحدت پاکستان کو ختم کر کے صوبائی خود مختاری کے مسائل حل کر کے جنرل یحییٰ خاں نے عوام کی خواہش اور مطالبے پر دیر اور چترال کی ریاستوں کو پاکستان میں مدغم کر کے ان پر مشتمل مالاکنڈ ڈویژن بنا دی تھی اس طرح بھی ریاستوں کا ایک کہنہ نظام ختم ہو گیا تھا۔

(۶) ۳۱ مارچ ۱۹۷۰ء کو جنرل محمد یحییٰ خاں نے یہ اعلان کیا تھا کہ بطور صدر پاکستان میرا یہ فرض ہو گا کہ میں کسی ایسے آئین کی منظوری نہ دوں کہ جو نظریۂ پاکستان اور ملکی سالمیت کے منافی ہو۔ اور اگر اسمبلی کا بنایا ہوا آئین بنیادی نظریے اور آئینی ڈھانچے کے مطابق ہو گا تو میں اس آئین کی ضرور منظوری دے دونگا۔

(۷) جولائی ۱۹۷۰ء تک ون یونٹ توڑنے کے بعد مغربی پاکستان کے سابق صوبے پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان ایک بار پھر بحال ہو گئے تھے۔ لیکن جب صوبائی خود مختاری کی وضاحت اور حدود کے تعیّن کا مسئلہ پیدا ہوا تو جنرل یحییٰ خاں نے اس پر خاموشی اختیار کی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ شیخ مجیب الرحمٰن نے اپنے چھ نکات کو ایک بار پھر چمکا لیا اور اپنے رویے سے باغیانہ ردِ عمل کا اظہار کیا۔

(۸) یحییٰ خاں نے آئینی فارمولے کے تحت قومی اسمبلی کے ممبران کی تعداد تین سو تیرہ بنائی تھی۔ ان ارکان کی مختلف صوبوں میں درج ذیل نمائندگی تھی:

مشرقی پاکستان	۱۶۲ عام نشستیں	۷ عورتیں
پنجاب	۸۲ عام نشستیں	۳ عورتیں
سندھ	۲۷ عام نشستیں	۱ عورت
بلوچستان	۴ عام نشستیں	۱ عورت
شمال مغربی سرحدی صوبہ	۱۸ عام نشستیں	۱ عورت

Marfat.com

مرکزی انتظام میں قبائلی علاقے ــــ ۷ عام نشستیں ــــ ۰ عورت
میزان ۳۰۰ عام نشستیں ــــ ۱۳ عورتیں

عام انتخابات

آئینی ڈھانچہ ترتیب دینے کے بعد جنرل یحییٰ خاں نے اعلان کیا تھا کہ ملک میں حق بالغ رائے دہی اور ایک شخص ایک ووٹ کی بنیاد پر ملک میں اکتوبر ۱۹۷۰ء میں عام انتخابات منعقد ہوں گے۔ ان انتخابات کے لئے سیاسی اور سماجی سرگرمیوں کی اجازت دے دی گئی تھی۔ اس طرح بے شمار سیاسی جماعتیں بحال ہوگئی تھیں۔ عین انہی دنوں کہ جب عام انتخابات متوقع تھے۔ مشرقی پاکستان میں ہولناک سیلاب آئے اس طرح لوگوں کی زندگی اور معمولات یکسر بدل کر رہ گئے تو اس صورت حال کے تحت انتخابات ملتوی کر دیئے گئے۔ لیکن اس دوران میں سیاسی سرگرمیوں کی پوری پوری آزادی دی گئی کچھ عرصے کے بعد انتخابات کے لئے نئی تاریخ ۷ر دسمبر ۱۹۷۰ء منتخب کی گئی۔ ان انتخابات میں حصہ لینے کے لئے متعدد سیاسی جماعتوں مثلاً عوامی لیگ، پاکستان پیپلز پارٹی کونسل مسلم لیگ، کنونشن مسلم لیگ، جمعیت علماء اسلام، مرکزی جمعیت علمائے پاکستان، نیشنل عوامی پارٹی، جمعیت علمائے پاکستان، پاکستان ڈیموکریٹک پارٹی اور آزاد نمائندوں نے اعلان کیا۔

۷ر دسمبر ۱۹۷۰ء کو جب انتخابات منعقد ہوتے تو نتائج کے مطابق مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی اور مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ نے اکثریتی جماعتوں کے طور پر انتخابات جیتے۔ عوامی لیگ نے مشرقی پاکستان کی ۱۶۹ نشستوں میں سے ۱۶۷ نشستیں جیت لیں اور ۱۴۴ نشستوں میں سے پیپلز پارٹی نے

Marfat.com

۸۶ نشستیں حاصل کرلیں۔ مشرقی پاکستان میں قریباً سو فی صد نشستیں عوامی لیگ نے جیت لی تھیں اور عوامی لیگ کا منشور علاقائی خود مختاری پر زور دیتا تھا۔

عوامی لیگ کا منشور جو خلاصتہً چھ نکات پر مبنی تھا یوں تھا۔

(۱) ۱۹۴۰ء کی قرار دادِ لاہور کی بنیاد پر وفاقی نظام حکومت قائم کیا جائے۔

(۲) وفاقی حکومت کے پاس صرف دفاع اور امور خارجہ کے معاملات ہوں گے۔

(۳) صوبوں کے لئے علیٰحدہ اور جداگانہ مالیاتی اور مالی پالیسیاں اختیار کی جائیں گی اور مشرقی و مغربی پاکستان کی کرنسیاں بھی علیٰحدہ ہوں گی۔

(۴) وفاقی حکومت کو ٹیکس لگانے کا اختیار نہیں ہوگا۔ اس کی مالی ضروریات صوبے اپنے محاصل سے بحصّہ رسدی پوری کریں گے۔

(۵) مشرقی اور مغربی پاکستان کی بیرونی تجارت کے بھی علیٰحدہ علیٰحدہ حسابات رکھے جائیں گے۔

(۶) صوبوں کو نیم فوجی اور علاقائی دستے رکھنے کا آئینی اختیار ہوگا۔

دسمبر ۱۹۷۰ء کے ان انتخابات میں شیخ مجیب الرحمٰن کی سیاسی جماعت عوامی لیگ نے بلحاظ آبادی سب سے زیادہ نشستیں جیت لی تھیں۔ اس طرح گویا پاکستان بھر میں سے عوامی لیگ نے قریباً ۵۷ فی صد اور پاکستان پیپلز پارٹی نے قریباً ۲۸ فی صد نشستیں حاصل کی تھیں۔ عوامی لیگ نے مشرقی پاکستان میں ننانوے فی صد سے زیادہ سیٹیں حاصل کرلی تھیں اور مغربی پاکستان میں پاکستان پیپلز پارٹی نے قریباً اٹھاون فی صد سیٹیں جیتی تھیں۔ عوامی لیگ لیگ کی اسی مقبولیت اور واضح اکثریت پر انتخابات کے فوراً بعد یہاں تک کہہ دیا گیا تھا کہ پاکستان کے آئندہ وزیراعظم شیخ مجیب الرحمٰن ہوں گے۔

ملک کے دونوں حصّوں میں ایک ایک جماعت کی واضح اکثریت کے بعد

Marfat.com

اب دونوں جماعتوں میں اقتدار کے حصول کے لئے ایک طرح کی رسہ کشی شروع ہوگئی۔ پیپلز پارٹی شیخ مجیب الرحمٰن اور عوامی لیگ کے چھ نکات کی پالیسی کو ملکی سالمیت کے خلاف ایک سازش سمجھتی تھی اس لئے اس کی آرزو تھی کہ ملک کے دونوں حصّوں کا اقتدار اس کے سپرد کیا جائے لیکن اکثریتی نشستوں اور اکثریتی آبادی کی جماعت ہونے کے حوالے سے عوامی لیگ کی خواہش تھی کہ ملک کا اقتدار اس کے سپرد کر دیا جائے۔ اس سے پیشتر چونکہ جنرل یحییٰ خاں نے بھی ایک بار واضح الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ پاکستان کے وزیر اعظم مجیب الرحمٰن ہوں گے۔ اقتدار کے لئے دونوں کامیاب اور اکثریتی جماعتوں کی آویزشیں زیادہ ہوتی گئیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ اقتدار منتقل کرنے کی خاطر جنرل یحییٰ خاں نے بھی اپنی کوششیں جاری رکھیں۔ دونوں جماعتوں کے اختلافات ختم کرنے کے لئے بھی یحییٰ خاں نے اپنی کوششوں اور مفاہمتی مساعیوں کا آغاز کر دیا تھا۔ یحییٰ خاں کی یہ بھی آرزو تھی کہ اسمبلی جلد از جلد نئے آئین پر کام شروع کر دے۔

شیخ مجیب الرحمٰن اور ان کی عوامی لیگ چھ نکات منوانے پر مُصر تھی، اس لئے اسمبلی کا اجلاس ابتدائی کئی مہینوں تک ملتوی ہوتا رہا۔ کیونکہ شیخ مجیب الرحمٰن کے چھ نکات کا بنیادی مقصد یہی تھا کہ ملک کے دونوں حصّوں کو الگ الگ کر دیا جائے۔ ان کے درمیان صرف ایک بے نام سا رابطہ قائم رہے۔ باقی تمام امور میں یہ دونوں ایک دوسرے سے کٹ کر رہ جائیں۔ ماہرین نے ان چھ نکات کے بعد صورتحال کو ایک ڈھیلی سی کنفیڈریشن کا نام بھی دیا تھا۔ اس صورت کے بعد مشرقی پاکستان بآسانی علیحدہ ہو سکتا تھا۔ جنرل یحییٰ خاں کی کوششوں کے باوجود عوامی لیگ اور پاکستان پیپلز پارٹی میں کوئی مفاہمت نہ ہو سکی۔ اسی دوران میں عوامی لیگ نے مشرقی پاکستان میں ہنگامہ آرائیاں کرنی شروع کر دیں۔ مولانا بھاشانی نے بھی

Marfat.com

شدید قسم کے بیانات دینے شروع کر دیتے تھے۔ مولانا بھاشانی کے بیانات کے جواب میں پیپلز پارٹی کے چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو نے ایک غیر محتاط سا بیان دیا کہ جس کا مقصد یہ تھا کہ "اُدھر تم، ادھر ہم" بھٹو صاحب کے اس بیان سے عوامی لیگ نے محسوس کر لیا کہ پیپلز پارٹی اور اس کے سربراہ اب اس خود مختاری کی اہمیت کو سمجھ چکی ہے، اس لئے وہ احتجاجاً ہی سہی اُدھر تم اور ادھر ہم کے لئے تیار ہے۔ برسرِ اقتدار یحییٰ خاں کی فوجی حکومت اب ایک نئی صورتِ حال سے دوچار ہو گئی تھی۔ بہرصورت اس حکومت کا یہ کارنامہ بہت بڑا تھا کہ ملک میں پہلی بار منصفانہ بنیادوں پر انتخابات منعقد ہوتے تھے۔

ہندوستان جو پہلے ہی پاکستان کو پاش پاش کرنے کے درپے تھا۔ وہ ہمیشہ اسی تاک میں رہا کہ کب وہ اپنے عزائم کو عملی جامہ پہنا سکے، لہٰذا ہندوستان نے شیخ مجیب الرحمٰن اور اس کے چھ نکات کو خوب خوب سراہا اور باقاعدہ اس حوالے سے عوامی لیگ کی حمایت کرنی شروع کر دی تھی۔ ۴ر فروری ۱۹۷۱ء کو ہندوستان نے صورتِ حال کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے پہلے اقدام کے طور پر پاکستان کی ہوائی پروازوں کو مشرقی پاکستان آنے جانے پر پابندی لگا دی کہ پاکستان کا کوئی مسافر بردار جہاز بھی ہندوستان کے کسی علاقے پر سے نہیں گزر سکتا۔ فروری ۱۹۷۱ء ہی کو جنرل محمد یحییٰ خاں نے اپنی وزارتی کونسل توڑ دی اور ایک بار ملک میں مارشل لا کی شدت کر دی۔

مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے درمیان ہوائی پروازوں کے انقطاع سے دونوں حصّے ظاہری طور پر کٹ کر رہ گئے۔ لیکن حکومت پاکستان نے اس ضمن میں عالمی سطح پر احتجاج کیا لیکن اس پر ہندوستان نے کسی طرح کی نرمی یا رعایت کا اظہار نہ کیا۔ چند دنوں کے بعد پاکستان نے کراچی سے سری لنکا

Marfat.com

اور ڈھاکہ تک چند ایک ناگزیر پروازوں کا اہتمام کر لیا۔ لیکن ہندوستان نے اس پر بھی سری لنکا کے حوالے سے دباؤ ڈالنا چاہا۔ ہندوستان کی جانب سے ہوائی پروازوں پر پابندی سے ایک دن پہلے پاکستان کے ہوائی اڈہ پر چند کشمیری مجاہدین نے یہ سمجھا تھا کہ شاید اس طرح وہ حکومت ہندوستان کو کسی شرط منوانے کے لئے تیار کر سکیں گے۔ اس لئے انہوں نے ہندوستان کے ایک جہاز "گنگا" کو لاہور کے ہوائی اڈہ پر اتار کر آگ لگا دی۔ لیکن ہندوستان نے معمولی سے احتجاج کے بعد اس مسئلے پر زیادہ توجہ نہ دی بلکہ اس نے اپنی زیادہ توجہ اب مشرقی پاکستان پر مرتکز رکھی۔

سقوطِ ڈھاکہ اور دیگر واقعات

فروری ۱۹۷۱ء ہی کے وسط میں کہ جب مشرقی پاکستان ایک طرح سے مغربی پاکستان سے کٹ چکا تھا تو جنرل یحییٰ خاں نے یہ اعلان کر دیا کہ ۳ مارچ ۱۹۷۱ء کو منتخب اسمبلی کا اجلاس ڈھاکہ میں منعقد ہوگا۔ اس صورت حال میں ڈھاکہ جاکر اسمبلی میں شرکت کرنا پاکستان پیپلز پارٹی اور ذوالفقار علی بھٹو کو پسند نہیں تھا۔ لہٰذا پیپلز پارٹی نے ایک بار پھر شیخ مجیب الرحمٰن کے چھ نکات کے حوالے سے اس خدشے کے پیش نظر کہ اسمبلی میں چھ نکات پر بحث ہوگی اور مشرقی پاکستان کی ایک طرح کی عملی علیحدگی کا آغاز ہو جائے گا، اس لئے اجلاس میں شرکت سے انکار کر دیا لیکن مقررہ تاریخوں کے چند دن بعد ۱۰ مارچ ۱۹۷۱ء کو جنرل یحییٰ خاں نے ڈھاکہ میں بارہ سیاسی رہنماؤں کی ایک میٹنگ بلائی۔ اس میٹنگ میں شرکت سے شیخ مجیب الرحمٰن نے صریحاً انکار کر دیا۔

فروری کے اواخر اور مارچ ۱۹۷۱ء کے شروع میں جب ہندوستان نے ملک کے دونوں حصوں کے درمیان ہوائی رابطے کو بھی منقطع کر دیا تھا تو

Marfat.com

اس دوران میں شیخ مجیب الرحمٰن نے ہندوستان ہی کی شہہ پر اپنے کئی ایک کھلے جلسوں میں سول نافرمانی کی تحریکوں سے مشرقی پاکستان کے لوگوں کو بُری طرح سے مشتعل کر رکھا تھا۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے اپنے ایک جلسے میں یہ بھی کہہ دیا تھا کہ جب تک بنگالیوں کو پورے ملک کی حکومت نہیں دی جاتی اس وقت تک وہ ہر طرح کا ٹیکس ادا کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ شیخ مجیب الرحمٰن کی اس روش پر جنرل یحییٰ خاں نے تمام صوبوں میں مارشل لا کو مزید شدید کرنے کے لئے گورنروں اور مارشل لا ایڈمنسٹریٹروں کو بدل دیا۔ اسی دوران میں جنرل یحییٰ خاں نے ذوالفقار علی بھٹو سے اور شیخ مجیب الرحمٰن سے جداگانہ ملاقاتیں کیں۔ ان ملاقاتوں کے بارے میں بھی لوگوں میں مختلف اور طرح طرح کی قیاس آرائیاں رہیں لیکن کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔

۲۶ مارچ ۱۹۷۱ء کو جنرل آغا محمد یحییٰ خاں نے ملک بھر میں تمام سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد کر دی اور اس طرح پریس پر بھی سنسر لگا دیا گیا۔ اس کے ایک دن بعد شیخ مجیب الرحمٰن کو گرفتار کر کے مشرقی پاکستان کی واحد کامیاب اور اکثریتی جماعت پر پابندی عاید کر دی۔ یحییٰ خاں کے اس اقدام پر مغربی پاکستان میں تو خوشی کی لہر دوڑ گئی اور پاکستان پیپلز پارٹی نے یہ سمجھ لیا کہ اب وہی جماعت بلا شرکتِ غیرے اقتدار پہ براجمان ہو گئی لیکن مشرقی پاکستان کے لوگوں اور سیاسی رہنماؤں کے لئے یہ صورتِ احوال بالکل کسی طرح بھی قابلِ قبول یا قابلِ مفاہمت ہی نہیں تھی۔ مشرقی پاکستان میں اس دوران میں ہندوستان نے پاکستان دشمن معاندانہ پروپیگنڈا پہ پوری توجہ دی۔ اس طرح جلد ہی مشرقی پاکستان میں احتجاجی مظاہروں اور جلوسوں کا اہتمام ہونے لگا تھا۔ شیخ مجیب الرحمٰن کی گرفتاری نے حالات کی نزاکت کو مزید نازک بنا کر رکھ دیا تھا۔ شیخ مجیب الرحمٰن

Marfat.com

کی گرفتاری کے بعد تو ہندوستان کے اندر بھی لوگوں نے احتجاجی مظاہرے کرنے شروع کر دیئے اور ان مظاہروں میں ہندوستان کے کئی سیاسی رہنماؤں نے حکومتِ پاکستان سے مطالبہ کیا کہ وہ مشرقی پاکستان کے لوگوں کی مدد کر کے اسے پاکستان کے استعماری چنگل سے چھڑائے۔ پھر اس کے دو ایک دن بعد ہندوستان کی لوک سبھا نے اپنے دو تین مسلسل اور ہنگامی اجلاسوں کے بعد یہ اعلان کیا کہ "ہندوستان کی حکومت، مشرقی پاکستان کے حالات کے ان نازک معاملات میں خاموش تماشائی نہیں بنی رہ سکتی۔ اس سلسلے میں حکومتِ ہند کو ضروری اقدام اٹھانے چاہئیں"۔

لوک سبھا میں حکومتِ ہند کے اس رویے اور بیان کے بعد تو ہندوستان نے کھلم کھلا اور سرِ عام مشرقی پاکستان کے لوگوں کی حمایت اور مدد کرنی شروع کر دی تھی۔ اب ہندوستان نے ہوائی راستے کی بندش کے ساتھ ساتھ بحری راستوں کی بھی بندش کر دی تھی۔ اس طرح مشرقی پاکستان میں سول نافرمانیاں شدید ہوتی گئیں اور ہندوستان اپنی پریس میں بنگالیوں کو پاکستان دشمنی پر اکساتا رہا اور بنگالیوں کے لئے خصوصی پیغامات اور نشریوں کا بھی اہتمام کرتا رہا۔ ان حالات میں پاکستان نے چند ایک بار ہندوستان سے دوبارہ احتجاج کیا کہ وہ پاکستان کے داخلی معاملات میں براہِ راست مداخلت کر رہا ہے لیکن اب پاکستان کے یہ احتجاج صدا بصحرا ثابت ہوتے۔ پاکستان نے ہندوستان کے اس معاندانہ رویے پر اقوامِ متحدہ سے درخواست کی لیکن وہ بھی نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئی۔

"مشرقی پاکستان میں پہلے ہی سے مغربی پاکستان کے خلاف منافرت کے جذبات بہت شدید تھے کیونکہ عوامی لیگ نے اپنی انتخابی مہم میں سب سے زیادہ زور مغربی پاکستان کے خلاف زہریلے پروپیگنڈا پر دیا تھا۔ اس لئے

Marfat.com

اب تک وہاں تشدد سے لبریز ہنگامہ آرائی اور ایجی ٹیشن شروع ہو گئی تھی "عوام سڑکوں اور بازاروں میں نکل آتے۔ امن و امان تہس نہس ہو کر رہ گیا۔ یہ صورتِ حال پاکستان کے ان مخالف عناصر کے لئے بہت سازگار بلکہ خُدا داد موقع تھی، جو پہلے سے علیٰحدگی کا پرچار کر رہے تھے۔"

مشرقی پاکستان پوری طرح سے سول نافرمانی کی لپیٹ میں آچکا تھا۔ اس پر جنرل یحییٰ خاں نے مشرقی پاکستان کی صورتِ حال سے نمٹنے کے لئے صوبائی مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کو کلی اختیارات دے دیئے تھے کہ وہ جس طرح بھی ممکن ہو امن و امان کی صورتِ حال بحال کرے۔ یہ وُہ دور تھا کہ جب مشرقی پاکستان میں بنگالیوں نے ایک نجات دہندہ تنظیم "مکتی باہنی" بنالی تھی۔ در پردہ اس مکتی باہنی کی پشت پناہی ہندوستان کر رہا تھا۔ اس طرح کچھ ہی عرصے کے بعد پاکستانی فوجوں اور انتظامیہ کے ساتھ مکتی باہنی کی جھڑپوں کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا تھا۔

اسی دوران میں جنرل محمد یحییٰ خاں نے اتحاد کے لئے اپنی کوششیں جاری رکھیں اور ایک حد تک کنفیڈریشن آف پاکستان کے قیام پر بھی رضامندی کا اظہار کر دیا تھا لیکن عوامی لیگ اب اس حل کو ماننے کے لئے تیار نہیں تھی۔ مشرقی پاکستان کے سیاسی لیڈروں، عوامی لیگ اور ہندوستانی پروپیگنڈے میں لوگوں کو یہ باور کرایا جانے لگا تھا کہ مغربی پاکستان اور حکومتِ پاکستان، مشرقی پاکستان کی قیادت قبول نہیں کرنا چاہتے بلکہ وہ بنگالیوں کو اقتدار سے ہمیشہ محروم رکھنے پر تلے ہوتے ہیں۔

ہندوستان کے اس پروپیگنڈے اور حالات کی نزاکت کے باعث بنگالیوں کی تحریک روز بروز زور پکڑتی گئی۔ حالات قابو سے باہر ہوتے گئے۔ اس کے

Marfat.com

بعد مغربی پاکستانیوں اور مشرقی پاکستان میں بہاری مسلمانوں کے بے دریغ قتل عام اور کھلی لوٹ مار کا سلسلہ شروع ہوگیا۔" اس دوران میں یہ بھی کھل کر سامنے آگیا تھا کہ شیخ مجیب الرحمٰن اور اس کی عوامی لیگ کو پاکستان کے کسی وفاق سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ بلکہ اپنی گرفتاری سے پیشتر مجیب الرحمٰن نے مشرقی پاکستان میں اپنے طور پر ایک متوازی حکومت بھی قائم کر لی تھی اور بنگلہ دیش کے نام کی ایک الگ ریاست کے قیام پر زور دینا شروع کر دیا تھا۔ اس مسئلے کو بھی ہندوستان نے خوب خوب اچھالا اور پاکستان کے استحکام کے خلاف اپنی مہم جاری رکھی۔

مشرقی پاکستان کے حالات تمام کوششوں کے باوجود رفتہ رفتہ دگرگوں ہوتے گئے اور اس کے ساتھ ساتھ فوجی کارروائیوں میں بھی شدت آگئی تھی۔ فوجی جھڑپوں میں مکتی باہنی کے ساتھ ساتھ لوگوں کا بھی جانی اور مالی نقصان ہونے لگا تھا۔ امن اور سکون کے لئے مشرقی پاکستان کے لوگوں نے بھاگ کر ہندوستان جانا شروع کر دیا تھا۔ ہندوستان نے ان بھگوڑے پاکستانیوں کے لئے خصوصی انتظامات کرنے پر توجہ دی اور ان کے حوالے سے پاکستان کے خلاف مزید معاندانہ اور مخاصمانہ پروپیگنڈا تیز کر دیا۔ چند ہی دنوں میں مشرقی پاکستان سے بھاگے ہوئے ہزاروں لوگ ہندوستان کے دیگر حصّوں اور کلکتہ کے گرد و نواح میں جمع ہو گئے۔

اس تازہ صورتِ حال سے نبرد آزما ہونے کے لئے جنرل یحییٰ خاں نے ٹکا خاں کو مشرقی پاکستان کا مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بنا کر بھیجا۔ جنرل ٹکا خاں نے مشرقی پاکستان جا کر امن و سکون قائم کرنے کی غرض سے مشرقی پاکستان کے متعدد سیاسی رہنماؤں سے بات چیت کی اور پھر ہندوستان بھاگ کر جانے والے

Marfat.com

لوگوں کی باعزت واپسی کا بھی یقین دلایا۔ اس اعلان کے بعد تھوڑی تعداد میں لوگ واپس پاکستان آگئے۔ یہ امن وسکون کی فضا اور کسی طرح کا تصفیہ عوامی لیگ مکتی باہنی اور ہندوستان کی حکومت کو پسند نہیں تھا لہٰذا فوج اور مکتی باہنی کی جھڑپیں جاری رہیں۔ اس وقت تک مشرقی پاکستان کی حالت ایک محصور جزیرے کی سی ہوگئی تھی جس میں اب مزید پاکستانی کمک نہیں جاسکتی تھی اور اس پر مستزاد ہندوستان کی افواج اب مشرقی پاکستان میں براہِ راست مکتی باہنی کا ساتھ دے کر میدانِ کارزار میں اتر آتی تھیں۔

اسی دوران میں آخری داؤ کے طور پر ۲۸ر جون ۱۹۷۱ء کو جنرل یحییٰ خاں نے اپنی ایک تقریر میں آئین کے حوالے سے چند ایک نقاط کی وضاحت کی اور بتایا کہ :۔

(۱) ملک کا آئندہ آئین ماہرین کی ایک کمیٹی بناتے گی۔ آئین میں ترمیم کا طریقہ کار بھی وضع کیا جائے گا۔

(۲) وطن دشمن اور مجرمانہ سرگرمیوں کے مرتکب ارکان اسمبلی کی تحقیقات کے بعد ان کی رکنیت ختم کر کے نئے ضمنی انتخابات کرائے جائیں گے۔

(۳) قومی اسمبلی آئین ساز کی حیثیت سے کام نہیں کرے گی۔

(۴) جب صوبائی حکومتیں قائم ہو جائیں گی تو مارشل لا ختم کر دیا جائے گا۔

(۵) جب تک ملک میں آئینی حکومت قائم نہیں ہوتی اس وقت تک ملک میں ہر قیمت پر امن و امان بحال رکھا جائے گا۔ بدامنی کو برداشت نہیں کیا جائے گا۔

(۶) نئے آئین میں صوبوں کو زیادہ سے زیادہ خود مختاری دی جائے گی۔ آئین اگرچہ وفاقی طرز کا ہوگا لیکن صوبوں کی خود مختاری کے اختیارات کو بھی

Marfat.com

ملحوظ رکھا جائے گا۔

(۷) پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرنے والی کسی طرح کی کوئی غیر ملکی امداد قبول نہیں کی جائے گی۔ بھارت کی سرگرمیوں اور جنگی دھمکیوں سے مؤثر طور پر نمٹا جائے گا۔ اور ملکی سالمیت اور اتحاد کی خاطر ملکی سرحدوں کی پوری حفاظت کی جائے گی۔

(۸) ملک کو درپیش اندرونی اور بیرونی معاملات اور خطرات سے نمٹنے کے بعد انتقالِ اقتدار کا مسئلہ حل کیا جائے گا۔

جنرل یحییٰ خاں کے اس اعلان کے باوجود صورتِ حال کسی طور سدھرتی دکھائی نہ دی بلکہ جون ۱۹۷۱ء کے آخر تک تو ہندوستان نے مشرقی پاکستان کی سرحدوں پر بھی حملے کرنے شروع کر دیئے تھے تاکہ مشرقی پاکستان میں موجود پاکستانی افواج سرحدی دفاع اور جنگ میں مصروف ہو کر رہ جائے تو مکتی باہنی اور ہندوستانی فوجیں مشرقی پاکستان کے لوگوں کے تعاون سے اندرونِ ملک اپنی کارروائیاں شدید کر سکیں۔ ہندوستانی افواج کے اس اقدام پر مشرقی پاکستان کی صورتِ حال نازک اور مخدوش ہوتی گئی۔ اس پر پاکستان نے اقوام متحدہ کے ہائی کمشنر سے بھی مداخلت کی درخواست کی لیکن اس درخواست کا بھی کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا۔

اگست ۱۹۷۱ء میں ہندوستان اور سوویت روس نے آپس میں ایک جنگی معاہدہ کر لیا۔ اس معاہدے کے پیشِ نظر پاکستان کی سرحدوں کو مزید خطرہ لاحق ہو گیا۔ پاکستان نے اس معاہدے کے حوالے سے عالمی سطح پر واویلا کیا کہ ہندوستان اس معاہدے کی بدولت پاکستان کی سالمیت کو ضعف پہنچائے گا۔ مشرقی پاکستان میں گو مکتی باہنی اور پاکستانی فوجوں کے درمیان جھڑپوں کا سلسلہ

Marfat.com

شروع تھا اور اب جبکہ ہندوستان کی فوجوں نے پاکستان کی سرحدوں پر چھیڑ خانیاں شروع کر دی تھیں تو پاکستان ایک بار پھر نہایت نازک صورتِ حال سے دوچار ہو گیا کیونکہ مشرقی پاکستان میں متعین پاکستانی افواج کو کوئی تازہ دم کمک بھجوانا مشکل ہو گیا تھا۔ دوسرے مشرقی پاکستان کے لوگوں نے بھی پاکستان کی افواج کے ساتھ تعاون کرنا پسند نہیں کیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ لوگ مکتی باہنی کے ساتھ تعاون کرتے تھے اور ہندوستانی فوجیوں کو نجات دہندہ کا نام دیتے تھے۔

نومبر ۱۹۷۱ء تک مشرقی پاکستان میں یہ صورتِ حال پیدا ہو چکی تھی کہ ہندوستان اور پاکستان کی فوجیں براہِ راست ایک دوسرے کے ساتھ سرحدوں پر ملک کے اندر لڑنے لگی تھیں۔ ان افواج کا مقابلہ کرنے کے لئے پاکستانی انتظامیہ اور افواج نے بھی اپنی کارروائیاں نہایت شدید کر دی تھیں بلکہ مکتی باہنی اور ہندوستانی فوجوں کا ساتھ دینے والے لوگوں کے خلاف بھی کارروائی کا آغاز کر دیا تھا۔ پاکستانی افواج اپنے محدود اسلحے کے باوجود اپنے وسائل کے اندر رہ کر بھی ہندوستانی فوجوں کا مقابلہ کر رہی تھی اور بعض مقامات پر انہیں پسپا بھی کر رہی تھیں۔ جب ہندوستانی اور پاکستانی فوجوں کا براہِ راست مقابلہ اور محاربہ ہو رہا تھا تو ہندوستانی افواج روسی اسلحہ استعمال کر رہی تھیں۔ اس جنگی صورتِ حال میں کہ جب مشرقی پاکستان بے یار و مددگار ہو جاتے اور وہاں کے عوام بھی ملکی افواج کا ساتھ نہ دیں بلکہ ان کی تمامتر ہمدردیاں مکتی باہنی اور "نجات دہندہ" ہندوستانی افواج کے ساتھ ہوں تو یہ ایک ایسا لمحہ فکریہ تھا کہ جس پر جنرل محمد یحییٰ خاں کسی طرح کی کوئی جبری کارروائی کرنے کی پوزیشن میں بھی نہیں تھا بلکہ مشرقی پاکستان تو سابقہ آٹھ مہینوں سے عملی طور پر مغربی پاکستان سے کٹ چکا تھا۔ ہندوستانی افواج نے مشرقی پاکستان کے قریباً تمام محاذوں پر گولہ باری بھی کرنی شروع کر رکھی تھی اور جابجا وہ

Marfat.com

ہوائی حملے بھی کر رہا تھا۔

ہندوستان نے اس نازک صورت حال سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔" نومبر ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان پر بھرپور فوجی حملہ کر کے وسط دسمبر تک ڈھاکہ میں پاکستانی افواج سے ہتھیار رکھوا لیئے۔" پھر یکم دسمبر ۱۹۷۱ء کو ہندوستانی افواج نے مغربی پاکستان پر بھی ہوائی حملوں کا آغاز کر دیا تھا۔ جب ہندوستان نے مغربی پاکستان کی سرحدوں پر بھی جنگ مسلط کر دی تو پھر جنرل یحییٰ خاں نے قوم کے نام ایک خطاب میں افواجِ پاکستان اور مجاہدین کو تمام محاذوں پر دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کا پیغام دیا اور کہا کہ خدا ہمارے ساتھ ہے۔ اپنے ملک کی حفاظت کیجئے"۔ اسی دوران میں شیخ مجیب الرحمٰن کے خلاف بغاوت کا مقدمہ چلا کر انہیں شدید نگرانی اور حفاظت میں رکھ لیا گیا۔

جنرل یحییٰ خاں کے اعلان اور پیغام پر لبیک کہتے ہوئے افواجِ پاکستان نے مغربی پاکستان کی سرحدوں پر کئی کامیابیاں حاصل کیں۔ متعدد محاذوں پر ہندوستانی چوکیوں پر حسب سابق پاکستان نے قبضہ کر لیا۔ ہندوستان نے مغربی پاکستان کے مختلف شہروں اور محاذوں پر ہوائی جہازوں سے بھی حملے کئے۔ لیکن پاکستان نے جوابی کارروائی کر کے ہندوستان کے قریباً چوہتر ہوائی جہاز تباہ و برباد کر دیئے۔ اسی دوران میں اقوام متحدہ کی سیکیورٹی کونسل میں جنگ بندی کی قرارداد پیش ہوئی لیکن روس کی حکومت نے ہندوستان کے ساتھ کئے ہوئے حالیہ فوجی معاہدے کے تحت سیکیورٹی کونسل میں ویٹو کر کے اس قرارداد کو ختم کر دیا۔ اس کے نتیجے میں مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کی سرحدوں پر جنگ جاری رہی۔ خلاصتہً" جنرل یحییٰ خاں اپنی داخلی اور خارجی پالیسیوں اور حکمت عملیوں کے باعث بیرون ملک سے کوئی ہمدردی حاصل نہ کر سکا۔ اور ہندوستانی فوجوں کے حملوں کے مقابلے میں مؤثر ثابت نہ ہو سکا"۔ یہی وہ عہد

Marfat.com

ہے کہ جب مخالف ممالک نے بعض مسلمان ملکوں اور پاکستان کے خارجہ تعلقات کو بھی شک وشبہ کی نظر سے دیکھنا شروع کر دیا تھا۔

بالآخر ۳ر دسمبر ۱۹۷۱ء سے ہندوستانی افواج کے شروع ہونے والی براہ راست جنگ ۱۶ر دسمبر ۱۹۷۱ء کو ختم ہوگئی اور لیفٹیننٹ جنرل مارشل لاایڈمنسٹریٹر زون بی اور کمانڈر ایسٹرن کمانڈ (پاکستان) امیر عبداللہ خاں نیازی نے ایک دستاویز پر دستخط کر کے اپنے آپ کو مع ہزاروں فوجیوں کے لیفٹیننٹ جنرل جگ جیت سنگھ اروڑا کے زیر فرمان کر کے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس کے ایک دن بعد سترہ دسمبر ۱۹۷۱ء کو مغربی پاکستان کی سرحدوں پر بھی جنگ بند ہوگئی۔

۱۶ر دسمبر ۱۹۷۱ء کو جب پاکستانی افواج نے انڈین اینڈ بنگلہ دیش فورسز ان دی ایسٹرن تھیٹر کے لیفٹیننٹ جنرل کے سامنے ایک معاہدے کے تحت ہتھیار ڈالے تھے تو اس معاہدہ دستاویز میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ جنگی قیدیوں کے ساتھ جنیوا کنونشن کے اصولوں کے مطابق سلوک کیا جائے گا اور جو لوگ خود کو ان کے حوالے کریں گے ان کے ساتھ عزت اور وقار سے برتاؤ کیا جائے گا۔ اسی طرح یہ بھی یقین دہانی کرائی گئی تھی کہ غیر ملکی شہریوں، نسلی اقلیتوں اور اصلاً پاکستانی لوگوں کو پورا پورا تحفظ دیا جائے گا۔

۱۶ر دسمبر ۱۹۷۱ء ہی کو رات کے وقت صدر یحییٰ خاں نے قوم کے نام ایک خطاب میں قومی حوصلوں کو بلند کرنے اور صورتِ حال کو قبول کرنے اور صدمے کو برداشت کرنے کے لئے دلجوئی کی خاطر کہا کہ "بعض مجبوریوں کے تحت پاکستانی فوج نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں، مگر جنگ پھر بھی جاری رہے گی اور انشاء اللہ فتح ہماری ہوگی۔" ہندوستان چونکہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہو چکا تھا، اس لئے اس نے مشرقی پاکستان میں پاکستانی افواج سے ہتھیار

Marfat.com

ڈلوانے کے بعد ۱۷ر دسمبر ۱۹۷۱ء کو ساڑھے سات بجے رات مغربی پاکستان کی سرحدوں پر جنگ بند کر دی تھی۔ جنگ بندی کے اس اعلان کے بعد صدر پاکستان جنرل یحییٰ خاں نے مزید چند ایک تبدیلیوں کا اعلان کیا۔ اس جنگ بندی کے حوالے سے بعض مبصرین اور ماہرین کا خیال ہے کہ شاید حکومت پاکستان کو ایک طرح کی ایک خوش فہمی ہو گئی تھی کہ امریکہ کا بحری بیڑہ "امریکن انٹر پرائز" ان کی مدد کر سکے گا لیکن ایسا بھی ممکن نہ ہو سکا۔

سقوطِ مشرقی پاکستان ایک جائزہ

سقوطِ مشرقی پاکستان کے متعدد اسباب ہیں لیکن ان تمام اسباب میں سب سے زیادہ مؤثر سبب ہندوستانی جارحیت ہے۔

ہندوستانی جارحیت

ہندوستان نے پاکستان بننے کے ساتھ ہی ۱۹۴۷ء سے مشرقی پاکستان پر خصوصی توجہ رکھی تھی۔ اس حوالے سے حکومت ہند نے متروکہ جائیداد کے قانون میں مشرقی پاکستان کیلئے لوگوں کو کچھ مراعات دے رکھی تھیں۔ اسی طرح مشرقی پاکستان کے لوگوں پر ویزے کی بھی برائے نام ہی پابندیاں تھیں، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مشرقی پاکستان کے لوگوں کی ہمدردیاں ہندوستان کی حکومت کے ساتھ ہوتی گئی تھیں۔ ہندوستان کی سیاسی جماعت کانگرس کا مسلسل یہی نظریہ رہا کہ پاکستان کو توڑنا ہی اس کے مفاد میں ہے۔ لہٰذا ۱۹۶۵ء کی جنگ میں ہندوستان نے اپنے ارادے کا اظہار کھل کر کیا اور پاکستان پر بغیر کسی باقاعدہ اعلانِ جنگ کے جنگ مسلط کر دی تھی لیکن پاکستانی افواج نے ہندوستان کی فوجوں کو عبرتناک

Marfat.com

شکست دی اور اس کا بھاری نقصان کیا۔

مشرقی پاکستان کے سمندروں اور بندرگاہوں کو استعمال کرنے اور ان سے ہندوستانی مال کو برآمد کرنے کے لئے ہندوستانی حکومت مدت سے خواب دیکھ رہی تھی، اس لئے جب ۱۹۷۰ء کے بعد مشرقی پاکستان میں حالات نازک ہوتے گئے اور شیخ مجیب الرحمٰن نے اپنے چھ نکات کا ڈول ڈالا تو اس حوالے سے بھی ہندوستان کے تمام سیاسی اور سماجی ذرائع نے پوری ہوا دی۔

مشرقی پاکستان میں ایک کروڑ سے زیادہ ہندو آباد تھے۔ ہندوستانی حکومت کو مسلمانوں کے مقابلے میں ہندوؤں کے مفادات زیادہ عزیز تھے، اس لئے ہندوؤں کی حفاظت کے لئے ضروری تھا کہ مشرقی پاکستان میں ہندوستان کا اثر و رسوخ زیادہ بڑھتا اور پھر مشرقی بنگال کے ہندوؤں کا تحفظ مغربی بنگال کے مسلمانوں کی قیمت پر کیا جاتا کیونکہ مشرقی اور مغربی بنگال کی تقسیم نے ہندوؤں کی اقتصادیت اور مالی حالت کو بہت متاثر کیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ حکومت ہندوستان نے مشرقی پاکستان میں موجود ہندوؤں کو یہ کھلی اجازت دے رکھی تھی کہ جب چاہیں ہندوستانی بنگال میں آسکتے ہیں۔ ایسے ہندوؤں کو کچھ جائیدادیں دینے کی رعائتیں بھی دی جائیں گی۔ اس طرح وہ لوگ بیک وقت مشرقی پاکستان کے بھی شہری ہوں گے اور ہندوستان کے شہری بھی کہلائیں گے۔ ہندوستان کی جانب سے مشرقی پاکستان میں آباد ہندوؤں کو دیگر مراعات دے کر ہندوستان نے اپنے حق میں معاون کر رکھا تھا۔ وہی دو ملکوں کے شہری جاسوسی بھی کرتے رہے اور سمگلنگ میں بھی ہمیشہ ملوث رہے۔ اس طرح ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جب مشرقی پاکستان کے لوگوں نے ہندوستان کے ان مذموم عزائم کے خلاف آواز بلند کی تو اس وقت شیخ مجیب الرحمٰن نے ہندوستان کی مخالفت

Marfat.com

کرنے والوں کو سخت ہراساں کیا اور ان کے خلاف شدید کارروائی کی دھمکیاں دیں۔

بہرصورت ہندو حکمران اور کانگرس مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے علیحدہ کرنے کی ہمیشہ کوشش کرتی رہی کیونکہ اسے یہ یقین کامل تھا کہ مشرقی پاکستان علیحدہ اور خود مختار ہونے کے بعد ہندوستان کی جھولی میں خود بخود آن گرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۶ر دسمبر ۱۹۷۱ء کو جب مشرقی پاکستان میں پاکستانی افواج نے ہتھیار ڈال دیئے تو ہندوستان نے اعلان کیا کہ "اب جنگ بند کی جاتی ہے کیونکہ مشرقی پاکستان کو آزاد کرا لیا گیا ہے" اور یہی ہمارا مشن تھا، جو بہرصورت پورا ہو گیا ہے۔ حالانکہ اس سے پیشتر جب پاکستان نے اقوام متحدہ کی سیکیورٹی کونسل میں جنگ بندی کی قرارداد پیش کی تھی تو ہندوستان کے وزیر خارجہ سردار سورن سنگھ نے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ کہا تھا کہ جنگ بندی کا اس وقت تک کوئی فائدہ نہیں ہوگا جب تک جنگ بندی کے معاہدہ میں بنگلہ دیش کو بھی شامل نہ کیا جائے۔

سوویت روس کا کردار

سوویت روس اور چین کے نظریاتی اختلافات بہت پرانے ہیں۔ بہرصورت چین نے رفتہ رفتہ ترقی کر کے عملی طور پر یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ متعدد ترقی پذیر اقوام کا سچا ہمدرد ہے۔ پاکستان کے چین کے ساتھ تعلقات بھی ۱۹۶۲ء کی ہند چینی جنگ کے بعد زیادہ بہتر طور پر استوار ہونے لگے تھے۔ یہ صورتِ حال روس کو پسند نہیں تھی۔ دوسرے یہ بھی اب واضح ہونے لگا تھا کہ امریکہ اور چین کے مابین بھی تعلقات خوشگوار ہوتے جائیں گے، اس لئے روس کے لئے یہ ضروری ہو گیا تھا کہ ایشیا میں اپنا کوئی بہت بڑا حلیف بنا لے، اس لئے روس نے ہندوستان کے ساتھ کئی فوجی اور ثقافتی معاہدے کئے اور پھر عین ان دنوں میں کہ جب

Marfat.com

مشرقی پاکستان میں انتشار اور بدامنی کا دور دورہ تھا تو بھی روس نے ہندوستان کے ساتھ ایک نیا فوجی معاہدہ کر لیا تھا۔ اس نئے معاہدے کے تحت روس نے ہندوستان کو بہت زیادہ اسلحہ فراہم کر دیا تھا۔

پاکستان نے جب روس اور ہندوستان کے اس نئے فوجی معاہدے کے خلاف آواز اٹھائی کہ ہندوستان اس معاہدے کے تحت حاصل کردہ اسلحہ پاکستان کے خلاف استعمال کرے گا اور یہی ہوا کہ مشرقی پاکستان میں اور مغربی پاکستان کی سرحدوں پر ہندوستان نے روسی اسلحہ ہی استعمال کیا۔ دسمبر ۱۹۷۱ء میں جب پاک بھارت جنگ جاری تھی تو اقوام متحدہ کے ممبران میں جب ایک سو چار ووٹوں کی بھاری اکثریت سے یہ قرارداد منظور ہوئی کہ پاکستان اور ہندوستان فوراً جنگ بند کر دیں اور فوجیں اپنے اپنے علاقوں میں واپس بلالیں تو بھی سوویت روس نے سرد مہری کا ثبوت دیا۔ پھر سیکیورٹی کونسل میں بھی ویٹو کر دیا تھا۔

امریکی رویّہ

گو پاکستان امریکہ کا ایشیا میں ایک بہت بڑا حلیف تھا اور اس سے پیشتر امریکہ نوازی اور امریکی اڈوں کے قیام کے حوالے سے پاکستان روس کی مخالفت بھی مول لے چکا تھا لیکن اس کے باوجود امریکہ سقوطِ مشرقی پاکستان میں پاکستان کی کوئی مدد نہ کر سکا۔ صرف ایک بار اسی دوران میں صدر نکسن نے امریکہ کی حکومت کے ایما پر اعلان کیا تھا کہ ہندوستان کو چاہیئے کہ پاکستان پر اپنا حملہ روک دے وگرنہ امریکہ پاکستان کے ساتھ دفاعی معاہدے کے تحت براہِ راست مداخلت کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔ ماہرین نے امریکہ کے اس اعلان کو بھی ایک طرح کی مصلحت انگیزی ہی کا نام دیا تھا کیونکہ امریکہ تو بذاتِ خود مشرقی پاکستان کی علیحدگی

Marfat.com

اور خود مختاری کے لئے کام کر رہا تھا۔

۱۲ر دسمبر ۱۹۷۱ء کو جب مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کی سرحدوں پر پاک بھارت جنگ جاری تھی اس وقت شاید امریکہ کے اپنے سابقہ پروگرام کے مطابق امریکہ کا طیارہ بردار جدید بحری بیڑہ "امریکن انٹر پرائز" بنگال کی جانب روانہ ہو گیا تھا۔ اس بیڑے کی روانگی کے پیشِ نظر پاکستان نے شاید ایک حد تک یہ فرض کر لیا تھا کہ مشرقی پاکستان میں اس کی بدولت جارحیت ختم ہو جائے گی۔ لیکن اس امریکی بحری بیڑے نے مشرقی پاکستان کے زوال کی پوری صورتِ حال کو دیکھا اور عالمی انتشار کے خطرے سے بچنے کے لئے کسی طرح کی کوئی کارروائی کرنی مناسب نہ سمجھی۔ امریکہ کی اس صریحاً خاموشی اور بے عملی سے یہ بھی عیاں ہوتا تھا کہ شاید امریکہ، روس اور ہندوستان اپنی ملی بھگت سے اور اپنی نگرانی میں بنگلہ دیش بنوا رہے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اقوامِ متحدہ کے اندر بھی سلامتی کونسل کے ارکان اس وقت تک مشرقی پاکستان میں جنگ بند کرانے کے لئے سنجیدہ نہیں تھے کہ جب تک مشرقی پاکستان پر پورا ہندوستان کا قبضہ نہیں ہو جاتا۔ اسی طرح جب ہی امریکہ اور مغربی ممالک کی سلامتی کونسل میں تین قراردادوں کو روس نے ویٹو کر دیا تھا۔ سقوطِ مشرقی پاکستان کے اس سارے المیے کا یہ پہلو بھی بڑا پُراسرار ہے کہ دفاعی معاہدوں میں پاکستان کا حلیف امریکہ مداخلت کے اعلان کے باوجود خاموش کیوں ہو گیا؟ اس کے انٹر پرائز کا مشن کیا تھا؟

ہندوستانی جارحیت

مشرقی پاکستان کے نازک حالات کے مطابق ہندوستان نے قریباً مارچ ۱۹۷۱ء کے بعد سے جارحیت کا ارتکاب کرنا شروع کر دیا تھا۔ ۲۱ر نومبر ۱۹۷۱ء

Marfat.com

کو ہندوستان نے پاکستانی سرحدوں کی خلاف ورزیاں شروع کر دی تھیں اور پھر ۳ر دسمبر سے تو ہندوستان نے باقاعدہ جارحیت بھرے حملے کرنے شروع کر دیئے اور ۱۶ر دسمبر ۱۹۷۱ء تک یہ جنگ جاری رہی۔ جنگ بندی اور مشرقی پاکستان میں افواج پاکستان کے ہتھیار ڈالنے کے اعلان کے ساتھ ہی ہندوستانی افواج اور مکتی باہنی نے پاکستانیوں کو گویا ایک طرح کے قانونی استحقاق سے قیدی بنانا شروع کر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے پاکستان کے قریباً نو ہزار شہریوں کو زبردستی قیدی بنا لیا۔ ان میں عورتوں کی اکثریت تھی اور تین ہزار بچے بھی شامل تھے۔ اس طرح ہندوستان نے قریباً ترانوے ہزار پاکستانیوں کو جنگی قیدیوں کا نام دے کر گرفتار کر لیا۔

اسی طرح جب ۱۷ر دسمبر ۱۹۷۱ء کو مغربی پاکستان کے محاذوں پر بھی جنگ بند ہوئی تو ہندوستان نے اس وقت تک مغربی پاکستان کے دیگر محاذوں اور کشمیر میں قریباً پانچ ہزار مربع میل کے علاقے پر قبضہ کیا ہوا تھا۔ اس رقبے میں پنجاب کے بعد زرخیز زرعی میدان بھی شامل تھے۔ ہندوستان نے اپنے مقاصد حاصل ہونے کے فوراً بعد اسی دن بنگلہ دیش کی حکومت کو تسلیم کر لیا تھا اور اس کے بعد دنیا کے دوسرے ممالک بھی بنگلہ دیش کو رفتہ رفتہ تسلیم کرنے لگے تھے۔

دسمبر ۱۹۷۱ء میں ابھی جنگ جاری تھی۔ اسی دور میں جنرل محمد یحییٰ خاں نے حکومت پاکستان کے لئے ایک نئے سیاسی ڈھانچے کا اعلان کر دیا تھا۔ اس کے مطابق جناب نورالامین کو پاکستان کا وزیراعظم مقرر کر دیا تھا۔ اور ذوالفقار علی بھٹو کو نائب وزیراعظم اور وزیر خارجہ بنا دیا تھا۔ نورالامین کا

Marfat.com

متعلق مشرقی پاکستان سے تھا۔ پھر سقوطِ مشرقی پاکستان کے بعد یحییٰ خاں نے اپنی سبکدوشی کا اعلان کر دیا تھا۔ لیکن ابھی ذوالفقار علی بھٹو اقوام متحدہ کے اجلاس کے بعد واپس ملک نہیں آئے تھے کہ اپنی سبکدوشی کے بعد جنرل یحییٰ خاں نے ملک کی باگ ڈور بھٹو صاحب کے سپرد کر دینے کا اعلان کر دیا تھا۔ اس اعلان کے ایک ہی دن بعد ۲۰ر دسمبر ۱۹۷۱ء کو ذوالفقار علی بھٹو نے پاکستان کی عنانِ حکومت سنبھال لی تھی۔

Marfat.com

باب - ۱۸

پیپلز پارٹی کی حکومت

۲۰ر دسمبر ۱۹۷۱ء کو جنرل آغا محمد یحییٰ خاں نے صدارت سے مستعفی ہو کر عنانِ حکومت پاکستان پیپلز پارٹی کے سربراہ ذوالفقار علی بھٹو کے سپرد کر دی تھی۔ اس وقت عملی طور پر ملک دو لخت ہو چکا تھا۔ ترانوے ہزار پاکستانی شہری اور جنگی قیدی ہندوستان کی حراست میں تھے اور قریباً پانچ ہزار مربع میل کا علاقہ ہندوستان کے قبضہ میں تھا۔ یوں تو پورا مشرقی پاکستان ہندوستان کے قبضے میں تھا لیکن مغربی پاکستان کے محاذوں پر قریباً پانچ ہزار مربع میل کے علاقہ پر ہندوستان قابض ہو چکا تھا۔ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو جس حالت میں پاکستان کی عنانِ حکومت دی گئی۔ اس وقت کی صورتِ حال کا موازنہ مسٹر چرچل سے کیا جا سکتا ہے کہ جب انہیں ۱۰ر مئی ۱۹۴۰ء کو مسٹر نیوبل چیمبرلین کے مستعفی ہونے پر ایک مایوس کن شکست اور ہزیمت کے بعد برطانیہ کی حکومت سنبھالنی پڑی تھی۔ مسٹر ونسٹن چرچل نے تو محض ایک شکست خوردہ اور ہزیمت زدہ ملک کا اقتدار سنبھالا تھا لیکن مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو ایک شکست خوردہ، حوصلہ ہاری ہوئی اور ایک سازش

Marfat.com

کے تحت ہندوستانی جارحیت کا شکار ہونے والی قوم کی باگ ڈور سونپی گئی تھی۔

اس موقع پر ذوالفقار علی بھٹو نے ملک کی باگ ڈور سنبھالتے ہی ایک بیان میں کہا کہ "عزیز ہم وطنو! مجھے اس ملک کی زمام اس وقت دی گئی ہے کہ جب وقت گزر چکا ہے اور ملک ایک تاریخی موڑ پر آن پہنچا ہے۔ ہمیں نہایت مہلک ملکی بحرانوں کا سامنا ہے۔ اب ہمیں ٹکڑا ٹکڑا پکڑ کر اکٹھا کرنا ہے۔ ان چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں سے ہم ایک نیا پاکستان بنائیں گے، ایک خوشحال اور ترقی کرتا ہوا پاکستان معرض وجود میں لائیں گے۔ ایک ایسا پاکستان کہ جس کا آئندہ استحصال نہیں کیا جا سکے، قائداعظم محمد علی جناح کے تصور کا پاکستان۔ میرا ایمان ہے کہ پاکستان قائم رہے گا، یہ قائم رہنے کے لئے بنا ہے۔ یہ میرا ایمان ہے کہ ہم آپ لوگوں کے تعاون سے، افہام و تفہیم اور صبر و تحمل سے ہم ایک مضبوط اور بڑی مملکت کے طور پر ابھریں گے۔ اس حقیقت کو میں بغیر کسی شک اور شبہ کے مانتا ہوں"۔

۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء ہی کو مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے ایک سول آدمی ہونے کے باوجود چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے بھی عہدہ سنبھال لیا اور خود صدارت کا بھی عہدہ سنبھالا۔ اس کے فوراً بعد انہوں نے یہ بھی وعدہ کیا کہ وہ عوامی نمائندہ ہونے کے سبب ملک و قوم کی خدمت دل و جان سے کریں گے۔ ملک کو خوشحال بنائیں گے اور موجودہ بحران سے نکل جائیں گے۔ یہی نہیں بلکہ ذوالفقار علی بھٹو نے نفسیاتی طور پر حوصلہ ہار دینے والی قوم کو مایوسی کے اندھیروں سے نکالنے کے لئے مشرقی پاکستان پر ہندوستان کے بالجبر تسلط کے حوالے سے بھی بات کی اور بتایا کہ ہندوستان نے جو فتح حاصل کی ہے وہ عارضی فتح ہے۔

ایک جانب بھٹو صاحب یہ اعلان کر رہے تھے کہ مشرقی پاکستان نے آزادی کی جدوجہد میں بے شمار قربانیاں دی ہیں اور اب وہ ماضی میں ہم سے

Marfat.com

ہونے والی کوتاہیوں سے صرفِ نظر کریں۔ ہم مشرقی اور مغربی پاکستان کے مابین کوئی باعزت صورت نکالنے کے متمنی ہیں۔ لیکن دوسری جانب مشرقی پاکستان میں ہندوستان نے اپنی فوجوں کی موجودگی کے دوران ہی میں یہ اعلان کر دیا تھا کہ ایک خودمختار آزاد حکومت "بنگلہ دیش" قائم ہوگئی ہے۔

عوامی حکومت کا قیام

مغربی پاکستان میں ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں پاکستان پیپلز پارٹی ایک اکثریتی جماعت کے طور پر بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئی تھی اور پاکستان پیپلز پارٹی کا منشور ایک عوامی حکومت کا آئین تھا۔ اس لئے حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کے بعد ۲۲ر دسمبر ۱۹۷۱ء کو حکومتی امور کی بجاآوری اور عوام کو حکومتی امور میں شامل کرنے کے لئے صدر پاکستان ذوالفقار علی بھٹو نے وفاقی کابینہ اور صوبائی گورنروں کا اعلان کر دیا۔ یہ وزراء اور گورنر عوام کی جانب سے منتخب نمائندے تھے۔

غلام مصطفےٰ کھر —— گورنر پنجاب
ممتاز بھٹو —— گورنر سندھ
حیات محمد شیرپاؤ —— گورنر سرحد
غوث بخش رئیسانی —— گورنر بلوچستان
عبدالحفیظ پیرزادہ —— وفاقی وزیر اطلاعات ونشریات / تعلیم
جے اے رحیم —— وفاقی وزیر صدارتی وثقافتی امور
ڈاکٹر مبشر حسن —— وفاقی وزیر خزانہ واقتصادی امور
شیخ عبدالرشید —— وفاقی وزیر صحت وسماجی بہبود
میاں محمود علی قصوری —— وفاقی وزیر قانون وپارلیمانی امور

Marfat.com

غلام مصطفےٰ جتوئی ـــــــ وفاقی وزیر مواصلات و قدرتی وسائل
مولانا کوثر نیازی ـــــــ وفاقی وزیر حج و اوقاف
محمد حنیف ـــــــ وفاقی وزیر محنت، تعمیرات و بلدیات
راجہ تری دیو رائے ـــــــ وفاقی وزیر امور اقلیت
جسٹس فیض اللہ کندی ـــــــ وفاقی وزیر اسٹیبلشمنٹ

کچھ مدت کے بعد عبدالحفیظ پیرزادہ کو وفاقی وزیر تعلیم مقرر کر دیا گیا اور مولانا کوثر نیازی کے سپرد اطلاعات و نشریات، حج و اوقاف کے محکمے کر دیئے گئے تھے۔

صنعتی ادارے قومی ملکیت میں

۲ر جنوری ۱۹۷۲ء کو عوامی حکومت نے ملک کے بیس بڑے بڑے صنعتی اداروں کا کنٹرول خود سنبھال لیا۔ ان صنعتوں کو قومی ملکیت میں لینے کے باعث ان میں کام کرنے والے ملازمین کو تحفظ حاصل ہو گیا۔ اس طرح لوہے، فولاد، بنیادی دھاتوں، سیمنٹ، گیس، تیل اور الیکٹریکل اور انجینئرنگ انڈسٹری کے تمام بڑے بڑے کارخانے اور صنعتیں عوام کے اختیار و دسترس میں آگئیں۔

"صنعتی اداروں کو قومی تحویل میں لینے کا بنیادی مقصد ملکی معیشت کو بحال کرنا اور اس پر عوام کا اعتماد مضبوط کرنا تھا۔ اس کے پس پردہ یہ جذبہ بھی کارفرما تھا کہ ان صنعتوں کو بہتر نظم و نسق فراہم کیا جائے لہٰذا اس مقصد کی خاطر قومی ملکیت میں لی گئی تمام صنعتوں میں منیجنگ ڈائرکٹرز متعین کئے گئے اور تمام ذمے داریاں ان کے سپرد کر دی گئیں۔"

شیخ مجیب الرحمٰن کی رہائی

مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی تحریک میں کہ جس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ عوامی لیگ

Marfat.com

کے چھ نکات کے تحت مشرقی پاکستان یکسر مغربی پاکستان سے بالکل جدا اور خود مختار ہو جاتے۔ جب شیخ مجیب الرحمٰن نے مشرقی پاکستان میں بھاری اکثریت سے قریباً سو فی صد نشستیں حاصل کر لیں تھیں تو اس کے بعد تو شیخ مجیب نے کھلم کھلا علیحدگی کی تحریک کو ہوا دینی شروع کر دی تھی۔ مارچ ۱۹۷۱ء تو شیخ مجیب الرحمٰن نے اشتعال انگیز کارروائیوں کا بھی آغاز کرا دیا تھا۔ اس طرح مشرقی پاکستان کا نظم و نسق معطل ہو کر رہ گیا تھا۔ لہٰذا ۲۵ مارچ ۱۹۷۱ء کو شیخ مجیب الرحمٰن کو رہا کر دیا گیا تھا۔ لہٰذا پھر جنوری ۱۹۷۲ء میں شیخ مجیب الرحمٰن براستہ لندن بنگلہ دیش پہنچ گئے۔ اور انہوں نے ایک عظیم الشان اجلاس میں اعلان کیا کہ اب بنگلہ دیش بن چکا ہے اور یہ ملک اب آزاد ہے۔

نئی لیبر پالیسی

۱۰ فروری ۱۹۷۲ء کو ذوالفقار علی بھٹو نے نئی لیبر پالیسی کا اعلان کیا۔ یہ نئی لیبر پالیسی مزدوروں کے روزگار کے تحفظ اور انہیں مراعات دینے کے لئے بنائی گئی تھی۔ اس لیبر پالیسی کے تحت درج ذیل اقدام کئے گئے۔

(۱) کسی مالک یا کارخانہ دار کو یک طرفہ تخفیف اور مزدوروں کو علیحدہ کرنے کے اختیار سے محروم کر دیا گیا۔

(۲) کارکنوں کو بونس دینے اور کارکنوں کے بچوں کو مفت تعلیم کی ذمے داری کارخانہ دار پر ڈال دی گئی۔

(۳) ٹھیکے پر کام کرنے والوں کے لئے بھی تنخواہ اور دیگر مراعات کی سہولت فراہم کی گئی۔

(۴) کارکنوں کو انتظامیہ میں مؤثر کردار ادا کرنے کے مواقع فراہم کئے گئے۔

Marfat.com

(۵) کارکنوں کے لئے منافع میں سے چھ فی صد رقم مختص کر دی گئی۔
(۶) ٹریڈ یونین تحریک اور لیبر کورٹ سے رجوع کرنے کی مزدوروں اور کارکنوں کو سہولت فراہم کی گئی۔
(۷) تمام کارکنوں کے لئے بڑھاپے کی پنشن کا اعلان کیا گیا۔

ملازمین کی تنخواہوں میں اضافہ

یکم مارچ ۱۹۷۲ء کو صدر پاکستان ذوالفقار علی بھٹو نے مرکزی حکومت کے نان گزیٹڈ ملازموں کی تنخواہوں پر نظر ثانی کی منظوری دے دی تھی۔ اس طرح نان گزیٹڈ ملازمین کے سینکڑوں سکیلوں کو یکسانیت پیدا کر کے صرف پندرہ کر دیا گیا۔ اس حوالے سے اس عہد کے مطابق ملازمتوں کے مستقبل کو روشن کر دیا گیا۔ اور ایک منصفانہ معاشرہ قائم کرنے پر توجہ دی گئی تھی۔

تنخواہوں کے نئے سکیلوں کے تحت سب سے نچلے درجے کے ملازموں کی تنخواہوں میں چالیس فی صد اور اوپر والے درجے کے ملازمین کی تنخواہوں میں دس فی صد تک اضافہ ہوا۔ ان نئے سکیلوں کے حوالے سے کرایہ مکان، کنوینس الاؤنس اور واشنگ الاؤنس پر بھی نظر ثانی کی گئی تھی۔ اسی طرح نئے سکیلوں کے باوجود لوکل کمپنسیٹری الاؤنس بحال رکھا گیا۔ ملازمین کو قرضوں کی سہولتیں اور طبی امداد کی سہولتیں بھی فراہم کرنے کی یقین دہانی کرائی گئی۔ اسی طرح پنشن اور تفریحی سہولتوں کا بھی یقین دلایا گیا۔

دیگر اقدامات

اسی اثنا میں نئی حکومت نے بتیس بڑے بڑے خاندانوں کے پانچ سو کے

Marfat.com

قریب پاسپورٹ ضبط کر کے انہیں غیر ممالک جانے اور اپنی دولت ضائع کرنے پر پابندی لگادی۔ ان خاندانوں سے کہا گیا کہ وہ جلد از جلد غیر ممالک سے اپنی دولت واپس لائیں اور ملکی سرمایہ کاری میں لگائیں۔

اس کے ساتھ ساتھ نئی حکومت نے مارشل لا ختم کر کے عوامی دور اور حکومت کا آغاز کر دیا تھا۔ ملک کا نظام چلانے کے لئے ایک عبوری آئین بھی نافذ کر دیا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ وعدہ بھی کیا کہ عوام کو ان کے ارادوں اور ان کی تمناؤں کے عین مطابق ایک آئین فراہم کیا جائے گا۔

عوامی حکومت نے ملک کے نظم ونسق کو بہتر بنیادوں پر گامزن کرنے کی خاطر افواجِ پاکستان میں ایک طرح کی تطہیر کا عمل کیا۔ جنرل یحییٰ خاں کو ریٹائرڈ کر دیا۔ اسی طرح چھ بڑے بڑے جنرلوں کو بھی جبراً ریٹائرڈ کر کے الگ کر دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ ملک میں بہتر سیاسی شعور اور سیاسی آزادی کے فروغ اور سیاسی تربیت کی خاطر سیاسی جماعتوں کو بھی ملک کی تعمیر و ترقی میں حصّہ لینے کی دعوت دی گئی اور کسی بھی سیاسی جماعت پر کوئی پابندی عائد نہ کی گئی۔

زرعی اصلاحات

مارچ ۱۹۷۲ء ہی میں ملک میں عوامی حکومت نے زرعی اصلاحات کا اعلان کیا۔ مدتوں کی جاگیرداری اور مزارعاتی نظام کے تحت چھوٹے زمیندار اور مزارعے بڑی تنگدستی اور کس مپرسی کی زندگی گذار رہے تھے۔ وڈیروں کے غیر منصفانہ بلکہ بڑی حد تک غیر انسانی قوانین کی گرفت میں بیچارے چھوٹے کسان زمیندار اور مزارعے بُری طرح سے پھنسے ہوتے تھے۔ جاگیردار اور وڈیرے اِن لوگوں کی خون پسینے کی محنت کے بل بوتے پر اپنی جاگیرداریوں کو پروان

Marfat.com

چڑھا رہے تھے۔ پاکستان کو، جو کہ دنیا میں ایک مشہور زرعی ملک تھا، اور جس کے قریباً اسی فی صد لوگ زراعت پیشہ تھے، وہ پستی اور غربت کی زندگی بسر کرنے پر مجبور تھے۔ ان مشکلات اور مسائل کو حل کرنے کے لئے گو دورِ ایوبی میں بھی چند اصلاحات کی گئیں، لیکن ان کا زیادہ فائدہ جاگیرداروں اور وڈیروں ہی کو پہنچا تھا۔ لہٰذا عوامی حکومت نے بڑی سوچ بچار کے بعد ملک میں زرعی اصلاحات کے نفاذ کا اعلان کیا۔ اس موقع پر صدرِ پاکستان ذوالفقار علی بھٹو نے اپنی یکم مارچ ۱۹۷۲ء کی تقریر میں کہا کہ :۔

"میں آپ کو یہ اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ ملک کے اندر ظالمانہ اور غیر منصفانہ زرعی نظام کو تبدیل کیا جا رہا ہے۔ ملک کی زمین کو دیہی خداؤں سے چھٹکارہ دلایا جا رہا ہے۔ یہ زرعی اصلاحات نافذ کی جا رہی ہیں۔ ان کا ہمارے ملک کے تمام انسانوں کی روزمرہ زندگی اور مستقبل پر بہتر اثر پڑے گا۔ ان اصلاحات سے ہماری دیہی آبادی کا وقار اور عزتِ نفس بحال ہو گی۔ ان سے زرعی زمین کے غیر منصفانہ ملکیتی ارتکاز کا خاتمہ ہو گا۔ کاشت کاروں کی اقتصادی اور سماجی حیثیت میں خوشگوار تبدیلیاں رونما ہوں گی۔ مزارعین کو حق شفع کا اختیار حاصل ہو گا۔ اب زمین کی تقسیم کسی فرد کے حقِ ملکیت کے اعتبار سے تقسیم ہو گی اور خاندان کے مجموعی حقِ ملکیت کو ملحوظ نہیں رکھا جائے گا۔"

زرعی اصلاحات کے اہم نکات حسب ذیل تھے :۔

(۱) اراضی کی حد ملکیت ڈیڑھ سو ایکڑ نہری اور تین سو ایکڑ بارانی ہو گی۔

(۲) اس مقررہ حد تک سے زیادہ اراضی کسی حیلے بہانے سے یا زرعی فارم

Marfat.com

اور مویشی خانے کے لئے بھی حاصل نہیں کی جا سکے گی۔

(۳) زمینداروں سے اس اصول کے تحت، جو زمین لی جائے گی اس کا کوئی معاوضہ نہیں دیا جائے گا، بلکہ یہ زائد حاصل کردہ زمین بغیر کسی قیمت کے کاشت کاروں میں تقسیم کر دی جائے گی۔

(۴) سرکاری ملازمین کو جو اراضی دے دی گئی ہے اس میں سے ایک سو ایکڑ سے زائد اراضی واپس لے کر کسانوں میں تقسیم کر دی جائے گی۔

(۵) فوجی افسروں کو جو اراضی بارڈر ایریا میں دی گئی تھی انہوں نے اس کے بدلے میں جو اراضی اندرونی علاقوں میں حاصل کر لی ہے وہ ضبط کر لی جائے گی۔

(۶) تمام سرکاری اراضی بے زمین کاشت کاروں میں گزارہ یونٹ کے تحت تقسیم کر دی جائے گی۔

(۷) سرکاری اراضی نیلام کے بجائے اقساط پر فروخت کی جائے گی۔

(۸) مالیہ اور ٹیکس زمیندار ادا کریں گے نہ کہ مزارعین اور کاشت کار۔

(۹) بٹائی کی اراضی میں زمیندار، کاشت کار کو برابر کا حصہ دار بنائے گا۔

(۱۰) زمیندار اگر اراضی فروخت کرنا چاہے تو کاشت کار کو زمین خریدنے میں ترجیح حاصل ہو گی۔

ان اصلاحات کے اعلان کے بعد ملک کے ہر صوبے میں ایک لینڈ کمیشن قائم کر دیا گیا۔ اسی طرح فوری طور پر ان اصلاحات کے نفاذ کا اعلان کر دیا گیا۔ شمال مغربی سرحدی صوبہ کے قبائلی علاقوں کو ان اصلاحات کے اطلاق سے مستثنیٰ قرار دیا گیا تھا۔ یہ بھی اعلان کیا گیا کہ زمین کی ملکیت سے متعلق تمام گوشوارے ۳۰ر اپریل ۱۹۷۲ء تک جمع کرا دیئے جائیں۔ ۱۵ر جون تک ان

Marfat.com

گوشواروں پر فیصلہ ہوگا اور پھر یکم رجولائی کو اس حوالے سے بھی عملدرآمد ہو جائے گا۔ یہاں پر یہ بھی تنبیہہ کی گئی کہ جو شخص ۲۰ر دسمبر ۱۹۷۱ء کے بعد اراضی کی کسی طرح کی منتقلی یا اراضی میں کسی کو کھاتہ شریک کرے یا ظاہر کرے گا۔ یہ صورت حال اور کارروائی غیر قانونی ہوگی۔

پاکستان میں ان زرعی اصلاحات کے نفاذ اور کم از کم حد ملکیت کے تعین کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ معاشرتی نشیب و فراز سے نجات حاصل کی جائے اور باہمی ابتری کو ختم کیا جائے۔ ان اصلاحات کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ زمیندار کی بالادستی ختم کر دی جائے اور کاشت کار کی محنت کو بھی استحسان کی نظر سے دیکھا جائے۔

عوامی حکومت کی جانب سے نافذ کردہ ان زرعی اصلاحات کی زد میں بڑے بڑے زمیندار اور حکومتی اہلکار بھی آ گئے بلکہ برسر اقتدار حکومت کے متعدد افراد پر بھی ان اصلاحات کی زد پڑی۔ کروڑوں زمینداروں کو ان اصلاحات سے خوشی نصیب ہوئی۔ ان اصلاحات کے نفاذ کے بعد حکومت کو انچاس لاکھ ایکڑ سے زیادہ اراضی حاصل ہوگئی۔ اس کے ساتھ ہی دیہات میں ایک عظیم تعمیری اور ترقیاتی پروگرام کا آغاز ہوگیا۔ اب دیہات میں چھوٹے یونٹ قائم ہونے کی صورت میں روزگار کے زیادہ مواقع پیدا ہو گئے اور دیہی علاقوں میں بھی چھوٹی صنعتوں کے قیام اور زرعی بستیوں پر توجہ دی جانے لگی۔

تعلیمی پالیسی

عوامی حکومت نے ۱۵ر مارچ ۱۹۷۲ء کو نئی تعلیمی پالیسی اور اصلاحات کا اعلان کیا۔ تعلیمی میدان میں اصلاحات کا اعلان کرتے ہوئے صدرِ پاکستان

Marfat.com

ذوالفقار علی بھٹو نے فرمایا کہ" بنیادی طور تعلیمی پالیسی متحرک ہوتی ہے کیونکہ یہ جامد رہ ہی نہیں سکتی۔ فکر و عمل کے لئے نئے تجربات کی روشنی میں بدلتے ہوتے حالات اور نئے تقاضوں کے مطابق اس میں تبدیلی ہوتی رہنی چاہیئے، لیکن ماضی میں ایسا نہیں ہوا۔" اس کے بعد انہوں نے عوامی حکومت کی نئی تعلیمی پالیسی کے بارے میں بتایا کہ یہ تعلیمی پالیسی متحرک ہوگی اور اس پر گاہے گاہے نظر ثانی ہوتی رہا کرے گی۔ اس تعلیمی پالیسی میں لسانی مسائل اور امور کو ان کی نزاعی حیثیت سے بچنے کے لئے نہیں چھیڑا گیا۔ بہر صورت پاکستان کی تمام زبانوں کی ترویج و ترقی کے لئے کام کیا جاتا رہے گا کیونکہ ہمیں قومی یگانگت اور سماجی ہم آہنگی پیدا کر کے مستقبل کے آمدہ حالات کا سامنا کرنا ہے۔ تعلیم کو خاص اجارہ داری سے نکال کر ہر مذہب و ملت کے افراد تک بلا لحاظِ رنگ و نسل پہنچانا ہے۔ ان مقاصد کے پیشِ نظر جو تعلیمی پالیسی نافذ کی گئی اس کے چیدہ نکات مندرج ہیں :-

(۱) یکم اکتوبر ۱۹۷۲ء سے مڈل تک تعلیم مفت ہوگی۔ دوسرے مرحلے میں ۱۹۷۵ء کے بعد ثانوی درجے تک تعلیم مفت کر دی جائے گی۔

(۲) تعلیمی نظام میں اساتذہ، طلبہ اور والدین کے نمائندوں کو بھی شریک کیا جائے گا۔

(۳) تمام پرائیویٹ سکول اور کالج جن کی تعداد قریباً تین ہزار ہے انہیں قومی تحویل میں لے لیا گیا ہے۔

(۴) ہر اعلیٰ سے اعلیٰ سکول یا کالج میں عام لوگوں کے بچوں کو بھی داخلہ مل سکے گا۔

(۵) مستحق طلبا کو بلا سود قرضے اور ان کی بہبود کے لئے وظائف بھی دیئے

Marfat.com

جائیں گے۔

(۶) ہر درجے کے طالب علموں کو رعائتی کرایہ پر بھی سفر کی سہولتیں حاصل ہوں گی۔

(۷) کتابوں کی فراہمی کے لئے بک بینک کا قیام عمل میں لایا جائے گا۔ نصابی کتابوں کی ملک کے اندر ہی تیاری و طباعت اور تقسیم کے لئے ایک ادارہ نیشنل بک فاؤنڈیشن قائم کیا جائے گا۔

(۸) طالب علموں کے لئے کھیلوں کو بھی فروغ دیا جائے گا۔

(۹) تعلیم بالغاں کے ہزاروں مراکز قائم کئے جائیں گے۔ تعلیم بالغاں کے فروغ کی خاطر فارغ التحصیل اور دوران تعلیم طالب علموں کی خدمات سے بھی فائدہ اٹھایا جائے گا۔

(۱۰) تعلیم کے فروغ کے لئے سیدو شریف، راولپنڈی، گوجرانوالہ، بہاولپور اور خیرپور میں ثانوی تعلیمی بورڈز اور سیدو شریف، ملتان اور سکھر میں نئی یونیورسٹیاں مرحلہ وار قائم کی جائیں گی۔ اسی طرح ملک کے تین بڑے انجنیئرنگ کالجوں اور جامعہ اسلامیہ بہاولپور کو یونیورسٹی کا درجہ دے دیا جائے گا۔

(۱۱) یونیورسٹی آرڈی ننس منسوخ کر دیا گیا ہے۔

(۱۲) ایک عوامی یونیورسٹی قائم کی جائے گی جس میں بذریعہ خط و کتابت، ٹیلی ویژن اور ریڈیو کے ذریعے سے تعلیم دینے کی سہولتیں بہم پہنچائی جائیں گی۔

(۱۳) دینی تعلیم کو پوری تعلیم کا ایک حصہ بنایا جائے گا۔

(۱۴) پاکستان کے دیہات میں پچاس ہزار چھوٹی لائبریریاں قائم کی جائیں گی۔

(۱۵) بجٹ میں تعلیم کے لئے زیادہ رقم مختص کی جائے گی۔

(۱۶) نیشنل سروس کور کے تحت ۱۷ سے ۲۳ سال کی عمر کے نوجوانوں کی خدمات حاصل کر کے انہیں تعلیم بالغاں کے لئے استعمال کیا جائے گا۔

Marfat.com

(۱۷) اساتذہ کرام کی حیثیت اور قابلیت کو بڑھانے پر بھی توجہ دی جائے گی۔

(۱۸) اسلام آباد یونیورسٹی میں پوسٹ گریجوایٹ سطح پر نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف پاکستان سٹڈیز قائم کیا جائے گا۔

(۱۹) تعلیمی مراکز سارے ملک میں اسکولوں، کارخانوں، کھیتوں، یونین کونسلوں دیگر اجتماعات کے مقامات پر قائم کئے جائیں گے۔

(۲۰) ناخواندگی کو بتدریج ختم کرنے کے لئے ایک ہمہ گیر اور مرحلہ وار پروگرام شروع کیا جائے گا۔

نئی تعلیمی پالیسی کی مندرجہ بالا اصلاحات کو مکمل طور پر نافذ کرنے کے لئے ۱۹۷۲ء سے ۱۹۸۰ء تک کا آٹھ سالہ پروگرام ترتیب دیا گیا تھا۔ اس تعلیمی پالیسی میں اساتذہ کو باوقار درجہ دینے، سکولوں اور کالجوں کو قومی ملکیت میں لینے کا طریقہ کار اور تعلیم کے میدان سائنسی، تکنیکی، فنی، زرعی اور پیشہ ورانہ تعلیمی سہولتوں کا بھی اعلان کیا گیا۔ بہرصورت اس تعلیمی پالیسی کے خوشگوار اثرات فوری طور پر ہی شروع ہو گئے تھے۔

صحت سکیم

۲۶ مارچ ۱۹۷۲ء کو ملک میں نئی صحت پالیسی کا بھی اعلان کر دیا گیا بنیادی طور پر اس صحت سکیم کا مقصد عوامی صحت کے معیار کو بلند کرنا۔ امورِ صحت کے بارے میں معلومات فراہم کرنا اور ہر مقام پر علاج معالجے کی سہولتیں فراہم کرنا تھا۔ صحت سکیم کے اہم نکات یوں تھے۔

(۱) ملک بھر میں سینکڑوں یونٹ قائم کئے جائیں گے۔

(۲) پرائیویٹ ہسپتالوں، ڈسپنسریوں اور طبی اداروں پر یہ پابندی عاید کر دی

Marfat.com

گئی کہ مقررہ معیار کو قائم رکھیں گے۔

(۳) ڈاکٹروں کی تنخواہوں میں اضافہ کیا گیا۔ نئے میڈیکل کالجوں کے قیام کا وعدہ کیا گیا۔

(۴) ہسپتالوں کو فراہم کرنے والی ادویہ اور آلات میں مرحلہ وار اضافہ کیا جائیگا۔

(۵) ملک کی پوری آبادی کو طبی سہولتیں فراہم کی جائیں گی۔

(۶) میڈیکل عملہ کی تربیت کے نصاب کو معقول بنیادوں پر استوار کیا جائے گا۔

(۷) تمام ادویہ کو عام ہزاروں نام کے بجائے جنرک نام دیئے جائیں گے۔

(۸) ادویہ کی جانچ پڑتال کے لئے ایک نیشنل فارمولری قائم کی جائے گی۔

(۹) متعدد ادویہ اور سامان اور آلات ملک کے اندر بنانے کی کوشش کی جائے گی۔

(۱۰) ہر پچاس ہزار کی آبادی کے لئے ایک سرکاری ڈرگ سٹور کے قیام کا وعدہ کیا گیا۔

عوامی حکومت کا یہ صحت منصوبہ سات سال کی سکیم تھا۔ اس پر مجموعی طور پر تین ارب اسی کروڑ روپے خرچ کرنے کا ہدف بنایا گیا۔ اس کے بعد جلد ہی دیہی علاقوں میں دواخانے اور ڈسپنسریاں کھولی گئیں اور پانچ سو سے زیادہ دیہی طبی مراکز بھی قائم کر دیئے گئے۔ میڈیکل کالجوں کی تعداد میں بھی مناسب اضافہ کر دیا گیا۔

عوامی حکومت کی اس پیپلز ہیلتھ سکیم کی بعض مدوں پر تو فوری طور پر عمل شروع ہو گیا لیکن بعض طویل المدت منصوبوں پر کام کی رفتار زیادہ تیز نہ ہو سکی۔ میڈیکل کالجوں کی تعداد سات سے بڑھا کر تیرا کر دی گئی۔ اس طرح ان میں تعلیم حاصل کرنے والے طالب علموں کی تعداد میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہو گیا۔

Marfat.com

دواؤں کی قیمتوں میں ہر طرح سے ٹھہراؤ پیدا ہو گیا اور جعلی اور غیر معیاری ادویہ کی تیاری ایک حد تک ختم ہو گئی، لیکن جنرک ناموں کی سکیم ایک طرح سے عملاً ناکام ہو گئی۔ اسی طرح اس سکیم کے تحت سرکاری ڈرگ سٹور بھی قائم نہ کئے جا سکے۔

عدالتی اصلاحات

"انصاف میں تاخیر، انصاف سے انکار ہے" یہ ایک پرانا مقولا ہے۔ چنانچہ اسی مقولے کو پیش نظر رکھ کر لوگوں کو جلد اور یقینی انصاف فراہم کرنے کے لئے قانونی اور عدالتی اصلاحات نافذ کی گئیں۔ ان اصلاحات کا اعلان ۱۳ر اپریل ۱۹۷۲ء کو کیا گیا۔

(۱) سیشن عدالتوں کے دائرہ اختیار کو وسیع کیا گیا۔

(۲) عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کر دیا گیا۔

(۳) ضابطہ فوجداری کے شعبے میں فوجداری مقدمے کو ماتحت عدالت سے سیشن جج کی عدالت کے سپرد کرنے کی کارروائی ختم کر دی گئی۔

(۴) پرانے طریقِ کار کے بجائے ڈسٹرکٹ ججز کو نظر ثانی کے اختیارات دیئے گئے۔

(۵) ہائی کورٹس میں لیٹر پیٹنٹ اپیلوں کا طریقہ ختم کر دیا گیا۔

(۶) سمنوں کی تعمیل کے طریقے کو تیز کر دیا گیا۔

(۷) دو ہزار روپے سے کم مالیت کی جائیداد کے مقدموں میں صرف اگلی عدالت میں اپیل کا حق دیا گیا۔

(۸) ایک مستقل قانونی کمیشن بنا دیا گیا۔

(۹) قانون شہادت میں ترمیم کر کے اسے زیادہ مؤثر اور راست بنایا گیا۔

(۱۰) مقدمات کی پیروی اور وکالت کرنے والے وکلاء کے حلف نامے اور

Marfat.com

ان کی فیس کے حوالے سے بھی ترمیم کی گئی۔

ان کے علاوہ ضابطہ فوجداری، جیل ایکٹ، تعزیراتِ پاکستان، ضابطہ دیوانی مصالحتی عدالتوں، ثالثی قانون، صوبائی خفیہ عدالت اور قانون تجدید وغیرہ میں بھی مناسب ردوبدل اور ترمیم و اضافہ کر کے اصلاحات پر کام شروع کر دیا گیا۔ ان مذکورہ اصلاحات پر بھی مرحلہ وار کام شروع کیا گیا تھا۔

عوامی حکومت کے دیگر اقدامات

۱۲ر اپریل ۱۹۷۲ء کو عوامی حکومت نے پولیس اصلاحات کا اعلان کیا۔ ان اصلاحات میں پولیس ملازمین عملی تربیت، ملازمت کی بہتر شرائط اور سہولتیں اور اچھی اور مثالی کارکردگی کی مناسب حوصلہ افزائی پر توجہ دی گئی۔

۱۹۔ مارچ ۱۹۷۲ء کو ملک کی بتیس انشورنس کمپنیوں کو قومی ملکیت میں لے لیا گیا۔ اسی طرح صنعتی، اقتصادی اور بینکنگ اصلاحات کا بھی اعلان کیا گیا۔ شہری اور دیہی علاقوں کے لوگوں کی روزمرہ زندگی کو بہتر بنانے اور انہیں ترقی کے مناسب مواقع فراہم کرنے کی خاطر "پیپلز ورکس پروگرام" کا اجرا کیا گیا۔ دیہی علاقوں کے عوام کی سماجی اور اقتصادی حالت کو سدھارنے اور زراعت کی ترقی کے لئے جولائی ۱۹۷۲ء میں ایک منظم دیہی ترقیاتی پروگرام کا آغاز کیا گیا۔ نیشنل ولنٹیئر ڈویلپمنٹ پروگرام کے تحت مئی ۱۹۷۳ء سے پڑھے لکھے نوجوانوں کے لئے ایک طرح کے ملازمتی وظیفے کا اہتمام کیا گیا۔ اس پروگرام کے حوالے سے ملک کے ہزاروں بے روزگار تعلیم یافتہ لوگوں کی رضاکارانہ خدمات حاصل کر کے انہیں مخصوص وظائف دینے کا بندوبست کیا گیا۔

Marfat.com

سہ جماعتی معاہدہ

پاکستان پیپلز پارٹی، نیشنل عوامی پارٹی اور جمعیت العلمائے اسلام نے ۶ مارچ ۱۹۷۲ء کو ایک معاہدہ کیا۔ اس معاہدے کے تحت ملک میں آئین سازی، مارشل لاؤ کے خاتمے اور دیگر کئی امور کے حوالے سے ایک دوسرے کے موقف کو سمجھا گیا، اور افہام و تفہیم کی فضا پیدا کی گئی۔ اس معاہدے کی بدولت لوگوں میں بھی اطمینان کی ایک لہر دوڑ گئی۔

معاہدۂ شملہ

دسمبر ۱۹۷۱ء میں جب سقوطِ مشرقی پاکستان کا جانکاہ واقعہ رونما ہوا تو اس وقت ہندوستان کے قبضے میں پاکستان کا قریباً پانچ ہزار مربع میل کا علاقہ تھا۔ اس کے علاوہ مشرقی پاکستان میں ترانوے ہزار پاکستانی کہ جن میں قریباً چھ ہزار عورتیں، تین ہزار بچے، دس گیارہ ہزار عام شہری اور قریباً تریسٹھ ہزار فوجی ہندوستان کی قید میں جنگی قیدیوں کے طور پر مقید اور محصور تھے۔

صدرِ پاکستان نے ملک کے اندرونی حالات کو سنبھالا دینے کے بعد ان جنگی قیدیوں کی رہائی اور پاکستانی علاقے کی واگزاری کے لئے کوششیں شروع کر دی تھیں۔ مارچ ۱۹۷۲ء میں جب صدرِ پاکستان ذوالفقار علی بھٹو ماسکو گئے تو انہوں نے اس سلسلے میں ابتدائی بات چیت کی اور ایک طرح سے بنگلہ دیش کو تسلیم کر لینے پر دبے لفظوں میں مشروط طور پر اظہار کر دیا تھا اور پھر اس امر کا بھی اظہار کر دیا تھا کہ بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے یا نہ تسلیم کرنے کا جنگی قیدیوں کی رہائی سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ ہندوستان ان قیدیوں کی وجہ سے پاکستان

Marfat.com

کو بلیک میل کر رہا ہے۔

اس صورت حال کے بعد ذوالفقار علی بھٹو نے نیپ اور جمعیت العلمائے اسلام اور دیگر جماعتوں کے ارکان سے مشورہ کیا۔ پھر ہندوستان کی وزیراعظم اندرا گاندھی سے خصوصی خط و کتابت ہوئی اور اس کے بعد ۲۸ر جون ۱۹۷۲ء کو صدرِ پاکستان ذوالفقار علی بھٹو اسّی ارکان کے ایک وفد کے ہمراہ ہندوستان کے شہر شملہ میں کانفرنس کے لئے پہنچے۔

شملہ میں پہنچ کر صدر پاکستان ذوالفقار علی بھٹو نے یقین دلایا کہ "ہم امن سے دلچسپی رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی ہم ماضی کی تلخیوں کو بھلا دینا چاہتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ جنگ کا راستہ ترک کر دیا جائے اور ماضی کو فراموش کر کے مل جل کر رہنے کا اسلوب اپنایا جائے۔ ہم دونوں ملکوں کے عوام کے درمیان رواداری، محبت، ملنساری اور انس و محبت کا نیا دور شروع کرنے کے متمنی ہیں۔ ہم دونوں ملکوں کے درمیان گذشتہ پون صدی سے جاری کش مکش اور نفرت و عناد کو ختم کر دینا چاہتے ہیں۔"

ہندوستان کی وزیراعظم اندرا گاندھی نے بھی ایسے ہی جذبات کا اظہار کیا اور پھر طویل بحث مباحث کے بعد ۳ر جولائی ۱۹۷۲ء کو دونوں ملکوں کے مابین ایک معاہدہ ہو گیا جس میں طے پایا گیا کہ:-

(۱) دونوں ملک تصادم اور محاذ آرائی کا سلسلہ ختم کر دیں گے۔

(۲) اقوام متحدہ کے منشور کے مطابق دونوں ملک تعلقات استوار کریں گے۔

(۳) دیرینہ مسائل اور اختلافات کو پُرامن طریقوں سے حل کیا جائے گا۔

(۴) دونوں ملک ایک دوسرے کی علاقائی سالمیت اور خود مختاری کا احترام کریں گے۔

Marfat.com

(۵) دونوں ملک ایک دوسرے کے خلاف معاندانہ پروپیگنڈا روک دیں گے۔

(۶) دونوں ملکوں کے تعلقات بتدریج بحال کئے جائیں گے۔

(۷) دونوں ملکوں میں سفر، تجارت، اقتصادی تعاون، ہوائی اور بحری راستوں کے استعمال کی اجازت اور وفود کے تبادلے کے انتظامات کئے جائیں گے۔

(۸) دونوں ملک ایک دوسرے کے علاقوں کو فوجوں سے خالی کر کے اپنی اپنی بین الاقوامی جگہوں پر چلے جائیں گے۔ کشمیر میں ۱۷ر دسمبر ۱۹۷۱ء کی فائر بندی کا احترام کیا جائے گا۔ اور اسی لائن آف کنٹرول کو تسلیم کیا جائے گا۔

(۹) فوجوں کی واپسی کا کام اس معاہدے کے بعد شروع ہو کر ایک ماہ کے اندر اندر مکمل کیا جائے گا۔

(۱۰) جنگی قیدیوں کی واپسی کے لئے دونوں ملک طے شدہ پروگرام کے مطابق آپس میں ملاقات کریں گے۔

۱۱ لہٰذا معاہدہ شملہ پر ۴ر اگست ۱۹۷۲ء سے عمل شروع ہو گیا۔ ۲۲ر دسمبر ۱۹۷۲ء کو ہندوستانی فوجوں نے وہ تمام پاکستانی علاقے خالی کر دیئے، جن پر وہ قابض تھے۔ اگست ۱۹۷۳ء میں پاکستان اور ہندوستان کے درمیان جنگی قیدیوں کی رہائی کے سلسلے میں ایک اور معاہدہ ہوا۔ اس معاہدے میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ جنگی قیدیوں میں ایک سو پچانوے فوجی افسروں پر مقدمہ چلانے کے ضمن میں بنگلہ دیش، ہندوستان اور پاکستان کے سربراہ ایک بار پھر ملاقات کریں گے۔ بہرحال تمام جنگی قیدیوں کی رہائی کا مسئلہ بھی حل ہو گیا۔ اس طرح پاکستانی جنگی قیدیوں کی واپسی ہو گئی۔ پاکستان اپنے قیدیوں کی واپسی

Marfat.com

سے پیشتر ہی ہندوستان کے جنگی قیدیوں کو رہا کر کے ہندوستان پہنچا چکا تھا۔
گو معاہدہ شملہ کے حوالے سے حکومتِ ہندوستان نے پاکستان کو ایک طرح سے مزید پریشان کرنے کے لئے دہلی میں بنگلہ دیش ہندوستان اور پاکستان کے سربراہوں کی ملاقات ہو۔ لیکن پاکستان نے اس صورت حال کو بھی قبول کر لیا اور جنیوا کنونشن کے حوالے سے جنگی قیدیوں کی رہائی پر زور دیا۔ بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کے مسئلے کو ذوالفقار علی بھٹو نے اسمبلی اور پاکستان کے عوام پر چھوڑ دیا۔ بہرحال دہلی ملاقات کے بعد پاکستانی جنگی قیدی رہا ہو گئے تھے۔

۱۹۷۳ء کا آئین

کسی بھی ملک کا آئین ملک کے لئے ایسے قوانین وضوابط کی نشاندہی اور حکومت کے تین بڑے شعبوں انتظامیہ، مقننہ اور عدلیہ کیلئے علیحدہ علیحدہ حقوق وفرائض کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اسی آئین میں عام لوگوں کو دیگر مراعات اور حقوق بھی فراہم کرتا ہے۔ آئین اصل میں ان بنیادی قوانین کا ملکی بنیادی مجموعہ ہوتا ہے کہ جن کے حوالے سے دیگر تمام قوانین کو تحفظ اور صداقت میسر آتی ہے۔ اسی آئین کے بدولت مختلف اداروں اور افراد کو اختیارات ملتے ہیں اور حقوق و فرائض متعین ہوتے ہیں۔ لیکن اگر کسی مقام پر آئین اور قانون میں بحوالہ اہتمام کوئی تضاد ہو تو قانون کو آئین تسلیم کرنا پڑے گا۔
کسی بھی ملک کا آئین ملک کا کوئی بڑا بااختیار ادارہ یا عرف عام میں منتخب ارکان کی اسمبلی فراہم کرتی ہے۔ آئین کو ملک کا کوئی سربراہ خود بھی فراہم کر سکتا ہے۔ پاکستان میں ۱۹۶۲ء کا آئین ملک کے سربراہ کا فراہم کردہ تھا۔ ۱۹۳۵ء کا آئین جو پورے برعظیم پاک و ہند کیلئے تھا۔ اسے برطانوی پارلیمنٹ نے تیار کیا تھا۔

Marfat.com

لیکن پاکستان کا ۱۹۷۳ء کا آئین واحد ایسا آئین تھا کہ جسے اسمبلی کے منتخب اراکین کی پوری حمایت حاصل تھی۔ یہ آئین ۱۰ اپریل ۱۹۷۳ء کو منتخبہ اسمبلی نے منظور اور پاس کیا تھا۔ ۱۲ اپریل ۱۹۷۳ء کو اس کی صدرِ پاکستان ذوالفقار علی بھٹو نے توثیق کر دی تھی پھر ۱۴ اگست ۱۹۷۳ء کو اس آئین کو نافذ کر دیا گیا تھا۔ ۱۹۷۳ء کے اس آئین میں بنیادی طور پر پارلیمنٹری جمہوریت، آزاد عدلیہ اور ہر طرح کے بنیادی حقوق کا تحفظ فراہم کیا گیا تھا۔ اس آئین کے تحت سربراہِ مملکت صدر کے بجائے وزیراعظم کو قرار دیا گیا تھا۔ اس میں انتظامیہ مقننہ کے سامنے جواب دہ تھی اور مقننہ عوامی نمائندوں کی آواز تھی۔ عدلیہ کو انتظامیہ سے کوئی سروکار نہیں تھا بلکہ عدلیہ خود مختار اور آزاد تھی۔

۱۹۷۳ء کے آئین میں تمام بنیادی حقوق کی نشاندہی کر دی گئی تھی۔

۱۹۷۳ء کے اس آئین کو اسمبلی کے ایک سو اٹھائیس ارکان میں سے ایک سو پچیس ارکان نے حق میں ووٹ دے کر منظور کیا تھا۔ بلاشبہ یہ پہلا آئین تھا کہ جس کی منظوری براہِ راست منتخب ہونے والی آئین ساز اسمبلی نے دی۔

اس آئین کے تحت سویلین اتھارٹی کو مسلح افواج پر فوقیت اور برتری دی گئی تھی اور پھر اس آئین کو ہنگامی حالات میں بھی برقرار رکھنے اور قائم رکھنے کا اختیار دیا گیا تھا۔ آئین میں شخصی انفرادی حقوق میں ذاتی ملکیت میں جائیداد بنانے یا حاصل کرنے کے حقوق تو دیئے گئے تھے لیکن اس ذاتی ملکیت کی حد کو لامحدود نہیں کیا گیا تھا۔ اسی طرح مملکت کو یہ بھی اختیار دیا گیا تھا کہ وہ دولت پر بھی کسی طرح کی کوئی حد مقرر کر سکتی تھی اور عوام کی فلاح و بہبود کی خاطر معاشی اور معاشرتی انصاف کے تقاضے پورے کئے جا سکتے تھے بلکہ ملک میں سماجی اقتصادی ترقی اور لوگوں کی فلاح بہبود کے لئے آئین کے ابتدائیہ ہی میں شق نمبر ۳۹ سہولت

Marfat.com

فراہم کردی گئی تھی۔ اسی طرح شق نمبر ۴۰ میں بھی اس امر کی ضمانت دی گئی تھی کہ لوگوں کے معیار زندگی کو بلند اور بہتر کرنے پر توجہ دی جائے گی۔ اس امر کی بھی گنجائش رکھی گئی تھی کہ اقلیتیں بھی اپنے مذہب کی پیروی اور نشوونما آزادانہ کرسکیں گی۔ یہ بھی کہا گیا تھا کہ لوگوں کو بنیادی حقوق بشمول مساوی حیثیت و مواقع اور قانونی، معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی انصاف اور آزادیٔ افکار و اظہار خیال، آزادیٔ عقیدہ و عبادت اور وابستگی کی ضمانت بااستثنائے قانون و اخلاقِ عامہ حاصل ہوگی۔ اس آئین سے یہ توقع وابستہ رکھی گئی تھی کہ پاکستان کے عوام پھل پھول سکیں۔ اقوام عالم میں اپنے لئے موزوں اور باعزت مقام حاصل کرسکیں اور بین الاقوامی امن، ترقی اور انسانی مسرتوں کے لئے بھرپور جدوجہد کرسکیں۔

۱۹۰۳ء کے آئین کے تحت پاکستان کو اسلامی جمہوریہ پاکستان کا نام دیا گیا۔ پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام قرار دیا گیا۔ مملکت کے لئے یہ فرض کیا گیا کہ وہ ہر قسم کے استحصال کے خاتمہ کی ضمانت دے گی۔ ہر شہری کو بنیادی حقوق ازروئے مطابقتِ قانون فراہم کردیئے گئے۔ ریاست سے وفاداری اور آئین و قانون کی اطاعت ہر شہری کیلئے لازمی قرار دی گئی۔ حق زندگی اور حق آزادی تحفظ گرفتاری اور حبس بے جا کے حوالے سے کئی سہولتیں اور قانونی تحفظات فراہم کئے گئے۔ ملک کے اندر غلامی اور بیگار کی ممانعت کردی گئی۔ اسی طرح شخصی آزادیوں میں آزادی نقل و حرکت اور سکونت، حق اجتماع، حق انجمن سازی، سیاسی آزادی، حق معاش، کاروبار اور تجارت، آزادی تحریر و تقریر، حق مذہب، مذہبی ٹیکس سے تحفظ، تعلیمی اداروں میں مذہبی تحفظات، حق جائیداد اور اس کا تحفظ شہریوں میں مساوات، عوامی مقامات پر سیر و سیاحت کا حق، حق ملازمت اور حق زبان اور کلچر کو مان کر ان کے تحفظات بھی فراہم کئے گئے۔

Marfat.com

۱۹۷۳ء کے آئین کے اہم نکات

(۱) اس آئین میں حکومت کے فرائض میں یہ کہا گیا کہ اسلام کے اخلاقی اصولوں پر عملدرآمد کر کے آگے بڑھایا جائے گا۔ لوگوں کو اجتماعی زندگی اسلامی تصورات کے مطابق ڈھالنے کے مواقع فراہم کئے جائیں گے، مساجد، زکوٰۃ اور اوقاف کے نظام کو بہتر بنایا جائے گا اور اسی طرح فرقہ پرستانہ اور صوبائی تعصبات کی حوصلہ شکنی کی جائے گی۔

(۲) ملک کے پسماندہ علاقوں اور طبقوں کی تعلیمی و معاشی ترقی کے لئے کام کیا جائے گا۔ قومی زندگی کے تمام شعبوں میں خواتین کی بھی مکمل شرکت کو یقینی بنایا جائے گا۔ ملک سے بے روزگاری، ناتوانی، بیماری کے خاتمہ پر توجہ دی جائے گی اور تمام شہریوں کو زندگی کی سہولتیں مثلاً خوراک، لباس، مکان، تعلیم اور علاج کا بندوبست کیا جائے گا۔

(۳) دولت اور ذرائع پیداوار کے اعتبار سے آجر اور آجیر کے درمیان منصفانہ تطابق کے ذریعے اور معیار زندگی کی بہتری کے ذریعہ عوام کی خوشحالی کی ضمانت دی جائے گی۔

(۴) اس آئین میں صدرِ مملکت کی شخصیت، فرائض اور اختیارات کا تعین بھی کر دیا گیا۔ صدر کو ریاستی سربراہ کی حیثیت اور وزیراعظم کو حکومتی سربراہی سونپ دی گئی۔ اسی طرح صدر مملکت کو مختلف شعبوں میں تقرریوں کے اختیارات بھی دے دیئے گئے۔ صوبوں کے گورنروں اور سپریم کورٹ کے ججوں اور چیف جسٹس کے تقرر کی ذمے داری بھی صدر ہی کے سپرد کر دی گئی۔ تینوں افواج کے سربراہوں کا تقرر بھی صدر ہی کے اختیارات میں کر دیا گیا۔

Marfat.com

(۵) صدر کو یہ بھی اختیار دیا گیا کہ وہ پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کو خطاب کر سکے اور دونوں ایوانوں کے اجلاس بھی بلا سکے۔ اسی طرح صدر کو وزیر اعظم کے مشورے سے اسمبلی توڑنے کا بھی اختیار دے دیا گیا۔ مقننہ کے ہر منظور کردہ بل پر صدر پاکستان کو سات دن کے اندر اندر اپنی توثیق کے اختیارات دیئے گئے۔

(۶) صدر کو یہ بھی اختیار دیا گیا کہ وہ ملکی سالمیت کے پیش نظر یا بیرونی جارحیت کی صورت میں ہنگامی حالات کا بھی اعلان کر سکتا ہے۔ اس کے بعد عدلیہ کے تمام بنیادی حقوق معطل ہو جائیں گے اور تمام بنیادی حقوق بھی یکسر ختم ہو جائیں گے۔ اسی طرح صدر کو ملک کے اندر مالی لحاظ سے بھی ہنگامی حالت کا اعلان کرنے کے اختیارات دیئے گئے۔

(۷) صدر کو اپنا عہدہ سنبھالنے کے پانچ سال بعد تک صدر رہنے کا حق دیا گیا۔ صدر کے لئے کم از کم عمر کی حد پینتالیس سال مقرر کی گئی۔ صدر کو دوبارہ منتخب کئے جانے کی شرائط کا بھی اعلان کر دیا گیا اور صدر کے لئے یہ ضروری رکھا گیا کہ وہ اپنے حلفِ وفاداری میں کتاب اللہ قرآن حکیم اور نبی آخر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کو بھی لازمی شرط قرار دیا گیا اور یہ بھی کہ ملک کے ساتھ مکمل وفاداری کا حلف بھی برقرار رکھا گیا اور اس کیلئے لازمی قرار دیا گیا کہ وہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کی پوری حفاظت کرے گا۔

(۸) اجلاس میں کل ارکان کی دو تہائی ووٹوں سے صدر کے خلاف بھی کوئی قرارداد منظور کرنے کی اجازت دی گئی۔ اسی طرح کسی آئینی خلاف ورزی یا کسی سنگین بے ضابطگی پر قرارداد کی منظوری کے ساتھ ہی صدر کا [illegible] علیحدہ ہو جانا قرار دیا گیا۔

Marfat.com

(۹) ۱۹۷۳ء کے آئین کے تحت پارلیمنٹ کو دو ایوانوں پر مشتمل قرار دیا گیا۔ ایوان زیریں کو قومی اسمبلی اور ایوان بالا کو سینٹ کا نام دیا گیا۔ ایوان زیریں کی تعداد دو سو ارکان اور سینٹ ممبران کی تعداد تریسٹھ مقرر کی گئی۔

(۱۰) قومی اسمبلی کی مدت پانچ سال اور سینٹ کے ہر رکن کی معیاد عہدہ چار سال مقرر کی گئی۔

(۱۱) قومی اسمبلی میں ایک سپیکر اور ایک ڈپٹی سپیکر کا عہدہ بھی رکھا گیا۔ سپیکر کا عہدہ قومی اسمبلی کے ٹوٹنے کے بعد بھی برقرار رکھنا طے پایا گیا۔

(۱۲) سینٹ کے ارکان چودہ چودہ ہر صوبائی اسمبلی کے ارکان منتخب کریں گے۔ پانچ ارکان کا انتخاب مرکز کو دیا گیا۔ سینٹ کو معزول نہیں کیا جا سکتا۔ سینٹ میں مسوداتِ زر کے علاوہ ہر بل پیش کیا جا سکتا ہے۔ سینٹ بل کو من وعن بھی تسلیم کر سکتا ہے اور اسے نامنظور کرنے کا بھی مجاز ہے۔ اگر کسی آئینی ترمیم کے بارے میں سینٹ خاموشی اختیار کرے تو قومی اسمبلی کا بھی منظور کردہ بل غیر منظور سمجھا جائے گا۔

(۱۳) سینٹ کے چیئرمین اور ڈپٹی چیئرمین کی مدت کار دو سال مقرر کی گئی۔

(۱۴) آئین کی رو سے وزیراعظم مملکت کا آئینی سربراہ قرار پایا اور حکومت وزیراعظم اور وفاقی وزراء پر مشتمل قرار پائی۔

(۱۵) ملک کے وزیراعظم کے حلف وفاداری کے لئے طے پایا کہ وہ خدا تعالیٰ کے صحائف بالخصوص قرآن حکیم، جو آخری صحیفہ ہے اور خدا پر ایمان رکھتا ہوگا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین تسلیم کرتا ہوگا۔ اس کا یوم قیامت پر بھی ایمان ہوگا اور پاکستان کے ساتھ بھی وفادار ہوگا۔

(۱۶) کسی بھی طرح وزیراعظم کا عہدہ خالی ہو جانے پر قومی اسمبلی دوبارہ وزیراعظم

Marfat.com

کا انتخاب کرے گی۔ چودہ دن کے اندر اندر نیا وزیر اعظم منتخب کرنا ضروری ہوگا۔

(۱۷) وزیر اعظم اپنی غیر حاضری یا بیرون ملک کی مصروفیت کی صورت میں اپنے فرائض کسی سینیئر وفاقی وزیر کے سپرد کرے گا جس میں وفاقی وزیر کو وزیر اعظم یہ اختیارات دے گا اسے بھی سینیئر وزیر سمجھا جائے گا۔

(۱۸) وزیر اعظم اور وفاقی وزرآ پارلیمان کو جواب دہ ہوگا، اور اسی طرح پارلیمنٹ کے سوالات کے جوابات دینا وزرآ کا فرض ہوگا۔ کسی بھی وزیر سے جب اس کے محکمے سے متعلق کوئی سوال پوچھا جائے گا تو متعلقہ وزیر اس کا جواب دینے کا پابند ہوگا۔

(۱۹) مجلسِ وزرآ کا سب سے بڑا کام انتظامی امور کی پالیسی بنانا ہوگا اور عوام سے کئے گئے وعدوں کو پورا کرنے کے لئے کام کرنا ہوگا۔

(۲۰) وزیر مملکت کا کام وفاقی وزرآ کے ساتھ مل کر حکومتی پالیسی کو بہتر بنانے میں مدد کرنا ہوگا۔

(۲۱) مجلسِ وزرآ اپنے اجلاس کی ہر کارروائی خفیہ رکھے گی اور طے شدہ امور پر اختلاف نہیں کر سکے گی۔

(۲۲) آئین کی رو سے گورنر کی صوبے میں وہی حیثیت ہوگی جو وفاق میں صدر کی، لیکن گورنر صوبے کے وزیر اعلیٰ کے مشورے سے کام کرے گا۔

(۲۳) ہر صوبائی حکومت وزیر اعلیٰ اور دیگر صوبائی وزرآ پر مشتمل ہوگی اور صوبائی انتظام و انصرام اسمبلی میں قانون سازی کی تجاویز سے ہوگا۔

(۲۴) گورنر کو یہ اختیار حاصل ہوگا کہ وہ وقتاً فوقتاً اسمبلی کے اجلاس بلا سکے۔

(۲۵) گورنر ہر اسمبلی ایکٹ کی توثیق کرے گا اور خود بھی آرڈی ننس اور قانون جاری

Marfat.com

اور نافذ کر سکے گا۔ گورنر کو ایڈووکیٹ جنرل کے تقرر کے اختیارات حاصل ہوں گے۔

(۲۶) آئین کے مطابق پاکستان کی چار صوبائی اسمبلیاں اور ان کے ارکان کی تعداد یوں ہوگی۔

بلوچستان ـــــ ۴۰۔ ارکان ـــــ ۱۔ اقلیتی رکن
پنجاب ـــــ ۲۴۰، ارکان ـــــ ۳۔ اقلیتی ارکان
سندھ ـــــ ۱۱۰۔ ارکان ـــــ ۲۔ اقلیتی ارکان
شمال مغربی سرحدی صوبہ ـــ ۸۰۔ ارکان ـــــ ۱۔ اقلیتی رکن

(۲۷) صوبائی اسمبلی پانچ سال تک اپنے فرائض انجام دے گی۔

(۲۸) صوبائی وزیر اعلیٰ کو یہ اختیار حاصل ہوگا کہ وہ صوبائی انتظام خود چلائے یا وزرا کے سپرد کرے۔

(۲۹) صوبائی وزیر اعلیٰ کا انتخاب صوبائی اسمبلی کے کل ممبران کی اکثریت سے ہوگا۔

(۳۰) صوبائی وزیر اعلیٰ کے خلاف اسمبلی میں عدم اعتماد کی تحریک چلائی جاسکے گی۔

(۳۱) اگر صوبائی اسمبلی کسی بھی ایک وزیر کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پاس کردے تو ساری وزارت ناکام ہوگی اور وہ مستعفی ہو جائے گی۔

(۳۲) کابینہ میں شامل وزرا وزیر اعلیٰ کے سامنے جواب دہ ہوں گے۔

(۳۳) صوبہ میں ایڈووکیٹ جنرل کا یہ فرض ہوگا کہ وہ قانونی معاملات میں حکومت کو مشورہ دے۔

ان اختیارات اور حقوق کی تخصیص و وضاحت کے ساتھ ساتھ ۱۹۷۳ء کے آئین کے تحت متعدد اداروں کے قیام اور ان کے دائرہ اختیارات، ان کے

Marfat.com

سربراہوں کی خصوصیات اور اہلیت اور ان کی عمروں کے بارے میں بھی تفصیلات فراہم کردی گئی تھیں۔ ان تفصیلات کا خلاصہ یوں ہے:۔

(۱) سپریم کورٹ پاکستان کی سب سے بڑی عدالت ہوگی اور پاکستان کے چیف جسٹس کا تقرر صدر پاکستان خود کرے گا اور دیگر ججوں کی تقرری صدر پاکستان چیف جسٹس کے مشورے سے کرے گا۔

(۲) پورے پاکستان میں انتظامیہ اور عدلیہ سے متعلق سارے حکام سپریم کورٹ کی مدد اور تعاون کے لئے کام کریں گے۔

(۳) ہر صوبہ کی ایک عدالت عالیہ یا ہائی کورٹ ہوگا۔ دوسری صوبائی عدالتیں ہائی کورٹ کے ماتحت ہوں گی۔ اسی طرح ہر ہائی کورٹ میں ایک چیف جسٹس اور کئی جج ہوں گے۔

(۴) ہائی کورٹ کے ہر جج کا تقرر صدر پاکستان خود کرے گا لیکن اس سلسلے میں وہ گورنر اور چیف جسٹس سے مشورہ بھی لے گا۔ اسی طرح صدر پاکستان ہائی کورٹ کے کسی جج کا ایک ہائی کورٹ سے دوسرے ہائی کورٹ میں تبادلہ کرسکے گا لیکن اس امر میں صدر چیف جسٹسوں سے صلاح مشورہ بھی کرلے گا۔

(۵) ہر ہائی کورٹ ماتحت عدالتوں کی نگرانی کرے گا۔ ہر ہائی کورٹ قانون کے دائرے کے اندر رہ کر اپنا یا اپنے ماتحت کسی عدالت کا طریق کار خود منضبط کرسکے گا۔

(۶) ہائی کورٹ اپنے دائرہ اختیار کے اندر کسی شخص کی درخواست پر کارروائی کرے گا، لیکن پاکستان کی مسلح افواج کے کسی رکن کی طرف سے دی گئی درخواست پر کوئی حکم جاری نہیں کرے گا۔

Marfat.com

(۷) پاکستان میں ایک سپریم جوڈیشل کونسل ہوگی، جو ججوں کے استعمالِ اختیارات اور طریق عمل کے بارے میں تحقیقات کرنے کا اختیار رکھتی ہوگی۔ اگر اس جوڈیشل کونسل کے ممبران کے درمیان کوئی اختلاف رائے ہوگا تو اکثریت کا فیصلہ غالب رہے گا۔ اس جوڈیشل کونسل کی تحقیقات کے بغیر سپریم کورٹ یا ہائی کورٹ کے کسی بھی جج کو برطرف نہیں کیا جاسکے گا۔

(۸) ملک میں ایک قومی اقتصادی کونسل قائم کی جائے گی۔ یہ کونسل ملکی معاشی صورتِ حال کا جائزہ لے گی۔ اور وفاقی اور صوبائی حکومتوں کو مالی پالیسیوں میں مشورہ دے گی۔

(۹) ایک اسلامی نظریاتی کونسل بھی قائم کی جائے گی، جو قرآن وسنت کے حوالے سے اسلامی فلسفے اور اصولوں کے بارے میں مشورہ دیا کرے گی۔ یہ کونسل پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کو قرآن وسنت کے مطابق اجتماعی زندگی کی بہتری کے لئے سفارشات پیش کیا کرے گی۔

(۱۰) اسلامی کونسل اپنی قطعی اور حتمی رپورٹ سات سال کے اندر پیش کرے گی اور عبوری رپورٹ ہر سال پیش کرتی رہے گی۔ یہ رپورٹ ایوانوں اور ہر صوبائی اسمبلی میں زیر بحث آیا کرے گی۔

انتخابات اور ان کا طریق کار

(۱) انتخابات کے انتظامات کے لئے پاکستان کا ایک الیکشن کمشنر ہوگا۔ الیکشن کمشنر کا انتخاب صدرِ پاکستان کرے گا۔

(۲) الیکشن کمشنر کے عہدے کی مدت تین سال ہوگی۔

(۳) ہر عام انتخابات کے لئے ایک الیکشن کمیشن تشکیل دیا جائے گا۔ اس کمیشن کا

Marfat.com

چیئرمین الیکشن کمشنر ہوگا۔

(۴) الیکشن کمشنر قومی و صوبائی اسمبلیوں کے لئے انتخابی فہرستیں تیار کرے گا۔ سینٹ کے انتخابات کرانے اور ہر خالی ہونے والی نشست پر انتخاب کرائے گا۔ الیکشن کمشنر جہاں کہیں ضروری ہوگا وہاں الیکشن ٹریبونل بھی قائم کرے گا۔

(۵) قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلی کے انتخابات مقررہ مدت کار ختم ہونے سے ساٹھ دن کے اندر اندر منعقد کئے جائیں گے۔

(۶) انتخابات کے نتائج کا اعلان رائے دہی کے اختتام کے بعد زیادہ سے زیادہ چودہ دن کے اندر اندر کر دیا جائے گا۔

(۷) کسی ایوان یا کسی صوبائی اسمبلی کے کسی انتخاب کو زیر استفسار نہیں لایا جائے گا۔ اس مقصد کی خاطر جہاں ضروری ہوگا پارلیمنٹ کے ایکٹ کے مطابق الیکشن ٹریبونل قائم کیا جائے گا۔

(۸) الیکشن کمیشن کا فرض ہوگا کہ ہر طرح کے انتخاب میں اس امر کی ضمانت فراہم کرے کہ انتخابات قانون کے مطابق اور ایماندارانہ، منصفانہ اور شستہ اور صاف ستھرے انداز میں ہوں اور بدعنوانیوں کا سدباب کیا جائے۔

(۹) تمام انتخابات ماسوا وزیراعظم اور وزیراعلیٰ خفیہ رائے دہی کے ذریعے ہوں گے

(۱۰) ووٹر کی کم از کم عمر اٹھارہ سال ہوگی۔

آئین کی نمایاں خصوصیات

اسلامی جمہوریہ پاکستان کا ۱۹۷۳ء کا آئین مملکتِ پاکستان کا تیسرا مکمل او۔

Marfat.com

آئین ہے۔ یہ آئین دو سو اسی آرٹیکلز پر مشتمل ہے۔ اس میں چھ شیڈول بھی شامل ہیں اور اسے بارہ حصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(۲) ۱۹۷۳ء کے آئین میں دیباچے کے طور پر قراردادِ مقاصد کو بھی جگہ دی گئی ہے۔ قراردادِ مقاصد میں آئین پاکستان کے اغراض و مقاصد کی مختصراً وضاحت کی گئی تھی۔ اس میں جمہوری اصولوں، آزادی، مساوات اور معاشرتی اقدامات کے اسلامی اصولوں کی یقین دہانی کرائی گئی تھی اور مسلمانوں کو یہ نوید دی گئی تھی۔ کہ وہ اپنی زندگیاں اسلامی اصولوں کے مطابق بسر کر سکیں گے۔ اس قراردادِ مقاصد میں یہ بھی واضح کیا گیا تھا کہ پوری کائنات کی حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی ہے۔ یہ بھی وضاحت کی گئی تھی۔ ملک میں ہر شہری کو بنیادی حقوق حاصل ہوں گے اور اقلیتوں کے حقوق کا بھی پورا پورا تحفظ کیا جائے گا۔

(۳) ۱۹۷۳ء کے دستورِ پاکستان میں مملکت کا سرکاری مذہب اسلام قرار دیا گیا۔ اسلامی معاشرتی کونسل صرف اس مقاصد کے لئے تشکیل دی گئی کہ وہ مسلمانانِ پاکستان کی زندگیوں کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے وفاقی و صوبائی مجالس قانون ساز کی رہنمائی کرے۔

(۴) اس آئین میں عوام کے بنیادی حقوق کو تحفظ اور فوقیت دی گئی تھی اور یہاں تک کہا گیا کہ بنیادی حقوق سے متصادم قوانین کالعدم ہو جائیں گے، بلکہ بنیادی حقوق آئینی طریقوں کے معطل نہیں کئے جا سکیں گے۔

(۵) ۱۹۷۳ء کے آئین میں ملک کے لئے پارلیمانی نظامِ حکومت تجویز کیا گیا جس میں صدر کے لئے محدود اختیارات رکھے گئے

(۶) ۱۹۷۳ء کے آئین کی رُو سے عدلیہ کو عوام کے بنیادی حقوق کی نگہداشت اور حفاظت کی خاطر عدلیہ کو آزاد کر کے عدلیہ کے نظام اور اختیارات کی

Marfat.com

وضاحت کر دی گئی۔

(۷) ۱۹۷۳ء کے آئین پاکستان میں لسانی صوبائی تعصبات کو ختم کر کے اُردو کو پاکستان کی قومی زبان قرار دے دیا گیا اور اُسے آئندہ پندرہ سال میں سرکاری زبان کے طور پر اپنانے کے انتظامات کا بھی یقین دلایا گیا۔ اسی طرح صوبائی اسمبلیوں کو صوبائی زبانوں کی ترقی اور تعلیم کے لئے قانون بنانے کی بھی اجازت دے دی گئی۔

(۸) اس آئین میں مرکز اور صوبوں کے مابین اختیارات اور تقسیم کار کو بھی کمال ہنرمندی سے ترتیب دیا گیا۔ اس طرح صوبائی خود مختاری کے مسئلہ کو حل کر کے یک جہتی اور ملکی سالمیت کو فروغ دیا گیا۔

(۹) دستورِ پاکستان ۱۹۷۳ء میں ایک نئے اقتصادی نظام کی ضمانت، فراہم کی گئی کہ جس کا دارومدار عدل اجتماعی پر ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے قومی اقتصادی کونسل بھی قائم کی گئی اور اسی طرح مشترکہ مفادات کی کونسل بھی بنائی گئی جس کا کام یہ تھا کہ وہ مختلف اداروں پر اپنا کنٹرول رکھے اور خصوصی قسم کی ہدایات بھی جاری کرے۔

(۱۰) ۱۹۷۳ء کے آئین میں ایک دفعہ یہ بھی رکھی گئی کہ ملک میں اس آئین کو منسوخ کرنے والا یا اس کی کوشش یا سازش کرنے والا غدار قرار پائے گا اس حوالے سے آمریت کا خاتمہ ہو گیا اور آئین کو بھی ایک طرح کا مکمل تحفظ حاصل ہو گیا۔

(۱۱) پاکستان کا ۱۹۷۳ء کا آئین ایک طرح کا غیر جامد اور متحرک آئین تھا۔ اس میں ترمیم و اضافے کی گنجائش بھی موجود تھی لیکن ترمیم و اضافے کی یہ لچک اتنی زیادہ بھی نہیں تھی کہ کسی طرح سے اس کی اساس ہی ختم ہو جائے۔

Marfat.com

(۱۲) ۱۹۷۳ء کے آئین کی تمام دفعات پر حزب اختلاف کی بھی رضامندی شامل تھی۔

عوامی نظم ونسق میں اصلاحات

۱۹۷۳ء آئین کے فوراً بعد ذوالفقار علی بھٹو نے بطور وزیر اعظم اور چوہدری فضل الٰہی نے بطور صدر پاکستان اپنے عہدوں کا حلف وفاداری اٹھایا۔

۲۰ اگست ۱۹۷۳ء کو عوامی حکومت نے ملک میں سے نوکر شاہی نظام کا خاتمہ کر کے سرکاری افسروں کے امتیازی درجے ختم کرنے کا اعلان کیا۔ اس طرح ابتدائی درجوں کے ملازمین کو بھی کچھ مراعات مل گئیں اور ان کے درجے ختم کر دیئے گئے۔ لائق اور قابل افسروں کو ترقی کے زیادہ سے زیادہ مواقع فراہم کئے گئے۔ سائنسدانوں انجنیئروں، ڈاکٹروں، اقتصادی ماہرین اور دوسرے شعبوں کے ماہرین کی صلاحیتوں کو بہتر طور پر بروئے عمل لانے کے انتظامات کئے گئے اور قابلیت کی بنیاد پر اعلیٰ درجوں تک پہنچنے کی سہولتیں فراہم کی گئیں۔ سروسز کا نیا ڈھانچہ تیار کیا گیا اور بنکاری، بیمہ صنعت وتجارت وغیرہ سے لائق اور قابل افراد کے لئے سرکاری ملازمت میں داخل ہونے کی گنجائش پیدا کی گئی۔ اسی طرح غیر معمولی قابلیت کے حامل افسران کو قبل از وقت ترقی کے مواقع بھی فراہم کئے گئے۔ قابلیت کی بنا پر اعلیٰ سطح تک پہنچنے کے لئے ملازمین کی خاطر راستہ کھلا رکھا گیا۔ خلاصتہً تمام ملازمتوں کی شرائط مقننہ کے بنائے گئے ضابطوں کے تابع کر دی گئیں۔

اسلامی سربراہ کانفرنس

عوامی حکومت نے ۲۲ تا ۲۴۔ فروری ۱۹۷۴ء لاہور میں اسلامی سربراہ کانفرنس

Marfat.com

کے انعقاد کا اہتمام کیا۔ اس اسلامی سربراہ کانفرنس کے انعقاد کا بنیادی مقصد مسلمان مملکتوں میں لازوال اتحاد پیدا کرنا تھا۔ اسلامی دُنیا کے دیگر سیاسی سماجی اور اقتصادی مسائل اور دیگر ضروری امور پر غور و فکر کرنے کی غرض سے یہ سربراہ کانفرنس پاکستان میں منعقد ہونا ایک بہت بڑا اعزاز تھا لہٰذا اس اسلامی سربراہ کانفرنس میں تمام اسلامی ملکوں کے سربراہوں یا ان کے اہم نمائندوں نے شرکت کی۔ اس طرح کانفرنس میں انتالیس مسلمان ملکوں کے سربراہوں نمائندوں اور تین مسلمان تنظیموں کے سربراہوں نے ایک تصور، ایک خیال اور ایک ہی عمل کے تحت متعدد اہم فیصلے کر کے پورے عالمِ اسلام کو ایک لڑی میں پرو دیا۔

لاہور میں منعقدہ اسلامی سربراہ کانفرنس میں روئے زمین پر بسنے والے نشر کروڑ سے زائد مسلمانوں کے نمائندوں نے مشترکہ طور پر یہ طے پایا کہ:۔

(۱) بیت المقدس کو آزاد کرانے کے لئے تمام مسلمان متحدہ کردار ادا کریں گے

(۲) اسلام کی تبلیغ کے لئے اجتماعی خصوصی فنڈ قائم کیا جائے گا جسے یک جہتی فنڈ کہا جائے گا۔

(۳) مسلمان ملکوں کے درمیان یک جہتی کو برقرار رکھنے اور اسے ترقی دینے کے لئے ہر ممکن اقدامات کئے جائیں گے۔

(۴) تمام مسلمان ملکوں کا ایک مشترکہ اسلامی بینک قائم کیا جائے گا تاکہ اجتماعی طور پر مسلمان ملکوں کی اقتصادی حالت کو بہتر بنایا جائے اور معیشت کو سنوارا جائے۔

اس اسلامی سربراہ کانفرنس کی اختتامی تقریر کے دوران ذوالفقار علی بھٹو نے تمام مسلمان ملکوں کے سربراہوں کو یقین دلایا کہ "پاکستان کے عوام اسلام کے خادم اور عساکرِ پاکستان اسلام کے لشکر کا ایک حصہ ہیں۔ پاکستان پوری قوت کے

Marfat.com

ساتھ عربوں کی مدد کرے گا۔"

بنگلہ دیش کو تسلیم کرنا

لاہور میں اسلامی سربراہ کانفرنس کے انعقاد سے پیشتر ہی یہ حقیقت عیاں ہونے لگی تھی کہ اسلامی اتحاد اور یک جہتی کو بڑھانے کے لئے حکومت پاکستان کسی وقت بھی بنگلہ دیش کو تسلیم کر کے فراخدلی اور اسلامی اتحاد کے لئے ایک عملی ثبوت فراہم کرے گا۔ پھر جب اسلامی سربراہ کانفرنس کے باقاعدہ اجلاس منعقد ہونے لگے تو پاکستان کی حکومت پر برادر اسلامی ملکوں اور پاکستان کے دوستوں نے ایک طرح کا اخلاقی دباؤ ڈالنا شروع کر دیا کہ پاکستان کو چاہیئے کہ وہ بنگلہ دیش کو تسلیم کر کے اپنے ایک برادر اسلامی ملک کو اس سربراہ کانفرنس میں دعوت دے لہٰذا اس مقصد کے لئے یاسر عرفات نے بھی نہایت اہم کردار ادا کیا۔

بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کے حوالے سے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے عوام کو بتایا کہ "بنگلہ دیش کے بسنے والے مسلمانوں کو اپنے قریب لانے کا یہی ایک واحد طریقہ ہے کہ اس حقیقت کو تسلیم کر لیا جائے۔ ہم بنگلہ دیش کو کسی طاقت کے دباؤ کے تحت تسلیم نہیں کر رہے۔ اس کانفرنس میں، جو ہمارے بھائی آتے ہوئے ہیں، وہ ہمارے دوست ہیں۔ خیر خواہ ہیں۔ انہوں نے ہمارا ساتھ دیا ہے۔ میں نے اس سلسلے میں ان سے فرداً فرداً مشورہ کیا ہے، ان کی یہی رائے ہے کہ بنگلہ دیش کو تسلیم کیا جائے، چنانچہ حکومت پاکستان اللہ کے نام پر بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔"

ختم نبوتؐ پر عالمانہ فیصلہ

قادیانیوں نے برسوں سے مرزا غلام احمد کو جو نبی کا درجہ دے رکھا تھا اس کے

Marfat.com

خلاف ہر عہد کے مسلمانوں میں شدید بے چینی اور ایک اضطراب برقرار رہا۔ لوگ ہر حکومت سے یہ مطالبہ کرتے رہے کہ ان لوگوں کی سرگرمیوں اور تعلیمات سے عام مسلمانوں کو شدید خطرہ ہی نہیں بلکہ قادیانی منصب نبوت کو بھی مجروح کرنے کے مرتکب ہو رہے ہیں، اس لئے ان کا تدارک کیا جائے۔

لہٰذا عوامی حکومت نے جون ۱۹۷۴ء میں یہ مسئلہ قومی اسمبلی کے سپرد کر دیا۔ قومی اسمبلی نے ایک قرارداد کے ذریعے ایک خصوصی کمیٹی بنا دی۔ پھر اس کمیٹی کو یہ مسئلہ حل کرنے کا کام سونپ دیا گیا۔ اس کمیٹی کے ساتھ ہی ایک رہبر اور رہنما کمیٹی بھی بنا دی گئی۔ ان دونوں کمیٹیوں کے سترہ ارکان نے مشترکہ طور پر قادیانی نبوت کے خاتمہ کے لئے سفارشات مرتب کر دیں۔ ان سفارشات پر یکم جولائی ۱۹۷۴ء سے ۶ ستمبر ۱۹۷۴ء تک مسلسل کام ہوا۔ رہبر کمیٹی نے قادیانی نبوت کے ماننے والوں کو بھی اپنی حیثیت اور پوزیشن واضح کرنے کا موقع دیا۔ مرزا ناصر احمد جو قادیانیوں کے امیر المومنین تھے، بارہ دن تک بیان دیتے رہے، استفسارات کی وضاحت کرتے رہے۔ بالآخر رہبر کمیٹی اور خصوصی کمیٹی کے فیصلے کے مطابق قومی اسمبلی میں سفارش پیش کر دی کہ قادیانی نبوت ماننے والوں کو غیر مسلم قرار دے دیا جائے اور آئین میں ختم نبوت کے تحفظ کے لئے ضروری ترامیم بھی کر دی جائیں۔ اس کے بعد تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۵۹ (الف) میں یہ وضاحت کر دی گئی کہ "حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق خاتم النبیین ہونے کے حوالے سے اگر کوئی مسلم ختم نبوت کے تصور کے خلاف دعویٰ یا عمل یا تبلیغ کرے گا تو وہ آئین کے تحت سزا کا مستوجب ہوگا۔" اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی بھی انداز میں نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یا کسی ایسے مدعی نبوت یا مذہبی مصلح پر ایمان لاتا ہے، وہ از روئے آئین و قانون مسلمان نہیں ہے۔

Marfat.com

مسئلہ ختم نبوتؐ کے حل کے بعد مسلمانوں میں ہیجان اور بے چینی کی فضا ختم ہوگئی اور قوم میں تذبذب کی حالت بھی ختم ہوگئی۔ اس کے ساتھ ہی آئین میں "صوبائی اسمبلیوں میں بلوچستان، پنجاب، شمال مغربی سرحدی صوبہ اور سندھ میں اسمبلیوں میں عیسائیوں ہندوؤں، سکھوں، بدھوں اور پارسیوں کے ساتھ ساتھ قادیانیوں کے لئے بھی اضافی نشستوں کا اضافہ کر دیا گیا۔"

قادیانی نبوت کے ماننے والوں کو غیر مسلم قرار دینا ایک بہت بڑا مسئلہ تھا۔ یہ بعض حوالوں سے نازک بھی تھا اور نزاعی بھی لیکن عوامی حکومت نے اس مسئلے کے حتمی حل کی خاطر نہایت احتیاط و حزم سے کام لیا۔ محض خود بخود اسمبلی کے فیصلے کو کسی پر ٹھونسا نہیں بلکہ قادیانی سربراہوں کو باعزت طور پر دعوت دی کہ وہ بھی اپنے مؤقف کا کھل کر اظہار کریں۔ یہی وجہ ہے قادیانیوں کے امیر المنین نے رہبر کمیٹی کے ممبران کے سامنے پوری پوری وضاحت کی۔ لیکن چونکہ یہ ایک دینی مسئلہ تھا اس لئے اس کا حل بھی دینی نقطہ نظر سے کیا گیا اور ختم نبوت کے منکرین کو غیر مسلم قرار دے دیا گیا۔

عوامی حکومت کا ایک جائزہ

پاکستان پیپلز پارٹی نے ۱۹۷۰ء کے انتخابات سے پیشتر جو منشور پیش کیا تھا وہ "انسان کو بنیادی ضروریات دینے کے ساتھ ساتھ شخصیت کی نشوونما کو بھی تقویت بخشتا ہے۔" اور اسی طرح پاکستان کو پیپلز پارٹی ایک سوشلسٹ ملک بنانا چاہتی تھی۔ اس کی اساسی دستاویزات میں مساوات پر مبنی جمہوریت کے قیام پر زور دیا گیا تھا، جس میں قوم کے تمام افراد کو ہر شعبہ میں مساوی حقوق حاصل ہوں گے۔ پارٹی کے خیال میں سوشلزم ہی سے سب کے لئے مساوی مواقع کا اہتمام کیا جا

Marfat.com

سکتا تھا۔ اس پارٹی کے منشور میں یہ واضح طور پر بتا دیا گیا تھا کہ اسلام ہمارا دین ہے، سوشلزم ہماری معیشت ہے اور جمہوریت ہماری سیاست ہے اور عوام طاقت کا سرچشمہ ہیں۔ لیکن جب پاکستان پیپلز پارٹی تین چار برس تک عین اقتدار کے عروج پر رہی اور ملک کو بھی ایک طرح کی نئی تبدیل شدہ راہ پر ڈال دیا تو پھر اسی عہد میں حزب اختلاف کی جماعتوں نے پیپلز پارٹی کی حکومت پر تنقید اور ذوالفقار علی بھٹو کی ذات پر نکتہ چینی کرنی شروع کر دی۔ بعض شدید ناقدین نے انہیں جمہوریت کا دشمن اور آئین کی دھجیاں بکھیرنے والا بھی کہنا شروع کر دیا۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ پیپلز پارٹی اپنے تئیں بہرصورت اندرونی اور بیرونی امور کو سدھارنے پر توجہ دیتی رہی۔ لاہور میں اسلامی سربراہ کانفرنس نے پیپلز پارٹی کی کارکردگی کو چار چاند لگا دیئے تھے۔ فروری ۱۹۷۴ء کو پاکستان اور لیبیا کے مابین ایک دس سالہ ثقافتی معاہدہ طے پایا۔ دسمبر ۱۹۷۳ء میں چین اور پاکستان کے درمیان ایک کثیر المقاصد شاہراہ ابریشم کا سرکاری طور پر افتتاح ہوا۔ اسی عہد میں ملک میں ایک عظیم سٹیل مل کا بھی سنگِ بنیاد رکھا گیا۔

ایک طرف تو ملک ترقی کی منازل طے کرنے کی راہ پر گامزن ہو رہا تھا لیکن دوسری طرف پارٹی کے اپنے ارکان بھی اب مضطرب اور بے چین ہونے لگے تھے۔ اسی دوران میں پیپلز پارٹی کے چند اہم ارکان پارٹی کی رکنیت سے مستعفی بھی ہو گئے تھے۔ اس پر ذوالفقار علی بھٹو نے بیرونِ ملک متعدد سفیروں کو بدل دیا اور ساتھ ہی فوج میں بھی کئی اہم تبدیلیاں کیں۔ اسی عہد میں حیات محمد خاں شیرپاؤ، سردار غوث بخش رئیسانی اور محمود علی قصوری نے پیپلز پارٹی کی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا۔ یہ تینوں افراد آغاز میں پیپلز پارٹی کے نہایت اہم رکن تھے۔ اس سے پیشتر بھٹو کے معتمد خاص اور پنجاب کے وزیر اعلیٰ مصطفےٰ کھر بھی پارٹی کو چھوڑ

Marfat.com

چکے تھے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ڈاکٹر مبشر حسن نے بھی پیپلز پارٹی کو خیر باد کہہ دیا تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے ان رفقاء کار کی علیحدگی کو بھی کوئی خاص اہمیت نہ دی۔ بلکہ جابجا اصلاحات کے نفاذ پر توجہ مبذول رکھی۔ انہوں نے عوام الناس کی بھلائی اور ملک کی بہتری کے لئے چودہ سو افسران کو ان کے عہدوں سے سبکدوش کر دیا ان افسران کے بارے میں یہ تاثر بھی دیا گیا کہ مشرقی پاکستان گنوانے میں بھی ان کا ہاتھ تھا۔ پھر ذوالفقار علی بھٹو نے چند جنرلوں کو دوسرے ممالک میں سفیر بنا کر بھی بھجوا دیا تھا اور چند ایک جنرلز کو فوج سے فارغ کر دیا تھا۔

ماہرین کی رائے کے مطابق پیپلز پارٹی کے اقتدار سنبھالنے کے فوراً بعد بھٹو کے ساتھیوں کے کردار اور پے بہ پے تبدیلیوں کی وجہ سے لوگوں کا اعتماد مجروح ہونے لگا تھا۔ چونکہ پیپلز پارٹی نہایت سُہانے اور پُرجوش نعروں کے سائے میں نظامِ حکومت سنبھالے ہوئے تھی، اس لئے بھی عوام الناس نے بھی حالات و واقعات کا جائزہ لئے بغیر جا و بے جا توقعات وابستہ کر لی تھیں۔ اسی اثنا میں آمدہ انتخابات کے لئے پاکستان کی نو سیاسی جماعتوں نے ایک متحدہ محاذ بھی قائم کر لیا تھا۔ اس عہد تک پاکستان پیپلز پارٹی کے بے شمار ارکان اور وزراء کا کردار و عمل بھی کھل کر سامنے آنے لگا تھا اور پھر پیپلز پارٹی سے مستعفی ہونے والے لوگوں نے بھی گھر کے بھیدی بن کر بھٹو اور بھٹو حکومت کی مخالفت میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔

اسی دوران میں عالمی حالات کے مطابق دنیا جہاں میں مہنگائی نے متعدد مسائل پیدا کر دیئے۔ پیپلز پارٹی کے اندر حکومتی سطح پر بھی انتشار پھیلتا گیا۔ اس دور کے لئے حکومت نے ایک تنظیم ایف ایس ایف (فیڈرل سیکیورٹی فورس) قائم کر لی تھی۔ اس کے بعد تو لوگوں نے ذوالفقار علی بھٹو کے لیڈر شپ سٹائل پر

Marfat.com

بھی تنقید کرنی شروع کر دی تھی۔

۱۱ر نومبر ۱۹۷۴ء کو احمد رضا قصوری کے والد محمد احمد خاں قصوری کو لاہور میں گولیوں کی بوچھاڑ کر کے مار دیا گیا تھا، جس کی رپورٹ احمد رضا قصوری نے وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف درج کرا دی تھی۔ احمد رضا قصوری چونکہ قومی اتحاد کا بھی ایک سرگرم رکن تھا اس لئے اس نے اس قتل کا قصوروار سراسر ذوالفقار علی بھٹو ہی کو ٹھہرایا۔ لیکن وقتی طور پر معمولی عام کارروائی کے بعد یہ کیس جلد ہی دبا دیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ مسٹر جے رحیم کو ان کے عہدے سے ہٹا دیا گیا تھا اور خورشید حسن میر کا بھی استعفیٰ قبول کر لیا تھا۔ بہرصورت پیپلز پارٹی اب ایک طرح سے سیاست دانوں اور رائے عامہ میں اپنا تاثر رفتہ رفتہ کھو رہی تھی۔ اس کی جڑیں کھوکھلی ہونے لگی تھیں اور قومی اتحاد بھی اب تک پورے زور شور کے ساتھ میدان میں آ چکا تھا۔

۱۹۷۷ء کے انتخابات

اس تمام تر صورت حال کے باوجود عوامی حکومت نے اعلان کیا کہ ۷ر مارچ ۱۹۷۷ء کو قومی اسمبلی کے انتخابات اور ۱۰ر مارچ ۱۹۷۷ء کو صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات منعقد ہوں گے۔ ان انتخابات میں گو پاکستان بھر کی تمام سیاسی جماعتوں نے حصہ لینے کی رضامندی ظاہر کر دی تھی اور یہی نہیں بلکہ نو جماعتوں نے متحدہ محاذ بھی بنا لیا تھا تاکہ پاکستان پیپلز پارٹی کا بھرپور انداز میں مقابلہ کیا جا سکے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی حکومت کی مخالف جماعتوں نے اپنی کنسولینگ کے دوران میں پیپلز پارٹی کی پالیسیوں، حکومتی ناانصافیوں اور کردار و عمل کو بھی ہدف بنانا شروع کر دیا تھا۔ پیپلز پارٹی کے کرتا دھرتا افراد اور شخصیات پر بھی برملا اتہام طرازیاں

Marfat.com

ہونے لگیں۔ اسی عہد میں حکومت اور سیاسی جماعتوں کے درمیان ایک طرح کی "دشنام طرازیوں" نے بھی راہ پالی۔ پھر بعض سیاسی رہنماؤں نے یہاں تک بھی کہنا شروع کر دیا تھا کہ ان انتخابات میں حکومتی جماعت وسیع پیمانے پر دھاندلیاں کرے گی، اس لئے سیاسی جماعتیں اور لوگ ان انتخابات کے نتائج کو تسلیم نہیں کریں گے۔ پیپلز پارٹی پر یہ بھی الزام لگایا گیا کہ اس نے اپنی کنسولینگ پبلسٹی کے لئے سرکاری وسائل اور سرکاری مشینری کو بھی استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ مخالفین نے ذوالفقار علی بھٹو اور پیپلز پارٹی کے ایک ایک فرد اور ان کی ایک ایک پالیسی کے نقائص اور خرابیوں کو اجاگر کیا۔ بھٹو پر یہ الزام لگایا کہ وہ شراب نوشی کرتا ہے۔ بعد میں اسی الزام کا اقرار بھٹو نے لاہور کے ایک بڑے جلسہ عام میں بھی کر لیا تھا۔ اسی طرح قومی اتحاد نے اس عہد کی مہنگائی اور پاکستان کے قرضوں کو بھی پیپلز پارٹی کے خلاف ایک ہتھکنڈے کے طور پر استعمال کیا لیکن بھٹو کی نظر میں ملک کے ماحول اور سیاسی قوتوں پر بڑی گہری تھی لہٰذا اس نے بھی اس ماحول کو اپنے حق میں پوری قوت سے استعمال کیا۔"

پھر ۷ مارچ ۱۹۷۷ء کو جب قومی اسمبلی کی نشستوں کے پورے ملک میں انتخابات ہوئے تو نتائج برسر اقتدار پارٹی کے حق میں تھے۔ قومی اسمبلی کی دو سو نشستوں میں سے صرف چھتیس نشستیں مخالف جماعتوں (قومی اتحاد) کے رہنما جیت سکے۔ اس صورتِ حال پر قومی اتحاد نے علی الاعلان صوبائی اسمبلیوں کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا۔ اس طرح جب ۱۰ مارچ ۱۹۷۷ء کو صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات ہوئے تو قومی اتحاد میں شامل کسی جماعت اور اس کے کارکنوں نے بالکل حصہ نہ لیا۔ مختصراً یہ کہ اس طرح بھی صوبائی انتخابات میں پاکستان پیپلز پارٹی ہی بلا شرکتِ غیرے کامیاب ہو گئی۔

Marfat.com

بھٹو کے ان انتخابات کے بارے میں آغاز میں الیکشن کمیشن نے کئی ایک وضاحتیں پیش کیں۔ پھر اس کے بعد عوامی دباؤ کے پیش نظر الیکشن کمیشن نے استعفیٰ دے دیا۔ قومی اتحاد کے لوگوں اور سیاسی لیڈروں نے الزام لگایا کہ انتخابات میں وسیع پیمانے پر دھاندلیاں کی گئی ہیں۔ بعد میں ان کی دھاندلیوں کی مفصل رپورٹ حکومت کے جاری کردہ وائٹ پیپرز میں بھی ملتی ہے۔ بہرصورت ان انتخابات کے بعد ملک میں وسیع پیمانے پر ہنگاموں اور شورشوں کا آغاز ہو گیا۔

تحریکِ نظامِ مصطفےٰ

۱۹۷۷ء کے انتخابات کے انعقاد سے پیشتر ہی متحدہ محاذ کے اراکین نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ آمدہ انتخابات میں برسر اقتدار پیپلز پارٹی وسیع پیمانے پر دھاندلیوں کی مرتکب ہو گی اس لئے قومی اتحاد نے پہلے ہی یہ پروگرام بھی بنا رکھا تھا کہ اس عمل کے بعد کس طرح اور کن بنیادوں پر کسی تحریک کا آغاز کیا جائے گا لہٰذا انتخابات کے انجام کے ساتھ ہی پاکستان میں ایک عوامی تحریک شروع ہو گئی۔ اس تحریک کے تحت یہ مطالبہ کیا جانے لگا کہ انتخابات کو کالعدم قرار دیا جائے۔ اور دھاندلیوں سے پاک انتخابات منعقد کئے جائیں۔ یہ بھی مطالبہ کئے جانے لگا کہ ملک میں قرآن وسنت کی بنیادوں پر کوئی آئینی نظام نافذ کیا جائے اور وہ ایسا نظام ہو کہ جسے "نظام مصطفےٰ" کہا جا سکے۔ قومی محاذ کی جب یہ تحریک سیاسی حوالے سے ہٹ کر مذہبی حوالے سے لوگوں کے سامنے آئی تو اس میں بے پناہ شدت پیدا ہو گئی۔ اس مقصد کے لئے لوگوں نے اپنی جان تک کی قربانیاں دینی شروع کر دیں۔ اس تحریک میں عوام نے بڑی جانثاری کے ساتھ پروانہ وار حصہ لیا۔ ان کارروائیوں سے نمٹنے کے لئے حکومت بھی لامحالہ شدید اقدام

Marfat.com

کرتی رہی۔ گرفتاریوں کا سلسلہ وسعت پکڑتا گیا اور پھر رفتہ رفتہ چند ہی دنوں میں لوگوں نے پیپلز پارٹی سے نجات حاصل کرنے اور نظامِ مصطفےٰ کے نفاذ کے لئے عظیم تر جذبے اور جاں سپاری سے حصّہ لینا شروع کر دیا۔

اسی اثنا میں جب ۱۹ اپریل ۱۹۷۷ء کو قومی اسمبلی کے منتخب ارکان نے لاہور میں حلف اٹھایا تو اس میں بھی قومی اتحاد کے منتخب ارکان نے حلف اٹھانے سے انکار کر دیا بلکہ اس میں سرے سے شرکت ہی سے اجتناب کیا بلکہ جس دن اسمبلی میں برسرِ اقتدار پارٹی کے ارکان حلف وفاداری اٹھا رہے تھے تو عین اس وقت لاہور کے متعدد مقامات پر آتش زنی کے واقعات رونما ہو رہے تھے۔ توڑ پھوڑ اپنے زوروں پر تھی۔ اپریل ۱۹۷۷ء کے اواخر تک ہنگامے اس قدر شدت اختیار کر گئے کہ بھٹو حکومت کو بھی شدید کارروائی کرنی پڑی۔ بھٹو کو بطور چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر، بعض شہروں میں مارشل لا نافذ کرنا پڑا۔ لوگوں نے ریل کی پٹڑیاں اکھاڑنی شروع کر دیں۔ اور پھر کراچی میں کاروں کی ایک بہت بڑی فیکٹری کو نذرِ آتش کر دیا۔ بھٹو حکومت ان ہنگاموں پر قابو پانے کی سر توڑ کوشش کرتی رہی۔ پھر اسی اثنا میں بھٹو نے لوگوں کے مطالبے کے مطابق ملک میں مرحلہ وار اسلامی نظام کے نفاذ کا اعلان کر دیا۔ فوری طور پر امتناع شراب کا قانون نافذ کر دیا۔ لیکن جب لوگوں کی تحریک اور ہنگامے نہ رُکے تو کرفیو کا نفاذ ہونے لگا۔ بڑی بڑی حکومتوں کو ان ہنگاموں کا موجب ٹھہرایا جانے لگا۔

اسلامک ریپبلک کا خواب

لارنس زیرنگ نے عوامی حکومت کے حوالے سے اپنے ایک مضمون "فروم اسلامک ریپبلک ٹو اسلامک سٹیٹ اِن پاکستان" میں لکھا ہے کہ بھٹو کو اسلامک

Marfat.com

ریپبلک کا نظریہ ایک طرح سے ورثے میں ملا تھا لیکن بھٹو کے پروگرام اور پالیسیاں اس سمت میں بہتر طور پر اپنا کردار ادا نہ کر سکیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ بھٹو کا نیم سوشلسٹ نظام بھی اپنا تھوڑا بہت اثر دکھاتا رہا۔ بھٹو کا اسلامی سوشلزم کا بار بار کا تذکرہ بھی لوگوں پر اپنا طلسم دکھاتا رہا۔ اس طرح بھٹو کی حیثیت اسلامک ریپبلک اور اسلامک سٹیٹ کے درمیان ایک عبوری کڑی کی سی ہو گئی تھی۔ اس ضمن میں بھٹو کو اپنے پیش روؤں کے مقابلے میں اختیارات کے لحاظ سے زیادہ مرکزی اہمیت حاصل تھی۔ بھٹو کے طویل المدت منصوبوں نے ملک میں واحد جماعتی حکومت کو تقویت بخش دی تھی، اس لئے لوگوں نے بھی محسوس کر لیا تھا کہ اب انہیں منظم ضوابط کے تحت زندگی کرنی ہو گی لیکن یہ اصول وضوابط ہرگز اسلامی تعلیمات پر مبنی نہیں تھے بلکہ بھٹو کے یہی اصول وضوابط ملک کے حصے بخرے کرنے پر مشروط تھے۔ نتیجتہً اسلامک ریپبلک کا یہ خواب ایک واہمہ سا ہو کر رہ گیا۔

ان حالات کے تحت ذوالفقار علی بھٹو نے تو یہ تسلیم کر لیا تھا کہ ریپبلک کے امور کو بہر صورت مملکت کی تعمیر و ترقی پر فوقیت نہیں دی جا سکتی۔ بلاشبہ تعمیر ملک وملت ایک مستحسن مقصد تھا لیکن اس کے لئے بھٹو کو حالات کو سازگار کرنے اور کلی اختیارات کو مرتکز کرنے کی خاطر تمام امور کو اپنے تک مخصوص کر کے رکھ لیا تھا۔

بھٹو اپنی ہی پالیسیوں اور آرزوؤں کے سحر میں گرفتار تھا۔ اس نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ ۱۹۷۱ء کے سقوط ڈھاکہ اور جنگ کے بعد پاکستان کے لوگوں کو ایک نئے عزم و استقلال سے زندہ رکھنا نہایت لابدی ہے۔ اس مقصد کیلئے لوگ بھی بذاتِ خود بھٹو حکومت پر آنکھیں بند کر کے اعتماد اور بھروسہ کرنے کے لئے تیار تھے۔ بھٹو نے بھی لوگوں کے آدرشوں کے عین مطابق نہایت دلکش اور ہمہ پہلو اصلاحات کا نفاذ کیا، جس کے نتیجے میں ملک میں ایک نئی

Marfat.com

سول بیوروکریسی پیدا ہو گئی تھی۔ یہ سول بیوروکریسی جماعتِ واحد کی تھی۔ اس لئے پیپلز پارٹی ہی ایک طرح سے بیوکریسی بن گئی تھی۔ اس بیوکریسی کو برقرار اور قائم رکھنے کی خاطر بھٹو نے انتظامیہ کے عوامی شعبے پولیس میں بھی خاصی اصلاحات نافذ کر دیں اور اس کے ساتھ فیڈرل سکیورٹی فورس بھی قائم کر دی تھی۔ اس فیڈرل سیکیورٹی فورس کے قیام کا ایک بنیادی مقصد یہ بھی تھا کہ اس کے ذریعے مخالفتوں کا خاتمہ ہوتا رہے اور ساتھ ہی ساتھ بیوروکریسی کی اہم اور وقیع شخصیات کی حفاظتی حد بندی بھی قائم رہے۔ اسی حوالے سے عساکر پاکستان پر بھی انضباط و اختیار مضبوط ہو گیا تھا۔

بھٹو نے اپنے مشیروں کے مشورے سے پنجاب اور سندھ کے زمینداروں پر ایک کاری ضرب لگائی، حالانکہ ذاتی طور پر بھٹو اس امر سے بخوبی آشنا تھا کہ بڑے بڑے زمینداروں کو اپنی پارٹی میں شامل کر کے پارٹی کی پالیسیوں کی حفاظت کی جا سکتی ہے۔ لیکن بھٹو نے بتایا کہ اس نے زمینداروں کے حوالے سے یہ فیصلہ صرف اپنی صوابدید پر کیا ہے تاکہ زمیندار خصوصاً چھوٹے زمیندار حکومت کے زیادہ وفادار ہو سکیں اور بڑی بڑی جاگیرداریاں ختم ہو سکیں۔ اس حوالے سے اگر بڑے جاگیردار اپنا تفوق برقرار رکھتے تو زرعی اصلاحات اور زمین کی حد ملکیت کا قانون بالکل بے عمل ہو کر رہ جاتا۔

اس کے ساتھ ساتھ پاکستان پیپلز پارٹی کے اندر بھی کئی طرح کے تفاوت پیدا ہونے لگے تھے۔ صوبہ سرحد کے بارے میں پالیسیوں پر پارٹی کے متعدد افراد مطمئن نہیں تھے۔ اسی طرح بلوچستان کے اندر بھی پارٹی ممبران کے مؤقف کو اہمیت نہیں دی گئی تھی۔ اس حوالے سے پیپلز پارٹی کی حکومت کو بلوچستان کے اندر امن و سکون رکھنے کے لئے فوج کا مستقل سہارا لینا پڑا تھا کیونکہ

Marfat.com

سرداروں اور بلوچستان کے لیڈروں کی گرفتاریاں بھی معاون ثابت نہیں ہو سکی تھیں۔ اس طرح ابھی بھٹو کی حکومت کو بمشکل تین ہی سال کا موقع ملا تھا کہ اس حکومت کا وہ پہلے سا اتحاد و اشتراک اور امتزاج و امتیاز پاش پاش ہونے لگا تھا۔ بھٹو کی پالیسیاں اور اس کی ذاتی مصروفیات اور اختیارات کے حوالے سے بھی مشاجرت جنم لینے لگی تھی۔ اس کے بدلے میں مجبوراً پیپلز پارٹی کے چیئرمین کے قریبی ساتھیوں کو بھی پارٹی سے علیحدہ ہونا پڑا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ فیڈرل سیکیورٹی فورس کا دائرہ اختیار بھی وسیع کیا جاتا رہا۔ اس طرح وہ حسب منشا کردار ادا کرتی رہی بلکہ بعض حوالوں سے یہ تنظیم دہشت و عبرت کی علامت بھی بنتی رہی۔ حکومتی جماعت کے مخالفین کو یہ فیڈرل فورس کیفر کردار تک پہنچاتی رہی۔ بعض ایسے قتل اور لوگوں کی مستقل گم شدگیاں جن کا اس عہد میں ذکر ہوتا رہا اس خفیہ پولیس ہی کی کارروائیوں کا نتیجہ قرار دی جاتی رہیں۔ اس طرح ۱۹۷۲ء کی پیپلز پارٹی کے وعدے ۱۹۷۵ء تک وبال جان بن کر رہ گئے تھے۔

پاکستان بھر کے نوجوان طالب علم کہ جنہیں آغاز میں بھٹو ایک زیرک مصلح دکھائی دیا تھا۔ اب تک اسی بھٹو کی پالیسیاں ان کے لئے بے چینی اور عدم اطمینانی کا موجب بن چکی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف تحریک چلی تو کراچی، حیدرآباد اور لاہور میں انتشار و فسادات کی سربراہی انہی طالب علموں نے کی تھی۔ ان طالب علمانہ مظاہروں پر انتظامیہ کی شدید کارروائیوں میں طالب علم کام آئے، ان کی قربانیاں بھی بھٹو حکومت کے خلاف اپنا اثر دکھانے لگیں پیپلز پارٹی کے محمد شیر پاؤ کا یونیورسٹی میں بے رحمانہ قتل طالب علموں کی جوابی کارروائی کا نتیجہ تھا۔ اس طرح حالات سے نمٹنے کے لئے بھٹو نے ملک میں ہنگامی حالت کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد بھٹو نے صوبہ سرحد کی سب سے بڑی سیاسی جماعت

Marfat.com

نیشنل عوامی پارٹی کو کالعدم قرار دے دیا۔

یہ حقیقت ہے کہ بھٹو نے ۱۹۷۳ء میں ملک کو ایک نیا آئین دیا، جس کی رو سے ملک میں پارلیمانی نظام رائج ہوا۔ لیکن عوامی حکومت کے دور کی سرگرمیاں بالائے آئین ہی رہیں۔ اسلامی تعلیمات کے حوالے سے نفاذ کنندگان اور حکومتی اداروں کے درمیان ایک رسہ کشی ہی جاری رہی، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ علماً میں ایک طرح کی بے چینی پیدا ہونے لگی اور پھر علماً کو حکومت اور اربابِ حکومت میں کئی کمزوریاں اور خامیاں دکھائی دینے لگیں۔ اس سلسلے میں جماعت اسلامی نے سب سے بڑھ کر کوتاہیوں اور خامیوں کا تذکرہ کیا اور طالب علموں کی اکثریت نے بھی اس جماعت کا زیادہ ساتھ دیا۔ اس نزاع اور مخالفت کا اظہار انتخابات ۱۹۷۷ء میں کھل کر ہونے لگا کہ جب قومی اتحاد معرضِ وجود میں آیا اور قومی اتحاد نے اپنے مقاصد میں اسلام ہی کو مرکزی حیثیت دی اور قومی اتحاد نے یہاں تک پروپیگنڈا کرنا شروع کر دیا کہ پاکستان پیپلز پارٹی ہی ملک میں نفاذِ اسلام کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

۱۹۷۷ء کے انتخابات میں گو قومی اتحاد شکست کھا گیا تھا لیکن قومی اتحاد نے پیپلز پارٹی کے خلاف اپنی جدوجہد کو جاری رکھا تھا۔ اسی لئے قومی اتحاد نے انتخابات کے نتائج ہی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا بلکہ یہ مطالبہ کر دیا تھا کہ انتخابات از سرِ نو منعقد ہونے چاہئیں اور بھٹو اپنے عہدے سے مستعفی ہو جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ لوگوں نے اور قومی اتحاد نے یہ بھی اعلان کر دیا تھا کہ وہ اس سلسلے میں بھٹو کے ساتھ کسی قسم کا معاہدہ کرنے کے لئے بھی تیار نہیں ہیں۔ اس طرح تخریب کاری کے واقعات بھی رونما ہونے لگے۔ انتظامیہ کی پولیس اور فیڈرل سیکیورٹی فورس جب اس صورت حال پر قابو نہ پا سکی تو فوج کو مداخلت

Marfat.com

کی اجازت دی گئی لیکن فوج اب شہریوں کو اپنی گولیوں کا نشانہ بنانے سے ہچکچا رہی تھی۔
اسی اثنا میں ذوالفقار علی بھٹو نے قومی اتحاد سے مذاکرات کا سلسلہ شروع کیا لیکن قومی اتحاد اور لوگوں کے علم میں تھا کہ بھٹو مذاکرات اور ٹیبل ٹاک میں لاثانی ہے اس لئے مذاکرات میں قومی اتحاد نے کسی بھی طرح کے حل کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور یہی مطالبہ کیا کہ سب سے پہلے بھٹو مستعفی ہو اور پھر جلد ہی دوبارہ منصفانہ انتخابات ہوں۔ لیکن اس صورتِ حال کے توڑ کے لئے ذوالفقار علی بھٹو نے کہا کہ نئے انتخابات کرانے سے ملک ٹوٹ سکتا ہے اس لئے وہ اپنی ذات پر ریفرنڈم کرانے کے لئے تیار ہیں۔ قومی اتحاد نے اس ریفرنڈم کی پیش کش کو بھی ٹھکرا دیا۔ بھٹو صاحب اس صورت حالات میں بھی مذاکرات کو کسی طرح کی مفاہمت کی خاطر طول دے رہے تھے۔ اس ساری صورتِ حال پر عساکر پاکستان نے بھی اب پوری نظر رکھی ہوئی تھی۔ فوجی بائی کمان اور فیلڈ کمانڈروں کی بھی متعدد بار میٹنگیں ہو رہی تھیں۔ بالآخر ۵-۶ جولائی ۱۹۷۷ء کی رات اچانک فوج نے اقتدار پر قبضہ کر لیا اور ذوالفقار علی بھٹو کو حراست میں لے لیا۔ اس کے ساتھ ہی ملک میں ایک بار پھر مارشل لا کا نفاذ کر دیا گیا۔

Marfat.com

باب ۔ ۱۹

نفاذِ اسلام

۵ ۔ ۶ ر جولائی ۱۹۷۷ء کی درمیانی شب پاکستان کی سیاسی تاریخ میں جو ایک انقلاب آیا وہ ایک پُرامن انقلاب تھا۔ اس میں کوئی خونریزی عمل میں نہ آئی۔ صرف وزیراعظم پاکستان اور اس کے ساتھیوں اور قومی اتحاد کے مذاکرات میں شامل لیڈروں کو حراست میں لے لیا گیا تھا۔ ملک کو مزید خانہ جنگی سے بچا کر جنرل محمد ضیاالحق نے اقتدار سنبھال کر چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کے اختیارات بھی سنبھال لئے ۔ مارچ ۱۹۷۶ء سے جنرل ضیاالحق چیف آف آرمی سٹاف کے عہدے پر متعین تھے۔ چونکہ پیپلز پارٹی کے انتخابات میں لوگوں نے بے شمار دھاندلیوں کا ذکر کیا تھا اس لئے سب سے پہلے اس امر کی جانب توجہ کی گئی۔ یہی نہیں بلکہ جنرل محمد ضیاالحق نے یہ وعدہ کیا کہ وہ جلد ہی انتخابات منعقد کرائیں گے۔ لیکن جب پہلی بار اعلان کیا گیا کہ اکتوبر ۱۹۷۷ء میں ملک میں انتخابات کرائے جائیں گے اور سیاست دانوں کا احتساب بھی کیا جائے گا تو اس پر قومی اتحاد نے بھی پس و پیش سے کام لینا شروع کر دیا تھا۔ اس کے بعد ۱۶ ر ستمبر ۱۹۷۸ء کو جنرل محمد ضیاالحق نے صدارت

Marfat.com

کے فرائض بھی سنبھال لیتے۔

جنرل ضیاالحق کی حکومت نے سیاسی جماعتوں اور لوگوں کے مطالبے پر پیپلز پارٹی کی جانب سے منعقدہ ۱۹۷۷ء کے انتخابات کے حوالے سے وائٹ پیپر کئی جلدوں میں شائع کیا۔ اس وائٹ پیپر میں عوامی حکومت کی بداعمالیوں، دھاندلیوں اور بدعنوانیوں ہی کا ذکر نہیں تھا بلکہ اس وائٹ پیپر میں کئی دستاویزات کو بھی جگہ دی گئی تھی۔ نتیجتہً اس وائٹ پیپر میں بھٹو حکومت کا ایک باضابطہ تجزیہ شائع کیا گیا تھا۔

بھٹو کے خلاف مقدمہ

پیپلز پارٹی کے سربراہوں نے تحفظِ خویش کی خاطر جو ایک فیڈرل سیکیورٹی فورس بنائی تھی۔ اس نے جب اشارۂ خاص پر مسٹر احمد رضا خاں قصوری کو عبرتناک سبق سکھانے کے لئے اور اس کے خاتمے کے لئے پروگرام بنایا تو اس کوشش میں احمد رضا قصوری کے والد محمد احمد خاں قتل ہو گئے تھے۔ اس قتل پر احمد رضا قصوری نے ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف مقدمہ درج کرا رکھا تھا۔ اس طرح جب بھٹو حکومت کا خاتمہ ہوا تو احمد رضا قصوری نے اپنے والد کے مقدمۂ قتل کی ایک بار پھر پیروی کی اور اس طرح مقدمہ پھر سے تازہ اور زندہ ہو گیا۔ کیس پر از سر نو تفتیش ہونے لگی۔ اس مقدمے کی تفتیش میں مقدمہ ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ تک طول کھینچ گیا۔ اس مقدمے کی تفتیش میں سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو مکمل طور پر ملوث ثابت کر دیتے گئے تو اس سلسلے میں مقدمہ ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ تک طول کھینچ گیا۔ بالآخر ججوں کے ایک پینل نے اس مقدمے کا فیصلہ کر کے ذوالفقار علی بھٹو کو مجرم ثابت کر دیا۔ عدالتوں نے اس جرم کی سزا بھی تجویز کر دی۔ اس طرح عدالتی فیصلے کے مطابق طے پایا کہ ذوالفقار علی بھٹو

Marfat.com

کو پھانسی دے دی جائے۔ عدالتوں کا یہ فیصلہ برسرِ عام آیا تو دُنیا جہاں کی حکومتوں اور متعدد سیاسی لیڈروں نے پاکستان کے سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کی جاں بخشی کی درخواستیں کرنی شروع کر دیں۔ لیکن اندرون ملک قومی اتحاد کے رہنماؤں کا نظریہ اس کے بالکل برعکس تھا۔ اس کے ساتھ ہی صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق بھی عدالتی فیصلے کو اپنی کسی ذاتی رائے اور کوشش سے بدلوانے کے لئے تیار نہیں تھے۔ لہٰذا ۴ر اپریل ۱۹۷۹ء کو پاکستان کے سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کو مقدمہ قتل کے فیصلے میں پھانسی کی سزا دے دی گئی۔

ایشیائی کانفرنس

جنرل محمد ضیاء الحق نے ملک کی باگ ڈور سنبھالنے کے قریباً ایک سال بعد ۶ر جولائی ۱۹۷۸ء کو کراچی میں پہلی ایشیائی اسلامی کانفرنس کا اہتمام کیا۔ یہ ایشیائی اسلامی کانفرنس تین دن تک کراچی میں جاری رہی۔ اس کانفرنس میں ایشیا بھر میں بسنے والے اسلامی ملکوں کے نمائندوں نے شرکت کی اور پاکستان کو ان مسلمان نمائندوں کی مہمان نوازی کا شرف حاصل ہوا۔ ایشیائی اسلامی کانفرنس کا افتتاح جنرل محمد ضیاء الحق نے کیا تھا۔ اس کے بعد اس کانفرنس میں ایشیائی مسلمانوں کے سیاسی، ثقافتی، معاشی، اور سماجی مسائل پر بھرپور غور و خوض کیا گیا۔ اسی کانفرنس میں کئی اہم امور کو بھی زیرِ بحث لایا گیا اور مسلمانوں کے عالمی اتحاد پر بھی زور دیا گیا۔ ایشیائی اسلامی ممالک کو ایک دوسرے کے ساتھ بہتر اور مناسب تعلقات اور ہر طرح کے مذہبی، ثقافتی، سماجی اور سیاسی امور میں ہم آہنگی بڑھانے کی اہمیت کو بھی اجاگر کیا گیا۔

Marfat.com

پندرھویں صدی ہجری

سب سے پہلے چودھویں صدی ہجری کے اختتام سے پیشتر ہی پندرھویں صدی ہجری کے استقبال کے لئے شایانِ شان اہتمام اور اقدامات کئے گئے۔ پھر پندرھویں صدی کی تقریبات کو نہایت تزک و احتشام کے ساتھ منایا گیا۔ اس سلسلے میں اسلامی تعلیمات اور سیرتِ نبیؐ پر کتابوں اور دیگر پروگراموں کو اولیت اور اہمیت دی گئی۔ ان تقریبات کو اس پر وقار اور تقدس کے ساتھ منایا گیا کہ لوگوں کے دلوں میں اسلامی تعلیمات کے لئے ایک آرزو اور امنگ پیدا ہونے لگی۔ اس پندرھویں صدی کے حوالے سے ایک ہجرہ کمیٹی بھی بنائی گئی جس کی کوششوں سے ملک میں نہایت وقیع اور قابلِ قدر کتابیں چھپ کر معرضِ وجود میں آئیں۔ خلاصتہً پندرھویں صدی کی تقریبات اور اس کے لئے شروع کردہ پروگرام اور منصوبے جاری و ساری ہیں اور ان پر عمل ہوتا رہے گا، لیکن اس دوران میں اسلامی تعلیمات کی اہمیت اور ان کی مسلمانوں کی زندگی میں کردار و عمل کے حوالے سے یہی محسوس کیا گیا کہ اسلام اور اللہ کی رسی ہی مضبوطی سے تھامے رکھنے میں مسلمانوں کی عافیت ہے۔ اسی سے مسلمانوں میں امن و سکون، اتحاد و اتفاق اور بھائی چارہ قائم ہوگا۔ یہی راہِ اسلام ہی مسلمانوں کو آج کی جدید دُنیا کے پیچیدہ مسائل سے بھی عہدہ برا ہونے کا حوصلہ اور ہمت دے سکتی ہے۔ اسلام ہی مسلمانوں کے تمام مسائل کا واحد حل ہے۔ اسلامی احکامات کی پابندی باعثِ برکت و رحمت ہے۔ ان ہی سے مسلمان صحیح معنوں میں ملتِ اسلامیہ بن سکتے ہیں۔

Marfat.com

پانچواں پانچ سالہ منصوبہ

جنرل ضیاء الحق کی حکومت نے جولائی ۱۹۷۸ء سے پانچویں پانچ سالہ منصوبے کا آغاز کیا۔ یہ منصوبہ جون ۱۹۸۳ء تک کے لئے مخصوص تھا۔ اس منصوبے کے لئے دوسو دس بلین روپے مختص کئے گئے تھے۔ اس پانچ سالہ منصوبے میں بنیادی توجہ اس امر پر دی گئی تھی کہ ملک کی اپنی معیشت کو مضبوط کیا جائے اور مستقبل کے لئے اسے مستحکم بنیادوں پر استوار کیا جا سکے۔ اسی منصوبے کے تحت دیہی علاقوں کی ترقی، شہری علاقوں کے مسائل کو حل کرنے، پسماندہ علاقوں کو خصوصی طور پر ترقی دے کر وہاں کے لوگوں کے معیارِ زندگی کو بلند کرنا، ملک میں بڑھتی ہوئی آبادی پر انضباط رکھنا اور مناسب منصوبہ بندی سے عوامی زندگی کو ترقی دینے پر توجہ دینا اور ان کے ساتھ ساتھ معاشی ترقی کے لئے طویل المدت منصوبوں کے لئے بنیادی اور اساسی کام کرنے کو اولیت دی گئی تھی۔

اس پانچویں پانچ سالہ منصوبے میں پاکستان کے لوگوں کی اپنی ترقی اور سوسائٹی کو اسلامی تعلیمات کے مطابق استوار کرنے پر بھی خصوصی توجہ دی گئی تھی۔ ملک کی معاشی ترقی کو بہرصورت تمام امور اور تمام مقاصد کے حصول میں سب سے اہم مقام دیا گیا اس منصوبے کے تحت ملک میں زراعت کی بامقصد ترقی اور زراعت کو بڑھانے کے لئے جملہ تمام ذرائع اور وسائل کو بروئے کار لانے کا تہیہ بھی کیا گیا۔ اس پانچ سالہ منصوبے میں افرادی قوت کو موثر اور بہتر طور پر کام میں لانے، ان کی تعلیم و تربیت اور ان کے معیار زندگی کو بلند کرنے کے لئے کئی ایک اداروں کے قیام کا بھی وعدہ کیا گیا اور قومی معیشت کو ترقی دے کر استحکام بخشنے کے انتظامات بھی کئے گئے۔ ملکی ضروریات کو پورا کرنے کی خاطر زرعی پیداوار میں چھ فی صد

Marfat.com

ترقی کا ہدف مقرر کیا گیا۔ اس ہدف میں قیمتوں میں استحکام برقرار رکھنے اور ادائیگیوں کے توازن کو بھی پیش نظر رکھا گیا تھا۔

زرعی پیداوار میں ہر سال چھ فی صد اضافے کے باعث یہ بھی ہدف مقرر کیا گیا کہ پاکستان میں نہ صرف خود کفیل ہو جائے یہی نہیں بلکہ گندم برآمد کرنے کے بھی قابل ہو جائے گا۔ اسی طرح چاول کی پیداوار میں خاطر خواہ اضافہ کیا جائے گا۔ ویجیٹیبل آئل کی درآمد سے بچنے کے لئے تیل کے بیجوں کی زرعی پیداوار میں اضافہ کیا جائے گا۔ اسی طرح روزمرہ کی ضروریات کی پیداوار میں ملکی سطح پر خاطر خواہ اضافہ کرنے کے اقدامات کئے جائیں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ شکر سازی کی ضروریات پوری کرنے کے لئے گنے کی پیداوار میں بالخصوص اضافہ کیا جائے گا۔ علاوہ ازیں کپاس کے معیار اور پیداوار کو بدستور بڑھایا جائے گا اور بارانی علاقوں کی زمینوں کو زیادہ سے زیادہ قابلِ کاشت بنایا جائے گا۔

اس پانچویں پانچ سالہ منصوبے میں صنعتی اور انڈسٹریل ترقی پر بھی خصوصی توجہ دی گئی اور اس طرح انڈسٹریل ترقی کو زرعی ترقی سے ہم آہنگ اور معاون کرنے کے لئے مصنوعی کھاد کی پیداوار بڑھانے اور کھاد کے استعمال کے مناسب انتظامات کا بھی خیال رکھا گیا۔ کراچی سٹیل مل کو جلد از جلد مکمل کر کے اس سے حسب استعداد پیداوار حاصل کرنے پر بھی خصوصی توجہ دی گئی۔ اسی طرح کھاد اور سیمنٹ کی فیکٹریوں کی بہتری اور ان کی ترقی کو بالخصوص اس منصوبے کا ایک اہم حصہ بنایا گیا۔ خلاصتہً اس منصوبے کے تحت صنعتی میدان میں دس فی صد سالانہ ترقی کا ہدف مقرر کیا گیا تھا۔

اس منصوبے کے تحت جنرل ضیاء الحق کی حکومت نے نہایت ماہرانہ بصیرت کے ساتھ صنعتی ترقی کی خاطر چالیس بلین روپے مختص کئے۔ ان میں سے اکیس

Marfat.com

بلین سرکاری اور انیس بلین پرائیویٹ شعبے کے لئے رکھے گئے۔ ملک میں بنیادی اور چھوٹی صنعتوں کو زیادہ سے زیادہ مؤثر اور پیداواری بنانے کی خاطر کئی اہم اقدام اٹھائے گئے۔ مختلف صنعتوں کی پیداواری استعداد میں دس فی صد تک ترقی کے حوالے سے پانچ برسوں کے اندر قریباً ۲۳ فی صد ترقی کا ہدف مقرر کیا گیا تھا۔

دیگر اہم اقدامات

جنرل محمد ضیاء الحق نے جب جولائی ۱۹۷۷ء میں ملک کی باگ ڈور سنبھالی تو اس کے جلد ہی بعد سیاسی مسائل سے نمٹنے کے ساتھ ساتھ ملک کے دیگر مسائل پر بھی توجہ دی اور ملکی پیداوار کو بڑھا کر دوسرے ملکوں کو برآمدات کے ذریعے زرمبادلہ کمانے کے کئی مواقع فراہم کئے۔ اس طرح بلامبالغہ ابتدائی تین ہی برسوں میں زراعت، انڈسٹری اور کان کنی میں چھ فی صد تک اضافہ ہو گیا۔ یہی نہیں بلکہ برسوں کے مقابلے میں پاکستان کی سالانہ فی کس آمدنی میں بھی حوصلہ افزا حد تک اضافہ ہوا۔

ملک کی انڈسٹریل ترقی میں ایک محسوس اضافہ ہوا۔ یارن روئی، عام روئی، بناسپتی گھی، چینی کھاد، سیمنٹ، سائیکل سازی، دھاتی اشیاء کی تیاری اور پیداوار سگریٹ سازی، کاغذ اور بورڈ سازی، شیشہ سازی، چمڑے اور ربڑ کی مصنوعات میں بھی قابلِ حد تک خاطر خواہ خوشگوار اضافہ ہوا اور ان صنعتوں کی حکومت نے بھرپور سرپرستی بھی جاری رکھی۔ حکومت نے پہلے سے نصب شدہ یونٹوں اور مشینری کی پیداواری استعداد سے کماحقہٗ فائدہ اٹھایا اور ان کی پیداواری استعداد کو بڑھانے کے لئے انتظامات کے ساتھ ساتھ نئی مشینری اور یونٹ خریدنے

Marfat.com

کی سہولتیں فراہم کیں۔ یہی نہیں بلکہ حکومت نے دیگر صنعتوں کے لئے خام مال کی کمی کو پورا کرنے، مختلف صنعتوں میں جدید ترین مشینوں کی فراہمی مصنوعات میں ایک خوشگوار موازنہ اور مقابلہ پیدا کر کے انڈسٹریل ترقی کے لئے کئی معاون اقدامات کئے۔ اس کے ساتھ ساتھ مختلف صنعتوں کے بعض انتظامی لوا اور ڈھانچوں پر بھی توجہ دے کر ان کے مسائل حل کرنے کی کوشش کی۔

ملک کی افرادی قوت کو موثر اور بہتر طور پر بروئے عمل لانے کے لئے حکومت پاکستان نے کئی طرح کے ضروری اقدام کئے۔ پاکستان کی افرادی قوت کی بیرونِ ملک بھی بڑی مانگ رہی ہے۔ اس سلسلے نے اوورسیز پاکستانیز فاؤنڈیشن اور اوورسیز ایمپلائز کارپوریشن کے ذریعے سے بیرونِ ملک بہتر اور ہنر یافتہ افرادی قوت فراہم کرنے کے انتظامات کئے گئے۔ بیرونِ ملک پاکستانیوں کو بہتر اور زیادہ دلکش شرائط پر دوسرے ملکوں میں ملازمتیں فراہم کرنے کی خاطر خصوصی انتظامات کئے گئے اور انہیں اپنے ملک کے اندر اپنی رقوم کو انڈسٹری میں لگانے کے لئے بہتر مواقع فراہم کئے گئے۔ یہی نہیں بلکہ ملک کے اندر افرادی قوت کو مناسب اور بہتر انداز میں استعمال کرنے کے لئے ان کی تعلیم و تربیت، ان کی ٹریننگ، بنیادی فنی تعلیم اور مہارت کے بھی مواقع فراہم کئے گئے۔ اس حوالے سے بے روزگاری پر بھی ایک حد تک قابو پانے کی کوشش کی گئی اور افرادی قوت کی تعداد میں اضافے کے انتظامات کئے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ ۸۲-۱۹۸۱ء میں پاکستان سے قریباً ایک لاکھ تیس ہزار پاکستانی باقاعدہ طور پر دوسرے ممالک میں ملازمتیں حاصل کر کے گئے۔ اس طرح دوسرے ممالک میں پاکستانی افرادی قوت لاکھوں کی تعداد میں مختلف اہم خدمات انجام دینے لگی۔ بیرونِ ملک پاکستانیوں کی اکثریت سعودی عرب، انگلستان، متحدہ عرب امارات، بحرین، دوبئی

Marfat.com

عراق، لبیا، شام، تنزانیہ، دیگر یورپی ممالک اور سکینڈے نیوین ممالک میں کام کر رہی ہے۔ سعودی عرب اور انگلستان میں کم و بیش چھ لاکھ پاکستانی مختلف حیثیتوں میں اور مختلف شعبوں میں قابلِ ذکر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ حالیہ برسوں میں پاکستان کی افرادی قوت میں جو پانچ فی صد تک اضافہ ہوا ہے اس میں زیادہ تعداد ہنر یافتہ اور پڑھے لکھے لوگوں کی ہے۔

ملک کے اندر بے روزگار لوگوں کو مناسب اور بہتر روزگار فراہم کرنے پر بھی حکومت نے توجہ دی۔ اس طرح لوگوں کو روزگار فراہم کرنے کی رفتار اور شرح میں قریباً تین فی صد تک اضافہ ہوا۔ اس مد میں یہ محسوس کیا گیا ہے کہ ملک کے اندر بھی ہنر مند اور محنت کار لوگوں کو باآسانی روزگار میسّر آنے لگا لیکن وہ لوگ، جو سکولوں اور کالجوں کی ادھوری تعلیم چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں، انہیں روزگار حاصل کرنے میں زیادہ دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان لوگوں کے لئے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد نے متعدد تدریسی اور فنی نصاب شروع کر کے خط و کتابت کے ذریعے تعلیم کو مزید فروغ بخشا، اور ایسے افراد، جو باقاعدہ طور پر سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں سے تعلیم حاصل کرنے سے قاصر رہے تھے۔ ان کی تعلیم و تربیت کے متعدد انتظامات کیئے۔

معاشی ترقی کے انتظامات

جنرل ضیاء الحق کی حکومت نے ملک کی اقتصادی ترقی کے لئے کئی ایک اہم اقدامات کئے۔ سب سے پہلے مختلف شعبوں کو کئی مالی سہولتیں اور مراعات فراہم کیں۔ زراعت کی بنیادوں پر بننے والی انڈسٹری کو کئی طرح کے ٹیکسوں سے مستثنیٰ قرار دے دیا۔ اس طرح سرکاری اور پرائیویٹ دونوں شعبوں میں متعدد بنیادی صنعتوں کو کئی ایک سہولتیں میسّر آگئیں۔ پانچویں پانچ سالہ منصوبے میں کئی صنعتوں کو فروغ

Marfat.com

درترقی دینے کی خاطر ٹیکسوں میں کچھ عرصے کے لئے چھوٹ دی گئی۔ مشینری کی امپورٹ ڈیوٹی کی کئی صنعتوں کو چھوٹ دے دی گئی۔ اسی طرح غیر ترقی یافتہ علاقوں میں صنعتیں لگانے کے لئے خصوصی مراعات اور ٹیکس کی سہولتوں کا اعلان کیا گیا۔ حکومت نے انڈسٹریل ترقی کی خاطر بعض لمبی مدت کے منصوبوں کا بھی آغاز کیا اور اسی طرح پرائیویٹ شعبوں میں انڈسٹری کی ترقی پر خصوصی توجہ دی۔

اس کے ساتھ ساتھ کئی ایسی صنعتیں کہ جنہیں سابقہ حکومت نے قومی ملکیت میں لے لیا تھا۔ اصل مالکان کو حسب سابق واپس کر دی گئیں۔ سرمایہ کاری کرنے والے لوگوں کو مزید سہولتوں کا اعلان کیا گیا تاکہ لوگ کھلے دل سے سرمایہ کاری کریں۔ انڈسٹریل انوسٹمنٹ شیڈیول کا اعلان کیا گیا تاکہ پرائیویٹ شعبے میں صنعتی ترقی ہو سکے۔ مکسڈ اکانومی کی بنیادوں پر سرمایہ کاری کے فروغ کے لئے راہ پیدا کی گئی۔

رفتہ رفتہ اور مرحلہ وار سود کو ختم کرنے کا پروگرام بنایا گیا تاکہ اسلامی اقتصادی نظام نافذ کیا جا سکے۔ اس سلسلے میں بعض فوری اقدامات پر عمل شروع ہو گیا۔ حکومت نے اس مد میں لوگوں کو راغب کرنے کے لئے دیگر ذرائع سے بھی معاون کام لیا۔ خام مال کی بعض اقسام پر سے کسٹم ڈیوٹی ختم کر دی گئی اور کئی طرح کی مشینری کو بھی کسٹم ڈیوٹی سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا۔ زرمبادلہ حاصل کرنے والی صنعتوں کو حکومت نے زیادہ سہولتیں فراہم کرنے پر توجہ دی اور اسی طرح بیرونِ ملک پاکستانیوں کو بھی سرمایہ کاری کے وافر مواقع فراہم کر دیئے۔ کراچی میں ایکسپورٹ فری زون قائم کر دیا گیا۔

عوام الناس کو سہولت فراہم کرنے کے لئے ملک میں بلاسود بنکاری کا نظام رائج کیا گیا۔ اس مقصد کے لئے سب سے پہلے ایک کمیشن مقرر کیا گیا تھا۔ کمیشن نے اپنی رپورٹ میں متعدد قابلِ عمل اور مفید سفارشات کیں۔ جن پر

Marfat.com

عمل کرنے کے لئے بلاسود بنکاری کا نظام نافذ کر دیا گیا۔ لوگوں کو شراکت کی بنیاد پر بینکوں میں اپنی رقوم جمع کرانے کے لئے راغب کیا گیا۔ اسی طرح کاروبار مضاربت سکیم شروع کی گئی جس کے تحت نفع اور نقصان میں شرکت کی بنیاد پر کاروبار کے لئے قرض فراہم کئے جاتے ہیں۔ اس سے متوسط طبقے کے لوگوں کو اپنے کاروبار کو بڑھانے کے زیادہ مواقع میسر آرہے ہیں۔

زکوٰۃ و عشر

۲۰ر جون ۱۹۸۰ء کو جنرل ضیاء الحق نے ملک میں زکوٰۃ آرڈی ننس جاری کیا۔ یہ قانون پاکستان کے تمام مسلمانوں پر نافذ کر دیا گیا چنانچہ اس سلسلے میں اسلامی تعلیمات کو پوری طرح ملحوظ خاطر رکھا گیا۔ اس قانون کے ذریعے چند منتخب مگر محدود اثاثوں پر لازمی طور پر زکوٰۃ کی کٹوتی کا ایک ملک گیر نظام عمل میں لایا گیا۔ اس کے علاوہ باقی تمام قابل زکوٰۃ اثاثوں پر زکوٰۃ کا تعین خود لوگوں کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا۔ اس زکوٰۃ آرڈی کے نفاذ سے پیشتر ملک کے ہر گوشہ میں تقریباً بتیس ہزار زکوٰۃ کمیٹیاں تشکیل دی گئی تھیں۔ زکوٰۃ کمیٹیوں کی تعداد میں حالیہ برسوں میں اضافہ ہوا ہے۔ اس طرح ان کی تعداد اب چھتیس ہزار ہو گئی ہے۔ ان زکوٰۃ کمیٹیوں کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے اپنے علاقوں کے مستحقین زکوٰۃ کی نشاندہی کریں اور پھر ان لوگوں میں زکوٰۃ تقسیم کریں۔ زکوٰۃ کونسلوں میں علماء دین کو بھی نمائندگی دی گئی ہے۔ زکوٰۃ کی جمع شدہ رقوم کی تقسیم کی نگہداشت کرنا اور ان کے مناسب حساب کتاب رکھنے کا انتظام کرنا زکوٰۃ کونسلوں کے فرائض میں شامل ہے۔ مرکزی زکوٰۃ کونسل قانون زکوٰۃ کے دائرے میں رہتے ہوتے زکوٰۃ سے متعلق اہم فیصلے کرتی ہے۔ نئے نئے قواعد وضع کر کے انہیں نافذ کرتی ہے اور پھر وہی

Marfat.com

صوبائی زکوٰۃ کمیٹیوں اور کونسلوں کی رہنمائی بھی کرتی ہے۔

زکوٰۃ کی تقسیم کے دائرہ کار کو وسیع کرنے کے لئے نیشنل زکوٰۃ فاؤنڈیشن بھی قائم کی گئی ہے۔ یہ فاؤنڈیشن فقہی ضروریات کو مدِنظر رکھتے ہوئے مستحقین کی بحالی کے لئے نئے اداروں کے قیام اور پرانے اداروں میں توسیع میں مدد دینے کے لئے بنائی گئی ہے۔ زکوٰۃ کی رقم زیادہ تر مستحقین تک پہنچانے پر خصوصی اور ہمہ وقت توجہ دی جاتی ہے۔ زکوٰۃ کے دائرۂ کار کو ضعیف العمر اور معذور تک بھی بڑھا دیا گیا ہے۔ صحت مند مستحقین کی تربیت اور انہیں ضرورت کے آلات اور اوزار فراہم کرنے پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جانے لگی ہے۔ مستحقین کو کاروبار کرنے کی خاطر سہولتیں فراہم کرنا اور مستحق لوگوں کو اپنے کاروبار میں خودکفیل کرنے کے لئے بھی زکوٰۃ ہی کی مد سے رقم دی جانے لگی ہے۔ دینی مدارس کے طلباء کو بھی اس زکوٰۃ سے خاطر خواہ سہولتیں دی جانے لگی ہیں۔

عشر کا نظام مارچ ۱۹۸۳ء میں شروع کیا گیا۔ عشر کے متعلق بھی مرکزی زکوٰۃ کمیٹی ہی فیصلے کرتی ہے۔ یہ بھی امر ملحوظِ خاطر رکھا گیا ہے کہ زکوٰۃ یا عشر جس بھی علاقے سے حاصل کیا جائے گا۔ وہ اسی علاقے کی بہتری اور بھلائی کے لئے استعمال کیا جائے گا۔ عشر کی وصولی اور تقسیم کا بھی پورا پورا حساب کتاب رکھا جائے گا اور بوقت ضرورت اس کی جانچ پڑتال بھی ہوتی رہے گی۔ عشر کی رقم بھی انہی مدوں میں صرف کی جا رہی ہے جن کی شریعت اجازت دیتی ہے۔ آرڈیننس نے یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ جس فصل پر عشر یعنی دسواں حصہ وصول کیا جائے گا اس پر مالیہ معاف ہو گا۔

عشر کے معاملے میں بھی اسے ایک دینی فریضہ سمجھتے ہوئے یہ رعایت دی گئی ہے کہ واجب الادا عشر کی رقم کا تعین عشر گزار از خود کرے گا، لہٰذا

Marfat.com

طے یہ پایا ہے کہ چھبیس من گندم یا اس کے برابر یا اس سے کم مالیت کی ہو تو اس پر عشر وصول نہیں کیا جائے گا۔ گو عشر کا قانون بھی جون ۱۹۸۰ء ہی میں جاری کر دیا گیا تھا لیکن اس پر عملدرآمد مارچ ۱۹۸۳ء سے ہوا ہے۔ اس طرح پہلی بار عشر ۸۳-۱۹۸۲ء کی فصل ربیع پر وصول کیا گیا۔ عشر کی رقم بھی مقامی زکوٰۃ کمیٹیاں ہی وصول کرتی اور پھر مستحقین میں تقسیم کرتی ہیں۔

نفاذِ تعزیراتِ اسلامی

نظامِ اسلام کے قیام کے سلسلے میں جنرل محمد ضیاء الحق کی حکومت نے چند نہایت اہم اور اساسی اقدام کئے۔ سب سے پہلے حکومت نے تعزیراتِ اسلامی کا نفاذ ممکن بنایا۔ اس سے پیشتر پاکستان کا قانون اب تک برطانوی طور کی یادگار کے طور پر قائم تھا اور مختلف حکومتوں نے اسے بدلنے کے اعلانات کئے لیکن وہ ان قوانین کو اسلام اور شریعت سے ہم آہنگ نہ کر سکے، چنانچہ ضیاء الحق کے دور میں حکومت نے اسلامی تعزیرات کے عملی نفاذ کے لئے مختلف سطحوں پر شرعی عدالتیں قائم کی گئیں جن میں اعلیٰ شہرت کے ججوں کو شامل کیا گیا۔ اس کے علاوہ علماء کے پینل مقرر کئے گئے جو ان عدالتوں کے مشیر کے طور پر کام کرتے ہیں اور شرعی عدالتوں سے رجوع کرنے والے لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔ ان علماء میں ہر مکتب فکر کے علماء شامل ہیں، چنانچہ ان لوگوں کی سفارشات پر ضابطہ تعزیرات کی کچھ دفعات کو اسلامی اصولِ فقہ کے مطابق دوبارہ مرتب کیا گیا۔ اس طرح درج ذیل قوانین حدود نافذ کئے گئے۔ ان قوانین کا نفاذ ۱۰ فروری ۱۹۷۹ء کو بارہ ربیع الاول کے ایک صدارتی حکم سے ہوا۔

(۱) امتناعِ مسکرات کے تحت نشہ آور اشیاء کے استعمال، قبضہ داری،

Marfat.com

خرید و فروخت کی ممانعت کر دی گئی۔ اس کے لئے مناسب اسلامی سزائیں مقرر کر دی گئیں۔

(۲) چوری، سرقہ بالجبر، رسہ گیری، چوروں کی امداد اور پناہ دہی وغیرہ کو بھی اسلامی حدود کے تحت قابلِ مواخذہ جُرم قرار دے کر ان کے لئے اسلامی سزاؤں کا نفاذ کر دیا گیا۔

(۳) جرمِ زنا (نفاذِ حدود) آرڈی ننس کے تحت عصمت دری، اغوا، لواطت وغیرہ کی مختلف صورتوں کے جرائم کی تشریح کر کے ان کی سزائیں مقرر کر دی گئیں۔

(۴) جرمِ قذف (اس جُرم میں) زنا کی جھوٹی تہمت لگانے کی مختلف صورتوں میں سزائیں نافذ کر دی گئیں۔

ان اسلامی سزاؤں کے نفاذ کے مطابق زنا، چوری، قذف اور شراب نوشی کو اسلامی تعزیرات کے حوالے سے قابلِ مواخذہ قرار دے دیا گیا۔ لیکن ان کی باریکیوں اور دیگر لوازم میں حزم و احتیاط برتنے کے لئے گواہوں اور گواہی اور شہادت کے قانون میں بھی موثر تبدیلی کر دی گئی تاکہ کسی پر بھی ظلم نہ ہونے پائے۔

وفاقی شریعت کورٹ

اسلامی قوانین کو مؤثر بنانے اور نظامِ عدل کے پورے پورے تقاضے اپنانے کے لئے اور قوانین کو نظامِ عدل میں مناسب مقام دلوانے کے لئے وفاقی شریعت کورٹ ۱۹۸۱ء میں قائم کیا گیا۔ وفاقی شریعت کورٹ کا صدر دفتر اسلام آباد میں اور کراچی، لاہور، پشاور اور کوئٹہ میں اس کی برانچیں قائم کی گئیں۔ اس وفاقی شرعی عدالت کو سپریم کورٹ کا ایک حصہ قرار دیا گیا۔ اس وفاقی عدالت

Marfat.com

کے ججوں میں تین ایسے سربرآوردہ علماء کو بھی شامل کیا گیا، جو فقہ اسلامی کے بھی ماہر مانے جاتے ہیں۔ یہ اعلیٰ سطحی عدالت تعزیرات اسلامی کے تحت دائر ہونے والے مقدمات اور اعلیٰ ترین اپیل سننے والی عدالت ہے۔ اسی طرح اگر مروجہ قوانین میں کوئی قانون اسلامی تعلیمات کے منافی ہو تو اس کے بارے میں بھی اس عدالت کو سماعت اور فیصلے کا اختیار حاصل ہے۔

وفاقی شریعت کورٹ کے چاروں صوبائی مقامات پر چیف جسٹس فیڈرل شریعت کورٹ کے مقرر کردہ بنچوں کے پروگرام کے مطابق اجلاس منعقد کرتے ہیں۔ وفاقی شریعت کورٹ کے اختیارات، ان کے خلاف اپیل، فوجداری مقدمات میں ان کا عمل دخل، ہائی کورٹ، فیڈرل شریعت کورٹ کے مشترکہ اختیارات وغیرہ کا بھی مفصل خاکہ بنا دیا گیا ہے۔

خارجہ پالیسی

جنرل محمد ضیاء الحق نے ملک کے اندرونی امور پر توجہ دینے کے ساتھ ساتھ ملک کی خارجہ پالیسی پر بھی خصوصی توجہ دی۔ سینٹو میں پاکستان کی شمولیت پاکستان کے لئے ایک طرح کا طعنہ بن چکی تھی، لہٰذا مارچ ۱۹۷۹ء میں جنرل محمد ضیاء الحق نے سینٹو سے پاکستان کی علیحدگی کا اعلان کر دیا۔ اس طرح پاکستان کے دوست ممالک اور پاکستان کے عوام کا ایک دیرینہ مطالبہ پورا ہو گیا۔ اس معاہدے میں شریک رہنے سے پاکستان پر کئی طرح کے الزامات بھی عائد ہوتے رہتے تھے اور اسے پاکستان کی خارجہ پالیسی پر ایک دھبہ سمجھا جاتا تھا۔ یاد رہے پاکستان سیٹو سے تو پہلے ہی علیحدہ ہو گیا تھا۔ ویسے بھی ان دونوں معاہدوں میں پاکستان کی شمولیت نے پاکستان کو کوئی قابلِ ذکر فائدہ نہیں دیا تھا بلکہ ان میں شمولیت کے باعث کئی ممالک سے

Marfat.com

پاکستان کی وفاداریاں مشکوک ہوگئی تھیں۔

اسی طرح پاکستان ۱۹۷۹ء میں ناوابستہ ملکوں کی تحریک میں شریک ہوگیا تھا اور ان کا باقاعدہ رکن بن کر اپنا اہم کردار بھی ادا کرنے لگا تھا۔ ۱۹۸۰ء میں ناوابستہ ملکوں کا ایک اجلاس ہوانا میں منعقد ہوا تو وہاں صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق نے اپنی تقریر میں پاکستان کے مؤقف کی بھرپور نمائندگی کی اور بڑی طاقتوں کے سحر سے نکلنے کے لئے اسلامی ممالک اور تیسری دُنیا کے ممالک کی تائید و حمایت کا اعلان کیا۔

غیروابستہ ممالک کے وزرائے اعلیٰ کا بیسواں اجلاس فروری ۱۹۸۱ء میں دہلی میں منعقد ہوا۔ پاکستان نے اس اجلاس میں زیادہ سرگرمی کے ساتھ شرکت کی۔ اسی اجلاس میں پاکستان کی جانب سے افغانستان کے مسئلے کا سیاسی حل تلاش کرنے پر زور دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی اسرائیل کے خلاف بھی اعلان کیا گیا کہ وہ بیت المقدس سمیت تمام مقبوضہ علاقے خالی کردے۔ اسی طرح اجلاس میں افغانستان کے مہاجرین کی باعزت واپسی کا مطالبہ بھی دہرایا گیا۔

اسلامی وزرائے خارجہ کی نویں کانفرنس ۱۹۷۹ء میں فیض میں منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں بھی پاکستان کا کردار و عمل قابلِ ستائش تھا۔ پاکستان نے دنیائے اسلام کے مؤقف کی تائید کی اور مسلمانوں کے اتحاد و تعاون کی ضرورت پر زور دیا۔ اسی طرح دسویں کانفرنس اسلام آباد میں منعقد ہوئی تو پاکستان نے اسلامی ممالک کے اعلیٰ سطحی مندوبین کی مہمان نوازی کا بھی شرف حاصل کیا اور اسلامی دُنیا کے مسائل میں بھی بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ اس کے بعد ۱۹۸۱ء میں ہی اسلامی وزرائے خارجہ کی کانفرنس جدہ میں منعقد ہوئی تو بھی پاکستان کا کردار بڑا قابلِ قدر تھا۔

تیسری سربراہی کانفرنس جنوری ۱۹۸۱ء میں مسجد الحرام کے صحن اور خانہ کعبہ

Marfat.com

کے ساتھ میں منعقد ہوئی۔ اس اسلامی سربراہی کانفرنس میں صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے شرکت کی۔ حرم پاک میں سربراہان مملکت نے اس امر کا عہد کیا کہ وہ قرآن وسنت کو انفرادی اور اجتماعی زندگی کی بنیاد بنائیں گے اور عالم اسلام کے مسائل مثلاً مسئلہ فلسطین اور افغانستان کے حل کی خاطر جہاد کا راستہ بھی اختیار کریں گے۔ مسلمان ممالک کے درمیان تمام تنازعات باہمی افہام وتفہیم سے طے کئے جائیں گے۔ نیز مسلمان ممالک ایک دوسرے کی مالی اعانت اور مدد بھی کریں گے۔ ان اہم فیصلوں کو "اعلانِ مکہ" کا نام دیا جاتا ہے۔ اعلانِ مکہ کی دورِ جدید کی تاریخ اور سیاست میں بہت اہمیت ہے۔ اس اعلان میں جو بنیادی اصول بیان کئے گئے وہ تقریباً وہی ہیں جن کے لئے پاکستان ہمیشہ کوشاں رہا ہے۔ اس لئے بالواسطہ طور پر اعلانِ مکہ میں بھی پاکستان ہی کی کوششیں بار ور ہوئیں۔ اسی موقف کی بازگشت سنائی دی کہ جس پر پاکستان کاربند ہے۔

یہ پاکستان کی خارجہ پالیسی کی ایک بہت بڑی کامیابی کی دلیل ہے کہ یکم اکتوبر ۱۹۸۰ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے پینتیسویں سالانہ اجلاس میں صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کو پورے عالمِ اسلام کی نمائندگی کرنے کا اعزاز ملا۔ اس اجلاس میں صدر پاکستان نے اسلام کے عالمی پیغام امن کا اعادہ کیا اور عالمِ اسلام کے افکار و مسائل پر روشنی ڈالی۔ اسی اجلاس میں انہوں نے افغانستان کے بارے میں ایک قرارداد پیش کی جسے بھاری اکثریت سے منظور کر لیا، لیکن اس قرارداد کی سوویت روس نے شدید مخالفت کی۔ اس طرح اس قرارداد کو افغانستان نے بھی مسترد کر دیا۔

وفاقی محتسب اعلیٰ

پاکستان میں موجود تمام اداروں انتظامیہ اور عدلیہ سرکاری اور پرائیویٹ اداروں

Marfat.com

اور ایجنسیوں اور زندگی کے دیگر شعبوں میں ہر طرح کی ناانصافیوں، خامیوں اور کوتاہیوں کو دور کرنے کی غرض سے حکومتِ پاکستان نے ۱۹۸۱ء میں محتسبِ علی کی عدالت کا قیام ممکن بنایا۔ اس طرح وفاقی محتسبِ اعلیٰ کو نہایت وسیع اور اعلیٰ اختیارات دے کر ہر طرح کی تحقیقات کرنے اور ان پر فیصلے صادر کرنے کی ذمہ داری سونپ دی گئی۔ اس طرح محتسبِ اعلیٰ تک پاکستان کا ہر ادنیٰ و اعلیٰ فرد اپنے حق و انصاف کی دادرسی کے لئے رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ محتسبِ اعلیٰ کو جو اعلیٰ اختیارات دیئے گئے ہیں، ان کے تحت وہ بلا تاخیر معاملات کو نمٹانے اور حق و انصاف کے تقاضے پورے کرنے میں بڑی ہی ذمے داری سے فعال کردار ادا کر رہے ہیں۔ اس وقت وفاقی محتسبِ اعلیٰ ریٹائرڈ چیف جسٹس سر دار محمد اقبال ہیں۔

افغانستان کا مسئلہ

۱۹۷۴ء میں لاہور میں جو اسلامی سربراہی کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ اس میں گو اسلامی ممالک کے تمام سربراہوں اور نمائندوں نے بڑے خلوصِ دل کے ساتھ عالمِ اسلام کے اتحاد اور باہمی افہام و تفہیم اور اشتراک و تعاون کے اصولوں کی تائید حمایت کی تھی، لیکن اس اجلاس میں بھی افغانستان کے نمائندے عبدالرحمن پژواک نے بعض دل آزار اور تلخ باتیں کی تھیں۔ برعظیم پاک و ہند اور افغانستان کے صدیوں پرانے تعلقات ہیں بلکہ اسلام اور اسلامی ہمسایہ ملک ہونے کے ناطے سے ان تعلقات پر صدیوں تک دونوں ملک ایک دوسرے پر نازاں تھے۔ یہی نہیں بلکہ تاریخ میں متعدد ادوار میں افغانستان کا بیشتر حصہ اور برعظیم پاک و ہند کی اسلامی حکومت ایک ہی مسلمان حکمران کے تابع رہی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ دونوں ممالک نے اکثر ادوار میں ایک دوسرے کی بہت مدد کی ہے اور یہ

Marfat.com

سب کچھ اسلام اور اسلامی ملک کے حوالے سے ہوتا رہا۔ افغانستان کے ساتھ پاکستان کے نہایت مستحکم اور برادرانہ تعلقات استوار رہے ہیں، لیکن دورِ جدید میں جب استعماری قوتوں خصوصاً سُرخ استعمار نے خطۂ افغانستان کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنا شروع کیا تو اس وقت سے ہمارے ساتھ افغانستان کی حکومتوں کے تعلقات رفتہ رفتہ کشیدہ ہونے لگے، لیکن اس صورت حال کے باوجود پاکستان نے اپنے اس پڑوسی اسلامی ملک سے دوستی کا کبھی کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔

افغانستان کے حکمرانوں نے پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد ہمیشہ پاکستان کے ساتھ کسی نہ کسی حد تک معاندانہ رویہ ہی اختیار کئے رکھا ہے بلکہ نام نہاد پختونستان کا مسئلہ کھڑا کر کے پاکستان کے چین کو برباد رکھا ہے۔ افغانستان کے اکثر حکمرانوں نے پاکستان کے ساتھ ایک طرح کا احتجاج بھرا رویہ ہی برقرار رکھا ہے لیکن پاکستان نے ایک برادر اسلامی ملک ہونے کے ناطے افغانستان کے ساتھ بہتر سلوک کر کے بہتری اور بھلائی کی توقع وابستہ رکھی ہے۔ افغانستان کے آنجہانی حکمران سردار محمد ظاہر شاہ نے بھی اپنے دورِ حکومت میں پاکستان کے ساتھ نہایت عمومی اور برائے نام سے تعلقات رکھے، لیکن ان کی وفات کے بعد سردار داؤد خاں نے پھر سے پاکستان دشمنی اور مخالفت کو روا رکھا اور ان کے بعد جب رفتہ رفتہ افغانستان میں سُرخ سامراج سوویت روس کا بالواسطہ تسلّط بڑھنے لگا تو پھر بعد کے حکمرانوں نے ان تعلقات کو خوشگوار نہ ہونے دیا۔

۱۹۷۹ء میں تو سوویت روس نے براہِ راست افغانستان کے معاملات میں مداخلت کرنی شروع کر دی تھی۔ گو صدر حفیظ اللہ امین نے ایک عبوری عہد میں کسی حد تک ملکی اندرونی معاملات پر توجہ دینی چاہی، لیکن اس کے بعد جب

Marfat.com

"افغانستان میں سوویت روس کی فوجی مداخلت کا باضابطہ آغاز ہوا تو وہاں پر روسی سنگینوں کے سائے میں ایک کٹھ پتلی حکومت معرض وجود میں آئی" اس کے بعد ببرک کارمل نے افغانستان کے نام نہاد سربراہِ مملکت کے طور پر اپنی ذمے داریاں سنبھال لیں، لیکن اسے سہارا دینے کے لئے سوویت روس پوری حمایت اور اعانت کرتا رہا۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ ببرک کارمل کے ذریعے سوویت روس ہی افغانستان پر مکمل طور پر حاوی ہے۔

سوویت روس کی کارروائیوں کا دائرہ محض افغانستان ہی تک محدود نہیں رہا بلکہ انہوں نے پاکستانی سرحدوں پر بھی دستک دینی شروع کر دی اور پھر کابل حکمرانوں نے بار بار پاکستانی حدود کی خلاف ورزی بھی کرنی شروع کر دی۔ افغانستان میں روسی مداخلت کے خلاف افغان باشندوں کی بڑی تعداد نے ہتھیار سنبھال لئے۔ جو لوگ لڑنے کی استطاعت نہیں رکھتے وہ پاکستان اور ایران میں ہجرت کر چکے ہیں۔ پاکستان میں اس وقت تک افغان مہاجرین کی تعداد تیس لاکھ سے زائد ہے۔ پانچ لاکھ کی تعداد میں افغان مہاجرین ایران میں ہجرت کر کے جا چکے ہیں۔ یہ افغان مہاجرین پاکستان کی اقتصادی حالت پر بہت اثر انداز ہو رہے ہیں اور حکومت کو ان کی آبادکاری کے لئے بھی کئی طرح کے منصوبے بنانے پڑے۔

"کراچی چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے صدر کے بیان کے مطابق ایران اور افغانستان کے بارڈر سے اسمگلنگ کی رفتار میں اضافہ ہو گیا ہے"۔ یہی نہیں اس کے علاوہ بھی مال بردار ٹرک کئی طرح کی منفی سرگرمیوں کا موجب بنتے ہیں۔ حکومتِ پاکستان افغان مہاجرین کی آبادکاری پر خصوصی توجہ دے رہی ہے۔ ایک سو خاندانوں کی ایک گروپ تحصیل عیسےٰ خیل میں آباد کیا جا چکا ہے۔ عیسیٰ خیل

Marfat.com

میں ایک لاکھ مہاجرین کو لبسانے کا پروگرام ہے۔ عیسیٰ خیل میں اب تک مہاجرین کو پچاس ہزار کی تعداد میں لبسایا جا چکا ہے۔

افغانستان کی صورتِ حال میں خشکی کے راستے سے پاکستانی برآمدات کو بھی ایک محسوس حد تک دھچکا لگا ہے۔ اسی طرح ایران کی سیاسی صورت حال نے پاکستانی برآمدات کو بھی نقصان پہنچایا ہے۔ اس لحاظ سے زمین کے راستے سے پاکستان اور ترکی کی برآمدات مکمل طور پر ختم ہو گئی ہیں۔ گو پاکستان میں افغان مہاجرین کا وجود یہاں کی معیشت پر کئی حوالوں سے ایک بھاری بوجھ ہے۔ بہر صورت حکومتِ پاکستان اسلام کے ناطے سے ان کے ساتھ بھرپور ہمدردی اور بہتر سلوک سے پیش آ رہی ہے۔

افغانستان سے آنے والے ان مہاجرین کے ساتھ پاکستان اسلامی روایات کے مطابق برتاؤ کر رہا ہے۔ یہ افغان مہاجرین اپنے ملک میں سرخ سامراج کی کارروائیوں سے تنگ آ کر پاکستان میں پہنچ رہے ہیں۔ گو پاکستان اپنے وسائل کے مطابق افغان مہاجرین کی خوراک اور رہائش کا بندوبست کر رہا ہے اور بقول صدر پاکستان ہمارے پاکستانی بھائی اپنے افغان مہاجرین بھائیوں سے انصار اور قریش کے سے جذبوں کے ساتھ ان کی ہر ممکن مدد کر رہے ہیں۔ پاکستان کے بعض دوست ممالک بھی ان افغان مہاجرین کی ضروریات اور اخراجات پورے کرنے کے لئے مدد کر رہے ہیں۔

پاکستان اور پاکستان کے مسلمانوں کے افغان مہاجرین کے بارے میں ان جذبات اور قربانیوں کے باوجود افغانستان کی حکومت ہمیشہ پاکستان دشمنی کرتی رہی ہے، بلکہ افغانستان میں پاکستان کے خلاف بہت کام ہو رہا ہے، یہی نہیں بلکہ افغانستان نے پاکستان کے خلاف دہشت گردوں کا ایک گروپ تشکیل دے کر

Marfat.com

اس کی سرپرستی بھی سنبھال رکھی ہے۔ وہ دہشت پسند گروپ پاکستان کو بار بار نقصان پہنچانے پر تیار رہتا ہے۔ ۲ر مارچ ۱۹۸۱ء کو جب پی آئی اے کے ایک بوئنگ طیارے کو اسی گروپ کے دہشت پسند اغوا کر کے کابل لے گئے، تو ان دہشت پسندوں کی حکومت کابل نے بے پناہ سرپرستی بھی کی اور انہیں بجا طور پر مسلح بھی کر دیا تھا۔ پھر اس طیارے میں سوار قریباً ایک سو پچیس مسافروں کو تیرہ دن تک حیات و ممات کی کش مکش میں مبتلا رکھنے میں بھی کابل حکومت کی تائید و سرپرستی حاصل تھی، لیکن حکومت پاکستان نے مشروط طور پر دہشت پسندوں کے مطالبات مان کر طیارے کے مسافروں کو واگزار کروا لیا تھا۔

آج افغانستان کا مسئلہ پاکستان کے لئے سوہانِ روح بنا ہوا ہے۔ قریباً ہر تیسرے روز افغان حملہ آور طیارے پاکستانی سرحدوں کی خلاف ورزیاں کر کے جانی و مالی نقصان پہنچا رہے ہیں۔ گاہے بگاہے روسی طیارے بھی سرحدی خلاف ورزیوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ افغانستان کی حکومت اور سوویت روس برسوں سے پاکستان کو موردِ الزام ٹھہرا رہے ہیں کہ پاکستان افغان مجاہدین کی تربیت اور ان کی سرپرستی کرنے میں ملوث ہے، لیکن پاکستان کی حکومت اس حوالے سے مختلف کانفرنسوں اور عالمی میٹنگوں میں بھی اس ضمن میں اپنی صفائی پیش کر چکا ہے۔ پاکستان افغانستان کے اس مسئلے کے سیاسی حل اور افغانستان کی مستقل و غیر جانبدار حیثیت کا خواہشمند ہے۔ پاکستان نے افغانستان کے اندرونی معاملات میں کسی طرح کی مداخلت میں اپنے آپ کو کبھی ملوث نہیں رکھا۔ لیکن پاکستان اب تیس لاکھ افغان مہاجرین کی پاکستان میں موجودگی پر افغانستان سے روسی فوجوں کی جلد واپسی کا متمنی ہے تاکہ افغان مہاجرین بھی باعزت طور پر اپنے ملک واپس جا سکیں۔ پاکستان نے دنیا بھر میں محکوم اقوام کے حق خود ارادی

Marfat.com

کی پرزور حمایت کی ہے۔ نوآبادیاتی نظام کے خلاف جدوجہد کرنے والوں کی ہمت افزائی اور نسلی امتیاز برتنے والوں کی حوصلہ شکنی کرنے میں پاکستان پیش پیش رہا ہے۔"

افغانستان کے مسئلے کے حل کے لئے پاکستان کا موقف یہ ہے کہ:۔

(۱) افغانستان سے غیر ملکی فوجیں غیر مشروط طور پر واپس جائیں۔

(۲) ایسے پُرامن حالات پیدا کئے جائیں کہ افغان مہاجرین باعزت طور پر اپنے ملک واپس جاسکیں۔

(۳) افغانستان کے باشندے کسی بیرونی تسلط کے بغیر جمہوری طور پر اپنے اندرونی معاملات کا فیصلہ کرسکیں۔

(۴) افغانستان کی آزادی، خودمختاری اور علاقائی سالمیت کا احترام کیا جائے۔ اس کے اندرونی معاملات میں کوئی بیرونی مداخلت نہ کی جائے۔

(۵) افغانستان میں مستحکم اور پُرامن حالات پیدا کئے جائیں۔

مجلسِ شوریٰ کا قیام

گو ملک کا بہتر طور پر نظم ونسق چلانے کے لئے جنرل محمد ضیاءالحق نے ۱۹۸۰ء میں پہلی قومی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی، اس قومی حکومت میں مسلم لیگ نے ایک متحدہ جماعت کے طور پر شرکت کی تھی لیکن وہ قومی حکومت زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی۔ بمشکل اس وزارت نے ایک سال تک بھی کام نہ کیا کہ دوبارہ فوجی حکومت کا غلبہ ہوگیا۔ پھر ۱۹۸۱ء میں صدر ضیاءالحق نے دوبارہ وفاقی کابینہ قائم کی۔ اور اس کابینہ میں نئے لوگوں کو بھی شامل کیا گیا۔ اس کے علاوہ ۱۹۸۱ء ہی میں ملک میں پہلی بار ایک مؤثر مجلسِ شوریٰ قائم کی گئی۔ مجلسِ شوریٰ کے تمام ممبران

Marfat.com

نامزد کئے گئے تھے۔ ان میں علماء، دانشور، صحافی ادیب، ماہرین تعلیم واقتصادیات اور زندگی کے دیگر شعبوں کے افراد کو بھی نامزد کیا گیا تھا۔ اس مجلس شوریٰ کی گو آئین ساز اسمبلی کی حیثیت نہیں تھی لیکن اس کے باوجود بھی صدر کی سفارشات اور تجاویز پر اسے تنقید و تنقیص کا اختیار حاصل تھا۔ یہی مجلس شوریٰ صدر کی سفارشات پر مباحث کر کے توثیق و تائید کرتی ہے۔ اس مجلس کے چیئرمین خواجہ صفدر مقرر ہوتے تھے۔

مجلس شوریٰ کی کارکردگی سے عیاں ہے کہ مجلس شوریٰ نے برملا اختلاف بھی کیا ہے۔ اس اعتبار سے مجلس شوریٰ کا کردار اہم اور مؤثر ہے۔

کونسلروں کا انتخاب

یونین کونسلز کی سطح پر نظام حکومت اور انتظامات میں شرکت کے لئے صدر جنرل ضیاء الحق نے پہلے ۱۹۸۱ء میں انتخابات کرائے۔ ان کونسلروں کے انتخابات میں لوگوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنی پسند کے نمائندے منتخب کئے۔ انہی کونسلرز میں سے کونسلز کے چیئرمین تحصیل، ضلعی اور صوبائی سطح پر بھی چنے گئے۔ کئی ایک وزراء بھی انہی کونسلرز ہی میں سے چنے گئے۔ کونسلرز میں ایک محدود تعداد میں ماہرین زراعت اور ماہرین معاشیات کو بھی کونسلر نامزد کیا گیا۔ یہ نامزدگی دیگر کونسلروں ہی نے تجویز کی۔ کونسلرز کے دوسرے انتخابات ۱۹۸۴ء میں منعقد ہوتے۔

نظام صلوٰۃ کا نفاذ

۱۴ اگست ۱۹۸۴ء کو سینتیسویں یوم آزادی کے موقع پر صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے ملک میں نظام صلوٰۃ کے نفاذ کا اعلان کیا اور ناظمین صلوٰۃ کے

Marfat.com

ذریعے ایک انقلاب آفریں اقدام کا آغاز کیا۔ اس طرح ہر گلی، محلے، گاؤں اور آبادی میں ناظمین صلوٰۃ کا، ان لوگوں کی دینی اور مذہبی بنیادوں پر نامزدگی کا اعلان کیا گیا۔ ان ناظمین صلوٰۃ سے یہ درخواست کی گئی کہ وہ لوگوں کو اپنے رب کے آگے جھکنے اور مسنون طریق پر قیامِ صلوٰۃ کے لئے بلائیں اور وہ لوگوں میں ادائے صلوٰۃ کا شوق اور جذبہ پیدا کرنے کے لئے کام کریں۔ یہ نفاذ ایک رضاکارانہ اور غیر جبری اہمیت کا تھا، لیکن چونکہ اس میں اسلام کے ایک نہایت اہم اور بنیادی فرض کی بجاآوری کا امری فرض شامل تھا۔ اس لئے لوگوں نے اسے برضا و رغبت اور بخوشی قبول کیا اور صدر پاکستان کی اس دعوت پر مسلمانانِ پاکستان نے گروہ در گروہ "حیّ علی الصلوٰۃ" کی آواز پر فریضہ دین ادا کرنے پر زیادہ سے زیادہ توجہ دینی شروع کر دی ہے۔

ناظم صلوٰۃ کا عہدہ سراسر ایک اعزازی اور رضاکارانہ عہدہ ہے۔ اس کیلئے یہ ضروری قرار دیا گیا کہ وہ زبانی یا تحریری طور پر لوگوں کو صلوٰۃ قائم کرنے کی تلقین کرے۔ ناظم صلوٰۃ اس ضمن میں ہر ماہ اپنی سرگرمیوں کی رپورٹ بھجوانے کا پابند قرار دیا گیا۔ مختلف امور میں ناظمین صلوٰۃ کی مدد اور اعانت کے لئے کونسلروں اور سرکاری ملازمین کو بھی ہمہ وقت تیار رہنے کی ہدایت کی جا چکی ہے۔

گو نظامِ صلوٰۃ کا نفاذ ایک فوجی کارروائی کے سے انداز میں کیا گیا۔ لیکن درحقیقت یہ ایک سادہ سا نظام ہے۔ یہ قطعاً کوئی سیاسی اقدام بھی نہیں ہے، البتہ اسے دینی اقدام ضرور کہا جا سکتا ہے کیونکہ صلوٰۃ کی تلقین کرنا ہر مسلمان کا فرض بھی بنتا ہے۔ ناظم الصلوٰۃ کی رپورٹوں اور ناظمینِ صلوٰۃ کی دینی تبلیغی سرگرمیوں سے واضح ہو رہا ہے کہ اس نظامِ صلوٰۃ کی بدولت ملک میں سجدہ گزاروں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔

Marfat.com

اسلامی قانون شہادت

ملک میں نظامِ عدل کے نفاذ کے کما حقہٗ تقاضے پورے کرنے کے لئے ملک میں ہمہ پہلو عدالتی تبدیلیوں کی ضرورت تھی۔ لہٰذا ان میں سب سے اہم اسلامی قانونِ شہادت تھا۔ اس سے پیشتر ملک میں جو قانون شہادت نافذ تھا۔ وہ پرانے نوآبادیاتی نظام سے ورثے میں ملا تھا، لہٰذا ایک صدارتی حکم نامے کے ذریعے ۱۹۸۴ء میں اسلامی قانونِ شہادت نافذ کر دیا گیا۔ اس قانون کے نفاذ میں ایک طرف تو اسلام کے احکام کو ملحوظِ خاطر رکھا گیا اور اس کے ساتھ ہی جدید دور کے تقاضوں کو بھی پیش نظر رکھا گیا۔ اس اسلامی قانونِ شہادت کی وفاقی کابینہ، اسلامی نظریاتی کونسل اور مجلس شوریٰ سے بھی منظوری اور تائید حاصل کی گئی۔ اس نئے اسلامی قانونِ شہادت کے تحت تمام افراد کو عدالت کے سامنے گواہی دینے کا اہل قرار دے دیا گیا۔ ہر معاملے میں گواہ کی اہلیت کا تعین قرآن و سنت کی روشنی میں کرنا ضروری قرار دیا گیا۔ نئے قانون کے تحت کسی مجنوں شخص کو گواہی دینے سے نااہل سمجھا گیا۔

اس قانون کا نفاذ فوری طور پر ان معاملات پر کر دیا گیا کہ جو کسی بھی عدالت کورٹ، مارشل لا یا عدالتی ادارے میں زیر سماعت تھے۔ اس نئے قانونِ شہادت سے ملک میں اسلام کا نظامِ عدل نافذ کرنے کی راہیں بہت حد تک ہموار ہو رہی ہیں۔

ریفرنڈم

صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق نے ملک میں نفاذِ اسلام کے لئے جن کوششوں

Marfat.com

اور منصوبوں کا آغاز کر رکھا ہے، اس عمل کو تسلسل کے ساتھ جاری رکھنے کے لئے جنرل ضیاء الحق نے لوگوں کی رائے اور تائید حاصل کرنے کی خاطر ملک میں ریفرنڈم کرانے کا اعلان کیا۔ صدر پاکستان نے نظام اسلام کے نفاذ کے عمل کو جاری وساری رکھنے کے لئے یکم دسمبر ۱۹۸۴ء کو ایک اعلان میں کہا کہ اس مقصد کے لئے ملک میں ریفرنڈم کرایا جائے گا۔ ملک کی سیاسی صورت حال کو بہتر بنانے اور ملک کے اندر اسلامی جمہوری نظام کے نفاذ کے لئے صدر ضیاء الحق نے ۱۲ اگست ۱۹۸۳ء کو اس سے پیشتر بھی اعلان کر دیا تھا کہ ملک میں اسلامی جمہوری نظام قائم کرنے کے لئے دو مرحلوں میں انتخابات کرائے جائیں گے۔ پہلے مرحلے میں بلدیاتی انتخابات ہوں گے۔ اور دوسرے مرحلے میں قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے ساتھ ساتھ سینیٹ کے انتخابات ہوں گے۔ ان سب انتخابات کا سارا عمل ۲۳ مارچ ۱۹۸۵ء تک مکمل ہو جائے گا۔ اس کے بعد جب جمہوری حکومت قائم ہو جائے گی تو مارشل لا اٹھا لیا جائے گا۔

اسی تقریر میں صدر پاکستان نے کہا تھا کہ انتخابات سے پہلے ۱۹۷۳ء کے آئین میں دو طرح کی ترامیم کی جائیں گی۔ ایک قسم کی ترمیم کا مقصد صدر اور وزیر اعظم کے اختیارات میں توازن پیدا کرنا ہوگا اور دوسری قسم کی ترمیم مدعا اسلام کو مذکورہ آئین کے پیش لفظ تک محدود رکھنے کے بجائے آئین کے متن میں داخل کر دیا جائے گا۔

لہٰذا اس وعدے کی بجا آوری کے لئے صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے سب سے پہلے ملک میں ۱۹ دسمبر ۱۹۸۴ء کو ریفرنڈم منعقد کرانے کا اہتمام کیا۔

اس ریفرنڈم میں لوگوں سے یہ دریافت کیا گیا کہ :۔

"کیا آپ صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کے اس عمل کی تائید کرتے ہیں جو انہوں نے پاکستان کے قوانین کو قرآن حکیم اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اسلامی احکامات سے ہم آہنگ

Marfat.com

کرنے اور نظریہ پاکستان کے تحفظ کے لئے شروع کیا ہے اور کیا آپ اس عمل کو جاری رکھنے، مزید استوار کرنے اور منظم اور پُرامن طریقہ سے اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کو منتقل کرنے کی حمایت کرتے ہیں "

اس مسئلے پر رائے دہندگان کو 'ہاں' یا 'نہ' میں جواب دینے کے لئے کہا گیا۔ لہٰذا اس کے سوال و جواب میں اسلامی جمہوری نظام کے نفاذ کے حامیوں نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ یہ ریفرنڈم بھی بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ہوا۔ ملک میں تین کروڑ اڑتالیس لاکھ ووٹروں کی تعداد تھی۔ ساٹھ فی صد سے زائد لوگوں نے ووٹ ڈالا اور ان ووٹ ڈالنے والوں میں سے ۹۷ء۱۷ فی صد لوگوں کا جواب 'ہاں' میں تھا۔ لہٰذا لوگوں کی اس بھاری اکثریت کی ہاں نے یہ ثابت کر دیا کہ انہیں اسلام اور اسلامی جمہوری نظام کے نفاذ سے بے پناہ محبت ہے اور وہ اسی نظام کو نافذ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی بھرپور اور پُرزور تائید کرتے ہیں۔ لوگوں نے اس ریفرنڈم میں پُرجوش انداز میں حصّہ لیا۔ اس ریفرنڈم نے ایک جانب تو جنرل محمد ضیاالحق کی پچھلے سات برسوں کی پالیسیوں اور ان کی کوششوں کی تائید کر دی اور دوسری طرف آئندہ برسوں میں اسلامی جمہوری نظام کو جاری رکھنے، استوار کرنے اور منظم اور پُرامن طور پر اقتدار عوام کے منتخبہ نمائندوں کو جلد از جلد منتقل کرنے کی بھی حمایت کر دی، لہٰذا اس اثنا میں صدرِ پاکستان جنرل ضیاالحق نے اسلامی جمہوری نظام کے نفاذ کے لئے جو ضروری اقدام اپنائے اور ان پر عمل درآمد کرایا لوگوں نے ان پر بھی اپنی تائید و حمایت کی مہر ثبت کر دی۔ لوگوں نے صدر پاکستان پر اپنے اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے ان کی دیگر تمام کوششوں کو بھی سراہا کہ جن کے تحت پاکستان کا سیاسی نظام شرافت اور امن سے ہمکنار ہوا ہے۔

پچھلے سات برسوں میں زرعی اور صنعتی پیداوار میں ملکی سطح پر جو ترقی ہوئی ہے

Marfat.com

اسے لوگوں نے بجا طور پر سراہا۔ اس مقصد کے لئے ملک کے محنت کش، مزدور اور کاشت کار مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ملک کو خوراک کے معاملے میں پہلی بار خود کفالت کی نعمت سے فیض یاب کیا۔ اسی دوران میں برآمدات میں خاطر خواہ اضافہ ہوا اور ملک میں زرمبادلہ کے ذخائر بڑھے ہیں۔ ملک مجموعی طور پر بھی خوشحالی سے ہمکنار ہوا ہے۔ حکومت اور سیاست کو شرافت کے قرینے میسّر آئے اور ملکی دفاع بھی مستحکم ہوا۔ امید کی جاتی ہے کہ یہ ترقی اور اسلامی جمہوری نظام کے نفاذ کا عمل بدستور جاری و ساری رہے گا۔

آئین ۱۹۷۳ء میں ترامیم

جنرل محمد ضیاؔ الحق نے اپنی یکم دسمبر ۱۹۸۴ء کی تقریر میں صدر اور وزیر اعظم کے اختیارات میں توازن پیدا کرنے اور اسلام کو مذکورہ آئین میں مناسب مقام دینے کے لئے ترامیم کا اعلان بھی کیا۔ اس حوالے سے صدر پاکستان نے ۱۹۴۹ء کی قرار دادِ مقاصد کو ۱۹۷۳ء کے آئین کا دیباچہ بننے کے بجائے متن کا حصّہ قرار دے دیا۔ ۱۲ر مارچ ۱۹۴۹ء کو آئین پاکستان کے لئے جس قرار دادِ مقاصد کو منظور کیا گیا اس کا خلاصہ یہ تھا کہ :۔

"اللہ تعالیٰ ہی کل کائنات کا بلا شرکتِ غیرے حاکم مطلق ہے۔ ہر طرح کے حقوق اور اختیارات کی حکمرانی بھی اللہ کی جانب سے ہے۔ جملہ حقوق و اختیارات حکمرانیِ جمہور کے منتخب نمائندوں کے ذریعے استعمال ہوں گے اور ملک میں اصولِ جمہوریت و حریت و مساوات اور رواداری اور عدل کو ملحوظ رکھا جائے گا۔ ملک کے آئین میں بنیادی حقوق کے تحفظ کی ضمانت دی جائے گی۔ اقلیتوں اور پسماندہ طبقوں

Marfat.com

کے حقوق کی حفاظت کی جائے گی۔ مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ انفرادی اور اجتماعی شعبہ ہائے حیات میں ان اسلامی تعلیمات و اقتضائے اسلامی کے مطابق جو قرآن کریم اور سنت میں موجود ہیں، اپنی زندگی کو ڈھال سکیں۔"

صدر پاکستان نے آئین میں جن ترامیم کا ذکر کیا، ان کے بارے میں یہ بھی بتادیا گیا کہ اگر منتخبہ اسمبلی ضروری سمجھے گی تو وہ ان ترامیم کو کالعدم بھی قرار دے سکے گی لیکن ماہرین نے آئین میں ان ترامیم کے حوالے سے بتایا کہ یہ ترامیم مؤثر ہیں اور ان کی بدولت واقعی صدر اور وزیر اعظم کے اختیارات میں ایک خوشگوار تعاون پیدا ہو جائے گا۔

انتخابات ۱۹۸۵ء

۱۲ راگست ۱۹۸۳ء کے سیاسی منصوبے کے تحت یہ طے پا گیا تھا کہ ملک میں دو مرحلوں میں انتخاباتِ عام منعقد کرانے کے بعد بہر صورت ۲۳ رمارچ ۱۹۸۵ء تک اقتدار عوامی منتخبہ نمائندوں کو سونپ دیا جائے گا اور مارشل لا بھی اٹھا لیا جائے گا۔ گو ۱۹۸۳ء سے پیشتر بھی دو ایک بار صدرِ پاکستان جنرل ضیاء الحق نے ملک میں عام انتخابات منعقد کرنے کے لئے صلاح مشورہ کیا تھا لیکن سیاسی جماعتوں نے ان میں حصہ لینے پر رضامندی کا اظہار نہیں کیا تھا بلکہ اپنا نام بھی رجسٹر کرانے سے گریز کیا تھا۔ بہر صورت جب ملک میں صدر ضیاء الحق کی صدارتی خدمات اور اسلامی جمہوری نظام کے عمل کو جاری رکھنے اور اقتدار عوام کے منتخب کردہ نمائندوں کو منتقل کرنے پر اکثریت نے رائے دے دی تو پھر اعلان کیا گیا کہ ملک میں عام انتخابات ۲۵ رفروری ۱۹۸۵ء کو مرکزی اور ۲۸ رفروری ۱۹۸۵ء کو صوبائی

Marfat.com

اسمبلیوں کے ہوں گے۔

ان تاریخوں کے اعلان سے پیشتر انتخابی قوانین میں بھی ترامیم کر دی گئی تھیں۔ ان ترامیم کے حوالے سے یہ پیشِ نظر رکھا گیا تھا کہ انتخابات بذاتِ خود ایک مقصد کا حصول ثابت ہوں۔ لہٰذا انتخابات کی راہ میں حائل ہونے والی قانونی مشکلات کو ختم کر دیا گیا۔ انتخابی فہرستوں کا قانون مجریہ ۱۹۷۴ء، انتخابی حلقہ بندیوں کا قانون مجریہ ۱۹۷۴ء عوام کی نمائندگی کا قانون مجریہ ۱۹۷۶ء الیکشن کمیشن آرڈر مجریہ ۱۹۷۷ء پارلیمنٹ کے ایوانوں اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کی بنیاد کا حکم مجریہ ۱۹۷۹ء میں مناسب اور موثر ترامیم کر دی گئیں۔ اس طرح انتخابات کے حوالے سے بھی ایک طرف تحریکِ پاکستان کی ایک بنیاد فراہم کر دی گئی اور دوسری جانب پاکستان کی اقلیتوں کے حقوق کو بھی مزید تحفظ دینے کے تقاضے پورے کر دیئے گئے۔ ان انتخابی قوانین کی ترامیم میں یہ بھی شامل کر دیا گیا کہ الیکشن کمیشن انتخابی حلقوں کی قطعی فہرست میں حسبِ ضرورت ترمیم کر سکتا ہے۔ ایک اور اہم ترمیم کے ذریعے یہ ضروری قرار دے دیا گیا کہ کسی انتخابی امیدوار کا پولنگ ایجنٹ خود بھی اسی انتخابی حلقے کا ووٹر ہو جس میں اسے یہ ذمہ داری سونپی گئی ہے۔

لہٰذا ۲۵، اور ۲۹ فروری ۱۹۸۵ء کو مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات منعقد ہوئے۔ یہ انتخابات جماعتی بنیادوں پر ہوئے۔ ان انتخابات میں لوگوں نے بالغ رائے دہی کی بنیاد پر اپنے ووٹ کا حق استعمال کیا اور اسمبلیوں میں اپنی پسند کے نمائندے بھجوائے۔

انتقالِ اقتدار

صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے ۲۳ مارچ ۱۹۸۵ء کو حسبِ وعدہ عوام کے

Marfat.com

منتخب نمائندوں کو اقتدار منتقل کر دیا۔ اس طرح تمام ذمہ داریاں پاکستان کے نئے وزیر اعظم محمد خاں جونیجو کو سونپ دی گئیں۔ اس طرح قریباً آٹھ سال کے بعد سول حکومت بحال ہو گئی۔ وزارتِ عظمیٰ کا قلمدان محمد خاں جونیجو کے سپرد کر دیا گیا اور صدر کا عہدہ جنرل محمد ضیاء الحق کے پاس رہا کیونکہ اس سلسلے میں ۱۹ر دسمبر ۱۹۸۴ء کے ریفرنڈم میں عوام نے اکثریتی رائے سے یہ فیصلہ دے دیا تھا اور ۲۳ر مارچ ۱۹۸۵ء سے آمدہ پانچ برسوں کے لئے جنرل محمد ضیاء الحق پر اپنے اعتماد کا اظہار کیا تھا۔ آئین کی ترامیم کے تحت صدرِ پاکستان اور وزیر اعظم کے اختیارات میں توازن پیدا کیا جا چکا ہے۔ اسی طرح ایک اعلیٰ اختیاراتی سیکیورٹی کونسل بھی بنائی جا چکی ہے۔

ملک کے تمام قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے نمائندوں اور سینیٹ کے اراکین نے اپنا اپنا کام شروع کر دیا ہے، اس طرح ملک میں جمہوریت کے نئے دور کا باضابطہ طور پر آغاز ہو گیا ہے۔ ملک بلاشبہ جمہوریت اور انتخابات کی منزل سے کامران ہو گیا ہے اور آٹھ سال بعد عوام کے اعتماد کے حامل ادارے وجود میں آ گئے ہیں۔ کیونکہ اب ملک کے بے شمار مسائل، اندرونی اور بیرونی معاملات، آئینی ترامیم کی توثیق و تردید، سیاسی جماعتوں کی بحالی اور سیاسی سرگرمیوں کی ضرورت، کسی طرح کی حزب اختلاف اہمیت وغیرہ کے تمام مسائل ارکانِ اسمبلی اور وزیر اعظم کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ اس لئے توقع کی جاتی ہے کہ قومی اسمبلی میں اس ضمن میں جلد ہی ایک مثبت اور واضح لائحہ عمل اختیار کیا جا سکے گا۔

(مارچ ۱۹۸۵ء)

Marfat.com

BIBLIOGRAPHY

1. AN ILLUSTRATED HISTORY OF PAKISTAN (I & II)
   by – J. Hussain, Karachi (1983).

2. A STUDY OF INDIAN HISTORY (Ancient & Medieval),
   by – Prof. K. L. Verma, Lahore.

3. AMEER ALI – His life and work,
   by – K. K. Aziz, Lahore (1968).

4. A STUDY OF QUAID-E-AZAM (GREEN TITAN),
   by – Ahmad Saeed, Lahore.

5. Akbar Nama (3 Vol.)
   by – Abul Fazal, Lahore.

6. ALBERUNI's INDICA,
   by – Dr. E. C. Sachau, Lahore.

7 A DUTCH CHORONICLE OF MUGHAL INDIA,
   by – Brij Narian, Lahore.

8. A NARRATIVE OF EVENTS IN CHITRAL, SWAT AND BAJOUR,
   by –H. C. Thomson, I ahore.

9. IMPERIAL GAZETTI ER – Afghanistan & Nepal,
   Lahore.

10. BIRTH OF PAKISTAN,
    by – Dr. Sachin Sen, Lahore (1978).

11. BANNU OUR AFGHAN FRONTIER,
    by – S. S. Thorburn, Lahore.

12. CREATION OF PAKISTAN,
    by – Justice Syed Shamim Hussain Kadri, Lahore (1983).

13. CAMPAIGN ON THE NORTH WEST FRONTIER,
    by – H. L. Nevile, Lahore.

14. HISTORY OF PAKISTAN (Past & Present),
    by – Qamar Abbas, Lahore.

15. History of Pakistan,
    by – M. A. Aziz, Lahore.

16. ISLAMIC CULTURE (Vol. I - XI)
    Lahore.

Marfat.com

17. TRIBUTES TO QUAID–E–AZAM,
By – Muhammad Hanif Shahid, Lahore.

18. QUAID–E–AZAM MUHAMMAD ALI JINNAH, (Speeches, Statements. Writings. Letters etc).

19. HISTORY OF THE RISE OF THE MOHAMEDEN POWER IN INDIA (AN AUTHENTIC ENGLISH TRANSLATION OF TARIKH–I–FARISHTAH BY JHON BRIGGS),
by – Muhammad Qasim Farishta, Lahore.

20. MEDIEVAL INDIA UNDER MOHAMMEDEN RULES (AD 712–1764)
by – Stanley Lane Pool, Lahore.

21. SELECTIONS FROM JOURNAL OF PUNJAB HISTORICAL SOCIETY. (Mughal India & Misc.(, Lahore.

22. THE RELIGIOUS POLICY OF MUGHAL INDIA,
by – Sri Ram Shrma. Lahore.

23. IMPERIAL GAZETTER OF INDIA, NORTH WEST FRONTIER PROVINCE OF INDIA,Lahore.

24. THE EVOLUTION OF NORTH WEST FRONTIER PROVINCE
by – D. C. Obhrai, Lahore.

25. LATER MUGHAL HISTORY OF THE PUNJAB,
by – Hari Ram Gupta, Lahore.

26. PAKISTAN AND INDIAN HERITAGE,
by – Ikram Azam, Lahore (1983)

27. NEW HISTORY OF INDO–PAKISTAN,
by – K. Ali, Lahore (1980).

28. PROCCEDINGS OF THE FIRST CONGRESS OF PAKISTAN HISTORY AND CULTURE (Vol. I).
by – Prof. Ahmad Hasan Dani, Islamabad (1975).

29. HISTORICAL WRITINGS ON PAKISTAN, (Vol. II), Ed. Prof. Ahmad Hasan Dani, Islamabad, (1974),

30. THE QUEST FOR IDENTITY, (VOL. III) Ed. Dr. Waheed–uz–Zaman, Islamabad. (1974).

31. TOWARDS PAKISTAN,
by – Dr. Waheed – uz–Zaman, Lahore (1964).

32. MUSLIM CIVILIZATION IN INDIA AND PAKISTAN,
by – S. M. Ikram, Ed. S. A. Rashid, Lahore.

33. HISTORY OF THE FREEDOM MOVEMENT OF INDIA, R. C. Majumdar, Lahore.

Marfat.com

34. MULSIM NATIONALISM IN INDIA AND PAKISTAN,
by – Hafiz Malik.

35. MAKING OF PAKISTAN (A Study in Nationalism),
by – K. K. Aziz, London (1967).

36. THE STORY OF MUSLIM POLITICS,
by – M. Iqbal, Lahore (1982).

37. MAKING OF PAKISTAN,
by – Richard Symonds, Karachi (1966).

38. MUGHAL HINDUSTAN, CITIES AND INDUSTRIES (1556 – 1803),
by – Dr. Hamida Khatoon, (1974).

39. IDEOLOGICAL FUNDATIONS OF PAKISTAN,
by – Dr. Waheed Qureshi, Lahore (1982).

40. INDIA – ECONOMIC DEVELOPMENT IN 16th – 18th CENTURIES,
by – A. I. Chicherov, Lahore (1976).

41. EASSYS ON PAKISTAN,
by – Syed Iftikhar Ahmad, Lahore (1983).

42. LORD MINTO AND THE INDIAN NATIONALIST MOVEMENT,
by – Syed Razi Wasti, Lahore (1964).

43. QUAID – E – AZAM JINNAH,
By – G. Allana, Lahore.

44. QUAID – E – AZAM JINNAH (SPEECHES 1974 – 1948),
Islamabad.

45. MUHAMMAD ALI JINNAH (FOUNDER OF PAKISTAN),
by – Prof. Ziauddin Ahmad, Karachi.

46. SPEECHES AND STATEMENTS OF F. M. MUHAMMAD AYUB KHAN, Vol. VI, VII, VIII. Karachi.

47. STUDENTS ROLE IN THE FREEDOM MOVEMENT OF PAKISTAN,
by – Mukhtar Zaman, Karachi, (1978),

48. ENCYCLOPAEDIA BRITANICA.

49. ENCYCLOPAEDIA AMARICANA.

50. WEBSTER FAMILY ENCYCLOPAEDIA.

51. GLOBAL ENCYCLOPAEDIA.

Marfat.com

کتابیات، اردو

۱۔ پاکستان ناگزیر تھا، اشتیاق حسین قریشی۔ لاہور

۲۔ تاریخ مغربی پاکستان، رشید اختر ندوی۔ لاہور

۳۔ مارشل لاء سے مارشل لاء تک، نور احمد۔ لاہور

۴۔ اورنگ زیب، رشید اختر ندوی۔ لاہور

۵۔ پاکستان تعبیر و تعمیر، ڈاکٹر سید محمد عبداللہ۔ لاہور

۶۔ آزادی کی کہانی میری زبانی، عبدالرب نشتر۔ کراچی

۷۔ حکومت اور سیاست، محمد مجاہد فاروقی۔ لاہور

۸۔ آئین پاکستان، صفدر محمود۔ لاہور

۹۔ مسلم لیگ کا دورِ حکومت، صفدر محمود۔ لاہور

۱۰۔ مطالعہ پاکستان، صفدر محمود۔ لاہور

۱۱۔ مسئلہ کشمیر، ممتاز احمد۔ لاہور

۱۲۔ تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء، چودھری حبیب احمد لاہور

۱۳۔ سرسید احمد خاں کا سفرنامہ پنجاب، مرتبہ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی۔ لاہور

۱۴۔ مقالات سرسید (حصہ سوم) مرتبہ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی۔ لاہور

۱۵۔ مطالعہ پاکستان۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی۔ لاہور

Marfat.com

۱۶۔ مسلمانوں کا ایثار اور آزادی کی جنگ، عبدالوحید خاں۔ لاہور

۱۷۔ تحریکِ پاکستان اور آئین پاکستان، محمد مظفر مرزا۔ لاہور

۱۸۔ علامہ اقبال اور قائداعظم کے سیاسی نظریات، محمد حنیف شاہد۔ لاہور

۱۹۔ قائداعظم کا پیغام، سید قاسم محمود۔ لاہور

۲۰۔ اقبال کا سیاسی کارنامہ، محمد احمد خان۔ لاہور

۲۱۔ تاریخ سندھ، اعجاز الحق قدوسی۔ لاہور

۲۲۔ آبِ کوثر، شیخ محمد اکرام۔ لاہور

۲۳۔ رودِ کوثر، شیخ محمد اکرام۔ لاہور

۲۴۔ موجِ کوثر، شیخ محمد اکرام۔ لاہور

۲۵۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور

۲۶۔ تاریخ اسلام، ڈاکٹر حمید الدین۔ لاہور

۲۷۔ پاکستان منزل بہ منزل، محمد علی چراغ۔ لاہور

۲۸۔ قرارداد پاکستان۔ محمد علی چراغ۔ لاہور

۲۹۔ مطالعہ پاکستان۔ محمد علی چراغ۔ لاہور

۳۰۔ قائداعظم کے سہ وسال۔ محمد علی چراغ۔ لاہور

۳۱۔ تحریکِ پاکستان میں طلوعِ اسلام کا کردار، محمد علی چراغ (مقالہ لاہور)

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com